تنزیل من الرحمٰن الرحیم
تفسیر قرآن
تفسیر ماجدی
جلد ہفتم
toobaa-elibrary.blogspot.com
سورۃ ق - سورۃ الناس
از
مولانا عبدالماجد دریابادی
رحمۃ اللہ علیہ
مجلس نشریات قرآن

باجازت مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اور مخدومی حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی (ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

طبع اوّل - نظر ثانی شدہ

اضافہ وترمیم شدہ خود مترجم مرحوم

جدید ایڈیشن: از مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، انڈیا

نام کتاب	:	تفسیر قرآن (تفسیر ماجدی) جلد ہفتم
تصنیف	:	مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ
باہتمام	:	مولانا نذر الحفیظ ندوی
طباعت	:	شاہد پرنٹنگ پریس، ناظم آباد نمبرا
اشاعت	:	۲۰۱۴ء
ضخامت	:	۶۸۸ صفحات
فون	:	۳۶۶۰۱۸۱۷ - ۳۶۶۰۰۸۹۶

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریات قرآن

ا۔ کے ۳۰۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ٹ کراچی ۷۴۶۰۰

اسٹاکسٹ: مکتبہ ندوہ قاسم سینٹر اُردو بازار کراچی۔ فون نمبر: ۳۲۶۳۸۹۱۷

فہرست

(تفسیر ماجدی جلد ہفتم)

عرض ناشر

نحمده ونصلي على رسوله الكريم! أما بعد، فالحمد لله الذي بعزته وجلاله تتم الصالحات.

ساری تعریفیں اس ذاتِ واحد کے لیے ہیں جس کے فضل وکرم سے تفسیر ماجدی کا آخری حصہ نشر واشاعت کے قابل ہوگیا، اس طرح اللہ کے ایک مخلص بندے کا سفینہ طوفانوں میں رہتے ہوئے بھی ساحل سے ہم کنار ہوگیا۔ فالحمد لله على ذلك حمداً كثيراً طيباً مباركاً۔

مجلس نے جب اس بارِ امانت کو اٹھایا تو اس کے بانی صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے ہی اس عظیم الشان اور اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا تھا، نہ مجلس کے پاس مادی سرمایہ تھا اور نہ ہی اس کے پاس کوئی باقاعدہ علمی رفیق جو اس مسودے کو نشر واشاعت کے لائق بنادے، اس لیے کہ تفسیری مسودے کا بڑا حصہ شکستہ خط میں تھا، کچھ حصے ایسے بھی تھے جن کی تحریریں مٹ گئی تھیں، کچھ عبارتوں پر نمی کی وجہ سے روشنائی پھیل گئی تھی، کچھ اوراق گم ہوگئے تھے، نئے مسودے میں بہت سے اضافے تھے جو مولانا دریابادیؒ نے نئی تحقیقات اور جدید ترین معلومات کی روشنی میں کیے تھے، ان کو اپنی جگہ پر لگانا، نیز ان تمام جلدوں کو قرآن کی سات منزلوں پر تقسیم کر کے اشاعت کے قابل بنانا۔ یہ وہ اہم امور تھے جو ہمارے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے۔

ان مراحل کے علاوہ یہ بات بھی مجلس کے ذمہ داروں کے پیش نظر رہی کہ مولانا نے جن مصادر ومراجع کے حوالے دیے ہیں، ان کے صفحات کی تعیین اور اجزا کا بھی ذکر کیا جائے، اس طرح عربی عبارتوں کا موازنہ بھی ہو جائے گا۔ سب سے بڑھ کر کتاب کا انڈکس یا اشاریہ بھی مرتب کرنے کا منصوبہ ہمارے سامنے تھا، یہ قرآن کا معجزہ ہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ترکاوٹوں اور موانع کو محض اپنے خاص فضل وکرم سے دور فرمادیا، اس کے ایک مخلص بندے نے خاموشی سے محض رضائے الٰہی

کے جذبے سے سرمایہ مہیا کردیا، دوسرا فضل خاص یہ ہوا کہ اس کام کے لیے عزیز گرامی قدر مولوی مستقیم محتشم ندوی کو توفیق سے نوازا، انھوں نے پوری محنت ویکسوئی اور احتیاط اور انتہائی تحقیق وتدقیق سے کام لیا، اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنے کو انھوں نے وقف کردیا، نام کی خصوصیت نے ان کی مدد کی، اور صبر واستقامت سے اس دشوار گزار کام کو انجام تک پہنچایا، اس کو ہم توفیق الٰہی سے تعبیر کرسکتے ہیں کہ کتاب الٰہی کی خدمت ''اللہ اگر توفیق نہ دے، انسان کے بس کی بات نہیں''۔

جلد پنجم، ششم اور ہفتم کو جس طرح اپڈیٹ (واضح رہے کہ عزیزی مستقیم ندوی کو جب یہ کام سپرد کیا گیا تھا اس وقت تک چار جلدیں شائع ہوچکی تھیں) کرکے شائع کیا گیا ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتدائی چار جلدوں کو بھی اس طرز اور ترتیب کے مطابق کمپوٹرائز کرکے پورے قرآن مجید کی خدمت کی سعادت سے نوازے گا، تاکہ یہ تفسیر ایک ہی حجم اور رنگ میں شائع ہوسکے۔ وما ذلك على الله بعزيز.

قارئین کرام کی خدمت میں یہ تحفہ پیش کرتے ہوئے ہمیں ایسا محسوس ہورہا ہے کہ مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کی روح مسرور ہورہی ہوگی، مجلس کے بانی صدر کی روح فرحت وشادمانی سے لبریز ہوگی کہ جس امانت کا بار انھوں نے کاندھوں پر اٹھایا تھا ان کے خادموں اور نیاز مندوں نے اس عہد کو پورا کردیا۔

مجلس کے صدر عالی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور سکریٹری مولانا سید محمد واضح رشید حسنی کے خاص طور سے شکرگزار ہیں، اس کام کے لیے غیر معمولی فکرمندی اور کارکنوں کی حوصلہ افزائی، نیز ان کی خصوصی توجہ رہی۔

اسی کے ساتھ عزیز گرامی مولوی فیصل احمد ندوی بھٹکلی کے بھی شکرگزار ہیں کہ انھوں نے تحقیق میں ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ عزیزی حشمت علی نے بڑی فنی مہارت سے اس مقدس کام کو اچھی طرح انجام دیا۔ جزاهم الله أحسن الجزاء

ناشر

۲/شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

مطابق ۱۱/جون ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين، و على آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين، وبعد.

قرآن مجید رب العالمین کی طرف سے انسانوں پر اتارے جانے والے صحف سماویہ میں کا آخری صحیفہ ہے، اور وہ انسانوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے جانے والے نبیوں میں آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا اور جس طرح انبیاء کے مبعوث کیے جانے کا سلسلہ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل کر دیا گیا اسی طرح صحفِ سماویہ کے نزول کا سلسلہ بھی مکمل کر دیا گیا اور اس طرح انسانی صلاح وفلاح کے لیے رب العالمین کی طرف سے ہدایت وارشاد کا تسلسل جو انبیاء کے ذریعہ قائم تھا وہ تکمیل تک پہنچا دیا گیا، اور اس کے مکمل ہو جانے پر اب کسی نئے پیغام کی ضرورت باقی نہیں رکھی گئی، یعنی آخری آسمانی صحیفہ اور یہی آخری نبی دنیا کے اختتام تک اتباعِ حق اور ہدایتِ ربانی کا معیارِ حق اور مرجع قرار دیے گئے۔

ان کی ایک حیثیت تو انسانی زندگی کی درستی کے لیے ضروری احکام الٰہی معلوم کرنے کے ذریعہ کی ہے، اور دوسری حیثیت دلوں میں ایمان وتقوی اور برائیوں سے نفرت بٹھانے والے ذریعہ کی ہے، اور چونکہ انسان کا قلب ودماغ جذبات اور طبیعتوں کی متنوع کیفیات وتقاضوں کا حامل بنایا گیا ہے، لہٰذا کلام الٰہی اور ارشادِ نبوی میں انسان کی مخاطبت میں طبیعتوں کی ان کیفیات کا مؤثر لحاظ رکھا گیا ہے، اسی بنا پر کلامِ عربی کے سمجھنے اور جاننے والوں میں قرآن مجید بہت زیادہ اثرانداز ہوا، انھوں نے اسی صلاحیت میں اس کلامِ مقدس کو صرف قبول ہی نہیں کیا؛ بلکہ دلنشیں کر لیا اور یہ دلنشینی ایسی دلنشینی تھی جو نزولِ قرآن کے وقت اس کی زبان سے واقف اور بعد میں آنے والی نسلوں میں واقفین زبان

عربی میں برابر اثر انداز ہوئی، قرآن وسنت کی یہ زبان عربی برابر زندہ ہے، اور سمجھی اور بولی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ قرآنی کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، اس طرح اس کی حفاظت کے طفیل میں اس کی زبان کو بھی حفاظت حاصل ہے، اور اب جب کہ قرآن مجید کے ماننے والے ساری دنیا میں پھیل چکے ہیں، اس کی بنا پر اس کلام میں دی ہوئی رہنمائی سارے انسانوں کے لیے ہے آسان ہوگئی ہے، خواہ وہ کہیں بھی رہنے والے ہوں، وہ اگر براہِ راست نہ ہو تو اس زبان کی ترجمانی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، چنانچہ عربی نہ جاننے والوں کے لیے قرآن مجید کے حسب ضرورت دوسری زبانوں میں ترجمے انجام دیے گئے، عربی نہ جاننے والوں کی ایک بڑی تعداد اردو دانوں کی ہے، ان کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اردو زبان میں بہت سے اہل علم نے ترجمہ کا کام انجام دیا، ان میں سے آخری دور میں مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۂ قرآن بھی ہے، مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے شروع میں جدید تعلیم میں مہارت حاصل کی تھی، پھر ان کو توفیق حاصل ہوئی اور وہ علومِ اسلامیہ کے دائرۂ عمل میں بھی آگئے اور دونوں طرح کے علوم سے واقف ہونے کی بنا پر ان کو دونوں دائروں کی صلاحیتیں حاصل ہوئیں اور جدید اور قدیم علوم کی جامعیت کے حامل ہوئے۔

غیر مذاہب اور قوموں کے علوم ان کی اور ان کی ترجمہ کردہ زبانوں میں تفصیل سے ہیں اور انگریزی زبان میں خاصے آگئے ہیں، خاص طور پر اہل کتاب اور بنی اسرائیل کے حالات اور ان کی دینی معلومات، ان میں سے متعدد معلومات کا تعلق قرآنی معلومات سے بھی ہے، مولانا دریابادی ان سے اچھے واقف ہوئے، اس طرح بنی اسرائیل کے سلسلے میں قرآن مجید میں جو تذکرے ہیں، بنی اسرائیل کی روایات اور معلومات سے ان کا تقابل پیش کیا، اور قرآن مجید کے عظیم اور مقدس ہونے کی ان سے جو تصدیق ہوتی ہے اس کو ظاہر کیا، ان معلومات کے جاننے سے قرآن مجید سے استفادہ کرنے میں مزید آسانی وتقویت حاصل ہوتی ہے۔

مولانا دریابادی کے ترجمۂ قرآن کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے ترجمہ وتشریح میں علمائے سلف کے راستے پر اپنے کو پورے طور پر قائم رکھا، اسی کے ساتھ نئی معلومات کی جہاں ضرورت محسوس کی وہاں ان کو شامل کیا، اس طرح ان کے ترجمہ میں دونوں طرف سے

حاصل کردہ فوائد ملتے ہیں، مولانا دریابادی کی اردو زبان سے واقفیت اور صلاحیت ان کی تسلیم شدہ خصوصیات میں ہیں، اس لیے عربی سے اردو میں مضمون کی ادائیگی میں انھوں نے اپنی اس قابلیت کو بھی ملحوظ رکھا ہے، لیکن سلف کے طریقہ سے ہٹے بغیر اس کو اختیار کیا ہے۔

مولانا نے اپنی عمر کے آخری حصے میں اپنی اس تفسیر کو مزید خوبیوں سے آراستہ کرنے کی کوشش کی اور زیادہ بہتر ایڈیشن تیار کرنے کا انتظام کیا، اس کام کو انھوں نے اپنی زندگی کے اختتام تک انجام دیا ،اس کی تبییض اور طباعت کا کام باقی رہ گیا تھا، لہٰذا اس کی ذمہ داری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام نے لی اور ان کے مجوزہ ایڈیشن کے لیے ترتیب کردہ مسودہ کو تحقیق وتبییض کے مرحلے سے گزار کر شائع کرنے کا انتظام کیا اور قرآن مجید کی ہر منزل کے ترجمہ وتفسیر علاحدہ علاحدہ جلدوں میں پیش کی، مولانا کے مسودہ کی تبییض کا کام بڑی دقیقہ رسی کا کام تھا، اس لیے کہ مولانا کا خط شکستہ اور باریک تھا، ان میں متعدد معاونین مجلس نے محنت کی، شروع میں مولانا کے بڑے ذی علم بھتیجے حکیم عبدالقویؒ کی سرپرستی میں یہ کام ہوا اور بعد میں ان کے نواسے مولوی نعیم الرحمٰن صاحب ندوی نے بھی حصہ لیا اور مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی کی نگرانی اور سرپرستی میں مولوی محمد مستقیم بھٹکلی ندوی نے محنت کی، اس کی چھ جلدیں پہلے شائع ہوچکی ہیں، اور اب یہ آخری اور ساتویں جلد منصۂ شہود پر آرہی ہے جو سورۂ ق سے سورۂ ناس (آخری منزل) پر مشتمل ہے۔ اس خدمت کے سلسلے میں حسب ذیل امور کا لحاظ کیا گیا ہے:-

۱- تفسیر کو پرانے اسلوب ہی پر باقی رکھا گیا ہے۔

۲- سورہ ق سے سورہ ناس تک مکمل مسودہ صاف کیا گیا ہے جو کہ مولانا ہی کے قلم سے موجود تھا۔

۳- عربی اور اردو کتابوں کے جملہ حوالے دے دیے گئے ہیں، مصنف نے کہیں کہیں حوالے چھوڑ کر صرف سوالیہ نشان لگادیے تھے اس کے بھی حوالے دے دیے گئے ہیں، کہیں غلط حوالے آگئے تھے ان کی بھی تصحیح کردی گئی ہے۔

۴- تفسیر کے عربی متن کو اصل عربی کتابوں سے ملایا گیا ہے۔

۵- کتاب کے آخر میں تفسیر ماجدی ہفتم کا مکمل انڈکس بھی دے دیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو سہولت ہو۔

۶- فہرست مراجع بھی آخر میں دے دی گئی ہے جس میں ایڈیشن کی مکمل وضاحت سنہ کے

ساتھ کردی گئی ہے۔

۷- آخری پارہ صدق جدید میں ساٹھ اور ستر کی دہائی میں ایک دومرتبہ چھپ چکا تھا، تفسیر کو ان سورتوں سے بھی ملایا گیا ہے۔

۸- پروف تقریباً پانچ سے چھ دفعہ پڑھا گیا ہے، مکمل کوشش اس کی گئی ہے کہ کوئی خامی نہ رہے والعصمة بید اللّٰہ۔

۹- قرآن کی آیتوں کو متن قرآن سے ملا کر اس کے رموز (ق، ط، قف) کو بھی لگا دیا گیا ہے۔

ہم کو بہت مسرت ہے کہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی جو اس کی آخری جلد کی تکمیل پر پوری ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ سے زیادہ نافع بنائے اور قبولیت عطا کرے۔

۲۲/ رجب ۱۴۳۴ھ
۲/ جون ۲۰۱۳ء

محمد رابع حسنی ندوی
صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۵۰)

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ

آیاتها ۴۵
۴۵ آیتیں

سورۂ ق مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ① بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ

قاف [1] قسم ہے قرآن بزرگ کی (کہ ہم نے آپ کو نذیر بنا کر بھیجا ہے) [1] لیکن یہ لوگ اس پر حیرت کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ایک ڈرانے والا

[1] عربی اسلوبِ بیان میں قسم کا مفہوم تاکید کا ہوتا ہے، اور جواب قسم یعنی قسم کے بعد کا مضمون اکثر بغیر کسی تصریح کے محض سیاق سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ قسموں کی بحث کا تعلق تمام تر اسلوبِ بیان و بلاغت سے ہے۔

ق۔ مخفف اس فقرے کا سمجھا گیا ہے:

حكمة، هي قولنا قضى الأمر. (كبير، ج۲۸/ ص۱۲٦)

ایک قول یہ بھی ہے کہ: قفا أثره کا مخفف ہے۔

قيل يجوز أن يكون ق أمراً من مفاعلة قفا أثره أى تبعه، والمعنى اتبع القرآن واعمل بما فيه. (روح، ج۲٦/ص:۱۷۱)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قف کے معنی میں امر ہے۔

قيل إنه أمر بمعنى قف أى قف عند ما شرح لك ولا تجاوزه. (روح، ج۲٦/ ص:۱۷۱)

اور یہ بھی منقول ہے کہ یہ متعدد اسمائے الٰہی کا مخفف ہے۔

وقال القرطبى هو مفتاح اسمه القدير والقادر والقاهر والقريب والقابض.

(معالم، ج٤/ص: ۲۷۰)

مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ج

انھیں میں سے آیا ۲ سو کافر کہتے ہیں کہ یہ تو (بڑی) عجیب بات ہے، بھلا جب ہم مرگئے اور مٹی ہو گئے (تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟)

اور بعض روایتوں میں یہ بھی آ گیا ہے کہ ق ایک پہاڑ کا نام ہے جو ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے، متعدد مفسرین اس روایت کو بھی بے تکلف نقل کر گئے ہیں، لیکن محقق ابن کثیر کہتے ہیں:

و كأن هذا، والله أعلم، من خرافات بني اسرائيل التي أخذها عنهم بعض الناس لما رأى من جواز الرواية عنهم مما لا يصدق ولا يكذب، وعندي أن هذا وأمثاله وأشباهه من اختلاق بعض زنادقتهم، يلبسون به على الناس أمر دينهم...... إنما أباح الشارع الرواية عنهم في ما قد يجوزه العقل، فأما تحيله العقول ويحكم فيه بالبطلان ويغلب على الظنون كذبه فليس من هذا القبيل، والله أعلم. (ابن كثير، ج ٤/ص: ١٩٨)

"اور یہ (اللہ بہتر جانتا ہے کہ) بنی اسرائیل کے خرافات میں سے ہے، جن سے ایسے لوگوں نے لے لیا ہے، جن کے نزدیک اُن سے روایت لے لینا جائز ہے، لیکن میرے نزدیک یہ اور اس قسم کی ساری روایتیں گڑھی ہوئی ہیں، جن کے ذریعے سے اُن کی قوم کے زندیقوں نے دین کی راہ مارنا چاہی ہے ـــــ اور یہ جو شارع نے کہا ہے کہ تم بنی اسرائیل سے روایتیں لے سکتے ہو، تو اس کا تعلق اُن چیزوں سے ہے جو عقلاً جائز ہیں، لیکن جن کو عقل ہی نہ قبول کرے، بلکہ سنتے ہی اُن کے باطل ہونے کا حکم لگا دے، وہ اس دائرے میں نہیں آتیں۔ واللہ اعلم۔"

اور صاحب روح المعانی نے ابن کثیر سے بھی بڑھ کر قابل ملاحظہ چیزیں اس باب میں لکھی ہیں۔

والقرآن المجید۔ قرآن مجید کی قسم کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ یہ کتاب اپنے مضامین کی بے نظیر بلندی اور معنویت کے لحاظ سے خود اپنی صداقت اور آپ کی رسالت پر گواہ ہے۔

المجید۔ یعنی بزرگی اور شرف والا قرآن ـــــ آج دنیا کی کونسی کتاب اپنی معنویت اور بلندی کے لحاظ سے اس کے ٹکر کی ہے؟ کسی صحیفۂ مذہب کو اس کی جامعیت وہمہ گیری کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہے؟

۲ (حالانکہ اس نذیر کی سچائی پر ہر طرح کے دلائل صحیح قائم ہو چکے ہیں)

منہم۔ انھیں میں سے یعنی محض بشر ہو کر، یہی جسم اور یہی اس کی خصوصیات رکھ کر۔

ذٰلِكَ رَجۡعٌۢ بَعِيۡدٌ ۝۳ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡهُمۡ‌ۚ وَعِنۡدَنَا

یہ رجعت تو (بہت ہی) بعید ہے ۳ (لیکن) ہم تو ان کے ان اجزا تک کو جانتے ہیں جنھیں زمین (کی مٹی) کم کرتی ہے اور ہمارے پاس

كِتٰبٌ حَفِيۡظٌ ۝۴ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَـقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ فَهُمۡ فِىۡۤ اَمۡرٍ

تو (پورا) دفتر محفوظ ہے ۴ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ تو سچ ہی کو جھٹلاتے ہیں جب وہ ان کے پاس آگیا، غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل

مشرکین کو بڑی وحشت اسی عقیدۂ رسالت سے ہے، وہ دیوتا کے قدموں پر گر پڑنے کو تیار رہتے ہیں، لیکن کسی فانی انسان کو خدا کا قاصد سمجھنا ان کی عقل کی گرفت سے بالکل باہر ہوتا ہے۔

آیت میں ایک حقیقت صحیح وثابت کے مقابلے میں حیرت وشک کو باطل ٹھہرایا ہے، اس سے بعض اصولیین نے بقاعدۂ اقتضاء النص یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مجرد شک وتعجب کسی دلیل کا معارض نہیں بن سکتا۔

۳ (عقل وقیاس سے)

یعنی ایک تو بشر کی زبان سے دعوئے رسالت خود ہی عجیب اور پھر ساتھ ہی عقیدہ حشر ونشر کا! ہم ''روشن خیالوں'' کی عقلیں اسے کیسے قبول کرلیں کہ جب ایک چیز فنا ہوگئی، اس کے اجزا بکھر کر پارہ پارہ ہوگئے تو وہ دوبارہ پھر موجود ہوجائے گی! اعادۂ معدوم تو ہمارے تجربے، مشاہدے، عقل، سب کے خلاف ہے۔۔۔۔۔۔ انکارِ رسالت وانکارِ آخرت۔ یہ دو مرض مشرکین کے بڑے مرض ہیں، عرب ان دونوں میں خصوصیت سے مبتلا تھے۔

۴ (جس میں ہر ہر جسم کی مقدار، وضع وکیفیت، سب ہی کچھ درج ہے)

اسی کا نام لوح محفوظ ہے۔

وهو اللوح المحفوظ، وقيل حفيظ أى حافظ لعدتهم وأسماء هم. (معالم، ج ٤/ص: ٢٧٠)

أى حافظ لذلك فالعلم شامل والكتاب أيضاً فيه كل الأشياء مضبوطة. (ابن كثير، ج ٤/ص: ١٩٩)

''روشن خیال'' وحواس پرست مشرکوں کے دعوے پر جرح ہورہی ہے کہ تم اس بازگشت کو محال آخر کس بنا پر کہہ رہے ہو؟ کیا اس لیے کہ اِس ہستی میں قابلیت حیات کی نہیں؟ اگر یہ مراد ہے تو یہ

مَّرِيْجٍ ۞ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا

حالت میں ہیں ۵ کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کیسا بنایا اور ہم نے اسے آراستہ کیا

تو خود تمھارے مشاہدے کے بھی خلاف ہے۔ پھر کیا یہ کہ ہمارے علم اور ہماری قدرت کو تم ناقص، محدود، ناکافی سمجھتے ہو؟ تو ہمارا علم تو ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیات تک محیط ہے اور یہ علم بھی کچھ نو پیدا اور حادث نہیں، قدیم ہے، قبل وقوع ہی سے ہے۔

کتاب حفیظ سے مراد تمام تر اعمال ہی لی گئی ہے، اور حفیظ کو حافظ کے معنی میں لیا گیا ہے۔

أی حافظٌ لأعمالهم فیکون حفیظ بمعنی حافظ. (راغب، ص:۱۳۹)

ما تنقص الأرض منهم۔ یعنی ان کے جسم کے وہ اعضاء جنھیں مٹی کھا جاتی ہے ——— مطلب یہ ہوا کہ بعد مرگ جسم پر زیر زمین جو کچھ گزرتی ہے، اس سے بھی ہم خوب واقف ہیں، وہ پوری طرح ہمارے علم میں ہے۔

ف۵ (کہ حق پر انھیں قرار نہیں آتا۔ کبھی تکذیب سے کام لیتے ہیں، کبھی تشکیک پر آمادہ ہو جاتے ہیں)

أمر مریج۔ مریج کے معنی مختلط و ملتبس کے ہیں۔

عن قتادة قال فهم فی أمرٍ مختلطٍ علیهم ملتبسٍ، لا یعرفون حقه من باطله. (ابن جریر، ج ۲۱/ص:۴۰۵)

قد مرج أمر الناس إذا اختلط وأهمل. (ابن جریر، ج ۲۱/ص:۴۰۵)

وأصل المرج الخلط...... ویقال أمر مریج أی مختلط. (راغب، ص:۵۲۰)

حق کے ترک و انکار کا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ ان لوگوں پر شک و تذبذب اور بے یقینی کی لعنت مسلط ہو جائے، چنانچہ یہی ہوا۔

وهذا حال کل من خرج عن الحق. (ابن کثیر، ج ۴/ص:۱۹۹)

بل...... جاء هم۔ یعنی ان کی عادت ہی ہر حقیقت سے انکار کی پڑ گئی ہے۔

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝٦ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا

اوراس میں کوئی رخنہ (تک) نہیں ؀٦ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جمادیا اور اس میں ہر قسم

فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝٧ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝٨

کی خوشنما چیزیں اُگائیں جو ذریعہ ہے بینش اور دانش کا، ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے ؀٧

؀٦ کمالِ علم کے بعد اب یہ بیان کمالِ قدرت کا ہورہا ہے ـــــ ایک آسمان ہی پر جو کس وناکس ہر ایک کے مشاہدے میں آرہا ہے، اور اس کی صناعی پر، عظمت و پنہائی پر، قوت واستحکام پر، ہر چیز پر غور کرو تو خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ تم امکانِ بعث سے انکار واستبعاد میں کتنی نادانی پر ہو!

کیف۔ اس میں اشارہ آسمان کی رفعت وعظمت، وسعت و پنہائی، استحکام وخوشنمائی سب کی جانب آگیا۔

وما لها من فروج۔ یعنی کسی قسم کا نقص وضعف اس میں نہیں، ہر طرح مکمل ہی مکمل ہے۔

والمراد سلامتها من كل عيب. (روح، ج٢٦/ص:١٧٥)

وزيّنّها۔ آسمان کی آراستگی وزیبائی ہی چاند، سورج، ستاروں وغیرہ سے ہے، جیسا کہ ہر انسان کا مشاہدہ ہے۔ آسمان کوئی ٹھوس اور مادی چیز ہے، جیسا کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں سال تک مصر، ہند، یونان وغیرہ کے حکماء وفلاسفہ سمجھتے رہے، یا محض حدِ نظر ہے، جیسا کہ اب سمجھا جارہا ہے، اور اسی جنس کی دوسری سائنسی بحثوں سے قرآن مجید کو نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ آسمان بجائے خود جو کچھ بھی ہو، قرآن مجید کا مقصود تو تمام تر اس کے حسنِ صنعت، عظمت واستحکام سے قدرتِ باری وحکمتِ باری پر استدلال ہے۔

فوقهم۔ "سماء" سائنسی نقطۂ نظر سے جو کچھ بھی ہو، بہر حال انسان سے جہت فوق ہی میں ہے، انسان کے اوپر ہی چھایا ہوا ہے۔

؀٧ آسمان کے بعد اب زمین کی صناعیوں کی طرف توجہ دلائی ہے، اور مطلب یہ ہوا کہ یہ آسمان اور زمین کی ساخت وترکیب، ان کے اندر کی گوناگوں صناعیاں، زمین پر پہاڑوں کا قیام، ان سب پر اگر انسان غور کرے تو قدرتِ الٰہی کے کتنے زبردست شواہد ان میں قدم قدم پر ملیں گے، لیکن یہ سبق بھی ہر شخص نہیں لیتا، یہ درس تو وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو نیت وقصد بھی اسی کا رکھتے ہیں۔

والأرض مددنها۔ زمین کے عظیم الشان پھیلاؤ کی طرف اشارہ ہے۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۙ﴿۹﴾

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا، پھر ہم نے اس سے باغ اور کھیتی کا غلہ

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۙ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً

اور لمبی لمبی کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے رہتے ہیں اُگائے بندوں کو روزی دینے کے لیے، اور ہم نے اس کے ذریعہ سے

مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ

مُردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح (زمین سے حشر میں) نکلنا بھی ہوگا ۸ ان لوگوں کے قبل قوم نوح اور اہل رس

والقینا فیھا رواسی۔ پہاڑوں کے قائم اور نصب کرنے کی ساری حکمتیں اس کے اندر آ گئیں۔

تبصرة......منیب۔ ان عظیم الشان وحیرت انگیز مظاہر قدرت سے بھی عبرت وتذکر کا سبق لینا ہر ایک کا کام نہیں، چشم بینا ودلِ دانا اس کے لیے لازمی ہے، انابت واحساسِ عبدیت تو شرط اولین ہے۔

۸ یہاں گویا یہ فرمایا کہ تم جس طرح بارش ہونے پر خشک زمین کو ازسرِ نو سرسبز وشاداب ہوتے ہوئے روزمرہ دیکھتے ہو، اسی طرح حکمتِ الٰہی مردہ انسانوں کو بھی زمین سے لا نکال کھڑا کرے گی ـــــ اور اس کا ناممکن ہونا تو خیر الگ رہا، اس میں استبعاد کی بھی کونسی بات ہے؟

من السماء ماء۔ سماء سے مراد ایسے ہر موقع پر (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) ابر ہوتی ہے۔

مآءً مبارکاً۔ اِس بارش والے پانی کو برکت والا اس لیے کہا کہ کاشتکاروں، باغبانوں وغیرہ کے کام کا پانی یہی ہوتا ہے۔ سمندری کھاری پانی سے یہ کام نہیں نکل سکتا۔

مبارکاً کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ سارا کارخانۂ زندگی کہنا چاہیے کہ اس پانی ہی کے بَل پر چلتا ہے۔ نباتات، حیوانات، اور پھر خود انسان پانی ہی کے احسان سے دبا ہوا ہے۔ اور خاص پانی بارش کا ہو، یا غیر بارش کا، بڑی حد تک زیست انسانی کا سبب بنا ہوا ہے۔ فزیالوجی اور پیتھالوجی کی کتابیں پانی ہی کے منافع سے لبریز ہیں۔ کتنی ہی بیماریوں کے علاج پانی اور غسل ہی کے ذریعے سے نکل آتے ہیں، اور پانی اگر ایک مدت خاص تک نہ ملے تو ہلاکت یقینی ہے۔

حب الحصید والنخل۔ نباتات کی ان قسموں کے بیان میں مخاطبین اول یعنی عرب کے مذاق خصوصی کی رعایت برابر ملحوظ رہی ہے۔

وَثَمُودُ ﴿١٢﴾ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ

اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط والے اور اہل ایکہ اور قوم

تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ

تبع سب تکذیب پیمبروں کی کر چکے ہیں، سومیری وعید پوری اُتری ۹ تو کیا ہم پہلی بار کی پیدائش سے تھک گئے ہیں؟

بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ازسرنو پیدائش ہی کی طرف سے شبہ میں پڑے ہیں ۱۰ اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور ہم (خوب) جانتے ہیں

أحیینا...... میتاً۔ به میں ضمیر کا پانی کی طرف ہونا، اور بلدةً میتاً سے مراد خشک زمین کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

رزقاً للعباد۔ بارش کی سائنسی مشنری جو کچھ اور جتنی بھی پیچیدہ ہو، قرآن کو بحث تو بارش کے اس پہلو سے ہے، نہ مخلوق کے لیے اس کا ذریعہ پیداوار ہونا۔

۹ (اور یہ سب کے سب تکذیب انبیاء ہی کی پاداش میں اسی دنیا میں اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر رہے)

کل کذب الرسل۔ منکروں نے انبیائے کرام کی تکذیب دین کے عقائد اساسی کے باب میں کی ہے اور وہ یہ تین مسئلے ہیں: توحید، حشر ونشر و رسالت۔

قوم نوح، أصحب الرس، ثمود، عاد، فرعون، اخوان لوط، أصحاب الأيكة پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

قوم تبع پر حاشیہ ۲۳ سورۃ الدخان میں آیۂ کریمہ أهم خيرٌ أم قوم تبع کے تحت میں آچکا ہے ـــــ پچھلی امتوں میں نام صراحت کے ساتھ عموماً انھیں قوموں کے دہرائے گئے ہیں جن سے قرآن کے مخاطبین اول یعنی عرب واقف و مانوس تھے۔

نیز ملاحظہ ہو فاصحٰب الأخدود پر حاشیہ، آیت ۴، سورۃ البروج میں۔

۱۰ (یوں ہی بلا کسی شبہ معقول یا کسی دلیل صحیح کے)

أفعیینا بالخلق الأول۔ یعنی بارِ اول میں عدم محض سے تو سب چیزوں کا ہمارا خالق ہونا تو تمھیں خود تسلیم ہے، تو اب کیا یہ مانتے ہو کہ اب ہماری قوتِ تخلیق جواب دے گئی ہے اور اب ہم تخلیق

۱۵/۱۴ع

مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ

ان وسوسوں (تک) کو جو اس کے جی میں آتے رہتے ہیں، اور ہم تو اس کی رگِ گردن سے بھی بڑھ کر اس کے قریب ہیں ۱۱ (انھیں اس وقت کی

ثانی پر قادر نہیں رہے؟

أفعيينا۔ بعض گمراہ قوموں نے واقعۃً یہی خستگی اور تھکن کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیا ہے۔

۱۱ (جو منتہا ہے کمالِ قرب کا)

انسانی محاورے میں انتہائے قرب کا کامل ترین تصور یہی ہے کہ اسے رگ جان کے برابر قریب سمجھا جائے۔ آیت کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر قریب ہے، گویا ہر انسانی تخیل سے بھی قریب تر، یہ قرب تکوینی عام ہے نیک و بد، بلکہ ہر مخلوق کے لیے۔ قرب مرتبہ البتہ مخصوص ہے مقبولین کے لیے۔

نحن...... الورید۔ حبل ورید اس رگ کا نام ہے جو سارے جسم میں خون پہنچاتی ہے، لیکن یہاں مراد کسی متعین جسمانی رگ کی نشاندہی نہیں بلکہ غایت قرب و اتصال کا اظہار ہے۔

أی من روحه. (راغب، ص:۵۹۲)

وحبل الوريد مثل فی فرط القرب. (بیضاوی، ج۵/ص:۹۲، مدارك، ص:۱۱۶۱، بحر، ج۸/ص:۱۲۳)

بیان لکمال علمه. (کبیر، ج۲۸/ص:۱۴۰)

قال بعضهم معناه نحن أملك به وأقرب إليه فی المقدرة عليه. (ابن جریر، ج۲۱/ص:۴۲۲)

ضمناً ان جاہلی اور مشرک قوموں کی تردید بھی آ گئی جو خدائے تعالیٰ کو بندوں سے دور اور بہت دور سمجھے ہوتے ہیں۔

ولقد خلقنا الإنسان۔ اس میں مضمون آ گیا حق تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا ـــــــ یعنی ہم سے بڑھ کر انسان اور کس کے قبضۂ قدرت میں ہے؟

انسان خود آفریدہ نہیں، اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے، اور مخلوق کسی اور دیوی دیوتا کا نہیں صرف اللہ کا۔

ونعلم ماتوسوس به نفسه۔ اس میں مضمون آ گیا حق تعالیٰ کے کمال واحاطۂ علم کا ـــــــ یعنی ہم سے انسان کا کونسا راز مخفی رہ سکتا ہے؟

يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ

یاد دلایئے) جب دو گرفت میں لینے والے فرشتے داہنے اور بائیں لینے والے گرفت میں لاتے رہتے ہیں ۱۲؎ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا

اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ

مگر یہ کہ اس کے پاس ہی ایک تاک میں لگا رہنے والا تیار ہے ۱۳؎ اور آ پہنچی موت کی بے ہوشی

۱۲؎ حدیث میں آتا ہے کہ دو فرشتے ہر وقت اور ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے اور اس کے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو، نیک ہو یا بد، لکھتے رہتے ہیں، اور کسی حال میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے، یہاں تک کہ انسان کی ناپاکی وغیرہ کے اوقات میں جس سے فرشتے طبعی انقباض کی بنا پر اس سے جسماً الگ بھی ہو جاتے ہیں، ان اوقات میں انسان جو کچھ عمل کرتا رہتا ہے اس کی علامتیں کچھ ایسی اس پر منقش ہو جاتی ہیں کہ فرشتے انھیں کو پڑھ کر انھیں اپنے رجسٹر میں درج کر لیتے ہیں۔

عن الیمین وعن الشمال۔ داہنی طرف کا فرشتہ نیکی کے اعمال لکھتا رہتا ہے، اور بائیں طرف کا بدی کے اعمال۔

قعید۔ یعنی بیٹھے رہنے والے ــــــ یہ انسانی محاورۂ عادت کے مطابق فرشتوں کی ہمہ وقتی حاضری اور غیر منقطع نگرانی کے لیے فرمایا گیا ہے، یہ مراد نہیں کہ فرشتوں کا بھی طریق نشست کچھ انسانوں ہی کا سا ہے۔ یا یہ کہ فرشتے لیٹے یا کھڑے نہیں ہوتے، صرف بیٹھے رہتے ہیں۔

ويعبر عن الترصّد للشيئ بالقعود له. (راغب، ص:٤٥٦)

قعيد أى ملك يترصّده ويكتب له وعليه. (راغب، ص:٤٥٦)

قيل أراد بالقعيد الملازم الذى لا يبرح، لا القاعد الذى هو ضد القائم. (معالم، ج٤/ص:٢٧٢)

أى مترصد. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٠٠)

بندوں کے اعمال کے احاطۂ کامل کے لیے تو اللہ کی صفتِ علمِ محیط، کامل خود ہی بالکل کافی ہے۔ فرشتوں کے اس ہمہ وقتی معیت اور باضابطہ اندراج سے بندوں کے دل میں اس کی اہمیت اور کیفیتِ استحضار کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

۱۳؎ اعمال کے بعد اب ذکر اقوال کا ہو رہا ہے، منہ سے بات اِدھر نکلی کہ اُدھر کاتب فرشتوں نے اسے نوٹ کر لیا۔ بات اگر اچھی ہے تو اُسے بھی اور بری ہے تو اُسے بھی۔

بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ⑲ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ

سچائی کے ساتھ ۱۴ یہی وہ (حقیقت) ہے جس سے تو بھاگا بھاگا پھرتا تھا ۱۵ اور صور پھونکا جائے گا، یہی دن ہے

اللہ اکبر! کیا ٹھکانا ہے انسان کی ذمہ داریوں کا! وہ اللہ کا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ وہ دن ورات کے چوبیسوں گھنٹے کے لیے، ہر گھنٹے کے ہر منٹ، منٹ کے ہر پل کے لیے ذمہ دار ہے۔ غفلت کی مہلت اسے ایک پل کے لیے نہیں۔

آیت کا استحضار رہے تو مسلمان سے کبھی بھی گناہ صادر ہو سکے؟ اللہ نے اپنے ہاں کا یہ ضابطہ بتا کر مسلمان کے لیے راہِ عمل کتنی آسان کر دی ہے!

۱۴ یعنی موت کی بے ہوشی کا آنا تو بالکل برحق ہے۔

سکرۃ کے معنی بے ہوشی کے ہیں۔

السكر حالة تعرض بين المرء و عقله. (راغب، ص:۲٦٥)

اس ایک ذرا سے لفظ کے اندر موت کی پوری حقیقت آگئی۔ موت بذاتِ خود کوئی ڈرنے کی چیز نہیں، وہ تو نیند کی طرح صرف ایک احساس وادراک کے ذہول کا نام ہے۔ فرق یہ ہے کہ نیند کی کیفیت ہلکی اور دیرپا اور عارضی ہوتی ہے اور موت کی یہ کیفیت مستقل اور کہیں زیادہ قوی ہوگی۔

اس کو "بے ہوشی" حواس ناسوتی کی نسبت اور تعلق سے کہا گیا ہے، ورنہ اس موت ناسوتی کے طاری ہوتے ہی معاد دوسرے اور ان سے کہیں لطیف و برتر قسم کے ہوش وحواس عطا ہو جاتے ہیں۔

۱۵ یعنی اس وقت کی آمد سے وحشت کرتا تھا، اور اس سے کترا کر نکل جانا چاہتا تھا۔

موت سے گریز ایک حد تک امر طبعی ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں، یہاں مراد وہ گریز ہے جو آخرت سے انکار یا اس عقیدے میں اشتباہ کی بنا پر، حُبِ دنیا کی بنا پر پیدا ہوجاتا ہے ــــــ ورنہ مسلمان کو موت سے خوفِ طبعی جتنا بھی ہو، گریز عقلی تو ہو ہی نہیں سکتا، وہ عقیدۃً وعقلاً تو اُس وقت موعود کا اور مشتاق ومنتظر رہتا ہے۔

ذلك۔ یہ اشارہ حق کی جانب بھی سمجھا گیا ہے۔

أي الحق. (روح، ج۲٦/ص:۱۸۲)

الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنْتَ

وعید کا ١٦ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ ایک (فرشتہ) تو اس کے ساتھ ہمراہ لانے والا ہوگا اور ایک (فرشتہ) گواہ ہوگا ١٧ تو اسی

فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾

دن سے بے خبر تھا سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹادیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے ١٨

يحتمل أن يكون إشارة إلى الحق. (كبير، ج٢٨/ص:١٤١)

اور یہ ترکیب مان لینے کے بعد پھر تو خطاب کھلا ہوا کافر انسان کے لیے ہوجاتا ہے کہ وہی حق سے منحرف رہتا ہے، نہ کہ عام انسان کی طرف۔

فالإشارة إلى الحق والخطاب للفاجر، لا للإنسان مطلقاً. (روح، ج٢٦/ص:١٨٢)

١٦ موت کے بعد اب ذکر قیامت کا شروع ہوا۔

ونفخ في الصور۔ نفخ صور سے یہاں مراد نفخ ثانی ہے جس سے سب مردے زندہ ہوجائیں گے۔

الوعيد۔ یعنی یہی حشر وغیرہ کا وعدہ۔

الوعيد هو الذي أوعد به من الحشر والإتيان والمجازاة. (كبير، ج٢٨/ص:١٤٢)

١٧ یہ دونوں فرشتے وہی کاتب اعمال ہوں گے، عرف عام میں انھیں کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ ان فرشتوں اور ان کی کارزائیوں کا استحضار اگر قلب میں رہے تو انسان سے بھلا کوئی لغزش کسی وقت بھی صادر ہوسکے؟ ان کی طرف سے غفلت ہی تو بڑی چھوٹی ہر برائی کی طرف لے جاتی ہے!

١٨ (اور آج یہ حقیقت تجھ پر بے پردہ منکشف ہو رہی ہے)

یہ خطاب کافر سے ہوگا۔

يقال للكافر الغافل إذا عاين الحقائق التي لم يصدق بها في الدنيا من البعث وغيره. (روح، ج٢٦/ص.١٨٤)

المراد بذلك الكافر، رواه علي بن أبي طلحة عن ابن عباس رضي الله عنهما، وبه يقول الضحاك بن مزاحم وصالح بن كيسان. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٠٢)

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ

اور اس کے ساتھ والا (فرشتہ) کہے گا کہ یہ وہ (روزنامچہ) ہے جو میرے پاس تیار ہے ۱۹ ڈال دو تم دونوں جہنم میں ہر ایسے شخص کو جو کفر کرنے والا ہو

عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

ضدر کھنے والا ہو نیک کام سے روکنے والا ہو، حد سے نکل جانے والا ہو، شبہ رکھنے والا ہو، جس نے اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا تجویز کر رکھا ہو

فَاَلْقِيٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ

سوا ایسے کو تم دونوں عذاب سخت میں ڈال دو ۲۰ (تب) اس کے ساتھ رہنے والا (شیطان) کہے گا اے ہمارے پروردگار میں نے اُسے نہیں بھٹکایا تھا، بلکہ

غفلة۔ یہ تنوین تعظیم کے لیے ہے، یعنی غفلت کامل، جو صرف کافروں کا حصہ ہے۔

فالخطاب للكافر كما قال ابن عباس وصالح بن كيسان، وتنكير الغفلة......
يدل على أنها غفلة تامة، وهكذا غفلة الكفرة عن الآخرة. (روح،ج۲۶/ص:۱۸۴)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کشف بلا مجاہدہ تو کافروں تک کو حاصل ہو جائے گا، سو محض کشف جو کافروں میں مشترک ہے، مومن کا مطلوب یقیناً نہ ہونا چاہیے۔ (تھانوی،ج۲/ص:۵۶۸)

۱۹ اشارہ نامۂ اعمال کی طرف۔

وقال قرينه۔ حدیثِ نبوی میں آتا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی ایک فرشتہ اور ایک شیطان بھی اس کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے۔ فرشتہ نیکیوں کی راہ دکھانے والا، اور شیطان بدیوں کی راہ سجھانے والا، آیت میں قول فرشتے کا نقل ہوا ہے۔

قال قتادة وابن زيد قرينه الملك الموكل بسوقه يقول مشيراً إليه: هذا ما لدی حاضر. (روح،ج۲۶/ص:۱۸۵)

الملك الموكل به. (معالم،ج٤/ص:۲۷٤)
بعض نے اس کے برعکس مراد شیطان سے لی ہے۔

۲۰ یہ سب قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا، ہر قسم کے کافر کے لیے۔

القیا۔ اس کے عام معنی تو صیغۂ تثنیہ ہی کے ہیں "یعنی اے دونوں فرشتو! تم ڈال دو" لیکن اس صیغے کا ایک استعمال واحد کے لیے بھی بہ قصد تاکید ہے، ایسے موقع پر القیا مرادف القِ، الق (مکرر) کا ہوتا ہے۔

كَانَ فِي ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ

یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا ۲۱ ارشاد ہوگا کہ میرے سامنے جھگڑو مت اور میں تو پہلے ہی

إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ

تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا ۲۲ سو میرے ہاں بات نہیں بدلی جائے گی اور نہ میں بندوں پر

یجوز أن یکون خطاباً للواحد علی وجهین: أحدهما قول المبرد أن تثنية الفاعل نزلت منزلة تثنية الفعل لاتحادهما، كأنه قيل: ألق ألق للتأكيد. (کشاف، ج۴/ص:۳۷۷)

کَفّار۔ یعنی عقائد حق سے شدید انکار کرنے والا، یا شدید ناشکرا، کفار۔ کفران سے بھی ہوسکتا ہے اور کفر سے بھی۔ تشدید نے بہرصورت معنی میں شدت پیدا کردی ہے۔

یحتمل أن یکون من الکفران فیکون بمعنی کثیرالکفران، ویحتمل أن یکون من الکفر، فیکون بمعنی شدیدالکفر، والتشدید فی لفظة فعّال یدل علی شدة فی المعنی. (کبیر، ج۲۸/ص:۱۴۳)

عنید۔ یعنی حق سے ایسی ضد رکھنے والا کہ اس کے بار بار وضوح کے باوجود بھی اسے قبول نہ کیا۔

معتد۔ یعنی حدودِ عبدیت سے باہر نکل جانے والا۔

مریب۔ یعنی عقائدِ دین تک میں شک رکھنے والا۔

الذی...... آخر۔ اصلی اور بنیادی جرم بھی انکارِ توحید کا ہوگا۔

۲۱ (اپنے ارادے واختیار سے)

ہر انسان کے ساتھ جو ایک ہم زاد شیطان ہوتا ہے، تو کافر انسان کا شیطان الزام اپنے اوپر آتے دیکھ کر اس کو انسان ہی پر اُلٹ دے گا اور یہ کہے گا ــــــ آخرت کے شدائد، معاذ اللہ کون ان کے برداشت کی ہمت لاسکتا ہے، ہر مجرم اپنی ذمہ داری دوسرے ہی کے سر ڈالتا پھرے گا۔

۲۲ (کہ جو کوئی بھی کفر کرے گا، خواہ ابتداءً، خواہ کسی کے کہنے سننے سے، سب کی سزا جہنم ہی ہے)

یہ اہل دوزخ سے قطع حجت کے لیے کہا جائے گا، یعنی اب تم عذر ہی کیا کرسکتے ہو۔ یہ سب کچھ تو تمہیں تمہاری زندگی میں اچھی طرح بتادیا گیا تھا!

لِّلۡعَبِيۡدِ ۝۲۹ يَوۡمَ نَقُوۡلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امۡتَلَـْٔتِ وَتَقُوۡلُ هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ ۝۳۰

ظلم کرنے والا ہوں ۲۳ (اور انہیں یاد دلایئے) وہ دن جب ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ ۲۴

وَاُزۡلِفَتِ الۡجَـنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ ۝۳۱ هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ

اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی، یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر رجوع ہونے والے

۲۳ یعنی آج تو میری زمینی وعیدوں کا بس ظہور ہی ہے، ان کے علاوہ اور کوئی بھی نئی بات نہیں۔ اور ظلم وزیادتی میری طرف سے کسی بندے پر ذرا بھی نہیں۔

ظلّام۔ صیغۂ مبالغہ ہے، لیکن کبھی محض ظالم یا ظلم کا مرادف بھی آتا ہے۔ حاشیہ پہلے گزر چکا۔

ظلّام للعبید۔ ظلّام کو اگر صیغۂ مبالغہ کی رعایت سے اس کے عام معنی میں لے کر ”ظالم ترین“ یا ”شدید ظالم“ کا مرادف سمجھا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ اگر قبل سے پوری طرح آگاہ کیے بغیر ہم مبتلائے عذاب کر دیتے تو اس صورت میں ہمارا شدید ظالم ہونا لازم آتا ہے اور وہ ہم سرے سے ہی نہیں۔

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مشرک جاہلی قوموں نے اپنے بعض دیوی دیوتاؤں کو جلّاد اور خونخوار قسم کا سمجھا ہے، قرآن مجید حق تعالیٰ کی تنزیہ اس وصف سے بھی پوری طرح کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ حم سجدہ، آیت: ۴۶ کا حاشیہ۔

اللہ کو صفت ظلم سے مناسبت ہی کیا! اللہ جس طرح ہر صفت نقص وزوال سے، قساوت وبخل سے، پستی وخفت سے بری وپاک ہے، اسی طرح صفت ظلم سے بھی۔ اس کی شان تو وہی إن اللّٰه لا يظلم الناس شيئاً، ولكن الناس أنفسهم يظلمون. (اللہ تو لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، البتہ لوگ ہی (اللہ کی نافرمانی کر کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں)

۲۴ یہ جہنم کی شدت غیظ ظاہر کرنے کو ہے اور مقصود اس سے کافروں کے دل میں مزید دہشت بٹھانا ہے۔

قيل هذا الاستفهام بمعنى الاستزادة، وهو قول ابن عباس في رواية أبي صالح. (معالم، ج٤/ص: ٢٧٥)

هلِ امتلأت۔ یعنی ان کافروں سے جو تیرے اندر پہنچ چکے ہیں، تو بالکل بھر گئی ہے؟

حَفِيظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿٣٣﴾

پابندی رکھنے والے کے لیے ہے ۲۵ (غرض) جو کوئی بھی (خدائے) رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا ہوگا اور رجوع ہونے والا دل لے کر آئے گا

ادْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿٣٤﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُونَ فِيهَا

(اس کو حکم ہوگا کہ) داخل ہوں اس جنت میں سلامتی کے ساتھ، یہ دن ہمیشگی کا ہے ۲۶ ان لوگوں کو وہاں سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے۔

۲۵ آیت میں بشارت ہے متقین کو، کہ جنت گو دور ہے لیکن تمھارے لیے نہیں۔ تمھیں وہاں تک پہنچنے میں نہ تو کوئی تعب و مشقت ہوگی، نہ توقف و انتظار کرنا ہوگا، وہ تو خود ہی تم تک لا ڈالی جائے گی ــــــ یہ وعدہ تو بہر حال قطعی ہے، رہی اس کیفیت کی تفصیل تو اس کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

أوّاب۔ یعنی اللہ اور احکام الٰہی کی طرف تہ دل سے رجوع ہونے والا۔

حفیظ۔ یعنی حدود الٰہی کا محافظ۔ اعمال و طاعات کی پابندی کرنے والا۔

قال ابن عباس الحافظ لأمر الله، قال سهل بن عبد الله هو المحافظ على الطاعات والأوامر. (معالم، ج ٤/ص: ٢٧٦)

۲۶ یعنی آج کی نعمتوں کو نہ فنا ہے نہ زوال ــــــ وقت کی حرکت و رفتار اہل جنت کے لیے رک جائے گی، اور ''وقت کا گزرنا'' ان کے لیے لفظ بے معنی رہ جائے گا۔

الغیب۔ یعنی جنت کی نعمتیں اور دوزخ کی سختیاں دُنیا میں تو سب غیب ہی میں ہیں، یہ لوگ دُنیا ہی میں ان پر پورا یقین رکھتے تھے۔

من...... منیب۔ جنت کی اعلیٰ ترین نعمتوں سے استفادے کے لیے بندے میں صفات کل یہ دو ہونے چاہیے: ایک خشیتِ الٰہی، دوسرے انابتِ قلب۔

خشی الرحمن۔ خشیت و خوف عملاً تقریباً مرادف ہیں، لیکن دونوں کے محل استعمال میں فرق ہے۔ خوف قرآن میں اکثر ایسے موقع پر آیا ہے، جہاں ڈرنے والے کے ضعف، پستی، بیکسی کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ اور خشیت عموماً ایسے موقع پر لایا گیا ہے جہاں مخشی کی عظمت و ہیبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے ــــــ تفسیر کبیر میں امامؒ کے شاگردوں نے اس فرق کو تفصیل سے دکھایا ہے۔

وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا

اور بھی زائد ہے ۲۷ اور ہم ان سے قبل بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے

فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

اور (تمام) شہروں کو چھانتے پھرتے تھے (سو) انھیں کہیں بھاگنے کی جگہ بھی ملی؟ ۲۸ اس (اہلاک) میں اس کے لیے بڑی عبرت ہے

۲۷ یعنی ایسی نعمتیں جو اہل جنت کے خیال سے بھی بالاتر ہوں گی۔

لھم مایشاؤون فیھا کہہ کر بظاہر نعمتوں کی انتہا کر دی ہے کہ اب اس سے زیادہ اور ہو کیا سکتا ہے کہ جو کچھ بھی ان کی خواہشیں ہوں گی، سب ہی پوری ہو جائیں گی، لیکن نہیں، ولدینا مزید، ابھی اور بھی کچھ باقی ہے۔ انھیں ایسی ایسی نعمتیں بھی ملیں گی کہ وہاں تک ان کا ذہن بھی نہیں پہنچ سکا ہوگا!ـــــ مولیٰ کی رحمتِ بیکراں کی کوئی حد وحساب ہے!!

بعض صوفیہ محققین نے یہاں سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ عطا جب ہر تمنا سے افزوں تر ہو، تو طالب کو بھی اپنی طلب میں انتہا نہ چاہیے، اور نہ جو کچھ ملے، اس پر کفایت کرنا چاہیے۔ اور طالب کے لیے یہ تعلیم نکالی ہے کہ اپنی تمنائیں، آرزوئیں چھوڑ، ہمارے کرم ورضا کو دیکھ ـــــــ تو جو کچھ مانگ سکتا ہے ہم اس سے بھی زیادہ دے رہے ہیں!

لکھنؤ کے ایک خوشگو، اگرچہ غیر معروف شاعر کا ایک بہترین شعر اس موقع پر لکھے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا۔

کر کے میں دو جہاں طلب، دل میں ہوں سخت منفعل
تیرے کرم کے سامنے میرا سوال کچھ نہیں

۲۸ (تو پھر یہ موجودہ مشرکین کس برتے پر اور کس گھمنڈ میں پھولے ہوئے ہیں!)

قبلھم۔ منھم۔ دونوں جگہ ھم سے مراد مشرکین عرب ہیں۔

وکم اھلکنا۔ پُرقوت قوموں کی یہ ہلاکتیں جب جب ہوئیں ان کے کفر وطغیان کے پاداش ہی میں ہوئیں۔

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا

جس کے پاس دل ہے یا وہ متوجہ ہوکر کان ہی لگا دیتا ہے ۲۹ اور ہم نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ زمانوں میں پیدا کردیا

فنقبوا فی البلاد۔ ان پُرقوت ومتمدن قوموں کی نقل وحرکت آج ہی کی مہذب ومتمدن قوموں کی طرح، کبھی سامانِ حرب وضرب کی فراہمی میں اور کبھی سامانِ معیشت وتمدن کی تلاش اور باربرداری میں برابر اور مسلسل رہا کرتی تھیں۔

۲۹ یعنی جو لوگ قلب سلیم رکھتے ہیں، ان کے لیے تو یہ سارے حکایات وقصص ذخیرۂ عبرت رکھتے ہی ہیں، باقی جو لوگ محض توجہ سے ان تذکروں کو سن لیں تو ان کے لیے بھی ان کے اندر کافی سامانِ ہدایت موجود ہے ——— موقع تذکیر ومعرفت پر ذکر سمع وقلب کا آنا ان اعضاء کے حق میں بڑی اہمیت ومعنویت رکھتا ہے۔

قلب کے معنی لغت میں عقل وفہم کے ہی آتے ہیں۔

وقد يعبر بالقلب عن العقل، قال الفراء أی عقل. (جوهری، ج۱/ص:۲۰٤، تاج، ج۲/ص:۳۳٦)

اور اہل تفسیر بھی اس طرف گئے ہیں۔

أی عقل يتدبر به فكنی بالقلب عن العقل. (قرطبی، ج۱۷/ص:۲۳)

عقل. (جلالين، ص:٦۹۱)

والمعنی لمن له عقل. (بحر، ج۸/ص:۱۲۹)

يعنی لمن كان له عقل. (ابن جرير، ج۲۱/ص:٤٦۲)

بلکہ ابن عباسؓ صحابیؓ اور ابن زید تابعی سے بھی یہ معنی منقول ہیں۔

قال ابن عباس أی عقل، قال الفراء هذا جائز في العربية. (معالم، ج٤/ ص:۲۷۷)

وقال ابن زيد القلب فی هذا الموضع العقل. (ابن جرير، ج۲۱/ص:٤٦۲)

وَمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ

اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں ۳۰؎ سو آپ ان کی باتوں پر صبر ہی کیجئے اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرتے رہیے

قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَ قَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ ﴿۳۹﴾ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡهُ

آفتاب نکلنے سے پہلے اور (اس کے) چھپنے سے پہلے بھی ۳۱؎ اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے

۳۰؎ (تو ایسے قادرِ مطلق و ہمہ تواں کے لیے اعادۂ خلق کیا دشوار ہے؟)

ستة أيام۔ مراد یہ متعارف دن نہیں، بلکہ محض چھ زمانے یا چھ وقت ہیں۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف آیت ۵۴ کا حاشیہ۔

وما مسّنا من لغوب۔ دُنیا کے کروڑوں مسیحیوں اور یہودیوں کا ایمان آج تک یہ چلا آرہا ہے کہ حق تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان و زمین کی آفرینش کے بعد ساتویں دن آرام کیا۔ قرآن مجید کو اسی گمراہی کی تردید مقصود ہے۔

توریت مروجہ میں ہے:۔

''خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین، دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔'' (خروج۔ ۲۰:۱۱)

''چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا''۔ (خروج، ۳۱:۱۷)

اور انجیل مروجہ میں ہے:۔

''خدا نے اپنے سارے کاموں کو پورا کر کے ساتویں دن آرام کیا''۔ (عبرانیون، ۴:۴)

اور اسی کتاب ''عبرانیون'' میں ''آرام'' کا یہ تلازمہ بہت دور تک چلا گیا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی عجیب بات ہے کہ خود بائبل ہی میں اس عقیدے کی تردید بھی ایک جگہ موجود ہے۔ ''کیا تو نے نہیں سنا ہے خداوند سوابدی خدا ہے، زمین کے کناروں کا پیدا کرنے والا، وہ تھک نہیں جاتا اور ماندہ نہیں ہو جاتا''۔ (یسعیاہ، ۴۰:۲۸)

۳۱؎ (کہ اس ذکر الٰہی میں لگے رہنے سے آپ کی توجہ بھی ان کافروں کے معاندانہ اقوال و اعمال کی طرف کم رہے گی)

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝۴۰ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝۴۱

اورنمازوں کے بعد بھی ۳۲ اور سن رکھ (اے مخاطب) کہ جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا

قبل طلوع الشمس۔ اشارہ نماز فجر کی طرف ہے۔

وقبل الغروب۔ اشارہ ظہر وعصر کی نمازوں کی جانب ہے۔

وسبّح بحمد ربك۔ تسبیح سے یہاں مراد نماز ہی ہے۔

أراد به الصلاة. (جصاص، ج۳/ص ۴۱۰)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں صاف دلالت اس پر ہے کہ شدائد میں تسلی کا قوی ترین ذریعہ اللہ کی طرف توجہ ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۵۷۲)

۳۲ غرض یہ کہ اللہ کی تسبیح میں برابر لگے رہیے۔

أدبار السجود۔ سجود سے یہاں مراد نماز ہے۔

وقد يعبر به عن الصلاة. (راغب، ص:۲۵۱)

أدبار السجود أى أدبار الصلاة. (راغب، ص:۲۵۱)

أي وأعقاب الصلوٰت. (بیضاوی، ج۵/ص ۹۴)

ومن الليل۔ رات کی نمازوں میں مغرب وعشاء کی نمازیں آگئیں۔ حرف من سے اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ مراد ساری رات نہیں، بلکہ اس کا صرف ایک حصہ نماز، ذکر، تسبیح کے لیے مخصوص کر لینا کافی ہے۔

أى اصرف من الليل طرفاً إلى التسبيح. (کبیر، ج۲۸/ص:۱۶۱)

أى وسبّحه بعض الليل. (بیضاوی، ج۵/ص:۹۴)

فسبّحه۔ تسبیح سے یہاں مراد فرض نمازوں کے بعد کے نوافل واوراد واذکار لیے گئے ہیں۔

وهو التسبيح بعد الصلاة. (ابن جریر عن ابن عباس، ج۲۱/ص:۴۷۳)

أى النوافل. (ابن جریر عن ابن زید، ج۲۱/ص:۴۷۳)

النوافل بعد الفرائض. (بحر، عن ابن عباس ومجاهد وابن زيد، ج۸/ص:۱۳۰)

يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ

جس دن اس چیخ کو بالیقین (سب) سن لیں گے وہ نکلنے کا دن ہوگا (قبروں سے) ۳۳ بے شک ہم ہی ہاں ہم ہی جلاتے ہیں

وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ

اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف بازگشت ہے ۳۴ جس روز زمین ان پر سے کھل جائے گی جب کہ وہ دوڑتے ہوں گے، یہ

اور خود نماز بھی اس سے مراد لی گئی ہے۔

وعبرعن الصلاة بالتسبيح تنزيه لله عما لا يليق به، والصلاة تشتمل على قراءة القرآن وأذكار هي تنزيه لله تعالىٰ. (جصاص، ج۳/ص: ۴۱۰)

۳۳ ذکر صور کے نفخۂ اول کا ہے۔

المناد۔ یہ ندا دینے والے حضرت اسرافیل فرشتے ہیں۔ حدیث صحیح کے بہ موجب قیامت کے لیے نفخ صور کی خدمت انھی سے متعلق ہے۔

من مكان قريب۔ وہ آواز اتنی بلند ہوگی کہ کوئی مقام ان کے لیے کہیں سے بھی دُور نہ ہوگا، جو آواز ہلکی یا ناصاف ہوکر پہنچے، ہر شخص کے پاس خواہ وہ کہیں بھی ہو، یکساں قوت کے ساتھ پہنچے گی۔

إشارة إلى أن الصوت لا يخفى على أحد بل يستوى فى استماعه كل أحد. (كبير، ج۲۸/ص: ۱۶)

۳۴ یہ سب گمراہ و جاہلی قوموں کے عقائد کی تردید اور اس امر کے اثبات میں ہے کہ پیدا کرنے والا، پالنے والا، ہلاک کرنے والا، اور پھر حشر میں فیصلہ صادر کرنے والا، وہی ایک اور اکیلا پروردگار ہے۔ ان سب کے لیے کوئی الگ الگ دیوتا یا خدا موجود نہیں۔

ہندوؤں نے تخلیق کائنات برہما جی کے ذمہ، اور ربوبیت وشنو جی کے ذمہ، اور اہلاک وافنا شیو جی کے ذمہ ڈالا ہے، اور مسیحیوں نے حشر میں فیصلہ ''مسیح ابن اللہ'' کے ہاتھ میں رکھا ہے!

إنا نحن نحيى۔ جمع متکلم کے یہ تین تین صیغے جو یکجا ہوگئے، اور زور و تاکید کے موقع پر عربی اسلوبِ بلاغت کے عین مطابق ہیں، اردو میں ان کے منتقل کرنے کی صورت وہی ہے جو یہاں ترجمۂ متن میں اختیار کی گئی، یعنی ''ہم ہی، ہاں ہم ہی'' ہے۔

حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِم

جمع کرلینا ہمارے لیے آسان ہے ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اور آپ ان پر

بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴿٤٥﴾

جبر کرنے والے بنا کر نہیں (بھیجے گئے) ہیں، سو آپ قرآن کے ذریعہ سے نصیحت کرتے رہیے اسے جو میری وعید سے ڈرتا ہو ۳۵

۳۵ یعنی تذکیر نافع صرف اسی کو ہوگی، باقی سب کو ہدایت پر لے آنا آپ کے اختیار میں نہیں، سو اختیار سے باہر چیز کا غم نہ کیجیے۔

نحن أعلم بما يقولون۔ یعنی انکارِ قیامت سے متعلق یہ لوگ جو کچھ بکتے رہتے ہیں، وہ سب ہم پر خوب روشن ہے، اور ہم ہی انھیں پوری سزا دینے کے لیے بھی کافی ہیں۔

وما أنت عليهم بجبّار۔ یعنی آپ تو صرف مبلغ، معلم، منذر کی حیثیت رکھتے ہیں، نتائج کی ذمہ داری آپ پر ذرا بھی نہیں۔

فذکّر......وعید۔ قرآن مجید کے مضامین سے وعظ و تذکیر کے مخاطب ہیں تو سب ہی، البتہ ان سے نفع یاب وہی ہوں گے، جن کے دلوں میں پہلے سے خوفِ خدا موجود ہے۔

(۵۱)

سورۂ ذاریات مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝۱ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝۲ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝۳

قسم ہے اُڑانے والی ہواؤں کی، پھر بوجھ اُٹھانے والے بادلوں کی، پھر نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝۴ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَّاِنَّ الدِّيْنَ

پھر چیزیں تقسیم کرنے والے فرشتوں کی کہ تم سے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل برحق ہے اور جزا ضرور ہی

لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ

ہونے والی ہے[۱] قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں کہ تم مختلف گفتگوؤں میں

[۱] (اس لیے تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے عمل کی ذمہ داری پوری محسوس کرے)
قرآن مجید کے پیش نظر ایک ایسی امت تیار کرنا ہے، جو اپنے ایک ایک عمل میں زندگی کے ایک ایک جزئیہ میں، اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس رکھتی ہو، اور کسی حال میں اس کے قدم کو لغزش نہ ہو ـــــ انسان کو ہمہ وقت صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے عقیدۂ حشر ہی نہیں، بلکہ اس کا استحضار بھی لازمی ہے۔

الذریٰت ذروا۔ مراد وہ ہوائیں ہیں جو غبار وغیرہ اُڑاتی رہتی ہیں۔

فالحملت وقرا۔ مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے لدے رہتے ہیں۔

فالمقسمت امرا۔ مراد وہ فرشتے ہیں جو مخلوقات میں مادّی وغیر مادّی ہر طرح کی تقسیمات بامر الٰہی کرتے رہتے ہیں۔

مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴿٩﴾ قُتِلَ الْخَرَّاصُوْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ

(پڑے) ہو ۲ اس سے پھرتا وہی ہے جسے پھرنا ہی ہوتا ہے ۳ غارت ہوں انکل پچو باتیں بنانے والے جو کہ

إنما توعدون لصادق۔ یعنی جس روز حشر کی آمد کا وعدہ تم سے کیا جارہا ہے وہ برحق ہے۔

إن الدين لواقع۔ کائنات کے یہ سارے انتظامات جو ہواؤں، بادلوں، کشتیوں اور فرشتوں کے ساتھ اس انضباط واہتمام کے ساتھ ہر وقت ہوتے رہتے ہیں، اس پر برہانِ قاطع ہیں کہ یہ ناسوتی زندگی بے مقصد نہیں، ضرور اس کا ہر تصرف، ہر تغیر کوئی نہ کوئی مقصد رکھتا ہے۔ حشر نام ہے اہم ترین مقصد کا۔ حشر نہ ہو تو یہ سارا انتظام واہتمام ہی بالکل بے مقصد اور اکارت ہوا جاتا ہے ــــــ اور یہی مقصود قرآنی قسموں کا ہوتا ہے۔

بعض اہل اشارات نے لکھا ہے کہ آگے چونکہ ذکر حشر ہی کا آرہا تھا، اس لیے یہاں قسم کے ذریعے سے شہادت میں بھی ایسی ہی چار چیزیں پیش کی گئیں، جن سے اشارہ فنا، انتشارِ اجزا، اعادہ اور ترکیب کے مدارجِ چہارگانہ کی طرف نکلتا ہے۔

۲ (عقیدۂ حشر سے متعلق کہ کوئی تو عقیدۂ حشر کی تکذیب کررہا ہے، کوئی اس کے متعلق گومگو اور تذبذب میں پڑا ہے، وقس علیٰ ہذا)

ذات الحبك۔ ان راستوں سے مراد فرشتوں کے چلنے پھرنے کے راستے بھی لیے گئے ہیں اور ستاروں کی گردش کے بھی۔

قال مقاتل والكلبي والضحاك ذات الطرائق. (معالم، ج ٤/ص: ٢٨١)

هي ذات الطرائق. (راغب، ص: ١٢٠)

لفي قول مختلف۔ یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ تم لوگ اس قرآن اور ان رسولؐ کے بارے میں مختلف ومضطرب اقوال وآراء میں پڑے ہوئے ہو۔

أي في القرآن وفي محمد صلى الله عليه وسلم. (معالم، ج ٤/ص: ٢٨١)

في الرسول صلى الله عليه وسلم...... أو في القرآن. (بيضاوي، ج ٥/ص ٩٥)

۳ (راہِ خیر وسعادت سے)

هُمْ فِىْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ

غفلت (جہالت) میں بھولے پڑے ہیں ؎ پوچھتے ہیں کہ روزِ جزا کب ہوگا؟ یہ دن (وہ ہوگا) جب وہ لوگ

عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

آگ پر تپائے جائیں گے، اپنی سزا کا مزہ چکھو، یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے ۵

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ

بے شک پرہیز گار لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے، لے رہے ہوں گے جو ان کے پروردگار نے انھیں عطا کیا ہوگا، بے شک یہ لوگ

عنہ۔ ضمیر ایمان کی جانب بھی سمجھی گئی، اور قرآن کی جانب بھی اور عقیدۂ حشر کی جانب بھی۔ حاصل سب کا ایک ہی ہے۔

أی یصرف عن الإیمان، وقال الحسن وقتادة عن الرسول صلی اللہ علیه وسلم، وقال غیر واحد عن القرآن. (روح، ج۲۷/ص:۵)

۴ (اور یہ غفلت چونکہ اختیار ہی سے پیدا ہوئی ہے اس لیے اس پر مواخذہ بھی ہے)

الخرّاصون۔ خرّاص حقیقۃً وہ شخص ہے جو بغیر کسی دلیل قطعی کے، یوں ہی ظن و تخمین سے کام لیتا رہے، خواہ اتفاق سے کبھی اس کا گمان صحیح بھی ثابت ہو جائے۔

کل قول مقول عن ظن و تخمین یقال خرص سواء کان مطابقاً للشیئ أو مخالفاً. (راغب، ص:۱٦٤)

کثرت سے ''قدیم/معقولی'' اور ''جدید فلسفی'' بلا علم و تحقیق الٰہیات پر رائے زنی کرتے رہنے والے خرّاصون ہی کے تحت میں آتے ہیں۔

۵ مفسر تھانویؒ نے خوب لکھا ہے کہ یہ جواب اس طرز کا ہے، جیسے کسی مجرم کو پھانسی کی سزا کا حکم ہو جائے، مگر وہ احمق محض اس بنا پر کہ تاریخ و وقت نہیں بیان کیا گیا ہے، طنزاً یہ کہتا رہے کہ اچھا تو وہ دن کب آئے گا؟ (تھانوی، ج۲/ص:۵۷۴)

یسئلون۔ یہ سوال بطور طنز و استہزاء کے ہوتا تھا۔

كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ⑯ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ⑰

اس کے قبل نکوکار تھے ۶ رات کو بہت کم سوتے تھے ۷

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ⑱ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ

اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے ۸ اور ان کے مال میں حق رہتا تھا سوالی

وَالْمَحْرُوْمِ ⑲ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ⑳ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا

اور غیر سوالی (سب) کا ۹ اور زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے اور خود تمھاری ذات میں بھی تو کیا سمجھیں

۶ (تو ایسوں کو جنت بھلا کیوں نہ ملتی؟)

قبل ذلك۔ یعنی اپنی دُنیوی زندگی میں۔

۷ (اور رات کا معقول حصہ ذکر وفکر، تسبیح وتلاوت ہی میں صرف کیا کرتے تھے)

یہ مراد (نعوذ باللہ) تو نہیں ہوسکتی کہ راتوں کو سنیما اور تھیٹر، ناچ رنگ اور طرح طرح کی رنگ رلیوں اور فحش کاریوں میں جاگ جاگ کر برباد کرتے تھے۔ جو لوگ شب میں نوافل تک کے لیے یہ اہتمام رکھتے ہوں، ظاہر ہے کہ فرائض وواجبات کی ادائی کا وہ شب وروز کیسا التزام رکھتے ہوں گے!

۸ یعنی کمال پر کمال یہ تھا کہ باوجود اس اہتمام عبادت کے نظر اپنی عبادت پر نہ تھی، بلکہ اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا ہی سمجھتے تھے ـــــــــ کیا ٹھکانا ہے خشیتِ قلب کا! رات کا بیشتر حصہ جاگ جاگ کر عبادت میں کاٹ دیتے ہیں، اور سحر کے وقت استغفار اس طرح کرتے ہیں کہ گویا رات عبادت میں نہیں، جرم ومعصیت میں گزاری ہے!

۹ یعنی ایسے التزام واہتمام سے لیتے دیتے تھے کہ جیسے ان کے ذمہ ان کا کچھ حق تھا!

السائل۔ وہ جو منہ سے سوال کرے۔

المحروم۔ وہ جو منہ سے سوال نہ کرے، مگر ہو حاجت مند۔

ان نفلی طاعتوں اور عبادتوں کے ذکر سے مقصود ان کے ثمراتِ عالیہ کا اظہار کردینا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ جنات وعیون کے انعامات بغیر ان کے ملیں گے ہی نہیں۔

تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ

دکھائی نہیں دیتا؟ ۱۰ اور آسمان میں تمھارا رزق بھی ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ۱۱ سو قسم ہے آسمانوں

۱۰ یعنی انسان اگر خود اپنے حالاتِ ظاہری و باطنی کا جائزہ لیتا رہے، اگر آیاتِ آفاقی و نفسی پر غور کرتا رہے، تو وقوعِ حشر کی ضرورت کا وہ ضرور قائل ہو جائے گا۔

للموقنین۔ یعنی ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں یقین کی طلب اور حق کی جستجو ہے۔

وفی الأرض آیات۔ یعنی وقوعِ قیامت و جزا کے آفاقی دلائل و شواہد۔

دُنیا میں آج جتنے بھی علوم و فنون نظر آتے ہیں، یہ سب کیا ہیں؟ موجوداتِ عالم اور ان کے مختلف اصناف کے متعلق قاعدے اور کلیے ہی تو ہیں، آفتاب و ماہتاب سے لے کر ریگستان کے ذروں اور دریا کے قطروں اور گھاس کی پتیوں اور ننھے ننھے کیڑوں تک بڑی چھوٹی چیزیں جو کچھ بھی کائنات میں ہیں، سب کیسی قاعدوں میں بندھی ہوئی اور ضابطے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں، تو یہ سارا عقلوں کو حیران کر دینے والا عظیم الشان نظام اور دماغوں کو حیرت میں ڈال دینے والا بے انتہا وسیع انتظام جس کے اندر بخت و اتفاق کی کوئی ہلکی سی بھی گنجایش نہیں، یہ سب ایک کردگار حکیم و مختار کے وجود کے دلائل و شواہد نہیں تو اور کیا ہیں؟

وفی أنفسکم ۔ یعنی وقوعِ قیامت و جزا کے اَنفسی دلائل و شواہد۔

انسان اگر خود اپنے ہی جسم اور اعضائے جسم کی حکیمانہ ترکیب و تناسب پر اور اپنے ہی ذہن و عقل کی انتہائی حکیمانہ ترتیب و ساخت پر غور کرنا شروع کرے، تو اس کا دل اور دماغ دونوں گواہی دے اٹھیں گے کہ یہ ساری صنعت گری بجز ایک حکیم مطلق کے اور کسی کی ہو نہیں سکتی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ فی أنفسکم کا جو عطف فی الأرض پر ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جاہل صوفیہ کا فی أنفسکم سے تجلی حق پر استدلال کرنا باطل محض ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۷۴)

۱۱ یعنی قیامت کا۔

وفی السمآء۔ یعنی لوح محفوظ میں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ رزق مقدر کا اور قیامت کا، سب کا علم لوحِ محفوظ میں مندرج ہے۔

وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ

اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ برحق ہے (اسی طرح) جیسے کہ تم بات چیت کررہے ہو ١٢ کیا آپ تک ابراہیم کے معزز مہمانوں کی

لیکن عام طور پر مفسرین نے معنی یہ لیے ہیں کہ اسبابِ رزق (مثلاً بارش) وغیرہ کا اصل نزول آسمان ہی سے ہوتا ہے۔

١٢ یعنی جس طرح تم اپنی بات چیت میں کبھی شک وشبہ نہیں کرتے، وقوعِ قیامت کو بھی یقینی اور قطعی سمجھو۔

مفسر فراہیؒ نے جہاں مثل ماأنکم تنطقون سے خوب نکتہ پیدا کیا ہے۔ اُن کی عربی تفسیر کا اُردو میں متن درج ذیل ہے:۔

یہاں یہ سوال خود بہ خود پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے یہاں نطق کی مثال کیوں اختیار کی؟ فرمایا جس طرح تم بولتے ہو، یہ کیوں نہ فرمایا کہ جس طرح تم دیکھتے ہو، سنتے ہو، اور کھاتے پیتے ہو، وغیرہ۔ یہاں چونکہ معاد کا اثبات کرنا ہے، مثال نطق کی دی، اس لیے کہ نطق نفس کے تمام مظاہر وحالات سے زیادہ قابل یقین ہے۔ تمھارا اُٹھایا جانا ایک امرواقعی ہے یہ ویسا ہی ہے جیسا تمھارا بولنا۔ تم بولتے ہو اور تم کو اس میں ذرا شبہ نہیں ہوتا۔ گویا یوں فرمایا کہ جس طرح تم بولتے ہو، ساری کائنات بول رہی ہے کہ اللہ کی طرف تمھارا لوٹنا حق ہے۔

نطق کی اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے کہ عقل کو نفسِ ناطقہ کہا جاتا ہے اور انسان کو حیوانِ ناطق کہتے ہیں اور نطق کی ایک ضروری خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ناطق کی طرف لوٹتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ناطق بہرہ ہے، اور پس نطق کی اسی خصوصیت کے لحاظ سے ضروری ہوا کہ یہ تمام مخلوق اپنے خالق کی طرف لوٹے، کیوں کہ یہ تمام خلق، اللہ کے کلمۂ کُن سے وجود میں آئی ہے۔ (فراہی، نظام القرآن، ص:١٦-١٧)

إنه۔ یعنی یہی وقوعِ قیامت وجزا وسزا۔

أی إن ما وعدتم به من أمر القيامة، والبعث والجزاء كائن لامحالة، وهو حق لا مرية فيه. (ابن كثير، ج٤/ص:٢١١)

یا یہ کہ اوپر جو کچھ مذکور ہو چکا ہے، سب کی طرف یہ ضمیر اشارہ کررہی ہے اور تابعی ابن جریج سے یہی منقول ہے۔

اِبۡرٰهِيۡمَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿۲۴﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ

حکایت پہنچی ہے؟ ۱۳ جب کہ وہ ان کے پاس آئے، پھر (ان کو) سلام کیا (انھوں نے بھی) کہا سلام

قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِيۡنٍ ۙ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيۡهِمۡ

(یہ) انجان لوگ (تھے) ۱۴ پھر آپ اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا لے آئے پھر اسے ان کے پاس لا کر رکھا

عن ابن جريج أى أن جميع ما ذكرناه من أول السورة إلى هنا لحق. (روح، ج۲۷/ص:۱۰)

۱۳ حضرت ابراہیمؑ کا یہ قصہ مع حواشی متعلقہ سورۂ ہود (رکوع ۷) اور سورۃ الحج (رکوع ۴) میں بھی گزر چکے ہیں۔

مثل۔ ضمیر انہ سے حال واقع ہوا ہے، اور اس لیے حالتِ نصب میں ہے۔ اور اصل اس میں شبہ فعل یعنی فالحق ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تم سے جزا و سزا کا جو وعدہ کیا جاتا ہے، بالکل امر حق ہے، اس میں کوئی گنجایش شبہ کی نہیں، اور بالکل اُلٹا یہ تمھارے نطق کے ہے۔

المکرمین۔ فرشتے عند اللہ تو مکرم و معزز ہیں ہی، بحیثیت مہمان کے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی نظر میں بھی معزز تھے۔

أى مكرمين عند الله أو عند إبراهيم. (بيضاوى، ج۵/ص:۹۶)

أى عند الله عز وجل كما قال الحسن أو عند إبراهيم عليه السلام...... كما في بعض الآثار. (روح، ج۲۷/ص:۱۰)

وإنما وصفهم بالمكرمين إما لكونهم عباداً مكرمين وإما لإكرام إبراهيم عليه السلام إياهم. (كبير، ج۲۸/ص:۱۸۱)

حدیث ضیف ابراہیم۔ امام احمد بن حنبلؒ اور بعض فقہاء نے آیت سے مہمانوں کی مہمان داری کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔

وقد ذهب الإمام أحمد وطائفة من العلماء إلى وجوب الضيافة للنزيل، وقد وردت السنة بذلك كما هو ظاهر التنزيل. (ابن كثير، ج۴/ص:۲۱۱)

۱۴ (ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں)

قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ

(اور) کہا کہ آپ کھاتے کیوں نہیں؟ ۱۵ پھر آپ ان سے دل میں خائف ہوئے وہ بولے آپ ڈریئے نہیں، اوران کو ایک

بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ

بڑے عالم لڑکے کی بشارت دی ۱۶ اتنے میں ان کی بیوی بولتی پکارتی ہوئی آئیں، پھر ماتھے پر ہاتھ مار کر بولیں کہ

یعنی آپؑ نے انھیں پہچانا نہیں، محض اجنبی مہمان سمجھ کر ان سے صاحب سلامت کی۔

یہ فرشتے انسانی جامہ میں تھے۔ ملاحظہ ہوں سورۂ ہود (آیت ۶۹-۷۰) کے حاشیے۔

۱۵ فرشتے جو انسانی شکل میں حضرت ابراہیمؑ کے مہمان تھے۔ انھوں نے آپؑ کے اصرار کے بعد بھی آپؑ کے پیش کیے ہوئے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔

فجآء بعجل سمین۔ آپؑ نے ان تازہ وارد مہمانوں کو دیکھتے ہی ایک خوب تیار تلے ہوئے یا پکے ہوئے بچھڑے سے ان کی میزبانی کی۔ مہمانوں کی خاطر مدارت اس دورِ تمدن میں مشرق کی ایک بڑی خصوصیت تھی، اور حضرت ابراہیم پیغمبرؑ فیاضی و مہمان نوازی میں خاص شہرت کے مالک ہوئے تھے۔

۱۶ یعنی اسحاق نبیؑ کی۔

فرشتوں نے پہلے تو آپ کو تشفی دی کہ آپ ہم سے بدگمان و خائف نہ ہوں، ہم انسان نہیں، فرشتے انسانی قالب میں ہیں، پھر اس کے بعد حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی بشارت دی۔

بغلام علیم۔ مخلوق میں سب سے زیادہ علم انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے، عجب نہیں جو یہاں صفتِ علم کا انتساب نبی کی جانب اسی لحاظ سے کیا ہو۔

فأوجس منهم خيفة۔ آپؑ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں یہ لوگ قزاق و رہزن تو نہیں — اس دورِ تمدن میں ایک دستور یہ تھا کہ قزاق یا رہزن جس کسی پر غارتگری کرنا چاہتے تھے، اس کا نمک کھانے سے احتراز رکھتے تھے۔ ابراہیمؑ معمولی بندے نہیں، پیمبر ہیں، اور پیمبر بھی جلیل القدر، اس پر بھی اجنبی لوگوں سے ان کی اجنبیت کی بنا پر خوف و اندیشہ محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ ذرا بھی ان کے مرتبۂ کمال کے منافی نہیں!

عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٠﴾

بڑھیا بانجھ (کے اولاد) ؎١٧ وہ بولے کہ آپ کے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ وہ تو (پورا) حکمت والا ہے، (پورا) علم والا ہے ؎١٨

بشروہ بغلم علیم۔ قرآن مجید جابجا اس کی تصریح کرتا گیا ہے کہ مقبولینِ حق یہاں تک کہ حضراتِ انبیاء اولاد و خاندان سے بھاگتے نہیں۔ ترکِ دنیا کر کے گوشوں میں نہیں جا چھپتے، بلکہ خود اولاد کی تمنا کرتے ہیں، اور جب ان کی بشارت مل جاتی ہے، تو اس سے قدرۃً خوش ہوتے ہیں۔

؎١٧ آپ نے کمالِ تعجب سے فرمایا کہ ایک تو میں بوڑھی اور پھر عقیم، میرے اولاد ہونے کی صورت ہی کیا ہے؟

امرأته ۔ مراد حضرت سارہؑ ہیں، جن پر حاشیہ پہلے گزر چکا۔

فأقبلت......صرة۔ حضرت سارہؑ جواب تک پردے کی آڑ میں تھیں۔ یہ سن کر یک بہ یک سامنے آگئیں۔

عجوز عقیم۔ حضرت سارہؑ کا سن ضعیفی کو پہنچ چکا تھا، اور بظاہر آپ بانجھ معلوم ہو رہی تھیں۔ خوب خیال کر کے دیکھا جائے کہ قرآن مجید حضراتِ انبیاء کی خانگی زندگی کو بھی کس بسط و تفصیل سے بیان کرتا ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے خانگی زندگی کے جزئیات بھی پوری قدر و قیمت رکھتے ہیں!

؎١٨ فرشتوں نے جب دیکھا کہ حضرت سارہؑ پر عالمِ اسباب ہی کی رعایت غالب ہے تو جھٹ یہ یاد دلا دیا کہ یہ فرمان تو حضرت حق کے ہاں سے جاری ہو چکا ہے ـــــــ وہی حضرت حق، جن کی حکمت اور جن کا علم ہر مخلوق کی حکمت اور علم پر غالب ہے! ـــــــ خاندانِ نبوت کے ایک رکن کے لیے یہ استحضار کافی سے زائد اور ہر دلیل سے قوی تر تھا!

الحکیم۔ اُسی کی حکمت مطلق پر لائق ہے کہ کون عورت، کس سن میں قابلِ اولاد بنائی جا سکتی ہے۔

العلیم۔ اُسی کا علم کامل یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ فلاں عورت کے فلاں سن میں اولاد ہونی ہے، کون کون سی مصلحتیں پوری ہوں گی۔

انه هو کی ترکیب نے حکمتِ کامل و علمِ کامل کو ذاتِ باری و صفاتی کے ساتھ معنون کر دیا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ

(ابراہیم) نے کہا (اچھا) تمھیں کیا بڑی مہم درپیش ہے اے آسمانی قاصدو! ۱۹ وہ بولے کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف

مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ

بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم اُن پر کنکر کے پتھر برسائیں، جن پر آپ کے پروردگار کے پاس نشانِ خاص بھی پڑے ہوئے ہیں

لِلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا

حد سے نکل جانے والوں کے لیے، تو ہم نے جتنے اہل ایمان تھے ان کو وہاں سے الگ کر دیا، سو ہم نے وہاں بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے

فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ

(کوئی گھر مسلمانوں کا) نہ پایا ۲۰ اور ہم نے اس (واقعہ) میں ایک نشانی ان لوگوں کے لیے رہنے دی جو عذاب

۱۹ آپؑ نے فراستِ نبوت سے سمجھ لیا تھا کہ یقیناً کسی اور اہم مقصد کے لیے یہ ملائکہ کی سفارت روانہ ہوئی ہے۔

''سورۂ ہود میں فرشتوں کا یہ قول مکالمۂ حضرت سارہؓ کے قبل مذکور ہے، اور یہاں جو مکالمہ مذکور ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ قول مکالمۂ سارہ سے قبل ہی ادا ہوا ہے، اور چونکہ یہاں کوئی حرف ترتیب کا نہیں اس لیے ترتیبِ ذکری سے ترتیبِ وقوعی پر استدلال نہ کیا جائے گا، اور دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۷۷-۵۷۸)

خطب۔ اس اہم مقصد کو کہتے ہیں جس میں تخاطب کی ضرورت کثرت سے ہوتی ہے۔

الخطب الأمر العظيم الذی يكثر فيه التخاطب. (راغب، ص: ۱۷۰)

اور یہاں تو فرشتے ہی اس مشن کے حاملِ خصوصی بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لیے قدرتاً ابراہیم خلیل پیغمبرؑ کو اس سفارت کی عظمت کا خیال پیدا ہوا۔

وأما الخطب فهو الأمر العظيم، وعظم الشأن يدل على عظم من على يده ينقضی. (کبیر، ج ۲۸/ص: ۱۸۵)

۲۰ (اور وہ ایک گھر حضرت لوطؑ پیمبر ہی کا تھا)

قوم مجرمین۔ ذکر حضرت لوطؑ کی بے دین و بدعمل قوم کا ہے ___ مفصل حاشیے کئی بار پہلے گزر چکے۔

فأخرجنا......المسلمين۔ اس بستی بھر میں کوئی دوسرا شریف ومومن بجز حضرت لوط پیمبر کے گھرانے کے اورتھا ہی نہیں، حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے بھتیجے تھے اور شرقِ اُردن میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔

لنرسل......للمسرفين۔ اس شامت زدہ قوم کی ہلاکت آسمانی پتھراؤ سے ہوئی تھی۔

المسلمين ۔ ابھی ابھی ان کے لیے لفظ المؤمنين کا آچکا تھا۔ بعض مفسرین نے اس سے استدلال یہ کیا ہے کہ اسلام (باصطلاحِ شرعی) اور ایمان باہم مرادف ہے۔

فيه دليل على أن الإيمان والإسلام واحد. (مدارك،ص:١١٧٠)

واستدل بالآية على اتحاد الإيمان والإسلام للاستثناء المعنوى. (روح،ج٢٧/ص:١٤)

لیکن امام رازیؒ کا فرمانا یہ ہے کہ لفظ مسلم، مومن سے عام تر ہے، اور لفظ عام کا خاص پر برابر اطلاق ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس سے دونوں کا اتحادِ مفہوم لازم نہیں آتا اور اس کی تائید مفسرین محققین اہل سنت نے بھی کی ہے۔

والدلالة على أن المسلم بمعنى المؤمن ظاهرةً، والحق أن المسلم أعم من المؤمن، وإطلاق العام على الخاص لا مانع منه، فإذا سمّى المؤمن مُسلماً لا يدل على اتحاد مفهوميهما. (كبير،ج٢٨/ص:١٨٨)

فالاستدلال بها على اتحادهما فيه ضعيف. (روح،ج٢٧/ص:١٤)

وقال الرماني الآية تدل على أن الإيمان هو الإسلام و كذا قال الزمخشري وهما معتزليان. (بحر،ج٨/ص:١٤٠)

واستدل به على اتحاد الإيمان والإسلام وهو ضعيف، لأن ذلك لا يقتضي إلا صدق المؤمن والمسلم على من اتبعه وذلك لايقتضي اتحاد مفهوميها لجواز صدق المفهومات المختلفة على ذات واحدة. (بيضاوى،ج٥/ص٩٧)

وهذا الاستدلال ضعيف لأن هؤلاء كانوا قوماً مؤمنين، وعندنا أن كل مؤمن مسلم ولاينعكس فاتفق الاسمان ههنا لخصوصية الحال، ولايلزم ذلك في كل حال. (ابن كثير،ج٤/ص:٢١٢)

الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٣٧﴾ وَفِىْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾

دردناک سے ڈرتے رہتے ہیں ۲۱ اور موسیٰ (کے قصہ) میں بھی (نشانی ہے) جب کہ ہم نے انھیں فرعون کے پاس بھیجا ایک کھلی ہوئی دلیل دے کر ۲۲

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ

لیکن اُس نے اپنی قوت (کے زعم) میں سرتابی کی اور کہنے لگا، یہ ساحر یا مجنون ہیں، سو ہم نے اُس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر

فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِىْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿٤١﴾

سمندر میں پھینک دیا اور وہ تو تھا ہی قابل ملامت ۲۳ اور عاد (کے قصہ میں بھی عبرت ہے) جب کہ ہم نے اُن پر نامبارک آندھی بھیجی

۲۱ (چنانچہ عذابِ الٰہی سے خوف کھانے والے آج تک اس قوم کی داستانِ ہلاکت سے عبرت ونصیحت حاصل کرتے رہتے ہیں)

بحرِ مردہ یا بحرِ لوط، اور آس پاس شہر سدوم کے کھنڈر آج تک ہر صاحبِ دل کو داستانِ عبرت سنا رہے ہیں۔

۲۲ یعنی معجزات صریح وواضح دے کر۔

سلطان کا اطلاق واحد وجمع دونوں پر آتا ہے۔

هو ما ظهر على يديه من المعجزات الباهرة، والسلطان يطلق على ذلك مع شموله للواحد والمتعدد لأنه في الأصل مصدر. (روح، ج۲۷/ص:۱۵)

۲۳ (اور مستحقِ عذاب)

بِرُکنہ۔ اپنی قوت یا اپنے ساز وسامان کے زعم وپندار میں۔ رکن کے معنی قوت یا ساز وسامان کے بھی آتے ہیں، اور اس ترکیب کو مان کر رکن کے معنی قوم کے بھی لیے گئے ہیں، اور اس ترکیب کو مان کر باءِ تعدیہ ہوگی۔

يستعار للقوة. (راغب، ص:۲۲۹)

قيل بقوته وسلطانه. (بحر، ج۸/ص:۱۴۰)

والركن ما يركن إليه الإنسان من مال وجند. (مدارك، ص:۱۱۷۰)

''اپنے زور پر'' (شاہ عبدالقادر دہلویؒ)

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ

جس چیز پر بھی گزرتی تھی اُسے ایسا کر چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہو جائے ۲۴ اور ثمود (کے قصہ میں بھی عبرت ہے)

إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ

جب ان لوگوں سے کہا گیا کہ کچھ دن اور چین کرلو، پر اُنھوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی، سو اُنھیں عذاب نے آلیا

والباء للتعدية حينئذٍ يعني تقوى بجنده. (كبير،ج٢٨/ص:١٨٩)

رکن کے معنی قوم کے بھی لیے گئے ہیں۔ اس صورت میں ب باء مصاحبت ہوگی، اور ترجمہ ہوگا ''مع اپنی قوم کے''۔

الباء للمصاحبة، والركن إشارة القوم. (كبير،ج٢٨/ص:١٨٩)

وهو مليم۔ یعنی یہ سزائے غرقابی اس کے حق میں ظلم ذرا سا بھی نہ تھی۔

مليم۔ یہاں اسم مفعول یعنی ملوم مستحق ملامت کے معنی میں ہے۔

ألام أى استحق اللوم. (راغب،ص:٥١١)

هو مليم أى وهو ملوم. (ابن كثير،ج٤/ص:٢١٢)

امام رازیؒ نے یہاں قرآن مجید کی دوسری آیت نقل کر کے جس میں یہی لفظ وھو ملیم حضرت یونسؑ کے متعلق بطنِ حوت سے نجات کے سلسلے میں آیا ہے، استنباط یہ کیا ہے کہ مومن کا گناہ تو ظہوریاس کے وقت مغفور رہتا ہے، لیکن کافر کا ایمان غیر مقبول۔

فذنب المؤمن وقت ظهور اليأس مغفور وإيمان الكافر غير مقبول.

(كبير،ج٧/ ص:٦٤٩، المطبعة الأزهرية،١٣٠٨هـ)

أو۔ کلمۂ أو ہمیشہ شک واشتباہ ہی کے موقع پر نہیں آتا، ابہام کے لیے بھی لایا جاتا ہے، چنانچہ یہاں بھی اسی مفہوم میں آیا ہے۔ ابوعبیدہ لغوی ونحوی کا قول نقل ہوا ہے کہ یہاں أو واوِ علت کا مرادف ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دونوں باتیں کہی تھیں۔

۲۴ (اور یہی اس آندھی کا نامبارک ہونا تھا)

طوفانِ باد قوم عاد پر اس غضب کا آیا کہ اُس سے وہاں کی ہر قابل ہلاک چیز کی ہلاکت کامل واقع ہوگئی تھی ـــــــ قوم عاد اور حضرت ہودؑ پر حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔

الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا

اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے تھے ۲۵ سو نہ تو وہ کھڑے ہی ہوسکے اور نہ (ہم سے)

مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

بدلہ ہی لے سکے اور (اُن سے) بہت پہلے قوم نوح (کا بھی یہی حال ہو چکا تھا) وہ بڑے نافرمان لوگ تھے

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ

اور ہم نے آسمان کو دستِ قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں ۲۶ اور زمین کو

۲۵ قوم ثمود۔ حضرت صالحؑ کی سرگزشت کئی بار قرآن مجید میں آچکی ہے اور حاشیے وہیں گزر چکے ہیں۔

إذ قيل لهم۔ اس قول کے قائل پیمبرِ وقت حضرت صالح علیہ السلام تھے۔

تمتّعوا حتي حين۔ یعنی اگر کفر و سرتابی سے باز نہ آئے تو یہ دُنیوی عروج و اقبال چند ہی روز کا مہمان ہے اور اس کے بعد پھر ہلاکت ہی ہلاکت۔

۲۶ (سو کسی مذہب والے کا حق تعالیٰ کی صفتِ قدرت کو محدود جاننا حد درجہ جہل و نادانی ہے)

بأيد۔ يد کے معنی قوت کے ہیں۔ قرآن مجید ہی میں متعدد بار اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً أولي الأيدي والأبصار۔ واذكر عبدنا داوٗد ذا الأيد۔ چنانچہ یہاں بھی یہی معنی بلا تکلف ہیں۔

قال ابن عباس ومجاهد وقتادة بقوة. (روح، ج۲۷/ص:۱۷)

والأيد القوة هذا هو المشهور. (كبير، ج۲۸/ص:۱۹۴)

أي بقوة، قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة والثوري وغير واحد. (ابن كثير، ج۴/ص:۲۱۳)

آیت سے مسائل ذیل بھی روشنی میں آگئے، اور ہر ہر مسئلہ کے اثبات کے ساتھ ساتھ اس کے مقابل جاہلی مشرکانہ خیال کی تردید بھی ہوگئی:۔

(۱) آسمان ساری دوسری مخلوقات کی طرح حادث و مخلوق ہی ہے، قدیم و غیر مخلوق نہیں۔

(۲) آسمان نہ دیوتا ہے نہ کسی دیوی دیوتا کا پیدا کیا ہوا ہے، اللہ ہی کا خلق کیا ہوا ہے۔

(۳) حق تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق آسمان کی تخلیق سے بھی بڑھ کر چیزوں پر قادر ہے۔

فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ

ہم نے فرش بنایا ۲۷ سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں، اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم کی بنایا تا کہ تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا

سمجھو ۲۸ پس تم اللہ ہی کی طرف دوڑو، میں تمھارے لیے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں ۲۹ اور اللہ کے ساتھ کوئی

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِیْنَ

اور معبود مت قرار دو، میں تمھارے لیے اس کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں ۳۰ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے

۲۷ زمین کی اصل ہیئت، علمائے ہیئت کی تحقیق میں گروی، بیضوی، جیسی کچھ بھی ہو، یہاں اس سے مطلق تعرض نہیں، انسان بہر حال و بہر صورت اس کی سطح پر چلنے پھرنے کا کام لیتا ہے اور اس کے اسی وصف کو یہاں بیان کیا، ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ (۲۲، آیت: جعل لکم الأرض فراشاً پر حاشیہ) زمین نہ خود کوئی دیوی دیوتا ہے، نہ کسی دیوی دیوتا کی مخلوق، جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ ساری دوسری مخلوقات کی طرح اللہ ہی کی ایک مخلوق۔

۲۸ (اور غور وفکر سے کام لے کر اس حکمت وصناعی سے استدلال توحید پر کرو)

زوجین سے یہاں مراد مقابل کی چیزیں ہیں۔ مثلاً گرمی سردی، جو ہر عرض، آسمان زمین، پستی بلندی، بڑی چھوٹی، الٹی سیدھی، وحدت کثرت، نور ظلمت وقس علی ہذا۔ کائنات بھری پڑی ہے ایسی ہی اضداد یا متقابلات سے۔

۲۹ (اور میری ساری تنبیہوں کا خلاصہ بس یہی ہے کہ شرک والحاد چھوڑ کر توحید کی راہ پر قائم ہو جاؤ)

ففروا۔ ف تعقیب کے لیے ہے، مطلب یہ ہوا کہ اتنی مشرک گمراہ قوموں کے تذکرے اور اللہ کی قدرتِ کاملہ کا بیان سن لینے کے بعد اب تو سارے عالم سے بھاگ کر اللہ کے ہو جاؤ۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ لفظ فرار سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ توجہ الی اللہ خوب شوق کے ساتھ ہونا چاہیے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۷۸)

۳۰ (اور میری تبلیغ اور تاکید یہی ہے کہ شرک کے ہر پہلو سے دست بردار ہو جاؤ)

مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا قَالُوۡا سَاحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوۡا بِهٖ ۚ

گزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیمبر ایسا نہیں آیا جسے انھوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو، کیا اس بات کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے آئے ہیں؟

بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرۡ

نہیں بلکہ وہ لوگ (سب کے سب) ہوئے ہی سرکش ہیں ۳۱ تو آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے کیونکہ آپ پر کوئی الزام نہیں، اور انھیں سمجھاتے رہیے

فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا

کیوں کہ سمجھانا نفع دیتا ہے ایمان والوں کو ۳۲ اور میں نے تو جنات وانسان کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے

اِنّی ......مبین۔ آیت کی تکرار تاکید کلام کے لیے ہے، جوشِ بیان کے وقت تکرارِ کلام ہر خطیب وانشا پرداز کی زبان پر آجاتی ہے، اور اثباتِ توحید سے بڑھ کر اور کونسا موقع جوشِ بیان کا قرآن مجید کے لیے ہوسکتا ہے!

تکرير للتأكيد. (بیضاوی، ج ۵/ص:۹۸)

لیکن شاید زیادہ مناسب ہو، اگر یہ کہا جائے کہ آیت ماقبل میں یہ جملہ توحید کے ایجابی واثباتی پہلو پر زور دینے کے لیے تھا اور اب جو اس کی تکرار ہوئی وہ سلبی ومنفی پہلو کی اہمیت کے اظہار کے لیے ہے۔

وكرر إنى لكم منه نذير مبين عند الأمر بالطاعة والنهى عن الشرك. (روح، ج ۲۷/ص:۱۸)

۳۱ یہاں خطیبانہ انداز میں پہلے تو سوال قائم کیا ہے کہ جس تسلسل وتواتر کے ساتھ شروع سے اب تک انبیائے کرام کی مخالفت ہوتی آئی ہے، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اب تک پہلی نسل اپنی پچھلی نسل کو اس کی وصیت ہی کرتی چلی آئی ہے، تو کیا ایسا ہی ہے؟ اور پھر جواب دیا ہے کہ نہیں، ایسا نہیں، بلکہ طغیان وسرکشی سب میں مشترک رہی ہے اور وہی تکذیب وانکار کی محرک رہتی ہے۔

الذين من قبلهم۔ ظاہر ہے کہ مراد پرانی کافر قومیں ہیں۔

كذلك......مجنون۔ پوری آیت میں تسکین وتسلی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، آپ سے قبل ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ تکذیب وانکار کا پیش آچکا ہے اور اُسے ساحر ومجنون کے خطاب مل چکے ہیں۔

۳۲ (اور منکروں پر اتمامِ حجت کرتا رہتا ہے)

لِيَعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾ مَاۤ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ يُّطۡعِمُوۡنِ ﴿۵۷﴾

کہ میری عبادت کیا کریں ۳۴ میں ان سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلایا کریں

گویا تذکیر و تبلیغ نافع بہرحال بہرصورت ہے، کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔

فتول...... بملوم۔ یعنی آپ اُن کی مخالفت کی پروا اور غم زیادہ نہ کیجیے۔ آپ کے فرائض میں یہ تو کہیں سے داخل نہیں کہ آپ اُنھیں ایمان لانے پر مجبور ہی کریں۔

۳۴ عبادت سے یہاں مراد فقہ کی کتاب العبادات والی عبادت پنجگانہ مراد نہیں، بلکہ اپنے وسیع و عام مفہوم میں طلب رضائے الٰہی کے مرادف مراد ہے۔

امام رازیؒ نے کہا ہے کہ ساری عبادتوں کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں: ایک امر الٰہی کی تعظیم، دوسرے خلق اللہ پر شفقت ـــــ دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ کی ادائی، حقوق العباد کی ادائی۔

ما العبادة التي خلق الجن والإنس لها؟ قلنا: التعظيم لأمر الله والشفقة على خلق الله، فإن هذين النوعين لم يخل شرع منهما. (کبیر، ج۲۸/ص: ۲۰۰)

الجن والإنس۔ مخلوقات میں یہ دو قسمیں ایسی ہیں جن میں خالق نے پورا احساسِ ذمہ داری رکھ دیا ہے، اور ان کے اندر ابتلا و اختیار دونوں کی صلاحیتیں جمع کر دی ہیں، بخلاف فرشتوں کے جو ابتلا سے خالی رکھے گئے ہیں اور بخلاف حیوانات کے جنھیں اختیار کی پوری قوت نہیں دی گئی ہے۔ پوری طرح پر ذمہ دار ہستیاں بنا کر یہی دو مخلوق دُنیا میں بھیجی گئی ہیں۔ اُن کی اپنی تکمیل ذات کے لیے یہ لازمی ہے کہ یہ جو کچھ بھی کریں عبادت ہی کی راہ سے کریں، کھائیں پئیں، بولیں چالیں، چلیں پھریں، کمائیں خرچ کریں، ہر فعل ہر عمل سے مقصودِ اصلی رضائے الٰہی کا حصول ہی رکھیں، اپنے وجود کی علت غائی اسی کو سمجھیں، یہی معنی ہیں اُن کی عبادت کے ـــــ عبدیت و عبادت سے خود انسانیت ہی کو پورے نشو و نما کا موقع ملتا ہے، اور جتنی اس میں کمی رہ جائے گی، اُسی نسبت سے انسان کا منشائے تکمیل ناتمام رہے گا۔

لیعبدون۔ ل تعلیل کا ہے، لیکن مقصود تخلیق سے اشارہ غرض و غایت تشریعی کی جانب کرنا ہے، نہ کہ مقصدِ تکوینی کی جانب۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا

اللہ تو خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے ۳۴ قوت والا ہے، مضبوط ہے ۳۵ سو جو یہ ظالم لوگ ہیں اُن کی بھی باری ہے

مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جیسے ان کے ہم مشربوں کی باری تھی، سو یہ لوگ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں ۳۶ غرض ان کافروں کے لیے اُس دن کے آنے سے

مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

بڑی خرابی ہے، جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

۳۴ (نہ یہ کہ کوئی اسے کھلائے پلائے، کوئی اس کا سہارا بن جائے)

عبد و معبود، بندہ و خالق کے باہمی تعلق کے باب میں یہ عقیدہ مشرک قوموں میں کثرت سے شائع رہا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ خدا کا کام یہ ہے کہ بندوں کو روزی دے، ان کے لیے پانی برسائے، اُن پر ہوا چلائے، اُنھیں روشنی دے، گرمی بھی پہنچائے، اور بندوں کا کام یہ ہے کہ اس کے آگے نذرانہ پیش کرتے رہیں، اس کے سامنے بھینٹ چڑھاتے رہیں، اس کے استھانوں پر چڑھاوے چڑھائیں، وہ بھوکا ہو تو یہ اُسے کھانے پینے کو دیں، وقس علی ہٰذا۔ قرآن نے آ کر اس نظریۂ شرک پر ضرب لگائی اور توحید کا نعرہ لگا کر کہا کہ یہ کیا واہیات خرافات ہے۔ اللہ پاک کی ذات پاک ہر قسم کی حاجت سے بَری ہے، وہ کسی معنی میں بھی کسی کا محتاج نہیں، وہ غنی کامل ہے۔ اس نے جو تمھیں عبادت کا حکم دیا ہے، وہ خود تمھاری ہی تکمیل کے لیے ہے، ورنہ اُسے کسی رزق کی کیا حاجت ہے۔ اس کے لیے ایسا گمان رکھنا اُسے خدائی کے مرتبہ سے نعوذ باللہ معزول کر دینا ہے! مشرک جاہلی قوموں کے عقائدِ باطلہ کے لیے ملاحظہ ہو، حاشیہ تفسیر انگریزی۔

۳۵ (اور اس میں عجز، ضعف اور کسی قسم کی احتیاج کا احتمال عقلی ہی نہیں)

ان تمام صفاتِ الٰہیہ کا اثبات مشرک جاہلی قوموں کے عقائدِ باطلہ کی تردید میں ہے۔

۳۶ (وہ عذابِ موعود)

یعنی عذابِ الٰہی تو اپنے وقت پر حکمتِ الٰہی کے موافق اور مصلحتِ ربانی کے ماتحت ہی آ کر رہے گا، کسی کے جلدی مچانے سے کیا ہوتا ہے!

ع ۳ ۲

إن...... ذنــوبــاً۔ یعنی علم الٰہی میں ان منکرین ومکذبین کے عذاب کے لیے بھی ایک وقت مقرر وموعود ہے، یہ لوگ اسے سن رکھیں۔

مثل ذنوب أصحٰبهم۔ اس میں اس اصولی حقیقت کا بیان آگیا کہ گناہوں میں مماثلت سزا میں بھی مماثلت کی مقتضی ہے۔

أصحٰبهم۔ مراد گزشتہ پُرقوت قومیں ہیں، جو اسی انکار وکفر کی پاداش میں ہلاک ہوچکی ہیں۔

نظرائهم من الأمم السالفة. (بيضاوى، ج٥/ص:٩٨)

أصحابهم الذين أهلكوا من قوم نوح وعاد وثمود. (معالم، ج٤/ص:٢٨٩)

(۵۲)

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّة

سورۂ طور مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالطُّوْرِ ۙ ① وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ ② فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ ③ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ ④

قسم ہے پہاڑ کی اور اُس کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے کھلے کاغذ میں اور بیت معمور کی

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ ⑤ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ ⑥ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ

اور اُونچی چھت کی اور لبریز سمندر کی کہ بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب

لَوَاقِعٌ ۙ ⑦ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ ⑧ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ ⑨ وَّتَسِيْرُ

ضرور ہو کر رہے گا [۱] کوئی بھی اُسے ٹال نہیں سکتا (یہ اُس روز ہوگا) جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا اور پہاڑ

[۱] یعنی یہ سارا نظامِ کائنات، سارا کارخانۂ فطرت بزبانِ حال گواہ ہے کہ جزائے اعمال ضرور مل کر رہے گی اور اسی جزائے عمل کے مکان و زمان کا نام حشر یا قیامت ہے۔

والطور۔ یعنی پہاڑ گواہ ہیں جو اپنی جگہ پر اتنے مضبوط و مستحکم نظر آ رہے ہیں۔

الطّور سے مراد جزیرہ نمائے سینا کا کوہِ طور بھی ہوسکتا ہے، چنانچہ متعدد مفسرین اسی طرف گئے ہیں، لیکن لغت میں طور کا مفہوم عام ہے یعنی مطلق پہاڑ۔ اور وہی سیاق کے زیادہ مناسب ہے۔

قیل اسم لکل جبل. (راغب، ص:۳٤٦)

اسم لکل جبل علی ما قیل فی اللغة العربیة عند الجمهور. (روح، ج۲۷/ص:۲٦)

الطور الجبل بالسریانیة أو ما طار من أوج الایجاد إلی حضیض المواد.

(بیضاوی، ج٥/ص:۹۸)

الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ

پھٹ پھٹ جائیں گے ۲؎ سو بڑی شامت اُس روز جھٹلانے والوں کی ہوگی جو بیہودگی کے ساتھ مشغلہ

خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هٰذِهِ النَّارُ

(تکذیب) میں لگے ہوئے ہیں، یہ وہ دن ہوگا جب اُنھیں ڈھکیل ڈھکیل کر آتشِ دوزخ کی طرف لائیں گے، یہ وہی دوزخ ہے

الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٤﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿١٥﴾

جسے تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ بھی سحر ہے یا تمھیں نظر نہیں آتا؟ ۳؎

هو اسم الجنس. (كبير، ج ۲۸ / ص: ۲۰۵)

وكتاب مسطور۔ یعنی نامۂ اعمال کا وجود گواہ ہے جس میں سارے ہی اعمال محفوظ ومندرج رہتے ہیں۔

والبيت المعمور۔ فرشتوں کا عبادت خانہ ساتویں آسمان پر گواہ ہے جس کے عین محاذ میں زمین پر خانۂ کعبہ واقع ہے۔

والسقف المرفوع۔ یعنی آسمان گواہ ہے۔

والطور سے لے کر والبحر تک ”و“ پانچ بار آیا ہے، ان میں واوِ اول قسم کا ہے اور باقی واوِ عطف کے ہیں۔

الواو الأولىٰ للقسم والبواقي للعطف. (مدارك، ص: ۱۱۷۳)

۲؎ یعنی ایسی چیزیں جو وسعت، شان، صلابت وپائیداری میں آج اپنی نظیر آپ ہی سمجھی جاتی ہیں، سب اپنے صفاتِ وسعت وثبات وصلابت وغیرہ سے معریٰ ہوکر سامنے آجائیں گی۔

من دافع۔ من زائدہ تاکید کے لیے ہے، یعنی کوئی سی چیز بھی اسے ٹال نہیں سکتی۔

من مزيدة للتاكيد. (روح، ج ۲۷ / ص: ۲۹)

۳؎ ملامت مزید کے طور پر اہل دوزخ کو قائل کیا جائے گا کہ دُنیا میں تو دوزخ کے بیان کو خوب جھٹلاتے اور سحر پر محمول کرتے رہے، اب کہو، اب مشاہدے کے بعد بھی اس کے سحر ہونے ہی کے قائل ہو یا یہ ہے کہ دنیا کی طرح یہاں بھی یہ تمھیں نظر نہیں آرہا ہے!

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ

(اب) اس میں داخل ہو، پھر خواہ اس پر صبر کرنا یا نہ کرنا تمھارے حق میں (سب) برابر ہے، تم کو وہی بدلہ تو دیا جارہا ہے

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۙ⑰ فٰكِهِيْنَ بِمَآ

جیسا کہ تم کیا کرتے تھے ۴؎ بے شک متقی لوگ باغوں اور سامانِ عیش میں ہوں گے، خوش ہو رہے ہوں گے اُس سے جو کچھ کہ

اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑱ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

ان کے پروردگار نے اُنھیں دیا ہوگا، اور ان کا پروردگار اُنھیں عذابِ دوزخ سے محفوظ رکھے گا خوب (مزے سے) کھاؤ پیو

هَنِيْٓئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۙ⑲ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ

ان (نیکیوں) کے بدلہ میں جو تم کرتے رہے ہو، تکیہ لگائے ہوں گے برابر بچھے ہوئے تختوں پر

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ⑳ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ

اور ہم ان کی تزویج کریں گے گوری گوری بڑی آنکھ والیوں کے ساتھ ۵؎ اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں

فی خوض یلعبون۔ اس میں اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی آ گیا کہ یہ منکرین ومکذبین اب بھی ان حقائق ومسائل پر اس سنجیدگی سے غور وفکر نہیں کرتے جو ان حقائق کی اہمیت کی متقاضی ہے بلکہ بے فکری، بے غوری، بے خیالی کے ساتھ اُن پر سے یوں ہی سرسری گزرتے چلے جاتے ہیں۔

۴؎ یعنی تمھارا جرم تو کفر ہے ــــ اللہ کے کمالات غیر متناہی کا کفران ــــ سو تمھارے لیے سزا بھی دوزخ میں خلود کی ہے۔

إنما...... تعملون۔ إنما کلمۂ حصر ہے، مطلب یہ ہوا کہ تمھیں بس اتنا ہی عذاب تو ہو رہا ہے جس کے تم مستحق ہو گئے تھے، اُس سے زائد سزا تو نہیں مل رہی ہے!

فاصبروا...... علیکم۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ تمھاری ہائے واویلا سے تمھیں نجات ہو جائے، اور نہ یہی ہوگا کہ تمھارے سکوت وانقیاد سے تم پر ترحم کیا جائے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۸۱)

۵؎ غرض یہ کہ وہ سارے مادّی عیش ولذائذ جو دُنیا میں ممکن تھے سب جنت میں بھی اُنھیں نصیب ہوں گے، یہ نہ ہوگا کہ جنت میں ان کا انعام کسی قسم کا بھی کٹ جائے۔

بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ وَمَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ

ان کا ساتھ دیا، ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی شامل کر دیں گے اور ہم اُن کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ ہونے دیں گے ؈

وزوّجنٰهم بحورعین۔ ان تصریحات سے قرآن مجید کے دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ نہ عمل تزویج میں کوئی امر شرمناک ہے، اور نہ گوری گوری بڑی آنکھوں والیوں کے حسن کا ذکر اپنے جائز محل پر قابل ملامت ہے، جیسا کہ بعض جدید فرقوں نے مسیحیت یا بدھ ازم کے اثر سے سمجھ لیا ہے۔

؈ یعنی اس کی صورت یہ نہ ہوگی کہ متقی اسلاف کے اعمال میں سے کچھ کم کر کے اُنھیں اور ان کی پست عمل اولاد کو ایک درجہ میں رکھ دیا جائے۔

ذرّیّتهم۔ ذرّیّت کے لفظ میں گنجایش ہے، علاوہ صلبی اولاد کے دوسرے اعزہ واقربا، احباب ومسترشدین بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور حدیث میں تو ذریت کا عطف ہی لفظ ولد پر ہے، جس سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ ذریت سے یہاں مراد مطلق توابع ہیں۔

واتبعتهم ذرّیّتهم بإیمان۔ مراد ایسی ذریت ہے جو صاحب ایمان تو اپنے اسلاف ہی کی طرح ہو، البتہ اعمال میں، اتباعِ شریعت میں اُن سے بہت پیچھے ہو۔

بإیمان۔ اس ایمان کی قید سے فقہائے مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ یہاں ذکر بالغ اولاد کا ہے جو اپنے ارادے سے ایمان لائے، اس لیے کہ بچے تو بہرحال اپنے والدین کے حکم میں رکھے ہی جائیں گے۔

يعني أولادهم الصغار والكبار فالكبار بإيمانهم بأنفسهم، والصغار بإيمان آبائهم فإن الولد الصغير يحكم بإسلامه تبعاً لأحد الأبوين. (معالم، ج٤/ص: ٢٩١)

بإیمان۔ صیغۂ نکرہ تنوین کے ساتھ یا تو تکریمِ ایمان کے لیے ہے، اور یا اس اظہار کے لیے کہ درجۂ آباء سے مقبولین تک پہنچا دینے کے لیے نفس ایمان میں اتباع کافی ہے۔

وتنكيره للتعظيم أو الاشعار بأنه يكفي للإلحاق المتابعة في أصل الإيمان. (بیضاوی، ج٥/ص: ٩٩)

الحقنا بهم ذریتهم۔ یہ اُن اسلاف مقبولین کے اکرام اور ازدیادِ لطف وسرور کے لیے ہوگا کہ ان کی ذریات کو بھی باوجود اُن کے درجۂ عمل کی پستی کے اُن کے ساتھ ملحق اور ہم مرتبہ کر دیا جائے گا۔

كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿٢١﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ

ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس رہے گا ۷ اور ہم انھیں میوے اور گوشت جیسے بھی مرغوب ہوں گے

من عملهم۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں بجائے من أجرهم کے من عملهم کے لانے میں نکتہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا عمل تو جوں کا توں رہے گا اور اس پر بہت زیادہ اجر ملتا رہے گا۔ من أجرهم کے لانے سے یہ زیادتیِ اجر والی بات نہ پیدا ہوتی۔

دليل على بقاء عملهم كما كان والأجر على العمل مع الزيادة فيكون فيه الإشارة إلى بقاء العمل الذى له الأجر الكبير الزائد عليه العظيم العائد إليه. (كبير، ج۲۸/ص:۲۱٦)

بعض فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ نومسلم سے وہ مسلمان افضل ہے جس کے باپ دادا بھی مومن ہوں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے شرافتِ نسب کا آخرت میں مفید ہونا نکلتا ہے، لیکن شرافتِ دینی کا، نہ کہ عرفی دُنیوی شرافت کا۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۵۸۲)

آیت میں بہت بڑی بشارت اہل ایمان کے لیے ہے۔ اپنا ایمان اگر صحیح وسلامت ہے تو انشاءاللہ رحمتِ الٰہی ہر کلمہ گو کے مدارج بلند کر کے اُسے اُس کے بلند پایہ اسلاف مقبولین کے درجہ تک پہنچا ہی دے گی۔

۷ یہاں مراد کافر شخص ہے۔ یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ اجر وثواب میں تو فضلِ خداوندی کسی کو اس کے عزیزوں اور بزرگوں کی ہم سطح کر دے گا، لیکن عذاب وگرفت میں یہ ہرگز نہ ہوگا۔

قال مقاتل كل امرئ كافر بما عمل من الشرك مرتهن فى النار. (معالم، ج٤/ص:٢٩٣)

لما أخبر عن مقام الفضل وهو رفع درجة الذرية إلى منزلة الآباء من غير عمل يقتضى ذلك، أخبر عن مقام العدل وهو أنه لا يؤاخذ أحداً بذنب أحد. (ابن كثير، ج٤/ص:٢١٧)

قال الواحدى هذا عود إلىٰ ذكر أهل النار فإنهم مرتهنون فى النار، وأما المؤمن فلا يكون مرتهناً، قال تعالىٰ: (كل نفس بما كسبت رهينة إلا أصحاب اليمين) وهو قول مجاهد. (كبير، ج۲۸/ص:۲۱۷)

مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا

روز افزوں دیتے رہیں گے، ہاں آپس میں جام (شراب) پر چھینا جھپٹی بھی کریں گے کہ اس (شراب) میں نہ بک بک لگے گی

وَلَا تَأْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾

اور نہ اور کوئی بیہودہ بات ۸ اور ان کے پاس لڑکے آئیں جائیں گے جو اُن کے لیے ہیں، گویا وہ محفوظ موتی ہیں ۹

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ

وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے (اور یہ بھی) کہیں گے کہ ہم تو اس سے پہلے اپنے

أَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

گھر میں بہت ڈرا کرتے تھے ۱۰ سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذابِ دوزخ سے بچالیا

کفر کے ساتھ نجات کی کوئی صورت ہی نہیں، چہ جائے کہ درجات کی بلندی ـــــــ اُوپر کی بشارت جو کچھ بھی ہے صاحبِ ایمان ذریت کے لیے ہے نہ کہ کافر اولاد کے لیے۔

۸ مسلمان کی جنت ہر بیہودگی، ہرگندگی سے تو یقیناً خالی ہوگی لیکن اُس کے سوا باقی ہر طرح کی تفریح، زندہ دلی، ہنسی مزاح کا وہ ایک مستقل گھر ہوگی۔ زاہدانِ خشک کے مزاج و مسلک سے الگ اور بہت الگ!

یتنازعون فیھا کاسا۔ یعنی دُنیا میں جیسے بے تکلف دوستوں کے درمیان ہنسی کھیل میں چھین جھپٹ ہوتی رہتی ہے ویسے ہی لطف و خوش طبعی کے ساتھ وہاں بھی رہے گی۔

لا لغو فیھا۔ لغو کی نفی سے معلوم ہو گیا کہ وہ شراب سکر پیدا کرنے والی نہ ہوگی۔

ولا تاثیم۔ تاثیم کی نفی سے معلوم ہو گیا کہ وہ شراب عقل و متانت کو زائل کرنے والی نہ ہوگی۔

۹ (کہ ان پر ذرا گرد و غبار نہیں، اور ان کی آب و تاب اعلیٰ درجہ کی ہے)

عربی محاورے میں یہ کنایہ غایتِ حسن و جمال سے ہوتا ہے۔

اور جب خادموں کا یہ حال ہوگا تو مخدوموں کے حسن و جمال کا کیا ٹھکانہ!

۱۰ (اپنے انجام کار سے)

إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ

ہم اس سے پہلے اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے، واقعی وہ بڑا محسن ہے، مہربان ہے ۱۱ تو آپ سمجھاتے رہیے کیوں کہ آپ

بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ

اپنے پروردگار کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں، ہاں کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں

نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ

اور ہم تو ان کے بارے میں حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں؟ ۱۲ آپ کہہ دیجیے (بہتر ہے) انتظار کرو اور میں بھی تمھارے ساتھ

قبل في أهلنا۔ یعنی جب دُنیا میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتے سہتے تھے۔

۱۱ (تو ہماری دعائیں کیوں نہ قبول کرلیتا)

آیت سے معلوم ہوا کہ آخرت کو بکثرت یاد کرتے رہنا، اپنے انجام سے ڈرتے رہنا، اپنے انجام بخیر کی دعائیں کرتے رہنا، مقبولین ومتقین کی علامتوں میں سے ہے۔

إنا كنا...... ندعوه۔ یعنی ہم دُنیا میں برابر یہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ پروردگار! ہمیں دوزخ سے بچانا اور جنت میں داخل کرنا ــــــــ سو ہماری دعا سن لی گئی۔

۱۲ (جیسا کہ بعض بدنصیب یہود و مشرکین کا خیال ہے)

عرب جاہلیت میں شاعروں کا بڑا زور واثر تھا، جیسا کہ یونان اور روما میں خطیبوں کا زور رہ چکا تھا، یا آج فرنگی قوموں میں اخبار نویسوں اور ایڈیٹروں اور مشہور افسانہ نگاروں اور ڈراما نگاروں کا ہے۔ مشرکوں کے ایک روشن خیال گروہ نے یہ رائے قائم کی کہ (نعوذ باللہ) یہ مدعی نبوت شاعر ہیں، اور جس طرح اور شاعر مر مر گئے، ایک روز یہ بھی ختم ہو جائیں گے اور ان کا چلایا ہوا کلام اور مذہب بھی نسیاً منسیا ہو جائے گا، کسی بڑے شاعر کے منہ آتے ہوئے اہل عرب خود ڈرتے اور ہچکچاتے تھے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ ایک روز جمع ہو کر باہم مشورہ ہوا اور آخر یہ قرار پایا کہ ان نئے شاعر صاحب سے زیادہ مقابلے ومزاحمت کی ضرورت کیا ہے! آخر جس طرح زہیر، اعشیٰ، نابغہ بڑے بڑے شعرائے نامدار وقادر الکلام فنا ہو چکے ہیں، یہ بھی ایک دن مع اپنے اس کلام کے ختم ہو جائیں گے اور اُن کا نقش خود بہ خود دلوں سے مٹ جائے گا۔

الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَٰذَا ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾

انتظار کرنے والوں میں ہوں ۱۳ کیا ان کی عقلیں اُنھیں باتوں کی تعلیم کرتی ہیں یا یہ ہے کہ یہ ہیں ہی شریر لوگ؟ ۱۴

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ

ہاں یہ کہتے ہیں کہ اُنھوں نے (قرآن) کو گڑھ لیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ ان میں ایمان ہی نہیں، اچھا تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام لے آئیں

إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ

اگر (یہ) اپنے دعوے میں سچے ہیں ۱۵ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے (پیدا کیے) پیدا ہو گئے

ریب کے معنی حادثہ وگردش کے ہیں جو جس وقت بھی پیش آ جائے۔

فالإنسان أبداً فی ریب المنون من جهة وقته لا من جهة کونه. (راغب، ص:۲۳۴)

ما یقلق به النفوس ویشخص بها من حوادث الدهر؛ (کشاف، ج۴/ص:۴۰۳)

منون کے معنی ہیں موت یا دہر وزمانہ۔

قیل هو اسم للموت. (کبیر) وقیل المنون الدهر وریبه حوادثه. (کبیر، ج۲۸/ص:۲۱۹)

وتفسیر المنون بالدهر مروی عن مجاهد. (روح، ج۲۷/ص:۳۶)

۱۳ یعنی اچھی بات ہے۔ تم میرا انجام دیکھو، میں تمھارا انجام دیکھتا ہوں۔

''اس میں اشارۃً پیش گوئی ہے کہ میرا انجام فلاح وکامیابی ہے اور تمھارا انجام فساد وناکامی ہے''۔ (تھانوی، ج۲/ص:۵۸۴)

۱۴ جو محض شرارت، ضد وخباثت سے ایسے نتائج پر مُصِر ہیں۔

ام......بھٰذا۔ سردارانِ قریش اپنی عقل وتدبیر ودور اندیشی کے لحاظ سے دُور دُور مشہور تھے، قرآن مجید کی تعریض ہے کہ کیا یہی اُن کی عقلیں ہیں؟ جو عقل اُنھیں ان نتائج پر لا رہی ہے، اسی عقل پر اُنھیں ناز ہے؟

۱۵ یعنی اگر واقعی یہ منکرین یہی سمجھتے ہیں کہ قرآن ایک انسانی گڑھنت ہے تو یہ بھی تو آخر انسان ہیں اور بڑے ''روشن خیال''، ''عالی دماغ'' صاحب زبان قسم کے انسان، یہ خود مل کر کیوں نہیں کوئی ایسی ہی کتاب تیار کر دیتے ہیں جو مغز ومعنویت یا زبان وانشاء کسی حیثیت سے بھی اس کی ہم سطح ہو؟

اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ

یا یہ کہ خود (اپنے) خالق ہیں؟ ١٦ یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرلیا ہے؟ اصل یہ ہے

لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳۶﴾ اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمۡ هُمُ الۡمُصَۜیۡطِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

ان میں یقین ہی نہیں ١٧ کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں، یا یہ لوگ حاکم (مجاز) ہیں؟ ١٨

بل لا یؤمنون۔ یعنی ان کی یہ تکذیبِ قرآن وتکذیب رسولؐ کسی عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں بلکہ تمام تر ان کی قوتِ یقین وایمان کی کمی کا ثمرہ ہے۔

١٦ یعنی کیا یہ اس کے قائل ہیں کہ یہ محتاج تو کسی خالق کے ہیں لیکن وہ خالق خود آپ ہی ہیں۔ مشرک فلاسفہ کا ایک مذہب یہ بھی ہوا ہے کہ عالم محتاج تو ایک خالق کا ہے لیکن وہ خالق کوئی غیر نہیں بلکہ نفس عالم ہی ہے، اس مذہب الحاد کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے کہ علت ومعلول ایک ہی جہت سے ایک ذات میں جمع ہو نہیں سکتے۔

أم خلقوا من غیر شیئ۔ یعنی کیا یہ اس کے قائل ہیں کہ عالم اپنے وجود میں کسی کی تخلیق کا محتاج نہیں بلکہ خود بہ خود قائم ہے؟ — یہ مذہب خالص اور غالی اہل دہریت کا ہے، اور اس کے جواب میں اسی قدر کافی ہے کہ ممکنات کے پہلوئے وجود کو ترجیح ہو نہیں سکتی جب تک کوئی مرجح نہ موجود ہو، اور وہی علت سے مرجح خالقِ کائنات ہے۔

١٧ اصل یہ ہے کہ ان تینوں شقوں میں سے کسی کے بھی قائل ومعتقد نہیں، لیکن محض جہل اور بے غوری سے توحید کا انکار کیے چلے جاتے ہیں۔

أم......الأرض۔ یعنی کیا یہ کہ خدا کی صفتِ خالقیت میں خود اپنے کو شریک سمجھتے ہیں اور تعددِ صانعِ عالم کے قائل ہیں؟

١٨ (اور یہ جسے چاہیں نبوت دلوادیں؟)

اب تک ذکر منکرینِ توحید کا تھا، اب ذکر منکرینِ رسالت کا شروع ہوتا ہے۔

خزائن ربك۔ خزائن پروردگار سے مراد اس کی نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے ہیں۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ

کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے باتیں سن لیا کرتے ہیں؟ تو ان میں سے جو سن آتا ہو وہ لائے (اپنے دعوے پر) کوئی

مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ

کھلی دلیل ۱۹ کیا اللہ کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور تمھارے لیے بیٹے؟ ۲۰ یا آپ اُن سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں، سو وہ

مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ

اس تاوان کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں؟ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ اسے لکھ لیا کرتے ہیں؟ کیا

يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ

یہ لوگ برائی کا ارادہ رکھتے ہیں؟ سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے ۲۱ کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی

غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ

اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ اُن کے شرک سے، اور اگر یہ آسمان کا کوئی

۱۹ یعنی کیا یہ لوگ اس کے مدعی ہیں ''کہ ہمارے پاس ایک سیڑھی ہے، اُس پر چڑھ کر ہم آسمان کی باتیں سن آیا کرتے ہیں؟'' اگر یہ ان کا دعویٰ ہے تو چاہیے کہ اپنے دعوے کو ثابت کریں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جو قطعی و آسمانی علم کے مدعی ہیں تو ان کے پاس اپنے خرافاتی دعووں پر کوئی وزنی دلیل بھی ہے؟

۲۰ یعنی اپنے لیے تو وہ چیزیں پسند کرتے ہو، جسے اپنے نزدیک اعلیٰ درجہ کی سمجھتے ہو اور اللہ کے لیے وہ چیزیں جو تمھارے معیار سے ادنیٰ کی ہیں!

آیت میں اشارہ اس گروہ مشرکین کی طرف ہے جو دیویوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتا تھا — مشرکینِ عرب کے ہاں بیٹی کے ناپسندیدہ و مکروہ ہونے پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔

۲۱ یعنی اپنے اسی کید کے وبال میں خود ہی گرفتار ہوں گے، قید ہوں گے، قتل ہوں گے، شکست و ناکامی کی ذلتیں اور مصیبتیں اُٹھائیں گے، قریش کے عین دورِ غلبہ و اقبال میں جب کہ اسبابِ ظاہری سب اسلام کی مغلوبی ہی کے تھے، ایسی پیش گوئی بجائے خود اعجازِ قرآنی کی ایک دلیل ہے۔

السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى

ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو بھی یہی کہیں کہ یہ تو تہ بہ تہ جما ہوا بادل ہے تو انھیں چھوڑے رہیے، یہاں تک کہ

يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ

اُنھیں اپنا وہ دن پیش آئے جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے ۲۲ جس دن ان کی تدبیریں اُن کے کچھ بھی کام

شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ

نہ آئیں گی اور نہ اُنھیں مدد ہی ملے گی ۲۳ ان ظالموں پر قبل اس کے بھی عذاب (ہونے والا) ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ

لیکن اُن میں سے اکثر (اس کا) علم نہیں رکھتے ۲۴ آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے قائم رہیے، اس لیے کہ آپ تو

بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾

عین ہماری حفاظت میں ہیں ۲۵ اور آپ اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کیجیے جب اُٹھا کیجیے

۲۲ (اور اُسی دن انھیں حقیقتِ حال معلوم ہو کر رہے گی۔ اُس کے ادھر نہیں)

فذرھم۔ یعنی ان کے باب میں اب زیادہ فکر و تردد کو کام میں نہ لائیے اور انھیں ان کے حال پر چھوڑے ہوئے رہیے۔

۲۳ (کسی طرف سے، نہ مخلوق کی طرف سے کہ اس کا امکان ہی نہیں اور نہ خالق کی طرف سے کہ اس کا وقوع نہیں ہونے کا)

کیدھم۔ کید سے مراد اُن کی وہ تدبیریں و سازشیں ہیں جو یہ اپنی کامیابی اور اسلام کی مخالفت میں برابر کام میں لاتے رہتے تھے۔

۲۴ (اور اسی لیے اس کے باب میں کوئی فکر و اہتمام نہیں کرتے)

عذاباً دون ذلك۔ یعنی اس اُخروی دائمی عذاب کے علاوہ دُنیا میں بھی عنقریب ان کو سزا ملنے والی ہے، قحط، قید، قتل، شکست و ہزیمت وغیرہ کی شکل میں۔

۲۵ (اور مخالفین و معاندین آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے)

وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَاِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ ۝۴۹

اور رات میں بھی اُس کی تسبیح کیجئے اور ستاروں سے پیچھے بھی ۲۶

باعیننا۔ عین کے یہاں مجازی معنی حفاظت وذمہ داری کے ہیں۔

أی فی حفظنا و حراستنا، فالعین مجاز عن الحفظ. (روح، ج۲۷/ص:۴۰)

العین کا صیغۂ جمع اظہارِ عظمت وکمال کے لیے ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں اور بھی موجود ہیں۔

معناه التعظیم و التفخیم، و نظیره فی الجمع للتفخیم و التعظیم، قوله تعالیٰ: "تجری بأعیننا"، وقوله تعالیٰ: "أولم یروا أنا خلقنا لهم مما عملت أیدینا أنعاماً". (مسائل الرازی، ص:۳۲۸)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مراقبۂ حضوری کو دخل عظیم سکون وطمانینتِ قلب میں ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۵۸۵)

فاصبر لحکم ربك۔ یعنی ان معاندین سے انتقام کی عجلت نہ کیجئے، صبر وتحمل سے کام لیتے رہیے۔

۲۶ یعنی ستاروں کے غروب کے بعد اور نماز فجر کے وقت۔

حین تقوم۔ مثلاً اپنی مجلس سے اُٹھتے وقت یا رات کو تہجد سے اُٹھتے وقت۔ غرض اپنے دل کو ذکرِ الٰہی وتسبیح میں لگائے رہیے، اس سے فکر وغم کا غلبہ نہ ہوگا۔

(٥٣)

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ نجم مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ② وَمَا يَنْطِقُ

قسم ہے ستارے کی جب وہ ڈوبنے لگے کہ یہ تمہارے ساتھی نہ بھٹکے، اور نہ غلط راستہ پر ہولئے [1] اور نہ وہ (اپنی) خواہش نفس سے

[1] ستارے اپنی روزانہ کی لمبی لمبی مسافتوں میں جس با قاعدہ رفتار کی پابندی طلوع سے غروب تک رکھتے ہیں اور ذرا اِدھر سے اُدھر نہیں ہوتے، اسے شہادت میں پیش کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ پیمبر اپنی ساری عمر ضلال وغوایت کے اثر سے محفوظ رہے اور افراط وتفریط دونوں سے الگ، ٹھیک حق وعدل کی صراطِ مستقیم پر قائم رہے۔

النجم۔ مطلق النجم سے مراد محاورۂ عرب میں ثُریا سے ہوتی ہے۔

والعرب إذا أطلقت لفظ النجم قصدت به الثريا. (راغب، ص:٥٣٧)

والنجم الثريا وهو اسم لها علم مثل زيد وعمرو. (لسان، ج ١٤/ص:٦٠)

وقال أهل اللغة: النجم بمعنى النجوم، والنجوم تجمع الكواكب كلها، ابن سيده: والنجم الكواكب، وقد خص بالثريا فصار لها علماً، والعرب تسمى الثريا النجم. (لسان، ج ١٤/ص:٦٠)

چنانچہ یہاں بھی ابن عباس صحابی اور تابعین اور اکابر تفسیر کی ایک بڑی جماعت اسی طرف گئی ہے۔

عن مجاهد يعنى بالنجم الثريا إذا سقطت مع الفجر، و كذا روى عن ابن عباس وسفيان الثورى واختاره ابن جرير. (ابن كثير، ج ٤/ص:٢٢١)

يعني الثريا إذا سقطت وغابت. (معالم عن ابن عباس، ج٤/ص:٣٠٠)
اور بعض دوسرے ستاروں کی طرح ثریا کی خاص اہمیت بھی عرب کی نظر میں تھی۔ بعض نے مطلق ستارے کے معنی لیے ہیں، اور اشارہ کسی نجم واحد کی جانب نہیں، بلکہ جنس نجوم کی جانب سمجھا ہے۔

قال مجاهد هي نجوم السماء كلها حين تغرب، لفظه واحد ومعناه الجمع. (معالم، ج٤/ص:٣٠٠)

قال الحسن...... هو هنا اسم جنس والمراد النجوم. (بحر، ج٨/ص:١٥٧)

وقيل العلماء مفرد أريد به الجمع. (بحر، ج٨/ص:١٥٧)

ایک مراد ستارہ شعریٰ سے بھی لی گئی ہے۔

وقيل الشعرىٰ. (بحر، ج٨/ص:١٥٧، روح، ج٢٧/ص:٤٥)

اس کی پوجا بھی عرب میں ہوتی تھی، اس پر حاشیہ اس سورت کے آخر میں آرہا ہے۔ بہر حال جو مراد بھی لی جائے، قرآن مجید کا استدلال واستشہاد بدستور قائم رہتا ہے۔

إذا هوىٰ۔ رفتار کی یہ باقاعدگی اور عدم انحراف جس طرح ادھر غروب تک قائم رہتی ہے اُسی طرح اُدھر طلوع تک بھی قائم رہتی ہے، لیکن ذکر میں قید غروب کی شاید اس لیے لگائی گئی ہو کہ یہ طلوع سے غروب تک کی کیفیت رویت ومشاہدے میں آتی رہتی ہے، اور غروب سے طلوع تک کی حالت نظروں سے مخفی رہتی ہے۔

صاحبکم۔ خطاب براہِ راست اہل عرب سے ہے کہ تمھارے یہ صاحب ورفیق جو ہر وقت تمھارے سامنے اور تمھارے ساتھ ہی رہتے ہیں، تم ان کے کردار، اعمال، احوال، اقوال، سب سے خوب واقف ہو۔

ما ضل...... ما غوی۔ ضلال یہ کہ انسان بالکل راستہ بھول کر کھڑا رہ جائے۔ غوایت یہ کہ غلط راستے پر پڑے اور غلط سمت پر چلنے لگے ـــــــ راست روی سے ہٹنے کی ممکن صورتیں یہی دو ہیں۔ قرآن رسول کی ذات سے ان دونوں کی نفی کامل کر کے خود معاصرین کو اس پر گواہ لارہا ہے ـــــــ رسولؐ کی صداقت کے بے شمار ثبوتوں میں ایک یہ ثبوت بھی کتنا صاف، سیدھا اور بے تکلف ہے!

عَنِ الْهَوٰی ۟ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۟ۙ

بات کرتے ہیں ۲ (یہ کلام تو) تمام تر وحی ہے جو اُن پر بھیجی جاتی ہے ۳

۲ (کہ اپنے کہے ہوئے کلام کو اللہ کی جانب منسوب کردیں، جیسا کہ تم اپنی حماقت سے فرض کیے ہو)

مطلب یہ ہوا کہ قرآن گو آپ کی زبان سے ادا ہو رہا ہے، لیکن وہ آپ کی کسی خواہش نفس کا ثمرہ نہیں۔ یہ جواب میں کافروں کے ارشاد ہو رہا ہے، جو قرآن کو آپ کی تصنیف قرار دے رہے تھے۔

ذلك أنهم قالوا إن محمداً صلى الله عليه وسلم يقول القرآن من تلقاء نفسه.

(معالم، ج ٤/ص: ٣٠١)

أى وما أتاكم به من القرآن ليس بمنطق يصدر عن هواه ورأيه، إنما هو وحى من عند الله يوحى إليه. (مدارك، ص: ١١٧٨)

بعض نے ینطق میں ضمیر بجائے رسولؐ کے خود قرآن کی جانب سمجھا ہے۔

قيل وما ينطق أى القرآن عن هوى وشهوة. (بحر، ج ٨/ص: ١٥٧)

۳ (اور جو آپؐ بے کم و کاست اُمت تک پہنچا دیتے ہیں)

ھو ضمیر قرآن کی جانب ہے ــــــ اور وسعت دے کر دوسرے دینی احکام بھی اس کے تحت میں لائے جا سکتے ہیں، جو آپ کو وحی خفی سے معلوم ہوئے۔

والظاهر أن الآية واردة فى أمر التنزيل بخصوصه وإن كان مثله الأحاديث القدسية. (روح، ج ٢٧/ص: ٤٦)

ما نطقه فى الدين، وقيل القرآن. (معالم، ج ٤/ص: ٣٠١)

الذى ينطق به أو إن هو أى القرآن. (بحر، ج ٨/ص: ١٥٧)

يوحى۔ وحی کے بعد پھر اسی کا فعل لانا تاکید کی غرض سے ہے۔

صفة مؤكدة لوحى رافعة لاحتمال المجاز. (روح، ج ٢٧/ص: ٤٦)

"یہ وحی خواہ لفظی ہو جو قرآن کہلاتی ہے، خواہ محض معنوی ہو، جو سنت کہلاتی ہے، اور خواہ محض کسی قاعدہ کلی کی ہو، جس سے آپ اجتہاد کرتے ہوں، مقصود زعم کفار کی نفی ہے یعنی صرف اس حقیقت

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝۶

(اور جو) اُنھیں بڑی قوت والا (فرشتہ) نے سکھایا ہے ۴؎ پیدائشی طاقتور، پھر وہ اصلی صورت پر ظاہر ہوا ۵؎

کا اظہار کہ آپ کسی غلط بات کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب نہیں کر دیتے''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۸۸)

۴؎ (اس وحی کو اللہ کی طرف سے)

قرآن کے وحی الٰہی ہونے کا اثبات ابھی ہو چکا ہے، اور اب بیان واسطۂ وحی کا ہے، مشرکینِ عرب معتقد تھے کہ معلوماتِ غیبی کاہنوں کو بھی حاصل ہوتی رہتی ہیں، لیکن وہاں واسطۂ علم شیطان ہوتے تھے، یہاں یہ بتایا کہ درمیانی واسطہ شیطان کا نہیں جو پیمبر پر کاہن ہونے کا احتمال بھی ہو سکے، بلکہ واسطہ بھی فرشتے کا ہوتا ہے ـــــــــ سرچشمۂ وحی ربانی ورحمانی، واسطہ وحی ملکوتی ونورانی۔

شدید القوىٰ۔ وہ پُرقوت فرشتہ جس پر کسی شیطانی اثر سے تاثر ومغلوبیت کا گمان بھی نہیں ہوسکتا۔ مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔

أی ملك شديد قواه......وهو جبريل عليه السلام عند الجمهور. (مدارك، ص: ۱۱۷۸)

جبرئیلؑ کے صاحبِ قوت ہونے کا ذکر قرآن مجید ہی میں ایک دوسری جگہ موجود ہے: ذی قوة عند ذی العرش مكين. (سورۂ تکویر)

۵؎ (ان رسولؐ کے سامنے)

محققین نے کہا ہے کہ اس میں کمالِ اکرام واعزاز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ آپؐ کے لیے ایک بار وہ سارے حجابات دُور کر دیے گئے جن کے اندر ہی یہ فرشتۂ اعظم چشم بشری کو نظر آسکتا ہے۔

ذو مرة۔ اپنی خلقت ہی کے لحاظ سے ایسے طاقتور کہ ابلیس کی مجال نہیں کہ ان کے سامنے دم مار سکے۔

قوة وشدة فی خلقه. (معالم، ج ٤/ص: ۲۰۱)

ایک معنی حسین وپاکیزہ رُو کے بھی کیے گئے ہیں۔

ذو منظر حسن. (مدارك عن ابن عباس، ص: ۱۱۷۸)

فاستوىٰ۔ اپنی اصلی ملکی شکل میں ظاہر ہوا۔

فاستقام على صورة نفسه الحقيقية دون الصورة التى كان يتمثل بها كلما هبط بالوحی. (مدارك، ص: ۱۱۷۸)

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ

اس حال میں کہ وہ اُفق کے بلند کنارے پر تھا ۶ پھر وہ نزدیک ہوا، اور زیادہ نزدیک ہوا ۷ سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا

فاستقام على صورته الحقيقية التي خلقه الله تعالىٰ عليها. (روح، ج۲۷/ص:۴۷)

۶ (سمت مشرق میں)

أى مطلع الشمس. (مدارك، ص:۱۱۷۸)

وهو أقصى الدنيا عند مطلع الشمس. (معالم، ج۴/ص:۳۰۱)

اس نظارے کی تفصیلات حدیث میں آئی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبوت کے ابتدائی مکّی عہد میں ایک روز جدھر سے صبح صادق طلوع ہوتی ہے، اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیلؑ اپنی اصل شکل میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ فضا اس وقت ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کے وجود سے پُر معلوم ہو رہی تھی۔ یہ حیرت انگیز اور پُر ہیبت منظر پہلی بار دیکھ کر طبیعتِ بشری پر قدرتاً اثر ذرا جھجک کا پڑا۔ اُس پر سورۂ مدثر نازل ہوئی۔

واؤ حالیہ ہے عاطفہ نہیں۔

ھو۔ ضمیر اس فرشتۂ شدید القوی کی جانب ہے، جیسا کہ اکثر محققین کا قول ہے۔

يعنى جبريل استوى فى الأفق الأعلى؛ قاله عكرمة وغير واحد. (ابن كثير، ج۴/ص:۲۲۲)

وعلى قول الجمهور فاستوىٰ أى جبريل فى الجو. (بحر، ج۸/ص:۱۵۷)

أى جبريل عليه السلام. (مدارك، ص:۱۱۷۸)

ابن جریر نے یہاں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ جبرئیل اور رسول اللہؐ دونوں شبِ معراج کو اپنی اصل شکل پر ظاہر ہوئے، لیکن ابن کثیر نے اس کی پوری تردید کر دی ہے اور لکھا ہے کہ:

قولاً لم أره لغيره، ولا حكاه عن أحدٍ...... لم يوافقه أحد على ذلك. (ابن كثير، ج۴/ص:۲۲۲)

”یعنی یہ قول میں نے سوائے ابن جریر کے اور کسی کے ہاں نہیں دیکھا، اور نہ انھوں نے بھی کسی سے اُس کو نقل کیا ہے..... اور نہ کسی اور نے ان کی تائید کی ہے“۔

۷ یعنی وہ فرشتۂ اعظم وحاملِ وحی، صورت وسیرت میں کامل، پُر قوت، پاکیزہ رُو، ان

اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ

بلکہ اور بھی کم ۸ پھر (اللہ نے) اپنے بندے پر وحی نازل کی

رسولِ اعظم سے بالکل متصل و ملحق ہوکر رہا۔

دنو کے معنی خود ہی قرب و نزدیکی کے ہیں، تدلی قرب مزید کے معنی میں لاکر اس کی اور تاکید و توثیق کردی۔ جس واقعے کی طرف اشارہ ہے وہ نزولِ وحی کے ابتدائی زمانے میں غارِ حرا میں پیش آیا۔

دنیٰ اور تدلیٰ۔ دونوں کی ضمیریں فرشتۂ وحی شدید القویٰ کی جانب ہیں۔

أی ثم قرب جبریل علیه السلام من النبی صلی الله علیه وسلم.... فالمراد بالتدلی دنو خاص. (روح، ج۲۷/ص:۴۸)

قال الجمهور أی جبریل إلی محمد علیهما الصلاۃ والسلام عند حراء. (بحر، ج۸/ص:۱۵۸)

ایک غیر محقق قول یہ چل گیا تھا کہ فعل دنو کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اس کی تردید دو دو صحابیانِ رسول سے منقول ہے۔

وقال ابن عباس وأنس فی حدیث الإسراء ما یقتضی أن الدنو یستند إلی الله تعالیٰ. (بحر، ج۸/ص:۱۵۸)

اور ابن قیمؒ نے اس قول غیر محقق کی تردید اور قول جمہور کی تائید میں سولہ دلائل قائم کیے ہیں۔

۸ قرب اور کمالِ قرب کے ظاہر کرنے کو ہر زبان میں الگ الگ محاورے ہوتے ہیں، اُردو میں کہتے ہیں ''دو قدم پر تو اُن کا مکان ہے''، ''چار قدم بھی چلنا مشکل ہو گیا''، ''ہاتھ بھر فاصلہ رہ گیا''۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ جب کوئی اہم عہد و پیمان درپیش ہوتا تو اپنی اپنی کمانوں کو نکال کر انھیں باہم ملاتے، یہاں تک کہ دونوں کے چلّے مل جاتے، پھر دونوں اکٹھا کھینچتے اور دونوں سے ایک ہی تیر چلاتے۔ یہ گویا علامت تھی ''من تو شدم تو من شدی'' ہو جانے کی۔ رفتہ رفتہ زبان میں یہی محاورہ بن کر کمالِ قرب و غایتِ اتحاد و اتصال کے لیے استعمال ہونے لگا ــــــ یہاں مقصود واسطۂ وحی اور صاحبِ وحی، رسولِ ملکی اور رسولِ بشری کے کمالِ اتحاد و اتصال کو دکھانا ہے۔

وهذا إشارة إلی تأکید القرب. (معالم، ج۴/ص:۳۰۳)

والمقصود تمثیل ملکة الاتصال. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۰۲)

مَآ اَوۡحٰی ﴿۱۰﴾ مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ

جو کچھ کی ۹ قلب نے کوئی غلطی نہیں کی، دیکھی ہوئی چیز میں ۱۰ تو کیا ان (پیمبر) سے نزاع کرتے ہو

ورد هذا على استعمال العرب وعادتهم. (كبير، ج۲۸/ص:۲٤۷)

أو یہاں شک وتردد کے لیے نہیں، تاکید واہمیت میں زیادتی کے لیے ہے۔ ترجمہ اس لیے بجائے ''یا'' کے ''بلکہ'' سے کیا گیا ہے۔

والمراد إفادة شدة القرب. (روح، ج۲۷/ص:٤۸)

أو أدنى۔ بقولِ مفسر تھانویؒ کے اس سے اشارہ ادھر بھی ہوگیا کہ فرشتۂ وحی اور صاحبِ وحی کے درمیان کمالِ قربِ صوری کے علاوہ مناسبتِ روحانی بھی درجۂ کمال کی تھی۔ (تھانوی، ج۲/ص:۵۸۹)

اور یہ تو تابعین ہی سے نہیں، جلیل القدر صحابیوں سے بھی منقول ہے کہ جس ذات کو پیمبر حق سے اتنا قرب واتصال حاصل ہوا، وہ ذات جبرئیل علیہ السلام کی تھی۔

هذا المقترب الداني الذي صار بينه وبين محمد صلى الله عليه وسلم إنما هو جبريل عليه السلام، هو قول أم المؤمنين عائشة وابن مسعود وأبي ذر وأبي هريرة. (ابن كثير، ج٤/ص:۲۲۳)

۹ (اس فرشتے کے ذریعے سے)

یہاں گویا یہ بتادیا کہ وحی بھیجنے والا وہ حاکم مقتدر علی الاطلاق، وحی لانے والا وہ فرشتہ بھی پُرقوت وعالی شان اور وہ عبد کامل جس پر وحی نازل ہوئی اس فرشتے سے ملحق ومتصل۔

عبدہ۔ عبد کا لفظ رسولِ اکرمؐ کے لیے ایسے ہی خصوصی موقعوں پر آتا ہے: وإن كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا، سبحان الذي أسرى بعبده ليلاً وغیرہ۔

ما أوحى۔ محاورۂ عرب واسلوبِ قرآن میں اس کا استعمال کمالِ عظمت ہی کے اظہار کے لیے ہوتا ہے اور اس صیغہ کو کلمۂ تفخیم کہتے ہیں۔ جہاں انتہائی تعظیم مقصود ہو، وہاں تفصیلات میں جانے کے بجائے کام اسی ابہام واجمال سے لے لیا جاتا ہے۔

تفخيم للوحى الذي أوحى اليه. (كشاف، ج٤/ص:٤١٠، مدارك، ص:١١٧٩)

۱۰ آنکھ سے نہ دیکھنے میں غلطی، قلب سے نہ سمجھنے میں قصور۔

عَلٰى مَا يَرٰى ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿١٣﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿١٤﴾

ان کی دیکھی ہوئی چیزوں میں ۱۱ اور انھوں نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ۱۲

سرچشمۂ وحی خود حضرت سبحان ورحمان، واسطۂ وحی جبرئیل امین، اب رہا یہ مہبطِ وحی، سید البشر وہ خود غلطی سے محفوظ وما مون، گویا ایصالِ وحی وقبولِ وحی کے سلسلے میں خطا وکوتاہی کے سارے احتمالات منفی!

فؤاد اور ما رأی کے اجتماع سے یہ نکتہ پیدا ہوا کہ عبدِ کامل نے چشم دل سے بھی دیکھا اور چشم ظاہر سے بھی۔ آنکھ نے بھی وہی کچھ دیکھا جو دکھانے والے نے دکھانا چاہا اور قلب بھی وہی سمجھا جو سمجھانے والے نے سمجھانا چاہا ـــــــ بصارت بے خطا اور بصیرت غلطی سے ماورا۔

شروع کی آیات میں بیان ابتدائے نزولِ وحی کا تھا، اب بیان شبِ معراج کا ہو رہا ہے۔

۱۱ منکروں سے خطاب ہے کہ کیسے غضب کی بات ہے کہ تم ان پیمبر سے جھگڑا اُن چیزوں میں کر رہے ہو جو اُن کی سنی سنائی نہیں، یہ فرض وتصور کی ہوئی نہیں، آنکھوں دیکھی ہوئی ہیں، دیکھی بھالی، جانچی پڑتالی ہوئی ـــــــ اور تم تخیلات، معقولات ومسموعات میں غوطے کھائے ہوئے چلے ہو، اُن سے ان کے مشاہداتِ صریح وواضح کے باب میں کج بحثی کرنے۔

۱۲ اور یہ دوسری رویت فرشتۂ وحی کی اُس کی اصلی شکل میں پیمبر اعظم کو کب اور کہاں ہوئی؟ پہلی رویت کا ذکر تو اوپر کی آیتوں میں آ ہی چکا ہے کہ اسی عالم میں غارِ حرا (مضافاتِ مکہ) میں سنہ ہجری سے بہت قبل سنہ نبوی کی ابتدائی تاریخوں میں ہوئی، اور یہ دوسری رویت جس کا اب ذکر ہے، یہ شب معراج یا لیلۃ الاسراء میں ہوئی ـــــــ اور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جبرئیلؑ کی اصلی شکل میں رویت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو بار ہوئی۔

عن ابن مسعود وعائشة ومجاهد والربيع قالوا رأى جبريل في صورته التي خلقه الله عليها مرتين. (جصاص، ج۳/ص:۴۱۳)

فهذه هي ليلة الإسراء، والأولىٰ كانت في الأرض. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٢٤)

سدرة المنتهىٰ۔ سدرۃ کے لفظی معنی بیری کے درخت کے ہیں، اور اصطلاح میں

عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰى ﴿۱۵﴾ اِذۡ يَغۡشَى السِّدۡرَةَ مَا يَغۡشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الۡبَصَرُ

اسی کے قریب جنت الماویٰ ہے ۱۲(الف) جب کہ اس سدرہ کو لپیٹ رہی تھیں جو چیزیں کہ لپیٹ رہی تھیں ۱۳ (ان پیمبر کی) آنکھ نہ تو ہٹی

سدرۃ المنتہیٰ حدیث وآثار کے مطابق وہ بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے، یادونوں پر ایک سے لے کر دوسرے تک اور گویا اُس عالم اوراس عالم کے درمیان ایک نقطۂ اتصال یا جنکشن کا کام دیتا ہے، یہ جو احکامِ تکوینی یا تشریعی عالم بالا سے صادر ہوتے ہیں، وہ پہلے سدرۃ المنتہیٰ ہی تک آتے ہیں، پھر فرشتے وہاں سے زمین پر لاتے ہیں، اسی طرح زمین سے جو اعمال صعود کرتے ہیں ان کا بھی درمیانی اسٹیشن یہی ہوتا ہے۔

عن ابن مسعود و الضحاك سدرة المنتهىٰ فى السماء السادسة و إليها ينتهى ما يعرج إلى السماء. (جصاص،ج۳/ص:۴۱۳)

الجمهور على أنها شجرة نبق فى السماء السابعة عن يمين العرش. (مدارك،ص۱۱۷۹)

عالم بالا میں اور آسمانوں کے اوپر ایک درخت اور بیری کے درخت کے تسلیم کرنے میں آخر عقل سلیم کو دشواری کیا ہے؟ جنت میں جب کہ دودھ کا وجود، شہد کا وجود، پانی کا وجود، شرابِ طہور کا وجود، انگور کا وجود، انار کا وجود، ہر قسم کے سبزہ زار کا وجود جب تسلیم ہے تو ایک بیری کے درخت میں کیا خاص اِشکال ہے؟ ــــ اور یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ جنت کی ہر نعمت اور آسمان کے ہر وجود کی طرح یہ بیری بھی اپنے الگ ہی خواص وآثار رکھتی ہوگی، اور دنیا کی ساری بیریوں سے مختلف وممتاز ہوگی۔

۱۲ (الف) اس مقام کی نشان دِہی ابھی ہو چکی، جہاں فرشتۂ اعظم کی ملاقات رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی، اب اس فقرے میں بیان اس مقام کے شرف وامتیاز کا ہے۔

جنة المأوى۔ مأوی کے لفظی معنی ٹھہرنے کی جگہ یا ٹھکانے کے ہیں، جنت چونکہ مقبولین کے رہنے کی جگہ اور ٹھہرنے کا ٹھکانہ ہے، اس لیے اس کا ایک نام جنت المأوی بھی ہے۔

۱۳ اس سدرۂ غیبی پر گرنے والی اور اس سے لپٹنے والی ہستیاں کون سی تھیں؟ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ فرشتے تھے جو بکثرت اور دیوانہ وار گر رہے تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ جمالِ مطلق کے انوار وتجلیات تھے جو سدرہ کو لپٹے ہوئے تھے اور فرشتے اُنھیں پر عاشقانہ گر رہے تھے۔

وَمَا طَغٰی ⑰ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ⑱ اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ

اور نہ بڑھی ۱۴ اُنھوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائب دیکھے ۱۵ بھلا تم نے غور کیا ہے لات

وَالْعُزّٰی ⑲ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ⑳ اَلَکُمُ الذَّکَرُ

وعزیٰ کے حال میں اور ایک تیسری اور منات کے بھی؟ ۱۶ تو کیا تمھارے لیے تو نر ہوں

غشیھا نور الرب وغشیتھا الملائکة من حب اللّٰہ. (ابن جریر عن الربیع، ج۲۲/ ص:۵۲۰)

قد تقدم فی أحادیث الإسراء أنه غشیتھا الملائکة مثل الغربان وغشیتھا نور الرب وغشیھا ألوان ما أدری ما ھی؟ (ابن کثیر، ج۴/ص:۲۲۶)

ما یغشیٰ۔ کلمہ تفخیم ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۹

۱۴ یعنی نظر ٹھیک وہیں پڑی جہاں اُسے پڑنا تھا، اور وہیں جمی جہاں اسے جمنا تھا، نہ اِدھر سرکی نہ اُدھر بھٹکی، بالکل نقطۂ اعتدال پر قائم رہی ـــــ عالم غیب کے عجائب وغرائب، لطائف ونوادر کا کیا کہنا! باوجود اس کے یہ بشری القویٰ جب اس عالم کی سیر کو پہنچا تو کیا مجال کہ نظر ذرا اِدھر سے اُدھر تو ہو جائے! کوئی حد ونہایت ہے اس عبد کامل کے کمالات کی؟ فوق البشر اگر کوئی ذات دنیا میں ہوسکتی تھی تو بس اُسی کی!

ما زاغ۔ نہ اِدھر ہوئی نہ اُدھر۔

أی ما مال بصر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یمیناً ولا شمالاً. (معالم، ج۴/ص:۳۰۷)

ما طغی۔ نہ کسی ایسی چیز پر پڑی جس کا حکم نہیں ہوا تھا۔

ما جاوز ما لا أمر به. (معالم، ج۴/ص:۳۰۷)

اور جب یہ حال باصرہ کا رہا تو سامعہ، ناطقہ وغیرہ تو حضرتِ حق میں اور زیادہ محو ومنہمک رہی ہوں گی!

۱۵ (اور ہر اعجوبۂ قدرت کے دیکھنے میں بھی شان ما زاغ البصر وما طغی کی قائم رہی) یہاں گویا یہ بتادیا کہ جب تجلیات وانوار کا آپ یوں تحمل فرماگئے جیسے یہ سارا عالم آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا دیکھا بھالا ہوا ہے، تو اب اور عجائب بھی آپؐ کے مشاہدے میں لے آئے گئے۔

۱۶ (کہ یہ تینوں کوئی بھی شائبۂ الوہیت اپنے اندر رکھتی ہیں اے مشرکو!)

أفـرأيتم۔ حرف ف میں ادھر اشارہ ہے کہ پیمبر کی عظمت وصداقت کے محقق ہو جانے کے بعد تو تم کو سمجھ ہی جانا چاہیے تھا۔

الأخریٰ۔ صفت ذم وتحقیر کے لیے ہے۔

ذم وهي المتأخرة وضيعة المقدار. (كشاف، ج ٤/ص: ٤١١)

لات، عزیٰ اور منات تینوں عرب کی مشہور دیویاں تھیں۔

اللات۔ یہ دیوی قبیلۂ ثقیف کی تھی، اور اس کا شمار عرب کی قدیم ترین دیویوں میں ہے، اور اس کا ذکر قدیم ترین نباطی کتبات میں ملتا ہے۔ یہ سورج دیوتا کی مظہر تھی، اس کی مورتی طائف میں نصب تھی، اور حال کے بعض سیاحوں نے اسے دیکھا بھی ہے، چنانچہ انگریز سیاح ڈاوٹی Arabia Deserta (صحرائے عرب) کی جلد دوم میں اس کا فوٹو شامل ہے۔

ابن ہشام میں ہے کہ رمضان ۹ھ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ واپس تشریف لے آئے تو بنی ثقیف کے لوگ اپنے قبیلے کی طرف سے ایمان لانے کی آمادگی کی خبر لے کر حاضر ہوئے، اس آمادگی کے باوجود لات کی عظمت دلوں میں اتنی بیٹھی ہوئی تھی کہ

سـألـوه رسـول الـلـه صـلى الله عليه وسلم أن يدع لهم الطائفية، وهي اللات، لا يهدمها ثلاث سنين. (ابن هشام، ج ۲/ص: ۳۳۸)

"انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مہلت مانگی کہ لات کی مورتی ابھی تین سال تک نہ توڑی جائے"۔

ظاہر ہے کہ داعیِ توحید کے دربار میں اس کی کہاں گنجایش تھی، لیکن ان لوگوں کا اصرار برابر جاری رہا، یہاں تک کہ مہلت کی مدت گھٹاتے گھٹاتے اسے ایک مہینے تک لے آئے، آخر میں یہ بھی نامنظور ہوئی، اور آپؐ نے ابوسفیانؓ بن حرب اور مغیرہؓ بن شعبہ کو روانہ فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے جا کر اس مورتی کو توڑ آئیں، عین اس کے ٹوٹنے کے وقت ثقیف کی عورتیں جزع وفزع کرتی رہیں، چڑھاوے کا زیور اور سونا بہت کچھ اس کے ٹوٹنے سے ہاتھ لگا۔

اور مورخ ازرقی کی اخبار مکہ کے ملحقات میں نام ان دیوہروں اور بتکدروں کے گنائے

گئے ہیں، جن کے ساتھ مشرکین عرب معاملہ خانۂ کعبہ کا سا کرتے تھے، یعنی طواف، تلبیہ، قربانی، پوشش عمارت وغیرہ اور انھیں چھوٹے پیمانے پر کعبہ ہی سمجھتے تھے، اس فہرست میں نام لات کے بھی دیوہرہ کا ہے۔ (اخبار مکہ، ج۱/ص:۱۲۶-۱۲۷)

اور ابن حبیب کے ہاں صفحہ ۳۱۵ پر تو اس کے آگے یہ تصریحات ملتی ہیں کہ یہ کعبہ کے مقابلے پر تھا، اس کا بھی ایک حرم متعین تھا، اس کے لیے بھی حجابت وکسوۃ کے عہدے تھے، اور اس کے پروہت آل اُبی العاص ثقفی تھے (جیسے خاندانی پروہت ہندوستان میں برہمنوں کے یہاں کی مورتیوں کے لیے ہوا کرتے ہیں)۔ (المحبر، ص:۳۱۵)

العـزی۔ یہ دیوی قوت وطاقت کی تھی، جیسے ہندوستان میں دُرگا یا پاربتی یا کالی۔ اور عرب میں یہ یونان وروما کی زہرہ دیوی کی بھی قائم مقام تھی۔ ظہورِ اسلام کے وقت عرب میں شہرہ سب سے زیادہ اسی کا تھا، یہ دیوی قبیلۂ غطفان کی تھی، لیکن اس کے پجاریوں میں چونکہ قریش بھی شریک ہوگئے تھے، اس لیے اس کی اہمیت بہت ہی زائد بڑھ گئی تھی، اس کی مورتی نخلہ میں ایک درخت کے متصل نصب تھی۔

ابولہب جس کا اصل نام عبدالعزی تھا، اس دیوی کی جانب منسوب تھا۔ ملحقاتِ اخبار مکہ ازرقی میں جو فہرست عرب کے چھوٹے کعبوں کی دی ہے، اس میں ایک نام کعبۂ غطفان کا بھی ہے، اور غطفان کا کعبہ یہی صنم خانۂ عزیٰ ہی ہوسکتا ہے، اس بُت کدہ کی مسماری کا حال ابن ہشام کی زبان سے سننے کے قابل ہے:

''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو عزیٰ کی طرف روانہ کیا، جو نخلہ میں تھی، اور اس مکان کی تعظیم قریش، کنانہ ومُضر سب کرتے تھے، اور اس کے پروہت ودربان بنی سلیم کی شاخ بنی شیبان والے تھے، پھر جب ان کے سردار سلمٰی کو خالد کی آمد کی خبر ہوئی تو اُس نے اپنی تلوار دیوی پر لٹکا دی اور خود دو شعر پڑھ کر (جن میں عزیٰ سے التجا تھی کہ خالد کے ساتھیوں میں سے کوئی بچ کر نہ جانے پائے) پہاڑی پر چلا گیا۔ خالد پہنچے تو اس بت خانے کو مسمار کر دیا، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ آئے''۔ (ابن ہشام، ج۲/ص:۲۷۳-۲۷۴)

وَلَهُ الْأُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى ﴿۲۲﴾ إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ

اور اللہ کے لیے مادہ؟ ۱۷ یہ تقسیم تو بڑی ہی بے ڈھنگی ہے ۱۸ یہ تو نرے نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ

المناۃ۔ یہ دیوی تقدیر و قسمت کی تھی، (ہندوستان کی لکشمی دیوی سے ملتی ہوئی)، اس کی مورتی قدید میں، بحر احمر کے ساحل پر نصب تھی، بندر ینبوع و منزل رابغ کے درمیان میں، مدینہ کے اوس و خزرج والے اس کے خاص پجاری تھے، اس کے پروہت بنو ازد کے کچھ لوگ تھے۔

مورخ ازرقی کی اخبار مکہ میں ہے کہ

"یہ دیوی بنی ازد و بنی غسان کی تھی، وہ اس کا حج کرتے تھے اور اس کی تعظیم بجالاتے تھے، اور جب خانۂ کعبہ کا طواف کر کے اور عرفات ہو کر منیٰ سے فراغت کر کے آتے تھے، تو اپنے سر کے بال مناۃ ہی کے پاس آ کر اتر واتے تھے"۔ (اخبار مکہ، ج ۱/ص: ۱۲۴-۱۲۵)

اس کے ڈھانے کو سعید بن عبد الاشہل روانہ ہوئے تھے، اور ابن ہشام میں اس خدمت کو ابوسفیان کی جانب منسوب کیا ہے، اور شک کے ساتھ حضرت علیؓ کی جانب۔

ہندوستان میں سومنات کی جو مشہور مورتی ہوئی ہے، اور اب پھر اس کا زور وشور ہوا ہے، اس کے تلفظ سے خیال ہوتا ہے کہ عجب نہیں کہ اس کا کوئی تعلق ورشتہ بعد تحقیقات اسی مناۃ سے ثابت ہو!

۱۷ یعنی شرک سے مستزاد یہ کہ اپنے لیے تو رواج و عرف کی بنا پر اعلیٰ اور "بڑھیا چیز" یعنی اولاد نرینہ تجویز کرتے ہو اور اللہ کے لیے اپنی اسی عرفی معیار سے ناقص اور گھٹیا چیز یعنی بیٹیاں قرار دے رہے ہو! ـــــــ عرب کے دینِ جاہلیت میں دیوتاؤں کا رواج تو شاید ہی ہو، اصل عقیدت دیویوں ہی کے پھیلے ہوئے تھے۔ یہ دولت کی دیوی، وہ قوت کی دیوی وغیرہا۔ اتمامِ حجت اس دین جاہلی کے پرستاروں پر ہو رہا ہے کہ ایک طرف تو لڑکیوں اور عورتوں کی حقارت کے قائل ہو اور پھر دوسری طرف عبادت کے لیے "خدا زادوں" کو نہیں "خدا زادیوں" ہی کو چھانٹ رکھا ہے۔

۱۸ اور تقسیم یہی کہ کسی کو دیوی ٹھہرا لیا، کسی کو دیوتا، کسی کا نام ہوا اور بارش کا دیوتا رکھ دیا، اور کسی کو رزق و تقدیر کی دیوی کہنے لگے، ان اسماء والقاب کو حقیقت سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

أَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

داداوں نے ٹھہرا لیے ہیں، اللہ نے تو کوئی دلیل اس پر اُتاری نہیں ۱۹ یہ لوگ نرے اٹکل پر اور اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں

وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ؕ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ

اس حال میں کہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے ۲۰ کہیں انسان کو (ہر) چیز مل جاتی ہے

مَا تَمَنّٰى ؕ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ

جس کی وہ آرزو کرتا ہے؟ ۲۱ اور اللہ ہی کے ہاتھ میں آخرت بھی ہے

۱۹ یعنی نظریہ شرک پر کوئی دلیل نہ تو عقل سے ملتی ہے نہ نقل سے، نہ کوئی الہامی ثبوت، نہ کوئی علمی و تجربی شہادت۔

ما أنزل الله بها من سلطن۔ قرآن مجید نے محض اثباتِ توحید ہی پر دلائل قائم نہیں کیے ہیں بلکہ بار بار مدعیانِ شرک کو چیلنج کیا ہے کہ تم شرک پر کوئی بھی دلیل قائم کر کے دکھاؤ!

۲۰ (پیمبر کے ذریعے سے)

یعنی بلا دلیل و بلا ثبوت ان اوہامِ فاسدہ میں مبتلا رہنا یوں بھی بڑے غضب کی بات ہے، چہ جائے کہ جب ان کے خلاف دلائل و شواہد پیمبر برحق کی معرفت پہنچ جائیں!

إن......الأنفس۔ مشرکوں کی خواہشاتِ نفس بھی انھیں اوہام اور بے عقلی کے خیالات پر مبنی ہیں۔

۲۱ (چنانچہ احمق مشرکوں کی یہ بھی کیسی حماقت ہے کہ اپنی دیویوں اور دیوتاؤں سے آس اس کی لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ ان کی آرزوئیں، تمناؤں کے مطابق ان کے کام آئیں گے اور ان کی سعی وسفارش کریں گے)

آیت میں کتنی گہری اور اہم حقیقت کا اعلان ہے! ـــــــ انسان کو اس کا استحضار رہے تو کتنی مایوسیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے!

للإنسان۔ انسان سے یہاں مراد قرآن مجید کے اکثر مقامات کی طرح کافر انسان سے بھی لی گئی ہے۔

يعني الكافر. (مدارك، ص: ۱۱۸۰)

ع ۱ / ۲۵

وَالْاُوْلٰى ۝۲۵ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا

اور دُنیا بھی ۲۲ اور کتنے ہی فرشتے آسمانوں میں ہیں کہ ان کی سفارشیں ذرا بھی کام نہیں آسکتی ہیں

اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝۲۶ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

مگر ہاں بعد اس کے کہ اللہ اجازت دے جس کے لیے وہ چاہے اور اس کی رضا ہو ۲۳ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان

بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝۲۷ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو زنانہ نام سے یاد کرتے ہیں ۲۴ حالانکہ ان کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں

۲۲ یعنی انسان کی فوری اور انجامی دونوں قسم کی بھلائیاں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، جو کچھ بھی توقع کی جائے اُسی سے کی جائے، نہ کہ کسی اور سے۔

۲۳ مطلب یہ ہوا کہ ان بتوں، مورتیوں وغیرہ سے جو شفاعت کی صلاحیت ہی سرے سے نہیں رکھتے، کسی قسم کی اُمید لگانا تو حماقت درحماقت اور جہل در جہل ہے، بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ ملائکۂ مقربین تک کی یہ مجال نہیں کہ اپنی رائے وارادے سے جس کسی کی چاہیں بے دھڑک سفارش کر ڈالیں، بلکہ وہ بھی تمام تر اجازتِ الٰہی کے محتاج ہیں۔

فی السمٰوات کا اضافہ عجب نہیں کہ ملائکہ کے شرف وتقرب واکرام کے اظہار کے لیے ہو۔

لمن یشاء۔ اس کے اندر ساری مشیتِ تکوینی کا قانون آگیا ـــــ سفارش کی اجازت بھی اُسی کے حق میں ملے گی جسے خود حضرتِ حق کی مشیتِ تکوینی چاہ رہی ہو۔

ویرضیٰ۔ یہ قید غالباً ان نافہموں کی رعایت سے بڑھائی گئی ہے جو دُنیا والوں پر قیاس کر کے یہ سمجھ رہے ہیں کہ (نعوذ باللہ) حق تعالیٰ کو بھی کبھی اپنی مرضی کے خلاف کسی کی مروت یا دباؤ سے اجازت دے دینا پڑتی ہے ـــــ مرضیِ حق خود ہی سب سے بالاتر ہے، جس کے اوپر کوئی مؤثر نہیں۔

کم لفظاً واحد ہے لیکن معناً جمع ہے۔

لفظها مفرد ومعناها جمع. (بحر، ج۸/ص:۱۶۳)

۲۴ (یا زنانہ صفات سے متصف کرتے ہیں)

جاہلی قوموں میں دیوی پرستی کا رواج دیوتا پرستی سے بھی بڑھ کر رہا ہے۔ ملائکہ کو زنانے اوصاف

اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا ﴿ۚ۲۸﴾ فَاَعۡرِضۡ

یہ لوگ محض اٹکل پر چل رہے ہیں، اور اٹکل حق کے مقابلے میں ذرا بھی کام نہیں آتی ۲۵ تو آپ اس کی طرف سے خیال ہی ہٹا لیجیے

عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ لَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿ؕ۲۹﴾ ذٰلِکَ مَبۡلَغُہُمۡ

جو ہماری طرف سے بے پروائی اختیار کیے ہوئے ہے اور کوئی مقصد ہی نہیں رکھتا بجز دُنیوی زندگی کے ۲۶ ان لوگوں کے علم

سے متصف کرنے میں اشارہ اسی کی جانب ہے، جاہلیت عرب میں یہ چیز اور زیادہ نمایاں تھی۔

۲۵ ظن جو یہاں علم و تحقیق کے مقابلے میں ہے، اس سے مراد محض تخمین و گمان ہے، اور وہ بھی ایسا جو نہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہو، نہ کسی قاعدۂ عقلی سے مستنبط۔

من علم۔ علم یہاں تحقیق یا حقیقت رسی کے معنی میں ہے، ظن و تخمین کے ٹھیک مقابل۔

من موقع نفی پر آکر اس نے معنی میں استغراق پیدا کر دیا، یعنی کوئی بھی دلیل ان کے پاس نہیں۔

فرقۂ ظاہریہ نے اسی آیت سے استدلال کر کے قیاس شرعی یا فقہ سے سرے سے انکار کر دیا ہے ـــــ حالانکہ جس ظن کی یہاں مذمت آئی ہے، وہ وہم باطل کے معنی میں ہے، نہ کہ استنباطِ شرعی کے مفہوم میں۔

۲۶ (اور یہی دلیل ہے ان کی کج فہمی اور بے غوری کی)

مبلغ اعظم کو ہدایت ہو رہی ہے کہ ان دُنیا پرستوں سے جب کوئی توقع ہی قبولِ حق کی نہیں، اور جب کہ ان کا مقصود ہی تلاشِ حق نہیں بلکہ تمام تر حصولِ دُنیا ہے تو آپ بھی ان کی پروانہ کیجیے اور ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے۔

عن ذکرنا......الدنیا۔ کوئی شخص اگر ہاتھی کے جسم کے سارے طول و عرض کو چھوڑ کر اُس کی دُم کے آخری سرے کو یا پیر کے ناخنوں کو پکڑ لے اور اسی سے ہاتھی کی جسامت و ساخت و ترکیب وغیرہ سے متعلق رائے قائم کرنے لگے تو آپ اس ریسرچ کی دانش آموزی پر کیا کہیں گے! ـــــ اس سے بھی ہزار اور لاکھ درجہ بڑھ کر مضحکہ انگیز و قابل رحم ان ''روشن خیال بے فکروں'' کا حال ہے، یہ حیات بعد الممات جیسے بے حد و نہایت والے وسیع عالم کو چھوڑ کر ساری توجہ اور اپنے علم و تحقیق کا موضوع اس چند سالہ مادّی زندگی کو بنائے ہوئے ہیں۔ اَندھا ان سے بڑھ کر اور کون ہے؟ یہ بہت ہی عارضی اور سطحی زندگی رکھنے والی دُنیا اس قابل کب ہے کہ کوئی سنجیدہ فکر انسان اس کو اپنا موضوعِ فکر بنائے رکھے!

مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ

کی رسائی کی حد بھی بس یہی ہے آپ کا پروردگار ہی بس خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے، اور وہی اسے بھی خوب جانتا ہے

بِمَنِ اهْتَدٰى ۞ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

کہ کون راہِ راست پر ہے ۲۷ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ۲۸ انجام کار یہ ہے کہ وہ

اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۞ اَلَّذِيْنَ

بُرائی کرنے والوں کو ان کے عمل کی پاداش میں بدلہ دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا معاوضہ دے گا ۲۹ وہ لوگ ایسے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مناجاتی دُعا اس موقع پر تازہ کرلی جائے:۔

اللّٰهم لا تجعل الدنيا أكبر همنا ولا مبلغ علمنا.

''اے اللہ! اس دُنیا کو ہمارا مقصدِ اعلیٰ اور منتہائے نظر نہ بنایئے۔''

۲۷ (اور علم اسی کا کامل ہے)

ذلك...... من العلم۔ اشارہ تحقیر کے ساتھ اسی مادّی، عنصری اور زود فنا، چند روزہ زندگی کی جانب ہے ـــــ کتنے تاسف اور حسرت کا مقام ہے کہ آج ''مہذب'' اور ''ترقی یافتہ'' قوموں کا سارا مبلغِ علم اور منتہائے پروازِ خیال سمٹ سمٹا کر اسی مختصر عنصری زندگی تک محدود رہ گیا ہے اور اپنی اس تنگ نظری پر عین فخر و ناز ہے!

ذلك۔ یعنی یہی علومِ دُنیوی اور اُمورِ دُنیوی میں انہماک۔

أى إيثار الحياة الدنيا. (كبير، ج۲۹/ص:۳)

آج بڑے سے بڑے علوم وصنائع وفنون جن پر اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں دی جاتی ہیں، غور کرکے دیکھا جائے تو ان کے ماہر بجز ''لم يرد إلا الحياة الدنيا'' کے مصداق ہونے کے سوا اور کیا ہیں!

۲۸ (تو قدرت بھی اسی کی کامل ہے)

کمالِ علم کا بیان تو ابھی آچکا، کمالِ قدرت کا اثبات اب ہو رہا ہے ـــــ بنیادی طور پر کہنا چاہیے کہ شرک انھیں دو صفاتِ الٰہیہ صفتِ علم، صفتِ قدرت کے باب میں ٹھوکر لگنے سے پیدا ہوا ہے۔

۲۹ اس کے کمالِ علم و کمالِ قدرت کے مجموعے کا عین مقتضا ہی یہ ہے کہ مکلف بندوں

يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچے رہے، مگر ہاں یہ کہ ہلکے ہلکے گناہ ہو جائیں ۳۰ بے شک آپ کا پروردگار

کے انجام دو قسم کے ہوں: اہل ضلال کا انجام عذاب پر ہو، اور اہل ہدایت کا مسرّت وراحت پر۔

لیجزی میں لِ عاقبت کا ہے، یعنی انجام کار یہ ہونا تھا۔

قال الواحدی اللام للعاقبة. (كبير، ج ٢٩/ص:٦)

والتحقيق فيه وهو أن حتى ولام الغرض متقاربان فی المعنی...... فيستعمل أحدهما مكان الآخر. (كبير ج ٢٩/ص:٦)

واللام للصيرورة، والمعنى أن عاقبة أمرهم جميعاً للجزاء بما عملوا. (بحر، ج ٨/ص:١٦٤)

۳۰ (کبھی کبھار۔ تو وہ درجۂ محسنیت اور محبوبیت کے منافی نہیں)

”جو محبوبیت یہاں بقرینۂ مقام مدح مذکور ہے، اُس کا مصداق بننے کے لیے کبائر سے بچنا تو شرط ہے لیکن صغائر کا احیاناً صدور اُس کے لیے موقوف علیہ نہیں، البتہ عدم اصرار شرط ہے“۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۵۹۳)

اِلَّا اللمم۔ لمم اور الالمام وہ معصیت ہے جو کبھی کبھی اور اتفاقاً سرزد ہو جائے۔

يقال فلان يفعل كذا لمماً أی حيناً بعد حين. (راغب، ص:٥٠٩)

ما يعمله الإنسان الحين بعد الحين، ولا يكون له إعادة، ولا إقامة عليه. (معالم، ج ٤/ص:٣١١)

مقصودِ کلام یہ ہے کہ انسان گناہ پر جمانہ رہے۔ گناہ جو اس سے سرزد ہوتے رہیں، اُن پر وہ توبہ واستغفار کرتا رہے ———— مذہب اہل حق میں مقبولین ومحبوبین کے لیے شرطِ اصلی گناہوں سے محفوظیت کی نہیں بلکہ یہی گناہوں پر توبہ وندامت، انفعال واستغفار ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی مذہب منقول ہے۔

ومعنى الآية إلا أن يلم بالفاحشة مرة ثم يتوب، ويقع الوقعة ثم ينتهی وهو قول

وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ

بڑی وسیع مغفرت والا ہے ۳۱ وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ تم کو زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی

اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲

ماؤں کے پیٹ میں بطورِ جنین کے تھے تو تم اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھو، بس وہی تقویٰ کرنے والوں کو خوب جانتا ہے ۳۲

أبی هريرةؓ ومجاهد والحسن، ورواية عطاء عن ابن عباس. (معالم، ج٤/ص: ٣١١)

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال اللمم من الزنا ثم يتوب ولا يعود، واللمم من السرقة ثم يتوب ولا يعود، واللمم من شرب الخمر ثم يتوب ولا يعود، قال فذلك الإلمام. (ابن کثير، ج٤/ص: ٢٣٠)

بعض اقوال اس مضمون کے بھی نقل ہوئے ہیں کہ لمم کے تحت چھوٹے بڑے سارے گناہ آجاتے ہیں، بجز شرک کے۔

قال عبدالله بن عمرو بن العاص اللمم ما دون الشرك. (معالم، ج٤/ص: ٣١١)

غرض آیت کی روشنی میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ گناہوں کا کبھی کبھی سرزد ہوتے رہنا، اُن پر انفعال وندامت کے ساتھ، جب درجۂ محسنیت کے منافی نہیں تو عام مومنین کو اس سے اور بھی مفر نہیں۔

۳۱ (تو سب بندوں کو چاہیے کہ تھوڑے سے صَرفِ ہمت کے ساتھ اپنی بدکرداریوں کا تدارک کر کے اس کی مغفرت وسیع میں داخل ہوجائیں)

۳۲ (یعنی یہ کہ کون واقعی متقی ہے اور کون نہیں، گو صورۂ اعمالِ تقویٰ دونوں سے صادر ہوتے رہیں)

فلا......أتقى۔ اس جز میں صاف تنبیہ اہل طاعت کو ہے کہ اپنے متعلق عُجب و پندار میں نہ مبتلا ہوجائیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دعوائے تقدس سے صریح ممانعت ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص: ۵۹۴)

إذ أنشاكم من الأرض۔ یہ بیان انسان کی خلقتِ نوعی کا ہوا۔

اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ تَوَلّٰىۙ ﴿۳۳﴾ وَاَعۡطٰى قَلِيۡلًا وَّاَكۡدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡغَيۡبِ

بھلا آپ نے اس شخص کے حال پر بھی نظر کی جس نے رُوگردانی کی، اور مال قلیل دیا اور (اب) بند کردیا ۳۳ؔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے

فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمۡ لَمۡ يُنَـبَّاۡ بِمَا فِىۡ صُحُفِ مُوۡسٰىۙ ﴿۳۶﴾ وَاِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِىۡ

کہ (اُسے) دیکھ رہا ہے؟ ۳۴ؔ کیا اُسے خبر نہیں اس (مضمون) کی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم کے بھی، جنھوں نے

وَفّٰىۙ ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰىۙ ﴿۳۸﴾ وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا

(احکام کی) پوری بجا آوری کی کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا ۳۵ؔ اور یہ کہ انسان کو صرف

وإذ......أمهتكم۔ یہ بیان انسان کی خلقتِ شخصی کا ہوا۔

من الأرض۔ یعنی زمین کی خاک سے۔ اشارہ ابوالبشر حضرت آدمؑ کی پیدائش کی جانب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان سے متعلق علم کامل تو صرف اللہ ہی کو ہے، باقی انسان پر تو ایسی حالتیں گزرتی ہیں کہ اسے خود اپنی حالت کا شعور واحساس نہیں ہوتا۔

۳۳ؔ یعنی اپنے ہی کام کے لیے مال دینے کا وعدہ کیا تھا اور پھر اس کا بھی پوری طرح ایفانہ کیا تو ایسا دوسروں کے نفع کے لیے بھلا کھلے دل سے کیا خرچ کرے گا؟

حدیث میں ذکر ایک مکّی مشرک ولید بن مغیرہ مخزومی کا آتا ہے کہ اس کا میلان اسلام کی طرف دیکھ کر ایک دوسرے مشرک نے اس سے کہا کہ کیوں اس فکر میں گھلا جاتا ہے، مجھے اتنا روپیہ دے، میں سب تیری طرف سے اوڑھے لیتا ہوں، ولید نے وعدہ کرلیا، مگر کچھ روز دے دلا کر اُسے بھی بند کردیا۔

الذی تولّٰی۔ یعنی دینِ حق سے وہ شخص پھر گیا۔

۳۴ؔ (اور یہ یقینی طور پر جان رہا ہے کہ فلاں شخص میری طرف سے عذاب کا متحمل ہو جائے گا)

۳۵ؔ (ایمانیات میں)

یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہ آئے گا ______ اور یہ حقیقت اہم اتنی قدیم ہے کہ موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام جیسے جلیل القدر پیمبروں کے صحیفوں میں بھی بیان ہو چکی ہے۔

الذی وفّٰی۔ ملاحظہ ہو: سورۃ البقرہ (۱۲۴) آیت کریمہ وإذ ابتلیٰ إبراهيم ربه الخ پر حاشیہ۔

صحف ابراہیم پر حاشیہ آیت ۱۰ سورۂ الغاشیہ میں ملے گا۔

مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ

اپنی ہی کمائی ملے گی ۳۶ے اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد

۳۶ے (سو اس اطلاع اور اعلان کے بعد بھی انسان کا اپنی شخصی ذمہ داری کی طرف سے غافل و بے فکر رہنا کیسا عجیب ہے!)

وان......سعیٰ۔ یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہ آئے گا۔

مشرک جاہلی قوموں میں تو خیر یہ وبا عام تھی ہی، یہود اہل کتاب کے ہاں بھی یہ عقیدہ رفتہ رفتہ پختہ ہو گیا تھا کہ مورثوں اور بزرگوں کا مقبولین میں سے ہونا اخلاف و اولاد کے لیے بالکل کافی ہے، اور جو لوگ پیمبروں کی نسل میں سے ہیں انھیں کچھ ہاتھ پیر ہلانے بلکہ تصحیح عقائد تک کی ضرورت نہیں، اور مسیحیت نے تو آ کر نجات کا سارا مدار ہی کفارے و شفاعت پر رکھ دیا تھا۔ قرآن مجید اس کے برعکس سارا زور انفرادی ذمہ داری اور شخصی مسئولیت پر دیتا ہے اور نجات کا دارومدار بعد فضل خداوندی کے اسی کو ٹھہراتا ہے، چنانچہ یہاں بھی اسی مسئلہ کا اثبات ہے اور اس کو اصلاً مسئلۂ ایصالِ ثواب سے نفیاً واثباتاً کوئی تعلق ہی نہیں ــــ یہ مسئلہ کہ کوئی مسلمان اپنی کی ہوئی کوئی عبادت اپنے کسی بزرگ یا عزیز وغیرہ کی طرف منتقل کر رہا ہے یا اس کے حق میں اپنے کچھ حقوق چھوڑ رہا ہے تو یہ بجائے خود بالکل ثابت ہے، اور اس آیت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ یہ تو ایک مومن کے حق میں دوسرے مومن کی طرف سے ایک صورت دعا کی ہے، یہ کیوں نہ قبول ہوگی۔ صحیح حدیثوں میں یہ مضمون کثرت سے آ چکا ہے۔

وردت أخبار صحيحة بنفع الصدقة عن الميت، منها ما أخرجه مسلم والبخاري وأبو داؤد والنسائي. (روح، ج۲۷/ص:۶۶)

اور فقہائے مفسرین نے اس کی متعدد توجیہات درج کی ہیں، ملاحظہ ہو تفسیر مدارک۔

للانسان۔ ایک قول انسان سے یہاں مراد کافر انسان ہے نہ کہ مطلق انسان۔

قال الربيع بن أنس يعني الكافر. (معالم، ج۴/ص:۳۱۵)

قال الربيع الإنسان هنا الكافر، وأما المؤمن فله ما سعى وما سعى له غيره. (روح، ج۲۷/ص:۶۶)

يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾

دیکھ لی جائے گی ۳۷ پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ۳۸ اور یہ کہ (سب کو) آپ کے پروردگار کے پاس پہنچنا ہے ۳۹

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ

اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے اور یہ کہ اُسی نے نر و مادہ دو

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ

جنسوں کو نطفہ سے پیدا کیا ہے جب کہ وہ ڈالا جاتا ہے ۴۰ اور یہ کہ اس کے ذمہ دوبارہ

الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى

پیدائش ہے ۴۱ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے

۳۷ یعنی اُسے بے نتیجہ و مہمل نہیں چھوڑا جائے گا، ہر سعی کا پورا ثمرہ جلد سے جلد ظاہر ہو کر رہے گا۔

۳۸ جزائے اعمال بالکل اور پوری پوری ملے گی ــــــ وہاں کے حساب کتاب میں کسی غلطی، دھوکے، فروگزاشت کا احتمال نہیں۔

۳۹ (اور یہ آخری رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہونا ہے، نہ کہ کسی اور کی طرف)
دلالۃً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر آغاز کا ایک انجام بھی ہوتا ہے، کوئی شے بے نہایت اور لاانتہا نہیں ہوتی۔

۴۰ (رحمِ مادر میں)
چاروں آیتوں کا حاصل یہ نکلا کہ سارے موجباتِ مسرت و غم، سارے اسبابِ موت وحیات، ہر قسم کی تخلیق کا آخری سرا صرف حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کوئی ان صفات میں اس کا شریک و سہیم نہیں اور نہ اس کے یہ صفات و افعال مختلف دیویوں و دیوتاؤں کے درمیان تقسیم ہیں کہ مارنے والے دیوتا فلاں ہیں اور زندہ رکھنے والے فلاں، خالق فلاں دیوتا ہے اور رزّاق فلاں، دولت کی دیوی فلاں ہیں اور قوت کی فلاں ــــــ رد آ گیا اس میں تمام مشرکانہ تخیلات کا۔

۴۱ جو یوم حشر میں ہو گی اور جس کے بعد کوئی فنا نہیں۔

علیہ۔ یعنی اس کا وقوع ایسا ضروری ہے کہ جیسے اللہ پر وہ واجب ہے، حالانکہ اہل حق کے نزدیک

وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾

اور (سرمایہ) باقی رکھتا ہے ۴۲ اور یہ کہ وہی شعریٰ کا بھی پروردگار ہے ۴۳ اور یہ کہ اس نے قوم عاد اوّل کو ہلاک کیا

وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ

اور ثمود کو بھی (اُس نے) باقی نہ چھوڑا ۴۴ اوراُن سے پہلے قوم نوحؑ کو بھی کہ وہ اور بڑھے ہوئے ظالم

کوئی شے بھی اللہ پر واجب نہیں ہوسکتی ــــــ واجب ہونے کے معنی تو کسی قانون کے ماتحت پابندی کے ہیں، اور ارادۂ الٰہی خود ہی سب سے برتر قانون ہے، وہ کسی اور قانون کا محکوم و ماتحت کیسے ہوسکتا ہے؟

بولغ بقوله عليه بوجودها لا محالة، و كأنه تعالىٰ أوجب ذلك على نفسه.

(بحر، ج۸/ص:۱٦۸)

۴۲ دولت وسرمایہ کا بخشنے والا بھی وہی ہے اور قائم و برقرار رکھنے والا بھی وہی، لکشمی دیوی یا کسی اور دیوی دیوتا کو اس میں مطلق دخل نہیں۔

۴۳ (جسے دیوتا سمجھ کر اے مشرکو تم اس کی پرستش کر رہے ہو!)

الشِّعریٰ۔ شعریٰ سے مراد مطلق ستارہ بھی ہوسکتا ہے لیکن الشعریٰ یا شعرائے یمانی مخصوص نام ستارۂ جوزا (CIREUS) کا ہے۔ علمائے فلکیات کی تحقیق میں یہ آسمان کا روشن ترین ستارہ ہے، اس کی پرستش تمام مشرک قوموں میں عام رہی ہے۔ مصری، یونانی، رُومی سب اس کے پرستاروں میں رہے ہیں۔ قرآن مجید نے اس سیاق میں اس کا نام لاکر ستارہ پرستی کے سارے نظام پر گویا ضرب لگادی۔

عرب جاہلیت کے بعض قبیلوں میں اس کی پرستش شدت وکثرت سے رہی ہے، چنانچہ نام قبیلہ حمیر وقبیلہ خزاعہ کے لیے گئے ہیں۔

قال السدى كانت تعبدها حمير و خزاعة. (بحر، ج۸/ص:۱٦۹)

ابن حبیب نے عرب قدیم کی ایک مشہور شخصیت حارث ابوکبشہ کا ذکر کر کے لکھا ہے:

و كان يعبد الشعرى۔ (المحبر، ص:۱۲۹)

ذوالشعریٰ کی مورتی ایک مربع سیاہ پتھر کی صورت میں دوفٹ بلند زمین پر نصب تھی۔ مغربی محققین کا بیان ہے کہ الحجر کے نباطی عہد کے کتبوں میں اس کا نام مناۃ دیوی کے نام کے ساتھ ساتھ ملتا ہے۔

۴۴ (اور ساری ہلاکتیں اسی کفروشرک کی پاداش میں واقع ہوئیں)

وَاَطْغٰی ﴿۵۲﴾ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰی ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰی ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

وسرکش تھے اور الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا، پھر اُن بستیوں کو گھیر لیا، جس چیز نے کہ گھیر لیا ۴۵ سو تو اپنے پروردگار کی کن کن

رَبِّكَ تَتَمَارٰی ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾

نعمتوں میں شک کرتا رہے گا؟ ۴۶ یہ ڈرانے والے (پیمبر) بھی پہلے ڈرانے والوں میں سے ہیں، قریب آ گئی وہ قریب آجانے والی چیز

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾

اللہ کے سوا (کوئی) اُس کا ہٹا سکنے والا نہیں ہے ۴۷ سو کیا تم اس کلام پر حیرت کرتے ہوا

قوم عاد و ثمود پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

۴۵ یعنی عذاب الٰہی نے گھیر لیا۔

نوح علیہ السلام وقوم نوح پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔

المؤتفکة۔ اُلٹی ہوئی بستیوں سے مراد اُمت لوط کے شہر ہیں، مغربی شام میں بحرِ مُردہ کے نواح میں سدوم، عمورا، وغیرہ۔

ما غشیٰ۔ یہ ابہام، اسلوب عرب کے مطابق عذاب الٰہی کی عظمت و ہولناکی کے اظہار کے لیے ہے۔

فيه تهويل للعذاب وتعميم لما أصابهم منه. (روح، ج۲۷/ص:۷۱)

۴۶ (اے مخاطب!)

مقصود کافر مخاطب کی حماقت پر اظہار تأسف ہے کہ اے احمق! بجائے اس کے کہ ان مضامین کی تصدیق کر کے تو فائدہ اُٹھاتا، اُلٹا اُن سے انکار و شک کر رہا ہے!

آلآء ربك۔ ان سارے مضامین سے آگاہی اور ان کے متعلق ہدایات و احکام یہ سب اللہ کی نعمتیں ہی ہیں۔

۴۷ (سو کسی اور کے بھروسے پر اُدھر سے بے خبر رہنا کتنی بڑی محرومی اور بدبختی ہے!)

کاشفة۔ ایسی ہستی جو اس سب کے ہٹا دینے پر قادر ہو۔

نفس قادرة على كشفها إذا وقعت. (روح، ج۲۷/ص:۷۱)

وَتَضۡحَكُوۡنَ وَلَا تَبۡكُوۡنَ ۝ وَاَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ ۝ فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ

اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟ ۴۸ اور تم تکبر کرتے ہوا غرض یہ کہ اللہ کی اطاعت کرو

وَاعۡبُدُوۡا ۝

اور عبادت کرو ۴۹

هذا۔ اشارہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے۔

قال قتادة ومحمد بن كعب وأبو جعفر الإشارة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. (بحر، ج۸/ص:۱۷۰)

يعني محمداً صلى الله عليه وسلم. (معالم، ج٤/ص:۳۱۸، ابن كثير، ج٤/ ص:۳۱۸)

اور جائز ہے کہ قرآن کی جانب سمجھا جائے۔

قيل الإشارة إلى القرآن. (بحر، ج۸/ص:۱۷۰)

من النذر الأولى۔ یعنی قدیم رسولوں کی جنس میں سے یہ بھی ایک رسول ہیں۔

أى من جنسهم أرسل كما أرسلوا. (ابن كثير، ج٤/ص:۲۳۲)

قال قتادة يقول أنذر محمد كما أنذر الرسل من قبله. (معالم، ج٤/ص:۳۱۸)

۴۸ (خوفِ آخرت سے)

تعجبون۔ یعنی بے یقینی کے ساتھ اور اُسے مستبعد سمجھ کر اس پر اظہارِ حیرت کر رہے ہو۔

وتضحكون۔ اور انکار و استہزاء کے ساتھ اس پر ہنس رہے ہو۔

۴۹ (حسبِ تعلیم و ہدایتِ پیمبر)

کہ فلاحِ دارین کا راستہ یہی ہے۔

أنتم سامدون۔ یعنی اپنے جہل و غباوت کی بنا پر طاعتِ الٰہی سے عار محسوس کرتے ہو۔

سمود کے لفظی معنی غرور و تبختر سے سر اُٹھانے کے ہیں۔

السامد اللاهى الرافع رأسه. (راغب، ص:۲۷۱)

أنه (ابن عباس) رضى الله عنه سئل عن السمود، فقال البرطمة وهى رفع الرأس تكبراً أى وأنتم رافعون رؤوسكم تكبراً. (روح، ج۲۷/ص:۷۲)

فاسجدوا۔ سجدہ یہاں اپنے لفظی معنی میں، خضوع واطاعت کے مفہوم میں ہے۔
أى فاخضعوا له وأخلصوا ووحدوه. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٣٤)

(۵۴)

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ قمر مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝۱ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا

قیامت نزدیک آپہنچی، اور چاند شق ہوگیا[1] اور یہ اگر کوئی نشان دیکھ لیتے ہیں تو (اُسے) ٹال جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں

[1] معجزۂ شق القمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے ہے۔ حضورؐ کا قیام مکہ میں تھا اور ہجرت کو ابھی ۵ سال کا زمانہ باقی تھا کہ ایک مرتبہ غالباً بتقریب حج جب منیٰ میں اجتماع تھا تو مشرکین مکہ نے آپ سے معجزے کی فرمائش کی۔ آپؐ نے باذنِ الٰہی چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور وہ لوگوں کو دو ٹکڑوں میں پھٹا ہوا نظر آیا۔ یہاں اسی معجزۂ روشن کا ذکر ہے۔

جو لوگ اپنے خدا کو عاجز اور محدود الاختیار اور ناقص القویٰ سمجھتے ہیں یا اپنی نافہمی سے سرے سے امکانِ معجزہ وخرقِ عادت ہی کے قائل نہیں، اُن سے تو گفتگو دوسرے رُخ سے کی جائے گی، البتہ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی حکمت لامحدود وقدرت نامتناہی کے لحاظ سے جو واقعہ جس طرح اور جب چاہے دُنیا میں واقع کرسکتا ہے اور کرتا رہتا بھی ہے، اُن سے عرض ہے کہ ایسے سارے واقعات کا ثبوت صرف تاریخی ہی ہوسکتا ہے، اور اسی کا نام دلیلِ نقلی ہے۔ (جو کوئی حقیر چیز نہیں بلکہ دلیلِ عقلی ہی کے مساوی الوزن اور ہم مرتبہ ہے) اور اس واقعۂ خاص کے ثبوت میں شہادتیں بڑی کثرت سے اور بڑی وزن کی موجود ہیں، چنانچہ:-

قد كان هذا فى زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم، كما ورد ذلك فى الأحاديث المتواترة بالأسانيد الصحيحة، وهذا أمر متفق عليه بين العلماء أن انشقاق القمر قد وقع فى زمان النبى صلى الله عليه وسلم وأنه كان إحدى المعجزات الباهرات. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٣٥)

''یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے زمانِ مبارک میں پیش آیا، جیسا کہ متعدد احادیث میں اسنادِ صحیح کے ساتھ آچکا ہے اور اس مسئلے پر سارے اہل علم کا اتفاق ہے کہ شق قمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانِ مبارک میں واقع ہوا ہے اور اس کا شمار آپ کے مشہور معجزات میں ہے۔

یہاں تک کہ بہتوں نے اس کے تواتر کا بھی دعویٰ کیا ہے:۔

وذلك على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قبل الهجرة بنحو خمس سنين......والأحاديث الصحيحة في الانشقاق كثيرة، واختلف في تواتره، فقيل هو غير متواتر، وفي شرح المواقف الشريفي أنه متواتر وهو الذي اختاره العلامة ابن السبكي قال في شرحه لمختصر ابن الحاجب: الصحيح عندي أن انشقاق القمر متواتر منصوص عليه في القرآن، مروي في الصحيحين وغيرهما من طرق شتّى بحيث لايمترى في تواتره. (روح،ج٢٧/ص:٧٤)

''یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہجرت سے ۵ سال قبل پیش آیا تھا اور شق کے بارے میں صحیح حدیثیں کثرت سے آئی ہیں۔ اور اس خبر کے متواتر ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ یہ قول بھی ہے کہ یہ خبر غیر متواتر ہے اور شریف کی شرح مواقف میں ہے کہ یہ خبر متواتر ہے اور یہی مسلک ابن السبکی کا ہے جنھوں نے المختصر لا بن حاجب کی شرح میں لکھا ہے کہ شق قمر کی خبر متواتر ہے، جس پر خود قرآن کی نص اور صحیحین وغیرہ کی نص متعدد طریقوں سے اس طرح گواہ ہیں کہ اب اس کے تواتر میں کلام نہیں کیا جاسکتا''۔

قد تواتر الخبر به عن الصحابة ولم يدفعه منهم أحد. (جصاص،ج٣/ص:٤١٤)

''حضراتِ صحابہ سے یہ نقل متواتر ہو کر پہنچی ہے اور اس کا انکار کسی صحابی نے نہیں کیا''۔

احادیث میں یہ خبر ایک نہیں، دس دس صحابیوں سے روایت ہوئی ہے، جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم شامل ہیں۔

روى انشقاق القمر عشرة من الصحابة، منهم عبد اللّٰه بن مسعود وابن عمر وأنس وابن عباس وحذيفة وجبير بن مطعم في آخرين. (جصاص،ج٢/ص:٤١٤)

سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ۞ وَكَذَّبُوۡا وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ وَكُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ۞

(یہ) جادو ہے، جو ابھی ختم ہو جائے گا ۲ اور ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آ جاتا ہے ۳

وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ مَا فِيۡهِ مُزۡدَجَرٌ ۞ حِكۡمَةٌ ۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغۡنِ

اور ان لوگوں کے پاس خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان میں کافی عبرت ہے ۴ اعلیٰ درجہ کی دانشمندی ہے مگر ڈرانے والی چیزیں

آیت کا یہ مطلب تو کھلا ہوا، الفاظ قرآنی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نہایت قریب آ لگی ہے اور اس کے آثار و علامت میں سے یہ واقعۂ شق القمر واقع ہو گیا ــــــ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعۂ شق قمر خود ایک دلیل وقوعِ قیامت پر اور اُس کی ایک نظیر ہے، جس طرح آج یہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا، اسی طرح اُس روز کائنات کی ہر چیز پارہ پارہ ہو کر رہے گی۔

۲ (جیسا کہ ہر سحر ایک عارضی چمک دمک کے بعد فنا ہو جاتا ہے)
ذکر مشرکینِ مکہ اور ان کی شدتِ ضد و عناد کا ہو رہا ہے کہ یہ لوگ صریح سے بھی صریح، واضح سے بھی واضح نشانِ غیبی دیکھ کر اس کی طرف اصلاً التفات نہیں کرتے، بلکہ اُسے سحر پر محمول کر کے اُس کی طرف سے بے پروا ہو جاتے ہیں اور یہی کہنے لگتے ہیں کہ بس جیسے اور جادو کے کرشمے وقتی اور چند روزہ ہوتے ہیں، یہ جادو بھی ایک مدت کے اندر ختم ہو جائے گا۔

مستمر۔ مٹ جانے والا، عارضی، فانی۔

أي ذاهب، قاله مجاهد وقتادة وغيرهما أي باطل مضمحل لا دوام له. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٣٦)

۳ یعنی بعد چندے ہر امر کی اصلی حالت معین ہو جاتی ہے، چنانچہ اس دین سے متعلق بھی نظر آ جائے گا کہ آیا یہ کوئی سحر یا ڈھکوسلا ہے اور یا کوئی باقی رہ جانے والی حقیقت!

واتبعوا أهواء هم۔ اس سے اس جانب اشارہ ہو گیا کہ تکذیب و اعراض بھی محض ہوائے نفس سے تھا، اس کی تہ میں کوئی عقلی اشتباہ نہ تھا۔

۴ (اور ان سے پورا اور واضح نتیجہ عقوبتِ عاجل سے متعلق نکل سکتا ہے)
من الأنباء یعنی پرانی نافرمان قوموں کے زیرِ عذاب آنے اور ہلاک و برباد ہونے کے متعلق خبریں۔

النُّذُرُ ﴿۵﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿۶﴾ خُشَّعًا

انھیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں، سو آپ اُن کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے ۵ جس روز ایک بُلانے والا (فرشتہ) انھیں ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا، اُن کی

أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ﴿۷﴾

آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، قبروں سے (اس طرح) نکل رہے ہوں گے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے

مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ

دوڑے چلے آرہے ہوں گے بلانے والے کی طرف، کافر لوگ کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے ۶ ان لوگوں سے قبل نوح کی قوم والے

ف ۵ یعنی آپ ایسے لوگوں کے متعلق جن کا یہ حال ہو چکا ہے اور جو اس درجہ مسخ ہو چکے ہیں، کچھ زیادہ فکر و تردد میں نہ پڑیئے۔

فما تغن النذر۔ یہ بیان ہو رہا ہے ان لوگوں کے غایت جمود و شدتِ تصلب کا کہ یہ انذاری نشانات سے کچھ بھی عبرت و ہدایت حاصل نہیں کرتے۔

حکمة بالغة۔ یہ قرآن اعلیٰ حکمتوں اور دانشمندیوں کا مجموعہ ہے۔

یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس میں جو سامانِ عبرت پُرانے قصص سے رکھ دیا گیا ہے وہ نہایت پُر حکمت ہے۔

ف ۶ (اور واقع میں بھی وہ وقت کافروں کے لیے انتہائی سخت ہوگا)

بیان روزِ حشر کی ہولناکیوں کا ہو رہا ہے۔

خشعاً أبصارهم۔ منکروں کی آنکھیں اُس روز کچھ تو ندامت سے اور کچھ ہیبت سے، پھر کچھ احساسِ ذلت سے بہر حال زمین کی طرف لگی ہوں گی۔

كأنهم جراد منتشر۔ انسانوں کے اُس انبوہِ عظیم کی قریب ترین مثال جو اس دُنیا میں دی جا سکتی ہے وہ ٹڈی دَل ہی کی ہے۔ ٹڈی دَل جب کبھی اپنی پوری قوت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے تو ساری فضائے آسمانی پر میلوں بلکہ منزلوں تک ٹڈیوں کے دَل بادل تہ بہ تہ چھا جاتے ہیں اور دن کی روشنی ماند ہو کر تاریکی پھیل جاتی ہے۔ مبصرین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مشرقی افریقہ میں جب ٹڈی دَل پوری قوت کے ساتھ آیا ہے تو عرض میں تین میل اور طول میں ساٹھ میل تک تھا! اور ٹڈیوں کی

قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ⑨ فَدَعَا رَبَّهٗٓ

تکذیب کر چکے ہیں، سو انھوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہیں اور (نوح کو) دھمکی بھی دی گئی ہے اس پر انھوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی

اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪

کہ میں درماندہ ہوں سو تو بدلہ لے لے ۸ سو ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے بکثرت برسنے والے پانی سے

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫ وَحَمَلْنٰهُ

اور زمین میں چشمے پھوڑ دیے سو پورا پانی مل گیا اُس کام کے لیے جو تجویز ہو چکا تھا ۹ اور ہم نے نوح کو سوار کر دیا

تعداد کا تخمینہ اُس وقت سو کھرب یا ایک نیل کا کیا گیا!______اور بعض دَل اس سے بھی بڑے بڑے مشاہدے میں آ چکے ہیں۔

۷ (سنگ ساری وغیرہ، آزار رسانی کی)

سنگ ساری کی دھمکی کی تصریح تو سورۃ الشعراء میں آ بھی چکی ہے: لئن لم تنتہ یا نوح لتکونن من المرجومین۔

عبدنا سے مراد حضرت نوحؑ کا ہونا بالکل ظاہر ہے______عبد کا لفظ جب اُس کی اضافت حق تعالیٰ کی جانب ہو، قرب یا مرتبۂ خصوصی کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ اور عبدنا یا عبد اللّٰہ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ لطف و رحمت ہی کے مخصوص موقعوں پر ہوا ہے۔

۸ (کہ میں عاجز و ناتواں اُن لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا)

اللہ اللہ! کیا شانِ بے نیازی ہے، پیمبر عین داعی حق بنا کر بھیجے جاتے ہیں اور وہ جا کر باغیوں، منکروں کے ہاتھوں اتنی ایذائیں اُٹھاتے ہیں کہ ہر طرح اپنی مغلوبیت اور بے بسی محسوس کر کے آخر کار دعا اور دعائے انتقام پر مجبور ہو جاتے ہیں! سچ کہا ہے کسی عارف نے۔

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست   کس را رسد نہ چون و چرا در قضائے ما

۹ وہ امر مقدر یا تجویز شدہ کیا تھا؟ منکروں، سرکش منکروں کی غرقابی۔

ففتحنا......منھمر۔ یعنی اُوپر آسمان سے بھی خوب بارش ہوئی۔

وفجرنا الأرض عیونا۔ یعنی ادھر زمین کے بھی سوتے اُبل پڑے۔

عَلٰی ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ کَانَ کُفِرَ ﴿۱۴﴾

تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر جو ہماری نگرانی میں رواں تھی ۱۰؎ (یہ سب) انتقام میں اس شخص کے تھا جس کا انکار کیا گیا تھا ۱۱؎

وَلَقَدۡ تَّرَکۡنٰهَاۤ اٰیَةً فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۵﴾ فَکَیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے اس واقعہ کو نشان (عبرت) کے طور پر رہنے دیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ۱۲؎ سو (دیکھو) میرا عذاب اور میری تنبیہیں کیسی ہیں؟ ۱۳؎

وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۷﴾ کَذَّبَتۡ عَادٌ فَکَیۡفَ

اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ ۱۴؎ عاد نے بھی تکذیب کی، سو (دیکھو)

فالتقی ...... قدر۔ غرض یہ کہ اوپر کے پانی اور نیچے کے پانی دونوں نے مل ملا کر خدائی منصوبے کی تکمیل کر دی۔ قصۂ طوفانِ نوحؑ پر مفصل حاشیے سورۂ ہود میں گزر چکے۔

۱۰؎ (اور اس لیے ہر قسم کے گزند و آفت سے معجزانہ طور پر محفوظ تھی)

حملنہ۔ کشتی میں حضرت نوحؑ کے ساتھ ساتھ ان کے متبعین مومنین بھی سوار تھے۔

ذات ألواح ودسر۔ آہنی آلات سے چرے ہوئے چوبیں تختے اور لوہے کی بنی ہوئی ڈھلی ہوئی کیلیں اور باقاعدہ کشتی سازی، یہ سب شہادتیں ہیں اس امر کی کہ قوم نوح ایک اچھی مہذب و متمدن قوم تھی۔

۱۱؎ (اور جس کے لائے ہوئے پیام کو جھٹلایا گیا تھا)

اس پیام کا جزءِ اعظم توحید تھا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت اس امر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولین کی طرف سے بھی انتقام لے لیا کرتا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۹۸)

۱۲؎ (عبرت و موعظت کے اُن کھلے ہوئے مضامین کو سن کر)

ولقد ترکنھا آیۃ۔ یہ نشانِ عبرت محفوظ کر لیا گیا لوگوں کے حافظہ میں، تاریخ کے اوراق میں۔

۱۳؎ یعنی میرا عذاب کیسا پورا ہو کر اور نفس عذاب کیسا واقع ہو کر رہا!

۱۴؎ (عبرت اور موعظت کے ان کھلے ہوئے مضامین کو سن کر)

كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ

میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی رہیں؟ ہم نے اُن پر ایک تند ہوا مسلّط کی ایک دائمی

نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ

نحوست کے دن ۱۵ لوگوں کو (اس طرح) اُکھاڑ پھینکتی تھی کہ گویا وہ اُکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں ۱۶ سو (دیکھو)

كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ ع

میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی رہیں؟ اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ ۱۷

ع ۸ ۲۲

ولقد یسّرنا القرآن۔ یسرنا سے اشارہ اس حقیقت کی جانب ہو گیا کہ یہ محض توفیق و احسانِ الٰہی ہے جس نے قرآن کو آسان کر دیا ہے، ورنہ یہ چیز انسانی فہم و دماغ کے بس کی نہ تھی۔

یسّرنا القرآن للذکر۔ للذکر کی قید نے اسے صاف کر دیا کہ قرآن مجید آسان تو بے شک ہے، لیکن صرف عبرت و تذکیر، ترغیب و ترہیب کے اعتبار سے، استنباطِ مسائل بجائے خود ایک مستقل و دقیق فن ہے، ملکۂ خصوصی و مہارتِ تحقیقی کا محتاج۔

۱۵ (ایسی مستقل و پائدار نحوست، ان کے حق میں لے کر کہ پھر وہ عذابِ الٰہی اُن سے زندگی بھر نہ ٹلا، بلکہ بعد موت بھی اُنھیں عذاب آخرت کے حوالے کرے گا)

یوم۔ مراد مطلق زمانے سے ہے، کوئی ایک متعین و محدود مدت مراد نہیں۔

۱۶ اُس طوفانی آندھی نے اس مضبوط و تنومند، لحیم و شحیم قوم کو یوں اُٹھا اُٹھا کر پٹخا جیسے کسی تیز و تند آندھی کے اثر سے بڑے بڑے کھجوروں کے جمے جمائے ہوئے تنے دُور دُور جا کر گرتے ہیں۔

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس قرآنی تشبیہ میں علاوہ اُن لوگوں کے پھینکے جانے کے اشارہ اِن کے قوی جسموں اور طویل قامتوں کی طرف بھی نکلتا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۵۹۹)

قوم عاد کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کئی بار آ چکا ہے، حاشیے بار بار گزر چکے۔

۱۷ بڑا ہی بدنصیب ہے وہ جو قرآن مجید کے پُر عبرت و سبق آموز قصوں سے گزرے اور محض گزرتا چلا جائے، اُن سے انجام بینی کے سبق نہ حاصل کرے!

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ

ثمود نے بھی تنبیہ کرنے والوں کی تکذیب کی، اور بولے کہ کیا ہم اپنے ہی ہم جنس ایک انسان کی پیروی کریں اور وہ بھی اکیلا! پھر تو ہم نرے

ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾

بیوقوف اور مجنون ٹھہرے ۱۸ کیا ہم سب میں سے اُسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ بلکہ یہ بڑا جھوٹا ہے، شیخی باز ہے ۱۹

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ

انھیں عنقریب کل ہی معلوم ہوا جاتا ہے کہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز کون تھا ۲۰ ہم اُونٹنی کو ظاہر کرنے والے ہیں اُن کی آزمائش کے لیے

۱۸ یعنی یہ کوئی دیوی دیوتا ہوتا، کوئی خدائی اوتار ہوتا، جب تو خیر ایک بات بھی تھی، لیکن جب یہ کچھ بھی نہیں، اپنے ہی ہم جنس، اپنے ہی جیسے ایک انسان کے پیچھے لگ جانا، اس کی راہ پر چل پڑنا، اور پھر وہ انسان بھی کیسا، نہ اُس کے ساتھ کوئی کرّ دفر، نہ کوئی جاہ وشکوہ، یہ بھی بھلا عقل کی کوئی بات ہے؟ ساری دنیا ہمیں کیسا اُلو بنائے گی؟

أبشراً منّا۔ پیمبر کی یہ بشریت ہی سب سے بڑی رکاوٹ مشرکوں اور شرک پیشہ لوگوں کے قبولِ حق کی راہ میں رہی ہے۔

۱۹ (جو شیخی کے مارے باتیں ایسی بڑائی کی کرتا ہے کہ اُسے سرداری مل جائے)

اللہ اللہ! یہ پیمبر کا درجہ ہے۔ منکروں، مسخ شدہ ذہنیت والے منکروں کی نظر میں!______

شیطان کے تسلط کے بعد کوئی حد ہی انسان کی سخافتِ فکر کی نہیں رہ جاتی!

۲۰ غداً۔ مراد "مرتے ہی" ہے۔ دُنیوی عذاب کی آمد بھی مراد ہوسکتی ہے، مقصود بہر صورت متوقع عذاب کی تاکید وتیقن ہے۔

عند نزول العذاب بهم أو يوم القيامة. (مدارك، ص:١١٨٨)

الکذّاب۔ جھوٹے اور سخت جھوٹے یہ لوگ ثابت ہوں گے بلحاظ انکارِ توحید ورسالت کے۔

الأشر۔ شیخی باز یہ لوگ ثابت ہوں گے اس لحاظ سے کہ انھیں نبی کے اتباع میں عار آتا تھا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اصلاح سے مایوس ہوجانے کے بعد اہل طریق بھی اسی طرز پر معاندین کو جواب دیتے ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۵۹۹)

فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ

سو انھیں دیکھتے بھالتے رہنا اور صبر سے بیٹھے رہنا، اور خبر دے دینا کہ پانی اُن کے درمیان بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک باری پر باری

مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ

والا حاضر ہوا کرے ۲۱ پھر انھوں نے اپنے رفیق کو بُلایا، سو اُس نے (اس پر) وار کیا اور (اس کو) ہلاک کر ڈالا، سو دیکھو میرا عذاب

وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ

اور میری تنبیہات کیسی رہیں؟ ہم نے اُن پر ایک ہی نعرہ مسلّط کیا، سو وہ ایسے ہوگئے جیسے کانٹوں کی باڑ

الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ كَذَّبَتْ

لگانے والے کا چورا ۲۲ اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ لوط کی

قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ

قوم نے ڈرانے والوں کی تکذیب کی، ہم نے اُن پر پتھر برسائے، بجز خاندان لوطؑ کے کہ انھیں صبح تڑکے

بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِىْ

بچا لیا اپنی طرف سے فضل کر کے ۲۳ جو شکر کرتا ہے اُسے ہم صلہ ہی

۲۱ یعنی اونٹنی اپنی باری پر پانی پینے آئے اور لوگوں کے جانور اپنی باری پر۔

إنا مرسلوا الناقة۔ یعنی ہم اونٹنی کا ظہور بطور معجزہ کے کریں گے۔

حضرت صالحؑ اور قوم ثمود پر حاشیے بار بار گزر چکے۔

۲۲ یعنی جیسے مویشیوں وغیرہ سے حفاظت کے لیے کھیت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد وہ سب چورا چور ہو جاتی ہے، بس اسی طرح وہ پُرقوت وپُرعظمت قوم ہلاک و برباد ہو کر رہی ـــــــ تشبیہ خاص عربوں کے مذاق کی ہے جسے وہ خوب اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔

۲۳ یعنی اُنھیں بستی سے باہر نکال کر عذاب سے محفوظ کر دیا۔

إلا آل لوط۔ عذاب سے محفوظ صرف خاندانِ لوط رکھا گیا۔ لیکن نہ اس لیے کہ وہ لوگ نبی کے خاندان سے تھے بلکہ اس لیے کہ وہی لوگ تو ایمان لائے اور نبی کی تصدیق کرنے والے تھے، ورنہ اگر محض

مَنْ شَكَرَ ۝٣٥ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝٣٦ وَلَقَدْ

ایسا دیا کرتے ہیں ۲۴ اور لوطؑ نے اُنھیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا، سو اُنھوں نے (اس) ڈرانے میں جھگڑے نکالے ۲۵ اور اُنھوں نے

رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝٣٧

لوطؑ سے ان کے مہمان کو بہ ارادۂ بد، لے لینا چاہا، تو ہم نے اُن کی آنکھیں پٹ کر دیں کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝٣٨ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝٣٩

اور صبح سویرے ہی اُن پر عذاب دائمی آپہنچا کہ لو، میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝٤٠ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ

اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے؟ سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ اور فرعون والوں کے پاس ڈرانے کی

فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝٤١ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝٤٢

(بہت سی) چیزیں پہنچیں ۲۶ اُنھوں نے ہماری ساری نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے (اُنھیں) زبردست صاحبِ قدرت کی پکڑ پکڑی ۲۷

رکوع ۲ ۱۸ ۹

خاندان سے ہونا محفوظیت کے لیے کافی ہوتا تو خود زوجۂ حضرت لوطؑ کیوں مبتلائے عذاب ہوتیں!

بالنذر۔ نُذُر۔ نذیر کی جمع اور مراد پیمبر۔ توجیہ محض حضرت لوطؑ کی تکذیب کی بنا پر یہ ہوسکتی ہے کہ ایک پیمبر کی تکذیب سارے پیمبروں کی تکذیب کو مستلزم ہے۔

۲۴ یعنی اپنے قہر وعذاب سے بچالیا کرتے ہیں۔

من شکر۔ شکرادا کرنے سے یہاں مراد ایمان لانے سے ہے۔

۲۵ (جیسا کہ ہر شریر وسرکش قوم نکالتی ہی رہتی ہے)

فتماروا بالنذر۔ یعنی کسی طرح آپ کی تنبیہات پر یقین نہ کیا اور اُن پر برابر حجتیں ہی نکالتے رہے۔

۲۶ ڈرانے کی متعدد چیزوں سے مراد حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے ارشادات بھی ہیں جو منذر تشریعی تھے اور معجزات بھی جو منذرات تکوینی تھے۔

۲۷ یعنی قہر وغلبہ کے ساتھ پکڑا، جس کے دفع کرنے پر کوئی بھی قادر نہ ہوسکا۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

تو کیا تمھارے (زمانے کے) کافران لوگوں سے کچھ بہتر ہیں؟ یا تمھارے لیے (آسمانی) نوشتوں میں کوئی معافی (درج) ہے؟ ۲۸ یا یہ لوگ یہ کہتے ہیں

نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ

کہ ہم ایسی جماعت ہیں ۔ غالب ہی رہیں گے؟ ۲۹ (سو) عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی ۳۰ لیکن ان کا (اصل) وعدہ تو

عزیز مقتدر۔ زبردست اور قدرت والا۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے؟ چنانچہ اسی مناسبت سے اُس کی گرفت بھی سخت اور بے پناہ رہی۔ بعض مشرک جاہلی قوموں نے خدا کو خدا مان کر بھی صفاتِ قہر وغضب سے محروم ومعرّیٰ تسلیم کیا ہے۔

عزیز ومقتدر جیسے صفاتی نام لانے سے ایک مقصود ان غلط عقائد کی تردید بھی ہے۔

۲۸ (اس لیے ہر کفر وشرک کے باوجود عذاب سے محفوظیت بھی)

أکفارکم۔ خطاب اہل عرب سے ہے۔

يا معشر العرب. (بيضاوی، ج٥/ص:١٠٧)

الخطاب مع أهل مكة. (كبير ج٢٩/ص:٥٨)

أولئكم۔ یعنی تمھارے وہ لوگ جن کی سزاؤں کا ذکر ابھی اُوپر ہو چکا ہے۔

يعني من الذين تقدم ذكرهم ممن أهلكوا بسبب تكذيبهم الرسل و كفرهم بالكتب. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٣٩)

أكفاركم خير من أولئكم۔ یعنی کیا یہ آج کل کے کافر ارتکابِ جرم کرتے رہیں گے، اور پھر بھی ان میں کوئی ایسی بات ہے جس سے یہ سزا یابی سے بچے رہیں گے؟

۲۹ (ہمیشہ اور ہر حال میں)

مطلب یہ ہوا کہ ان تین شقوں میں سے یہ کون سی شق اپنے لیے فرض کیے ہوئے ہیں؟

۳۰ سو اس طرح تینوں احتمالات کا کذب عنقریب اسی دُنیا میں ظاہر ہو کر رہے گا۔

ریاستِ مکہ کے عین شباب، قوت اور غلبہ کے سارے ظاہری قرائن وآثار کے وقت ایک بظاہر بالکل بے یار ویاور شخص کی زبان سے ایسی پیش گوئی کا ادا ہونا اور پھر اُس کا لفظ بلفظ پورا ہو جانا

مَوۡعِدُهُمۡ وَالسَّاعَةُ اَدۡهٰى وَاَمَرُّ ۝٤٦ اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝٤٧

قیامت (کے دن) کا ہے اور قیامت بڑی سخت و ناگوار چیز ہے، (یہ) مجرمین بڑی غلطی اور بے عقلی میں (پڑے ہوئے) ہیں

يَوۡمَ يُسۡحَبُوۡنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ ؕ ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ ۝٤٨ اِنَّا

جس روز یہ لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے تو اُن سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے لگنے کا مزہ چکھو! ہم نے

كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ۝٤٩ وَمَاۤ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍۢ بِالۡبَصَرِ ۝٥٠

ہر چیز کو (ایک خاص) انداز سے پیدا کیا ہے ۳۱ اور ہمارا حکم بس ایسا یک بہ یک ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکا ۳۲

وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَاۤ اَشۡيَاعَكُمۡ فَهَلۡ

اور ہم تمھارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں، سو ہے

اعجازِ قرآنی کے دلائل میں سے ایک زبردست دلیل ہے۔

۳۱ (اور اسی اندازِ معیّن ومقرر میں تعینِ زمان بھی شامل ہے، جب علمِ الٰہی کے مطابق وقت مناسب آئے گا اُس وقت قیامت لازماً واقع ہو کر رہے گی، نہ کہ اس کے قبل)

إنّ المجرمين۔ مجرموں سے مراد یا تو مشرکین ہیں، یا وہ سارے فرقے جو یومِ آخرت کی طرف سے تردّد وارتیاب میں پڑے ہوئے ہیں۔

المشركين. (معالم، ج ٤/ص: ٣٢٧)

هذا يشمل كل من اتصف بذلك من كافر ومبتدع من سائر الفرق. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٢٤٠)

إن...... سعر۔ دُنیا کی کوئی حماقت و نافہمی اس سے بڑھ کر اور ہو کیا سکتی ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ قطعی اور یقینی ہے، انسان اس کی طرف سے غافل و بے خوف رہے!

۳۲ عام فہم انسانی میں وقت کی جو قلیل سے قلیل اور مختصر ترین مدت آسکتی ہے وہ یہی آنکھ کی جھپک ہے، اور اسی لیے قرآن مجید نے بھی ایسے چلے ہوئے انسانی محاورے کو استعمال کیا ہے، ورنہ امرِ الٰہی کی حقیقی سرعت کا اندازہ تو انسان غریب نہ خود کر سکتا ہے نہ اُس کے بنائے ہوئے آلاتِ پیمائشِ وقت۔

مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۝۵۱ وَكُلُّ شَیۡءٍ فَعَلُوۡهُ فِی الزُّبُرِ ۝۵۲ وَكُلُّ صَغِیۡرٍ وَّكَبِیۡرٍ

کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ ۳۳ اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں وہ (سب) نوشتوں میں (درج) ہے، اور ہر چھوٹی اور بڑی بات

مُّسۡتَطَرٌ ۝۵۳ اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝۵۴ فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ

(اس میں) لکھی ہوئی ہے ۳۴ جو پرہیز گار ہیں ان باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں گے، ایک اعلیٰ مقام میں

عِنۡدَ مَلِیۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ ۝۵۵

قدرت والے بادشاہ کے نزدیک ۳۵

۳۳ (اے کافرو! تم میں سے)

مطلب یہ ہوا کہ جب طریقِ زندگی آج کے کافروں اور پچھلے منکروں میں مشترک ٹھہرا، تو عذاب بھی پچھلوں پر یقیناً اگلوں ہی کا سا آکر رہے گا۔

أشياعكم۔ یعنی پرانی قوموں میں سے جو تمھاری ہی مشابہ قومیں گزری ہیں۔

أی أشباهكم فی الكفر من الأمم. (مدارك،ص:۱۱۹۰)

۳۴ (اور یہ نہیں کہ کچھ لکھا گیا ہو اور کچھ رہ گیا ہو)

فی الزبر۔ یعنی اعمال ناموں میں۔

أی مكتوب فی كتب الحفظة. (بیضاوی،ج۵/ص:۱۰۸)

فی دواوين الحفظة. (بحر،ج۸/ص:۱۸۴)

یہ نوشتوں کا پیش ہونا ثبوتِ جرم کی مزید اکملیت کے لیے ہوگا، ورنہ ثبوت کی قطعیت کے لیے تو محض علمِ الٰہی کافی ہے۔

۳۵ یہ بشارت مزید ہے کہ جنت میں اور ساری مادّی اور روحانی لذتیں تو خیر ہوں گی ہی، ان سب کے ساتھ دولتِ قرب بھی حاصل ہوگی۔

فی مقعد صدق۔ یعنی اعلیٰ درجہ کے دل پسند و خوش گوار مقام میں۔

فی مكان مرضی. (بیضاوی،ج۵/ص:۱۰۸)

عـنـد ملیك مقتدر۔ دُنیا میں تجربہ ہے کہ جو بادشاہ جتنا بڑا اور پُرقوت، اتنا ہی اس کا قرب بھی باعثِ نفع ولذت، چہ جائے کہ اس ملک الملوک، شہنشاہِ اعظم ومليك مقتدر کا قرب!

كلما كان الملك أشد اقتداراً كان المتقرب منه أشد التذاذاً. (كبير، ج۲۹/ص:۷۲)

عند۔ قربِ الٰہی سے مراد قربِ معنوی ہے نہ کہ قربِ مادّی۔

والمراد منه قرب المنزلة والشأن لا قرب المعنى والمكان. (كبير، ج۲۹/ص:۷۲)

عندية منزلة و كرامة، لامسافة ومماسة. (مدارك، ص:۱۱۹۰)

نھر۔ اسم جنس ہے صورۃً واحد معنیً جمع۔

نهر فى معنى الجمع لكونه اسم جنس. (كبير، ج۲۹/ص:۷۰)

سورۂ رحمٰن مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان اور بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

خدائے رحمٰن ہی نے قرآن کی تعلیم دی [۱] اُسی نے انسان کو پیدا کیا، اُس کو گویائی سکھلائی [۲]

[۱] اور قرآن چونکہ سرتاسر رحمت اور فلاحِ دُنیوی واُخروی دونوں کے لیے بہترین ہدایت نامہ اور جامع ترین دستور العمل ہے، اس لیے اس کا نزول اور انسان کو اس کی تعلیم بھی شانِ رحمانیت کا سب سے بڑا مظہر ہے اور اسی مناسبت سے سورت کی ابتدا اسی کے ذکر سے ہو رہی ہے۔

[۲] نطق وبیان کی نعمت تکوینی حیثیت سے بہت بڑی نعمت ہے۔ انسانیت کے لیے بھی مایۂ شرف، اور حیوانیت وانسانیت کے درمیان یہی فارق ہے۔ منطقیوں اور فلسفیوں نے انسان کی تعریف حیوانِ ناطق سے کی ہے وہ سب اسی جانب مشیر ہے۔

خلق الإنسان۔ انسان کا مقصدِ تخلیق چونکہ اسلام میں بہترین وبرترین اُخروی نعمتوں سے سرفراز ہونا ہے اس لیے انسان کا خلعتِ وجود سے مشرف ہونا، بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

دو لفظی آیت سے اور بھی متعدد تعلیمات نکلتی ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ انسان خود بہ خود وجود میں نہیں آ گیا، کسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

(۲) پیدا کیا ہوا بھی خدائے رحمٰن کا ہے، اس لیے اس کی خلقت سرتاسر رحمت وحکمت ہی کا ثمرہ ہے۔

(۳) انسان اپنے خالق ورب سے متحد نہیں، اُس کا مخلوق ہے۔

اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۪﴿۵﴾ وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدٰنِ ﴿۶﴾

سورج اور چاند تک حساب کے (پابند) ہیں ۳؎ اور سبزیاں اور درخت دونوں (اُسی کے) مطیع ہیں ۴؎

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الۡمِيۡزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِى الۡمِيۡزَانِ ﴿۸﴾

اور آسمان کو اُسی نے اُونچا کیا ۵؎ اور اُسی نے ترازو وضع کردی کہ تم تولنے میں گڑبڑ نہ کر

۳؎ یہ نمایاں ترین اور روشن ترین اجرامِ فلکی، دن اور رات، ماہ و سال کے وجود میں لانے والے اور فصل و موسم کے تغیرات پیدا کرنے والے، اپنی رفتار میں طلوع و غروب میں، گھٹاؤ بڑھاؤ میں، ہر چیز میں خود ایک باقاعدہ حساب اور پورے ضابطے کے پابند ہیں، اور دیوی دیوتا بننے کی صلاحیت کا شائبہ بھی نہیں رکھتے۔

پرانی تحقیق یہ تھی کہ آفتاب زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ نئی تحقیق یہ ہے کہ آفتاب کسی اور مدار کے گرد گردش کررہا ہے۔ بہر صورت اس کی نفس گردش اور کسی ضابطۂ گردش کی پابندی مسلّم ہے اور قرآن کی غرض صرف اسی حقیقت پر توجہ دلانا ہے۔

۴؎ (اور اُسی کے قوانینِ تکوینی کے آگے سر بسجود)

یسجدان۔ سجدے کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ یہاں اصطلاحی سجدۂ شرعی نہیں، محض انقیادِ تکوینی مراد ہے۔

أی ینقادان للّٰہ تعالیٰ. (مدارک، ص: ۱۱۹۱)

والنجم۔ نجم وہ پودا جس میں تنا نہ ہو، مثلاً: گھاس، ترکاریاں، بیل دار درخت۔

شرک کا ایک بڑا مظہر دنیا میں شجر پرستی اور نباتات پرستی بھی رہا ہے۔ آیت اس کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

۵؎ اور اتنا اُونچا کہ انسانی عمارتیں، اور اُونچے سے اُونچے مینار و گنبد اور اُونچے سے اُونچے پہاڑ اور ہوائی جہازوں کی پرواز اس میں بآسانی و بفراغت تمام سما جاتے ہیں۔ آسمان بھی کوئی دیوی دیوتا نہیں، جیسا کہ ساری قدیم متمدن مشرک قومیں سمجھتی رہی ہیں، بلکہ اللہ ہی کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق اور اس کی صنعت گری کا بہترین آئینہ دار ہے اور بس۔

وَاَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝٩ وَالْاَرْضَ

اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تول کو گھٹاؤ مت ۶ اور اُسی نے زمین کو

وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝١٠ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝١١ وَالْحَبُّ

خلقت کے واسطے رکھ دیا ۷ کہ اُس میں میوے ہیں اور غلاف دار کھجور کے درخت ہیں اور (اس میں) غلہ بھی

ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝١٢ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا

بھوسہ والا (اور) غذا کی چیز بھی ۸ سو تم (اے جن و انس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

۶ (اور اسی طرح معاملت کے ہر شعبہ میں پوری احتیاط برتو)

ووضع المیزان۔ یعنی زمین میں ایسی کارآمد چیز ایجاد کردی۔

ذرا خیال تو کیجئے کہ آج اگر انسان کے پاس بڑی اور چھوٹی، بھاری اور ہلکی چیزوں کے وزن کرنے کا آلہ موجود نہ ہوتا تو تجارت اور تجارتی منڈیاں، خرید وفروخت، بیوپار اور ساہوکار، تھوک فروشی اور خوردہ فروشی، بازار اور اس کی دُوکانیں، غرض یہ کہ سارا کاروبار اور کاروباری تمدن کا کہیں بھی وجود ہوتا؟

المیزان۔ میزان کے معنی عدل کے بھی کیے گئے ہیں۔

قیل المراد من المیزان الأول العدل ووضعه شرعه. (کبیر، ج۲۹/ص: ۸۰)

تجارت اور تجارتی معاملات میں تقویٰ، دیانت واحتیاط کی اہمیت اسی ایک حکم سے ظاہر ہے!۔۔۔۔ عالم کے فلاح و بہبود کا مدار بڑی حد تک اسی حکم کی تعمیل پر ہے۔

۷ یعنی خلقت کے نفع وخدمت کے لیے۔ زمین تو خود انسان کے کام میں آنے کے لیے ہے، نہ یہ کہ انسان اپنی جہالت سے اُلٹی اس کی پرستش شروع کردے، اور دھرتی مائی وغیرہ کسی دیوی کی پوجا کرنے لگے۔

۸ (اور یہ سب نعمتیں انسان ہی کے کام میں آنے کے لیے ہیں)

مراد ہر قسم کے نباتات، میوہ جات، پھل پھلاری، ترکاریاں وغیرہ ہیں۔۔۔۔ قرآن مجید نے ان مادّی، حسّی، غذائی نعمتوں کو نعمتوں ہی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ باطل اور مسخ شدہ مذہبوں کے زیر اثر ان نعمتوں کی تحقیر کرنا، یا اپنے کو ان سے ماوراء اور مافوق سمجھنا کفرانِ نعمت کی ایک فرد ہے۔

تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ

جھٹلاؤ گے؟ ۹ اُسی نے انسان کو پیدا کیا (ایسی) مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی اور جنات کو پیدا کیا

مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

خالص آگ سے ١٠ سوتم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

والحب ذو العصف والریحان۔ جس طرح غلہ انسان کی غذا ہے، بھوسہ، بھوسی، گھاس وغیرہ جانوروں کی غذائیں ہیں۔ اور اس طرح بالواسطہ وہ بھی انسان ہی کے کام کی ہیں۔

الریحان۔ ریحان کے دوسرے معنی خوشبودار پھول کے بھی ہیں، گویا یہ ارشاد ہوا کہ زمین سے ایسی چیزیں بھی نکلتی ہیں جو گو براہِ راست غذا میں نہیں کام آتیں، پھر بھی انسان ان سے خوشبو وغیرہ کا کام لیتا ہے۔

٩ (اور نعمتوں کے حقوق کی ادائی یہی ہے کہ مُنعم کے احکام کی تعمیل کی جائے، اور دُنیا میں اس کے قانون کے نفاذ میں مدد دی جائے)

یہ خاص آیت اس سورت میں ۳۱ بار آئی ہے اور ہر بار ایک نئے سیاق میں اور نعمت کے ایک نئے مصداق کے ساتھ، اس لیے تکرار صرف صوری ہے معنوی نہیں، لیکن بالفرض معنوی بھی ہوتی تو ظاہر ہے کہ جب اہل زبان نے اُسے فصاحتِ زبان اور سلاستِ بیان میں مخل نہ سمجھا بلکہ اس میں ممد ومعاون سمجھا اور اُس کا شمار خالص ادبی صنعتوں میں کیا تو عربی ادب کے اس ہنر یا حسن کو اُردو یا انگریزی یا ہندی یا چینی یا کسی بھی اور زبان وادب کے معیار سے دیکھنا اور جانچنا جہل صریح نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر اس کی نظیر سے تو نہ دُنیا کے ادبی ذخیرے خالی ہیں نہ دُنیا کے مذہبی نوشتے ——— دُنیا کے ادیبانہ خطبات سے قطع نظر خاص کتاب زبور میں جو مناجات نمبر ۱۳۶ پر چھبیس (۲۶) آیتوں کی ہے اُس میں ایک خاص فقرہ ''کہ اس کی رحمت اب تک ہے'' کی تکرار بھی ۲۶ ہی بار آئی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نعمتوں کی جمیع اقسام سے نفع اُٹھانا تو خود مطلوب ومقصود ہے اور نہ زہد کے منافی ہے، نہ تعلق مع اللہ سے مانع، جیسا کہ بعض اہل تقشف نے سمجھ رکھا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۶۰۳)

١٠ انسان اور جن کا مخلوق کی دو نوعیں ہونا یہاں جس صراحت سے مذکور ہے اس کے

تُكَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا

جھٹلاؤ گے؟ ۱۱ وہ دونوں مشرقوں کا پروردگار ہے اور وہی دونوں مغربوں کا پروردگار ۱۲ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾

جھٹلاؤ گے؟ اسی نے دو دریاؤں کو ملایا کہ باہم ملے ہوئے بھی ہیں (اور) دونوں کے درمیان ایک حجاب (بھی) ہے کہ دونوں (آگے) بڑھ نہیں سکتے ۱۳

آگے صراحت کا کوئی اور درجہ ہو کیا سکتا ہے! حیرت اور اس سے زیادہ افسوس کا مقام ہے کہ ایسی ایسی متعدد قرآنی صراحتوں کے باوجود بھی بعض باطل فرقوں کی کوششیں اب بھی جاری ہیں کہ جس طرح بھی کھینچ تان کر اور لغت اور نصوصِ قرآنی سے جس طرح بھی کشتی لڑ لڑ کر ممکن ہو جنات کو انسان ہی کی ایک قسم ثابت کر دکھائیں! ـــــ اس لیے اور محض اس لیے کہ فرنگیوں کو ابھی تک اپنی کسی تحقیق سے وجودِ جنات کا ثبوت نہیں ملا ہے!

اکبر الٰہ آبادیؒ کیا خوب فرما گئے ہیں۔

کیوں کر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز ۔۔۔ جغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا!

۱۱ جن مادّی ورُوحانی نعمتوں کا ذکر اس سیاق وسباق میں چل رہا ہے اس سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جنات بھی اُن سے اسی طرح مستفید ہو رہے ہیں جس طرح انسان۔

۱۲ مشرقین و مغربین کے صیغۂ تثنیہ سے مراد چاند اور سورج کے طلوع ہونے والے دو اُفق اور اُنھیں دونوں کے غروب ہونے کے دو اُفق ہیں۔

أی مشرق الشمس والقمر ومغربهما. (کبیر، ج۲۹/ص:۸۸)

محض سورج ہی کے دو مشرق اور دو مغرب (جاڑے اور گرمی کی فصلوں کی مناسبت سے) بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

أی مشرق الشتاء ومشرق الصيف. (کبیر، ج۲۹/ص:۸۸)

۱۳ ماہرینِ فن کا بیان ہے کہ سطحِ زمین کے نیچے پانی کے دو مستقل نظام جاری ہیں:۔ایک سلسلہ آبِ شور کا ہے جو سمندروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا سلسلہ آبِ شیریں کا ہے جو عموماً کنویں، دریاؤں، جھیلوں سے نکلتا رہتا ہے۔ کائناتِ انسانی کے واسطے دونوں اپنی اپنی جگہ نہایت ضروری ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ ﴿۲۲﴾

سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتے ہیں ۱۴

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الۡجَوَارِ الۡمُنۡشَـٰٔتُ فِی الۡبَحۡرِ

سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور اُسی کے اختیار میں ہیں جہاز جو سمندر میں

كَالۡاَعۡلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾

پہاڑوں کی طرح اُونچے کھڑے ہیں ۱۵ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ زمین پر جو بھی ہیں سب فنا ہونے والے ہیں

آیت میں اس حکمت وصنعت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دونوں نظام پوری طرح قائم بھی ہیں اور پھر ایک دوسرے سے گڈمڈ اور مدغم نہیں ہونے پاتے۔ ملاحظہ ہو سورۃ الفرقان (آیت ۵۳) کے حاشیے۔

۱۴ موتی اور مونگے دونوں کے تجارتی، طبی، معاشی، معاشری منافع اور ان کے وجود کا نعمت میں سے ہونا بالکل ظاہر ہے، قرآن مجید کا ان قیمتی بحری موجودات کا محلِ نعمت میں ذکر کرنا خود اس امر پر دلیل ہے کہ اسلام نہ کوئی خشک وزاہدانہ وراہبانہ اور تمدن بیزار مذہب ہے، اور نہ یہ دین صرف صحرائے عرب کے باشندوں کی ضروریات تک کے لیے محدود ہے۔

منھما میں ضمیر تثنیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں چیزیں دونوں ہی نظاماتِ آبی میں موجود ہوں، دونوں کے صرف مجموعہ میں ان کا موجود ہونا بالکل کافی ہے۔

۱۵ جہازوں کے بھی تمدنی، معاشری، سیاسی، تجارتی منافع بالکل ظاہر ہیں ——— قرآن مجید نے بحری تجارت کو بارہا سراہا ہے۔ کہیں صراحۃً اور کہیں دلالۃً وتضمناً، اور یہاں تو جہازوں سے جو اور کام بھی لیے جاسکتے ہیں، جنگی اغراض، تفریحی اغراض، جغرافی اغراض وغیرہا ان سب کی طرف اشارہ آگیا ہے۔

کالأعلام۔ اس تشبیہ سے یہ بھی صاف ہوگیا کہ قرآن مجید کے پیشِ نظر محض معمولی ہلکی کشتیاں، ڈونگی وغیرہ کی قسم کی نہیں، بلکہ بڑے بڑے قدآور بادبانی، دخانی، جنگی جہاز وغیرہ، جو بعد کو ایجاد ہوئے، یہ سب اس کے پیش نظر تھے۔ قرآن مجید ان ایجادات واختراعات کا مخالف نہیں، صرف اُن کے سوءِ استعمال کا مخالف ہے۔

وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا

اور صرف آپ کے پروردگار کی ذات عظمت واحسان والی، باقی رہ جانے والی ہے ۱۶؎ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ

جھٹلاؤ گے؟ اُسی سے سب آسمان اور زمین والے طلب کرتے ہیں، وہ ہر وقت کسی نہ کسی

فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ

کام میں رہتا ہے ۱۷؎ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ سو ہم عنقریب (اے جن وانس) تمھارے لیے

لہ۔ یہ لاکر یہ جتادیا کہ ان ایجادات واختراعات کو کہیں غفلت وخدا فراموشی میں پڑکر اپنی ذات کی جانب نہ منسوب کرنے لگنا، بلکہ خدا اور آخرت کو یاد رکھ کر یہ سمجھتے رہنا کہ یہ سارے کمالات محض توفیقِ الٰہی سے مرحمت ہوئے ہیں، اور آخرت میں ان سب کے صحیح مصرف کی بابت جواب دینا ہے۔۔۔۔ یہ احساسِ ذمہ داری رکھنے والی قوم کبھی بھی جابر، قاہر، دوسروں کے حق میں غیر عادل ہوسکتی ہے؟

۱۶؎ یہاں یہ صاف بتادیا کہ زمین پر موجودات جتنی اور جس قسم کی بھی ہے، چاہے وہ مادّہ ہو، یا روح، سب کی سب فانی اور غیر باقی ہیں، باقی اور قائم ودائم صرف الحی والقیوم کی ذات پاک ہے۔

علیھا۔ ضمیر ھا کا الأرض کی طرف راجع ہونا بالکل ظاہر اور غیر اختلافی ہے۔

ذو الجلال والإکرام۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ صفتِ جلال میں اشارہ ہے افنائے عالم کی طرف اور صفتِ اکرام ابقا کی طرف مشیر ہے، جس کا تعلق نشاۃ ثانیہ سے ہے۔ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ الجلال کے تحت میں تمام صفاتِ سلبی ومنفی حق تعالیٰ کے آگئے، اور الإکرام کے ماتحت تمام صفاتِ اثباتی وایجابی۔ (کبیر، ج۲۹/ص:۹۵)

وجہ۔ وجہ سے مراد ذات ہوتی ہے اور اُس پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔

الوجہ یطلق علی الذات. (کبیر، ج۲۹/ص:۹۳)

۱۷؎ یعنی کائنات میں تصرفات جو ہر لحظہ اور ہر آن جاری رہتے ہیں، یہ نتیجہ ہیں تمام تر اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقتی توجہ والتفات کا، یہ ممکن نہیں کہ حق تعالیٰ پر غفلت اور بے التفاتی ایک آن کے لیے بھی طاری ہو۔۔۔۔۔ یہیں سے رد نکل آیا ان گمراہ قوموں کا جن کے نزدیک خدا دُنیا کو ایک بار پیدا

اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ

فارغ ہوئے جاتے ہیں ۱۸؎ سوتم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اے گروہ جن

کر کے اب معطل اور اُس سے بے تعلق ہو بیٹھا ہے، یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ایک بار کے عملِ تخلیق کے بعد اب معطل ہے۔

اسلام کے عقیدے میں اس خالقِ اکبر وقادرِ مطلق کی کُن فیکونی قوت کا ظہور ہر آن، ہر لمحہ کائنات کی ادنیٰ سی ادنیٰ حرکت وتصرف میں ہوتا رہتا ہے۔ آگ اس لیے نہیں جلاتی اور پانی اس لیے نہیں دھوتا کہ آگ اور پانی میں کوئی فطری خاصیت جلانے اور دھونے کی موجود ہے، بلکہ صرف اس لیے کہ جلانے اور دھونے کے ہر ہر جزئی واقعہ سے متعلق مشیت کا حکم ہی یہی ہوتا رہتا ہے! اسلام کا خدا اپنی خلاّقی اور فعّالی کے تجلیات ہر لحظہ اور ہر آن دکھاتا رہتا ہے۔

کل یوم۔ یوم سے مراد یہ متعارف دن رات نہیں بلکہ مطلق وقت اور اس کا ہر حصہ مراد ہے۔

یسئلہ......الأرض۔ یعنی ساری کی ساری مخلوقات چاہے وہ آسمانی ہو یا زمینی، اپنی اپنی حاجتیں اور مُرادیں اسی حق تعالیٰ سے طلب کرتی رہتی ہیں۔

من فی السمٰوٰت والأرض کے اطلاق میں حضراتِ انبیاء کے علاوہ جنات، فرشتے سب ہی آ گئے، مخلوق کوئی بھی ایسی نہیں جو اپنے اپنے مرتبۂ وجود کے لحاظ سے صاحبِ حاجت نہ ہو، اور حاجت رَواسب کا حق تعالیٰ ہی ہے۔

۱۸؎ یعنی عنقریب تمھارا حساب وکتاب شروع کرنے والے ہیں۔

سنفرغ۔ فراغت یا فارغ ہونے کا لفظ جہاں محاورۂ انسانی کے مطابق محض بطورِ مجاز ومبالغہ کے استعمال ہوا ہے، مراد صرف توجہِ تام کو ظاہر کرنا ہے جو انسان کو عموماً دوسرے کاموں سے فراغت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، ورنہ ذاتِ باری کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اُس کی ایک مشغولی دوسری طرف توجہ سے مانع ہو جائے۔

سنفرغ میں س عنقریب کے معنی میں ہے، یعنی اس دُنیا کے کاروبار کو ہم عنقریب ختم کر کے دوسرا دَور جزائے اعمال کا شروع کرنے والے ہیں۔

وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

وانس اگر تمھیں یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کے حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ

فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ ۚ﴿۳۳﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

تو نکل دیکھو (لیکن) بغیر زور کے نکل سکتے ہی نہیں ۱۹ سوتم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

یُرۡسَلُ عَلَیۡکُمَا شُوَاظٌ مِّنۡ نَّارٍ ۬ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنۡتَصِرٰنِ ﴿ۚ۳۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

تم دونوں پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا سو تم نہ ہٹا سکو گے ۲۰ سوتم (اے جن وانس)

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ فَاِذَا انۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتۡ وَرۡدَۃً کَالدِّهَانِ ﴿ۚ۳۷﴾

اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ غرض جب آسمان پھٹ جائے گا اور سُرخ ہوجائے گا مثل سُرخ نری کے ۲۱

ثقلن سے مراد جنسِ جن وجنسِ اِنس ہیں۔

الثقلان الإنس والجن لأنهما فُضِّلا بالتميز الذى فيهما على سائر الحيوان. (تاج، ج ۱۴/ص:۸۵)

سُمِّيا ثقلين لتفضيل الله تعالىٰ إياهما على سائر الحيوان المخلوق فى الأرض بالتمييز والعقل الذى خُصّا به. (لسان، ج ۲/ص:۱۱۴)

۱۹ (اور وہ زور تمھیں میسر نہیں)

مقصود اس سے وقوعِ حساب کی تاکید ہے یعنی اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی بچ کر نکل جائے اور جب آج اس کا امکان نہیں تو قیامت میں تو مخلوق کا عجز اور زیادہ ظاہر ونمایاں ہوگا۔

۲۰ مجرموں کا اپنے جرائم کی ناگزیر پاداش سے قبل از وقت مطلع وآگاہ، خبردار ہوجانا بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ توبہ وکفارے کا موقع ابھی باقی ہے اور اسی لیے قرآن مجید نے اس اطلاع واعلام کا شمار بھی نعمتوں میں کیا ہے۔

۲۱ (اور یہ سب قیامت کے دن واقع ہوگا)

کالدھان۔ دھان کے مختلف معنی منقول ہوئے ہیں، یہاں اتباع حضرت ابن عباسؓ کے قول کا کیا گیا ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ

سوتم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اُس روز کسی انسان اور جن سے اُس کے جرم کے

وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ

باب میں نہ پوچھا جائے گا۲۲ سوتم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ مجرم لوگ تو اپنے حلیہ ہی سے

بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَ الْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾

پہچان لیے جائیں گے اور پھر پیشانیوں اور پیروں کے بل پکڑ لیے جائیں گے۲۳ سوتم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

قال الضحاك عن ابن عباس هو الأديم الأحمر. (ابن کثیر، ج٤/ص:٢٤٧)

قال الكلبي......أى كالأديم الأحمر. (معالم، ج٤/ص:٣٣٧)

۲۲ (عالم الغیب کی واقفیت کے لیے کہ اُسے خود ہی سب کچھ معلوم ہے)

جس سوال کی یہاں نفی ہو رہی ہے وہ علم واخبار کی غرض سے ہے، باقی جو سوال وحساب دوسروں کو معلوم کرائے یا خود مجرم پر حجت قائم کرے یا اُسے عار دلائے، یا اس پر کسی اور نوع سے مزید عذاب کے لیے ہو، ان میں سے کسی کی نفی یہاں مقصود نہیں۔

۲۳ (اور طرح طرح کی تعذیب کے ساتھ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے)

یعرف المجرمون بسیماھم۔ یعنی منکروں، مجرموں کا چہرہ خود بخود ان کے جرائم کا آئینہ ہوگا، فرشتوں کو کسی مزید تحقیق کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

صوفیۂ عارفین کی تحقیق ہے کہ ناسوت میں ہر معصیت کے نقوش چہرے اور سارے جسم پر مرتسم ہو جاتے ہیں، اور آخرت میں یہی نقوش جو آج خفی ہیں خوب واضح ونمایاں ہو جائیں گے۔

سیرتے کاں در وجودت غالب ست ہم براں تصویر حسرت واجب ست

حشر پُرحرص خس مُردار خوار صورت خو کی بُود روز شمار

زانیاں راگندہ اندامِ نہان خمر خواران را بُود گندہ دہان

(مثنوی مولانا رومؒ)

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا

یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ جھٹلاتے رہے تھے، ان لوگوں پر پھیرا ہوتا رہے گا، اس کے اور

وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ

گرم کھولتے پانی کے درمیان ۲۴ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا

مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

ہونے سے ڈرتا رہے اُس کے لیے دو دو باغ ہوں گے ۲۵ سو (اے جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (اور وہ باغ بھی) خوب شاخوں والے

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

ہوں گے ۲۶ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان باغوں میں دو دو چشمے بھی بہتے ہی چلے جائیں گے، سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی

۲۴ یعنی کبھی اِس طرح معذب ہوں گے، کبھی اُس طرح ــــــ کبھی انھیں سابقہ دہکتی ہوئی آگ کے عذاب سے پڑے گا اور کبھی کھولتے ہوئے پانی کے عذاب سے۔

۲۵ یہ ذکر خواص اُمت اور اعلیٰ متقیوں کا ہے جو برابر ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ ولمن......ربہ۔ جو کوئی حق تعالیٰ کے سامنے حاضری سے ڈرتا رہے اور اُس ڈر سے برابر طاعتِ حق میں لگا رہے۔

محدثین نے آیت کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے ڈرنے والوں کو جنت کی بشارت دی، اس پر صحابی ابو درداءؓ نے عرض کیا کہ اگر ایسا بندہ چوری اور زنا کرے تو بھی؟ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ ہاں بندہ اگر چوری اور زنا کرے تو بھی۔ اس پر صحابی نے حیرت سے دوبارہ وہی سوال کیا، مکرر وہی جواب ارشاد ہوا۔ یہاں تک کہ تیسری بار کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ہاں، چاہے ابو درداء کو کیسا ہی ناگوار گزرے، تفصیل حافظ ابن کثیر کی تفسیر میں ملے گی (ابن کثیر، ج ۴/ص: ۲۴۹) ــــــ بندۂ مومن کے لیے اُس کی کمزوریوں کے باوجود کیسی کیسی بشارتیں اہل حق کے مذہب میں موجود ہیں!

۲۶ جن کا سایہ بھی خوب گھنا اور گنجان ہوگا اور جو پھل پھلاریوں سے بھی خوب لدے ہوں گے۔

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ فِيهِمَا مِن كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور ان باغوں میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی ۲۷ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾ مُتَّكِئِينَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ

جھٹلاؤ گے؟ وہ لوگ تکیہ لگائے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے اُستر دبیز ریشم کے ہوں گے ۲۸ اور دونوں باغوں کے پھل بہت ہی

دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾ فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ

قریب ہوں گے ۲۹ سو (اے جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اُن (مکانات) میں نیچی نگاہ والیاں ہوں گی

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾

کہ ان لوگوں سے پہلے اُن پر کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا نہ جن نے ۳۰ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ

گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں ۳۱ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ بھلا

۲۷ یہ غالباً تلذذ میں تنوع کے بیان کے لیے ہے ـــــــ غرض یہ کہ رُوحانی، عقلی، فکری لذتوں کے ساتھ ساتھ جسمانی و مادّی لذتیں بھی پوری طرح ہوں گی۔

۲۸ (اور جب اُستر یعنی اندر کا حصہ ایسا نفیس ہوگا تو اَبرا یعنی باہر کا حصہ جیسا ہوگا ظاہر ہے)

۲۹ (اہل جنت سے ہر حال میں)

یعنی اہل جنت اُنھیں کھڑے، لیٹے، بیٹھے ہر حال اور ہر وضع میں بلا ادنیٰ مشقت وتعب حاصل کرلیا کریں گے!

۳۰ (یعنی ہر طرح غیر مستعمل اور اچھوتی)

اس میں ایک بار پھر بشارت اور صراحت ہے کہ رُوحانی نعمتوں کے ساتھ ساتھ مادّی لذتیں بھی اپنی تفصیلات و جزئیات کے ساتھ اہل جنت کو پوری طرح حاصل رہیں گی، اس دُنیا سے کم نہیں زائد ہی۔

۳۱ یعنی خوب سرخ وسفید، گوری چٹی، حسن و جمال مجسم۔

جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

کمالِ اطاعت کا بدلہ بجز کمالِ عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ ۳۲ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

وَمِنۡ دُوۡنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدۡهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾

اور ان باغوں سے کم درجہ میں دو اور باغ بھی ہیں ۳۳ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ دونوں گہرے سبز رنگ کے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیۡهِمَا عَیۡنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں دو چشمے ہوں گے جوش مارتے ہوئے، سو تم (اے جن وانس) اپنے

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیۡهِمَا فَاکِهَةٌ وَّنَخۡلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں میوے ہوں گے اور خرمے اور انار سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیۡهِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾

جھٹلاؤ گے؟ اُن میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ہوں گی ۳۴ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾

گورے رنگ والیاں خیموں میں محفوظ ہوں گی ۳۵ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

۳۲ یہ سب ذکر خواص اہل جنت کا ہو رہا ہے۔

اِحسان کے معنی حسن پیدا کرنے کے ہیں۔ جب بندوں نے طاعت واطاعت میں حسن پیدا کر کے دکھا دیا تو کیسے ممکن ہے کہ مالک کی طرف سے صلہ وانعام بھی حسن کاری کی حد تک نہ پہنچے۔

۳۳ خواص کے بعد اب ذکر عامۂ اہل جنت کی نعمتوں کا شروع ہو رہا ہے۔

۳۴ جنت کی مادّی نعمتوں کا بیان اجمالاً نہیں، بلکہ ایک ایک جزئیہ کی صراحت کے ساتھ ہو رہا ہے۔

فیھن ضمیر ھن سے مراد یہ ہے کہ اُن باغوں، چمنوں، گلشنوں کے اندر جو آراستہ وپیراستہ کوٹھیاں، بنگلے، حویلیاں، محل سرائیں ہوں گی اُن میں۔

۳۵ یعنی ہر طرح پاک دامن اور اچھوتی، جن کا تخیل بھی کسی ذوقِ سلیم رکھنے والے

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۷۵﴾

اُن پر اُن کے قبل نہ کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے ۳۶ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

یہ لوگ تکیہ لگائے ہوں گے مشجر سبز اور عجیب خوبصورت کپڑوں کے فرش پر، سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبَانِ ﴿۷۷﴾ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

جھٹلاؤ گے؟ بڑا بابرکت نام ہے آپ کے پروردگار عظمت والے، احسان والے کا ۳۷

کو گراں نہ گزرے۔

حور۔ لفظی معنی گورے رنگ والی کے ہیں، مراد جنت کی نسوانی مخلوق سے ہے، جس کے ذکر سے خدا معلوم آج کی ''روشن خیالی'' کو اتنی حیا کیوں آتی ہے! سوا اس کے کہ اس کو مسیحیت سے دماغی مرعوبیت پر محمول کیا جائے۔ وہ مسیحیت جس کے نزدیک عورت معصیت مجسم ہے اور اس کا نام لینا بھی باعثِ شرم وموجب ذلت!

۳۶ آیت ابھی اوپر گزر چکی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جنت کی یہ نعمت عظیم خواص اہل جنت اور عامۂ اہل جنت دونوں کے لیے عام ہوگی۔

۳۷ (اور جس کے اسم میں یہ برکت اور عظمت ہے تو ظاہر ہے کہ اُس اسم کا مسمیٰ کیسا مبارک اور کیسا کامل اکمل ہوگا!)

اسم پر حاشیہ سورۃ البقرہ (آیت ۳۱) پر علّم آدم الأسماء کلھا کے تحت گزر چکا۔ اسم سے یہاں مراد صفات ہیں جو ذاتِ باری سے غیر نہیں۔

قيل الاسم يعني الصفة لأنها علامة على موصوفها. (روح، ج ۲۷/ص: ۱۲۷)

(۵۶)

سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ

سورۂ واقعہ مکّی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ﴿۱﴾ لَیْسَ لِوَقْعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ﴿۲﴾ خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ﴿۳﴾

جب قیامت واقع ہوگی، جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں، تو وہ پست کردے گی (اور) بلند کردے گی ۱

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ فَکَانَتْ ہَبَآءً

جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، پھر وہ پراگندہ غبار

مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾ وَّکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَۃً ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ۵ مَآ اَصْحٰبُ

بن جائیں گے اور تم تین تین قسم کے ہوجاؤ گے ۲ سو جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے

۱ کسی کو پست کرے گی اور کسی کو بلند، یعنی کافروں کی ذلت اور مومنین کی رفعت کا پورا ظہور اُسی دن ہوگا۔

۲ (اے انسانو! بلحاظ اپنے انجام وثمراتِ عمل کے)
آخرت میں نسل انسانی تین طبقوں میں منقسم نظر آئے گی: ایک خواص مومنین یا مقربین، دوسرے عوام مومنین، تیسرے منکرین یا کفار۔

کنتم۔ خطاب یہاں موجودہ اُمت اور سابق اُمتوں سے مجموعی طور پر ہے۔

خطاب للأمة الحاضرة والأمم السالفة تغلیباً کما ذھب إلیہ الکثیر. (روح، ج۲۷/ص:۱۳۱)

أزواجاً۔ زوج یہاں قسم یا صنف کے معنی میں ہے۔

أزواجاً أی أصنافاً. (کشاف، ج۴/ص:۴۴۵)

الْمَيْمَنَةِ ۝٨ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۥ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝٩ وَالسّٰبِقُوْنَ

اچھے ہیں! ۳ اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے بُرے ہیں! ۴ اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ

السّٰبِقُوْنَ ۝١٠ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝١١ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝١٢

اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں، وہ خاص قرب والے ہیں ۵ یہ لوگ عیش (وآرام) کے باغوں میں ہوں گے

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣

(ان میں) ایک بہت بڑا گروہ اگلوں کا ہوگا ۶

۳ مراد عام مومنین ہیں یا وہ لوگ جن کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

۴ مراد منکرین وکفار ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

۵ مراد حضراتِ انبیائے کرام اور پھر ان کے بعد اولیائے اُمت ومتقین کاملین ہیں۔

والسابقون۔ یعنی اپنی طاعت وعبدیت کے لحاظ سے درجۂ اول والے۔

أی السابقون إلی الخیر (روح) السابقون إلی طاعة الله. (روح، ج۲۷/ص:۱۳۲)

السابقون۔ یعنی اپنے اجر وصلہ اور مرتبۂ اُخروی کے لحاظ سے درجۂ اول والے۔

أي السابقون إلى الجنة (روح) السابقون الی رحمته سبحانه. (روح، ج۲۷/ص:۱۳۲)

۶ اگلوں سے مراد حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبیینؐ تک ساری اگلی اُمتوں کے لوگ ہیں۔

أی من الأمم الماضیة من لدن آدم علیه السلام إلی زمان نبینا صلی الله علیه وسلم. (معالم، ج۵/ص:٦)

المراد بالأولین الأمم الماضیة...... هذا روایة عن مجاهد والحسن البصری، وهو اختیار ابن جریر. (ابن کثیر، ج٤/ص:۲٥٦)

وهم الأمم من لدن آدم علیه السلام إلی محمد صلی الله علیه وسلم. (کشاف، ج٤/ص:٤٤٧)

اِس آخری امت کا زمانہ چونکہ قربِ قیامت کا زمانہ ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اگلی اُمتوں کے مجموعہ نے اس سے بہت زیادہ زمانہ پایا ہے، اس لیے اُن میں مقربین کی تعداد بھی اسی نسبت سے بہت زائد ہوگی۔

وَقَلِيلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا

اور تھوڑے سے پچھلوں میں ۷ یہ (مقربین) سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے

مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ

آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، اُن کے پاس لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد و رفت رکھیں گے، آبخورے اور آفتابے

وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا

اور بہتی ہوئی شراب سے لبریز جام جس سے نہ اُن کو دردِ سر ہوگا، اور نہ اُس سے عقل میں فتور آئے گا ۸ اور میوے جن کو وہ

يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ

پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو اُنھیں مرغوب ہو اور گوری بڑی آنکھ والیاں، جیسے

اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

پوشیدہ رکھا ہوا موتی، یہ اُن کے عمل کے صلہ میں

ثُلّة۔ اتنے بڑے اژدہام کو کہتے ہیں جو گننے میں نہ آئے۔

الجماعة غير محصورة العدد. (معالم، ج٥/ص:٦)

الأمة من الناس الكثيرة. (كشاف، ج٤/ص:٤٤٧)

۷ یعنی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔

المراد بالآخرين هذه الأمة. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٥٦)

ملاحظہ ہو حاشیہ ماقبل۔

۸ یعنی اُس شراب میں سرور ہی سرور ہوگا، باقی جتنے نقصانات اس دُنیا کی شراب میں ہوتے ہیں، وہ کوئی بھی اُس میں موجود نہ ہوں گے۔ یہ قرآن مجید کا کمالِ بلاغت ہے کہ دو مختصر فقروں میں اُس نے شراب کی ساری ہی خرابیوں کی نفی کردی۔

كيف نفى عنها بهذين اللفظين جميع عيوب الخمر. (ابن قتيبة، تأويل مشكل القرآن، ص:٥)

عنها۔ عن سببیہ ہے۔

أى بسببها. (مدارك، ص:١١٩٩)

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا

وہ وہاں نہ بک بک سنیں گے نہ کوئی بیہودہ بات، بس (ہر طرف) سلام ہی سلام کی

سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾

آواز آئے گی ۱۰ اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں! وہ وہاں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ

اور تہ بہ تہ کیلے ہوں گے اور لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے

كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ

ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ اُن کی روک ٹوک ہوگی ۱۱ اور اُونچے فرش ہوں گے، ہم نے وہاں کی عورتوں کو خاص طور سے

۹ اس قسم کے مضمون سے مقصود حسنِ عمل کے لیے ترغیب و ہمت افزائی ہے اور قرآن مجید ایسی آیتوں سے بھرا پڑا ہے۔ جنت کی مادّی لذتیں کیا یہاں اور کیا قرآن کے دوسرے مقامات میں جو بیان ہوئی ہیں، اُن میں قدرۃً سب سے مقدم اہل عرب کے مذاق کو رکھا گیا ہے کہ وہی مخاطب اول تھے۔ اگر ایسی نعمتوں کی تصریح کی جاتی جو مذاقِ عرب سے بالکل مختلف چین یا جاپان یا جرمنی یا فرانس والوں کے ذوق کی ہوتیں تو ظاہر ہے کہ اہل عرب اُنھیں میں اُلجھنے لگتے اور مخاطبینِ اول کو خواہ مخواہ جھگڑے بکھیڑے کے لیے ایک اور موقع نکل آتا۔ قرآن مجید نے غایت ژرف نگاہی اور کامل نکتہ سنجی سے کام لے کر عام اور عالم گیر مذاق کی نعمتوں اور لذتوں کا ذکر صرف اجمالی اشارات کر کے چھوڑ دیا ہے، اور تفصیل جو بیان کی ہے وہ صرف مخاطبینِ اول کے مذاق کی رعایت سے۔

کامثال اللؤلؤ المکنون۔ تشبیہ سے مقصود غایتِ حسن و غایتِ عصمت دونوں کا اظہار ہے۔

۱۰ (فرشتوں کی طرف سے بھی اور باہم اہل جنت کی زبان سے بھی)

خلاصہ یہ کہ لذت و مسرت ہی ہر طرح حاصل رہے گی، جسمانی بھی، روحانی بھی۔

لا ...... تاثیما۔ یعنی کوئی آواز ان کے عیش کو مکدر کرنے والی اُن کے کان میں نہ پڑنے پائے گی۔

۱۱ بخلاف دنیا کے میووں اور پھلوں کے کہ فصل کے ختم پر یہ بھی ختم ہو جاتے ہیں اور ان

إِنشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّأَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٣٨﴾

بنایا ہے، یعنی ہم نے انھیں ایسا بنادیا ہے کہ وہ کنواری رہیں گی اور محبوبہ اور ہم عمر (انھیں) داہنے والوں کے لیے ۱۲

ثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْءَاخِرِينَ ﴿٤٠﴾ وَأَصْحَٰبُ ٱلشِّمَالِ مَآ

اُن کا ایک بڑا گروہ اگلوں میں سے بھی ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلوں میں سے بھی ۱۳ اور وہ جو بائیں والے ہیں وہ

کے لیے روک ٹوک بھی ان کے مالکوں کی طرف سے جاری رہتی ہے۔

اب بیان المقربون السابقون (حضراتِ انبیاء وغیرہم) کے بعد أصحٰب الیمین (عامۂ مومنین) کی خوش نصیبوں کا ہو رہا ہے۔

۱۲ اہل جنت کی خوش عیشی کی تکمیل کے لیے دوسری لذتوں کے ساتھ لذتِ مواصلت کا ذکر بھی ضروری تھا، یہاں یہ بتایا کہ جنت کی عورتوں کی (اور اس میں حوریں بھی داخل ہوگئیں اور اس دُنیا کی جنتی بیویاں بھی) بناوٹ ایک خاص قسم کی ہوگی، اُن کا شباب، اُن کا حسن و جمال، دلکشی اور اہل جنت کے ساتھ ان کی ہم عمری، یہ سب چیزیں مستقل، پائدار اور دائمی ہوں گی، اس دُنیا کی نعمتوں کی طرح فنا پذیر نہ ہوں گی۔

۱۳ یعنی عام مومنین اسی اُمت کے بھی بڑی کثرت سے ہوں گے۔

''مقربین کی جزا میں وہ سامانِ عیش زیادہ مذکور ہے جو اہل شہر کو زیادہ مرغوب ہے اور أصحٰب الیمین کی جزا میں وہ سامانِ عیش زیادہ مذکور ہے جو اہل قریہ کو زیادہ مرغوب ہے، پس اشارہ اس طرف ہوگیا کہ ان میں ایسا تفاوت ہوگا جیسا اہل شہر و اہل قریہ میں''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۱۳)

''اور بعض روایات میں جو آیا ہے هما جميعاً من هذه الآية۔ یہ اس طور پر مؤوّل ہے کہ مقصود تفسیر آیت کی نہ ہو، بلکہ مطلب یہ ہو کہ جس طرح قرآن میں مذکور ہے کہ اولین میں مقربین زیادہ ہیں اور آخرین میں کم، اسی طرح خود اس اُمت میں بھی یہی نسبت ہوگی کہ قرونِ اولیٰ میں مقربین زیادہ ہوں گے اور متاخرین میں کم۔ گو یہ قرآن کا مدلول نہ ہو''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۱۴)

ثلة من الأولين۔ من الآخرين۔ ان سب پر حاشیے اوپر گزر چکے۔

اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾

بائیں والے کیسے بُرے ہیں! لُو کی لپٹ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں، اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں

لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ کَانُوۡا

جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش[۱۴] وہ لوگ اس کے قبل بڑے خوشحال تھے اور بڑے بھاری

۱۴ یعنی دُنیا میں سایے سے جو نفع بھی خیال میں آتے ہیں، خواہ جسمانی ہوں، مثلاً برودت، یا نفسیاتی مثلاً لذت، یہ سب اس دوزخی سایے سے منفی ہوں گے اور سایہ صرف نام ہی کا ہوگا، نہ وہ ٹھنڈک پہنچانے والا ہوگا، نہ اور کسی طرح پر آرام دِہ۔

فی سموم۔ سموم کے معنی لُو کی تیز لپٹ کے ہیں جو جسم کے اندر تک جھلس دے۔

السموم الريح الحارة التي تؤثر تأثير السمّ. (راغب، ص: ۲۷۱)

في سموم أي في حر نار ينفذ في المسام. (کشاف، ج٤/ص: ٤٥١)

أصحٰب الشمال۔ یعنی وہ جن کے بائیں ہاتھ میں ان کا نامۂ اعمال دیا جائے گا۔

أصحٰب المشئمة کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا ہے۔

ولا کریم۔ عربی زبان میں کرم بہت وسیع معنی میں ہے۔ ہر قابلِ مدح صفت کو صفتِ کرم سے تعبیر کردیتے ہیں اور موقعِ نفی پر اس کا استعمال اکثر ہوتا ہے۔

و كل شيئ شرفت في بابه فإنه يوصف بالكرم. (راغب، ص ٤٧٩)

والعرب تُتبع كل منفيٍّ عنه صفة حمد، نفي الكرم عنه، فتقول ما هذا الطعام ما بطيب ولا كريم...... وما هذه الدار بنظيفةٍ ولا كريمةٍ. (ابن جرير، ج۲۲/ص: ۳۲۷)

لا بارد ولا کریم۔ مراد یہ ہے کہ وہ سایہ دنیا کے متعارف سایہ کے برعکس اور گرمی پہنچانے والا اور تکلیف دِہ ہوگا۔

سمّاه ظلاًّ، ثم نفى عنه برد الظل وروحه ونفعه. (کشاف، ج٤/ص: ٤٥١)

والمعنى أنه ظل حار ضارّ. (کشاف، ج٤/ص: ٤٥١)

يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝٤٦ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا

گناہ پر اصرار کرتے رہتے تھے ۱۵ اور کہا کرتے تھے کہ بھلا جب ہم مرگئے اور

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝٤٧ اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝٤٨ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ

مٹی اور ہڈیاں (ہوکر) رہ گئے تو کیا (پھر سے) زندہ اُٹھائے جائیں گے؟ اور ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ۱٦ آپ کہہ دیجیے کہ اگلے

وَالْاٰخِرِيْنَ ۝٤٩ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝٥٠ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا

اور پچھلے سب ہی جمع کیے جائیں گے ایک یوم معیّن کے وقت پر، پھر تم کو اے

الضَّاۗلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝٥١ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝٥٢ فَمَالِـُٔـوْنَ مِنْهَا

گمراہو! جھٹلانے والو! درخت زقوم میں سے کھانا ہوگا، پھر اُس سے پیٹ بھرنا

الْبُطُوْنَ ۝٥٣ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝٥٤ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝٥٥

ہوگا، پھر اُس پر کھولتا پانی پینا ہوگا اور پینا بھی پیاس کے مارے ہوئے اُونٹ کا سا ۱۷

۱۵ یعنی کفر وشرک پر۔

والمراد به كما روى عن قتادة والضحاك وابن زيد الشرك وهو الظاهر.

(روح، ج ۲۷/ص: ۱٤٤)

قبل ذٰلك۔ یعنی دُنیا میں۔

إنهم......مترفين۔ یعنی اپنی خوش حالی کے غرہ میں دُنیوی مادّی زندگی میں مست تھے، اور ایمانی صداقتوں سے انکار پر مُصر تھے۔

۱٦ وہی گروہ ہے، جس کی جانشینی اور ترجمانی آج مادّی تہذیب وتمدن میں مبتلا بیسویں صدی کی ''روشن خیال'' دُنیا کررہی ہے۔ مصری، یونانی، رُومی، ہر جاہلی تمدن میں ایک گروہ ان خیالات کا ترجمان رہا کیا ہے، اور آج یورپ اور یورپ زدہ سارے ملکوں کا تمدن اسی انکارِ آخرت کے عقیدے میں شریک ہے۔

۱۷ (جو خوب ڈگڈگا کر پانی پیتا چلا جاتا ہے، پھر بھی اس کی پیاس نہیں بجھتی)

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَرَءَيْتُمْ

یہ ہوگی اُن کی دعوت قیامت کے دن! ہم ہی نے تو تم کو پیدا کیا ہے، سو تم (بعث ثانی) کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ ۱۸ اچھا یہ تو بتاؤ

مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا

کہ تم جو منی پہنچاتے ہو تو آدمی تم بناتے ہو یا (اس کے) بنانے والے ہم ہیں؟ ۱۹ ہم ہی نے تمہارے درمیان

بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ

موت کو ٹھہرا رکھا ہے ۲۰ اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے (دوسرے آدمی) پیدا کر دیں

وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا

اور تمہیں ایسی صورت میں بنا دیں جن کو

جہنم کے شدائد کا بیان ہے جو کافروں کو چار و ناچار بھگتنے ہوں گے ــــــــ اور حشر کا منظر تو سب کو پیش آنا ہے۔

من شجر من زقوم۔ زقوم پر حاشیہ سورۃ الصافات (آیت ۶۲) میں گزر چکا۔

من زقوم میں من بیانیہ ہے۔

شرب بالضم مصدر ہے اور اسم کے بھی معنی دیتا ہے، مشروب کے مرادف۔

الشرب بالضم مصدر، وقيل اسم لما يشرب. (روح، ج۲۷/ص:۱۴۶)

۱۸ منکروں پر حجت الزامی ہے، یعنی ہمارا تم کو پیدا کرنا اور نیست سے ہست کرنا تو تمہیں بھی تسلیم ہے تو پھر آخر بعث ثانی میں تمہیں عقلی اشکال یا دشواری ہی کیا نظر آ رہی ہے؟

۱۹ یعنی اسباب وجود کو فراہم کر دینا ہمارے اختیار کی چیز ہے یا تمہارے؟

ما تمنون۔ یعنی عورت کے رحم میں جو تم تلقیح کرتے ہو۔

۲۰ (ایک وقت معین و مناسب پر)

یعنی وجود میں بھی ہم ہی لائے، بقائے وجود کے اسباب بھی ہم نے فراہم کیے اور فنائے وجود بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ تخلیق، ابقا، افنا کی تینوں قوتیں ہم ہی میں جمع ہیں، کوئی الگ الگ تین خدا نہیں، جیسا کہ بعض مشرک جاہلی قوموں نے سمجھ لیا ہے۔

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

تم جانتے ہی نہیں ۲۱ اور تم کو خوب علم ہے پیدائش اوّل کا، پھر تم سمجھتے کیوں نہیں؟ ۲۲

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾

اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اُسے تم اُگاتے ہو یا (اس کے) اُگانے والے ہم ہیں؟ ۲۳

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ بَلْ

اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چورا چورا کردیں پھر تم حیرت کرنے لگو (اب کی تو) ہم پر تاوان پڑ گیا بلکہ

نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ

ہم (بالکل ہی) محروم رہ گئے ۲۴ اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اُس کو

۲۱ (مثلاً تمھارا حلیہ بگاڑ کر کچھ ایسا کر دیا جائے جس کا تمھیں گمان بھی نہ ہو، اور تم اس صورت میں پھر ان چیزوں سے نفع بھی نہ حاصل کرسکو)

۲۲ یعنی جب تمھیں بخوبی اس کا علم و یقین ہے کہ ہم ہی نے اپنی قدرت سے تمھیں اوّل بار پیدا کیا تو اب تمھیں بعث حشر کے تسلیم کرنے میں تامّل کیا ہے؟

فلولا تذکرون۔ فقہائے مفسرین نے آیت کے اس جز سے صحت قیاسِ فقہی کا استنباط کیا ہے۔

فيه دليل على صحة القياس من حيث جعلهم فى ترك قياس النشأة الأخرىٰ على الأولىٰ. (مدارك، ص:۱۲۰۲)

۲۳ زمین میں یہ صلاحیت رکھنا کہ دانے کو نشوونما دے سکے، دانے میں یہ استعداد کہ مٹی سے نمو حاصل کرسکے۔ گرمی، روشنی، ہوا، پانی وغیرہ سے استفادے کی قابلیت، ان سب کو قوت سے فعل میں لانا، وقت مناسب پر مقدارِ مناسب میں بارش، اوقاتِ مقرر پر مقدارِ مقرر میں آفتاب کی تابش، غرض نظامِ زراعت کی ساری عظیم الشان مشینری کو حرکت میں لانا بندے کی قدرت میں ہے یا اللہ کی؟

۲۴ یعنی سارا ہی سرمایہ نقصان میں آگیا، بلکہ سرمایہ سارا ہی گیا گزرا ہوا۔

لجعلناہ حطاماً۔ یعنی ہم چاہیں تو اسی پیداوار کو چورا چورا کردیں یا مثل سوکھے ہوئے بھوسے کے ریزہ ریزہ کردیں۔

أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا

بادل سے تم برساتے ہو یا (اُس کے) برسانے والے ہم ہیں؟ ۲۵ اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں

فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ

تو تم شکر کیوں نہیں کرتے ۲۶ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سُلگاتے ہو اس کے درخت کو تم

شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا

نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم ہی نے اس کو یاددہانی کی چیز اور مسافروں کے نفع کی

۲۵ اب اِستدلال حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور توحید پر نظامِ کائنات کے چوتھے شعبہ سے ہے۔ سال کی خاص خاص فصلوں میں اور مناسب زمانے میں زمین کو ایک خاص حد تک بنانا، حرارت پہنچانا، سمندر سے ایک خاص اندازے کے مطابق بھاپ اُٹھانا، بخارات کو فضا میں ایک خاص بلندی تک لے جانا، یہاں ہوا میں ایک خاص درجہ کی بُرودت پیدا کر کے بخارات میں اِنجماد پیدا کر کے اُنھیں بادل کی شکل دینا، ایک مناسب مدت تک اس ابر کو بلند رکھنا، پھر فضا میں ایک اور تبدیلی پیدا کر کے ابر کو پانی کے قطروں کی شکل دے کر اُنھیں زمین پر برسانا، بارش کو ایک مقدار مناسب میں نازل کرنا، پھر اس سے خلقت کو براہِ راست اور بالواسطہ فائدے پہنچانا، یہ ساری کاریگری اسی قادرِ مطلق اور صناعِ کامل کی ہے یا یہ بندوں کے بس کی چیز ہے؟

من المزن۔ مزن سے بارش کے پانی کی شیرینی وخوش گواری کی طرف اشارہ آگیا۔

قيل هو السحاب الأبيض خاصة، وهو أعذب ماء. (كشاف، ج٤/ص:٤٥٤)

۲۶ (اور ادائے شکر کی پہلی منزل اقرارِ توحید ربوبیت)

اُجاجاً۔ اجاج سے مراد وہ کھاری پانی ہے جو نمکینی کی شدت سے تلخ ہو جائے، جس سے نہ پیاس جا سکے اور نہ وہ اور کسی کام آسکے۔

ملحاً زعاقاً لا يقدر على شربه. (كشاف، ج٤/ص:٤٥٤)

أي زعاقاً مراً، لا يصلح لشرب ولا زرع. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٦٧)

لِلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ

چیز بنایا ہے ۲۷ سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے ۲۸ سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے

النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَإِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ إِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ڈوبنے کی اور اگر تم سمجھو تو ایک بڑی قسم ہے کہ یہ ایک معزز قرآن ہے

۲۷ اب استدلال حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، ربوبیت وتوحید پر نظامِ کائنات کے ایک پانچویں شعبہ آگ اوراس کے متعلقات سے ہے۔

تذکرۃ۔ ضمیر ھا اگر النار (آگ) کی طرف ہے تو آگ تو یاددلانے والی آتشِ دوزخ کی بھی ہوسکتی ہے، اورحق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی یاددلانے والی بھی۔

تذکیراً لنار جهنم. (کشاف، ج ٤/ص:٤٥٥)

قال مجاهد وقتادة أی تذكر النار الكبرىٰ. (ابن كثير، ج ٤/ص:٢٦٧)

قال عطاء موعظة يتعظ بها المؤمن. (معالم، ج ٥/ص:١٨)

شجرتھا۔ شجر آتش کا ذکر سورۂ یٰس (آیت ۸۰) میں قریب ختم کے آیا ہے۔

متاعاً للمقوین۔ آگ کا وجود ایک بہت بڑی نعمت تو مسافر ومقیم، شہری وبدوی سب ہی کے لیے ہے اور ہر زمانے میں رہا ہے لیکن عہد قدیم میں مسافروں کے حق میں تو ایک عظیم ترین نعمت تھی۔

عن مجاهد يعني المستمتعين من الناس أجمعين، وكذا ذكر عن عكرمة (ابن كثير)

وهذا التفسير أعم من غيره فإن الحاضر والبادی من غنی وفقير الجميع محتاجون إليها للطبخ والاصطلاء والإضاءة وغير ذٰلك من المنافع. (ابن كثير، ج ٤/ص:٢٦٧)

۲۸ (جو حیات اور سلبِ حیات اور زراعت اور بارش اور آگ، سارے نظاماتِ تکوینی کا تنہا خالق اور بلا کسی شرکت کے پروردگار ہے)

شرک عموماً مشرک جاہلی قوموں میں جن جن مشہور راہوں سے آیا ہے ان سب کی ان آیتوں میں پوری تردید آگئی۔

فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍۙ‏ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَؕ‏ ﴿۷۹﴾ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ

ایک محفوظ کتاب میں (پہلے سے درج) ۲۹ جسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا بجز پاکوں کے ۳۰ اُتارا ہوا ہے پروردگارِ عالم

۲۹ (اور بالکل منضبط)

کتٰب مکنون سے مراد لوحِ محفوظ ہے، یعنی یہ قرآن کریم شروع سے لوحِ محفوظ میں منضبط چلا آرہا ہے۔

الأصح أنه اللوح المحفوظ. (کبیر، ج۲۹/ص:۱۶۷)

المراد به اللوح المحفوظ كما روى عن الربيع بن أنس وغيره. (روح، ج۲۷/ص:۱۵۳)

مکنون صفت کتاب کی ہے، یعنی وہ لوح غیروں کی مداخلت بلکہ دسترس سے بالکل محفوظ ہے۔

کریم صفت قرآن کی ہے یعنی دُنیوی واُخروی ہر قسم کی صلاح وفلاح کی تعلیمات سے لبریز۔

لا أقسم۔ لا یہاں نفی کا نہیں، تاکید کا ہے۔

لا مزيدة للتأكيد. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۱۵)

لا مزيدة مؤكدة. (کشاف، ج٤/ص:٤٥٦)

لا ...... عظیم۔ قرآن مجید میں قسمیں، شہادت بزبانِ حال کے معنی میں آئی ہیں، اور قسموں کو بار بار لانا عربی اسلوبِ بلاغت میں ایک خاص صنعت ہے۔ قرآنی قسموں پر ملاحظہ ہو (سورۂ حجر آیت۷۲) کا ضمیمہ۔

مواقع النجوم۔ اس کے ایک معنی قرآن کی آیتوں کے بھی کیے گئے ہیں جو آہستہ آہستہ اُترتی رہی ہیں۔

قيل النجوم نجوم القرآن ومواقعها أوقات نزولها. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۱۵)

نجوم القرآن، وكذا قال عكرمة ومجاهد والسدى وأبو حرزة. (ابن کثیر، ج٤/ص:۲٦۸)

اور بالکل متصل جو کلام آرہا ہے إنه لقسم لو تعلمون عظيم اس کے لحاظ سے یہی معنی زیادہ چسپاں بھی معلوم ہوتے ہیں۔

۳۰ (جو شائبۂ گناہ سے بھی پاک ہیں، یعنی فرشتے)

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ

کی طرف سے تو کیا تم اس کلام کو سرسری سمجھے ہوئے ہو؟ ۱۳۱ اور تکذیب کو اپنی غذا

ان کے فرشتے ہونے پر علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابی اور انسؓ صحابی کے تابعین کی بہت بڑی جماعت متفق ہے۔

كون المراد بالمطهرين الملائكة عليهم السلام مروى من عدة طرق عن ابن عباس، وكذا أخرجه جماعة عن أنس وقتادة وابن جبير ومجاهد وأبى العالية وغيرهم. (روح، ج٢٧/ص:١٥٤)

عن ابن عباس يعنى الملائكة، وكذا قال أنس ومجاهد وعكرمة وسعيد بن جبير والضحاك وأبو الشعثاء جابر بن زيد، وأبو نهيك والسدى وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم وغيرهم. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٦٨)

یمسه میں ضمیر لوح محفوظ کی طرف ہے۔

الضمير عائد إلى الكتاب على الصحيح. (كبير، ج٢٧/ص:١٦٨)

قرآن مجید یا مصحف مکتوبی کو بھی بلا طہارتِ جسم چھونا درست نہیں، لیکن یہ مسئلہ بالکل الگ ہے اور خود اپنی جگہ دلائل رکھتا ہے، اس آیتِ قرآنی کا مدلول نہیں۔

المطهرون۔ فرشتے مراد ہونے پر علاوہ بعض صحابیوں کے تابعین کی ایک بڑی جماعت متفق ہے۔

صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ اسرار و دقائق قرآن تک بھی وہی پہنچ سکتے ہیں جو ہوائے نفس کی آلودگیوں سے پاک اور طاہر ہوں۔

۱۳۱ یعنی ایسے مہتم بالشان کلام پر بھی ایمان لانا واجب نہیں جانتے ہو؟

تنزيل من رب العالمين۔ مطلب یہ ہوا کہ شیطان مردود کا گزر تو اس کلام پاک کے اردگرد بھی نہیں، جہاں سے یہ نقل ہو کر آیا ہے وہ تمام تر فرشتوں کے پہرے میں، پھر دنیا میں اس کا نزول حق تعالیٰ کی نگرانی میں۔ شیطان کو اس کی ہوا بھی کسی منزل میں نہیں لگنے پاتی۔

اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ

بنا رہے ہو؟ سو جس وقت رُوح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اُس وقت

تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ

تکا کرتے ہو ۳۲ اور ہم تم سے بھی زیادہ قریب اُس شخص کے ہوتے ہیں البتہ تم نہیں سمجھتے ہو ۳۳ تو اگر

اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ

تمھارا حساب کتاب ہونے والا نہیں تو تم اس (روح) کو پھر کیوں نہیں لوٹا لاتے، اگر تم سچے ہو؟ ۳۴ تو جو کوئی

كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۵ وَّجَنَّتُ

مقربین میں سے ہوگا تو اس کے لیے راحت ہے، غذائیں ہیں اور عیش کی

۳۲ (بیکسی اور حسرت کی تصویر بنے ہوئے)

فلو ...... الحلقوم۔ موت اور قبضِ رُوح کے وقت کا منظر ہے۔

وتجعلون ...... تکذبون۔ یعنی تکذیب بھی کس درجہ اور شدت کی؟ گویا تکذیبِ حقائق کو اپنی غذا ہی بنائے ہوئے ہو۔

۳۳ یعنی اس کے حالاتِ ظاہری و باطنی سے تم سے کہیں زیادہ ہم واقف ہیں۔

إليه۔ ضمیر 'ہ' مختصر کے لیے ہے جو سیاقِ کلام سے ظاہر ہے۔

المحتضر المفهوم من الكلام. (روح، ج۲۷/ص:۱۵۴)

۳۴ (اپنے دعوئے انکارِ بعث میں)

مطلب یہ ہوا کہ جس وقت تمھارے کسی عزیز قریب کی جان نکلنے لگتی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ تم کسی حکمت، کسی تدبیر، کسی کوشش و کاوش سے اس کی جان روک لو؟ اور جب تم پر اپنی بے بسی، قانونِ حیات کے باب میں یوں عیاں و روشن ہوگئی تو یہ کیسے ممکن سمجھتے ہو کہ حشر میں اللہ تعالیٰ کو مُردوں کے اٹھانے سے روک سکو گے؟

ترجعونها۔ ضمیر ھا نفس یا رُوح کی طرف ہے۔

نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩٠﴾ فَسَلَٰمٌ لَّكَ مِنْ

جنت ہے ۳۵ اور جو کوئی داہنے والوں میں سے ہوگا تو (اُس سے کہا جائے گا) تیرے لیے امن وامان ہے کہ تو

أَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩١﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُكَذِّبِينَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٩٢﴾

داہنے والوں میں سے ہے ۳۶ اور جو کوئی جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہوگا

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٩٣﴾ وَتَصْلِيَةُ

تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی، اور (اُسے) دوزخ میں

۳۵ اور مقربین وہ ہیں جن کا ذکر اس سورت کی آیت ۱۲،۱۱ میں آچکا ہے: أولئك المقربون۔

وجنّة نعيم۔ یہاں بھی مقربین کا اور اہل یمین اور اہل شمال کا ذکر اُسی ترتیب سے ہورہا ہے۔

روح وریحان۔ رُوح کے معنی رحمت اور ریحان کے معنی خوشبو کے بھی ہیں۔ دوسرے معنی مغفرت اور استراحت اور دوزخ سے نجات اور جنت میں دخول کے بھی کیے گئے ہیں۔

قال قتادة الروح الرحمة، وقيل...... هو الرحمة وهوقول مجاهد. وقال سعيد بن جبير فرح. وقال الضحاك مغفرة ورحمة. (معالم، ج٥/ص:٢٢)

(وريحان) استراحة، وقال مجاهد وسعيد بن جبير رزق. (معالم، ج٥/ص:٢٢)

قال أبوبكر الوراق الروح النجاة من النار والريحان دخول دارالقرار. (معالم، ج٥/ص:٢٢)

تفسیر کبیر میں جو یہاں پہنچ کر افسوس ہے کہ خود امام المفسرین کی نہیں، بلکہ ان کے بعض شاگردوں کی تفسیر رہ گئی ہے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ روح وریحان و جنت نعیم کی یہ سہ گانہ بشارتیں اُن کی زندگی کے تین شعبوں: عقیدۂ حق اور کلمۂ طیبہ اور اعمالِ حسنہ کے مقابل ہیں اور اس سے اشارہ اُن کے قلب، اُن کی زبان اور ان کے اعضائے ظاہری تینوں کی سلامتِ ذوق کی جانب ہوگا۔ (کبیر، ج۲۹/ص:۱۷۵)

۳۶ (ہر آفت اور خطرے سے)

اور یہ أصحب اليمين وہی آیت ۲۷ والے أصحب اليمين، اور آیت ۸ والے أصحب الميمنه ہیں۔

أما إن كان۔ یہ فقرہ ان تینوں آیتوں میں جہاں جہاں آیا ہے، مراد اس سے متوفی یا محتضر سے ہے۔

جَحِيۡمٍ ۝۹۴ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ ۝۹۵ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ۝۹۶

داخل ہونا ہوگا ۳۷ بے شک یہ تحقیقی یقینی بات ہے سو آپ اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے ۳۸

۳۷ (جس کے شدائد کی تفصیل بارہا پیشتر گزر چکی ہے)

تصلية جحيم کے معنی علاوہ ادخالِ نار کے، آگ سے ہر طرف سے گھر جانے کے بھی کیے گئے ہیں۔

أی وتقرير له فی النار التی تغمره من جميع جهاته. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٢٧١)

یہ المكذّبين الضالين وہی آیت ۹ والے أصحٰب المشئمة، آیت ۴۱ والے أصحٰب الشمال اور آیت ۵۱ والے الضالون المكذّبون ہیں۔

۳۸ (جس کی قدرت وحکمت سے یہ سارے تصرفات ہیں)

هذا۔ اشارہ مرنے والوں کے ان سہ گانہ درجات کی طرف ہے۔

يعنی ما ذكر من قصة المحتضرين. (معالم، ج ٥/ص: ٢٣)

حق اليقين۔ اس دُوہری تاکید سے مراد یہ ہے کہ یہ امر اس درجہ یقینی اور قطعی ہے کہ اس سے زیادہ تحقیق کی کوئی اور گنجایش ہی نہیں۔

ذلك نوع تأكيد، يقال هذا من حق الحق، وصواب الصواب، أی غايته ونهايته التی لا وصول فوقه. (كبير عن ابن عطية، ج ٣٠/ص: ١٧٧)

سورۂ حدید مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں ١ اور وہی زبردست ہے، حکمت والا ہے ٢

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

اُسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں، وہی حیات دیتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ

قادر ہے ٣ وہی ہے (سب سے) پہلے اور (سب سے) پیچھے اور (وہی) ظاہر و مخفی بھی اور وہی ہر چیز کا

١ (اور غور و تامل سے کام لیا جائے تو پھر ہر مخلوق سے توحید و تنزیہ کی دلیل مل رہی ہے)

سبح للہ۔ یہ تسبیح ہر ہر مخلوق کی اس کے اپنے مرتبۂ وجود کی مناسب زبان میں ہوتی ہے۔ انسانوں کے لیے کسی کی زبان، زبانِ قال ہے اور کسی کی محض زبانِ حال۔

٢ العزیز۔ زبردست ایسا کہ اس کی مشیت پر کوئی روک، کوئی دباؤ نہیں، اس کا ارادہ سب پر غالب، وہ جو بھی چاہے کر ڈالے۔

الحکیم۔ مصلحت سنج ایسا کہ اس کا ہر ادنیٰ سے ادنیٰ فعل بھی انتہائی حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز ہوتا ہے، جو کچھ بھی وہ کرتا ہے محض اپنی حکمت تکوینی کے ماتحت و مطابق ہی کرتا ہے۔

٣ اُس کا کوئی شریک نہیں، نہ ملکیت و حکومت میں، نہ جان ڈالنے میں، نہ جان نکالنے میں اور نہ قدرت و اختیار میں، یہ سب تردید میں ارشاد ہو رہا ہے اُن مشرک جاہلی قوموں کے، جنھوں

عَلِيمٌ ۝۳ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

خوب جاننے والا ہے ۴۔ وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کر دیا پھر

نے یا تو اس کی قدرت واختیار کو محدود سمجھا ہے یا اس کی ملکیت و مالکیت میں دوسروں کو شریک سمجھا ہے اور یا موت وحیات کے دیوتا الگ الگ سمجھے ہیں۔

۴۔ (کہ چھوٹی بڑی کوئی سی چیز کہیں کی بھی اس کے دائرۂ علم سے باہر نہیں)
پہلی آیت کمالِ قدرت کے بیان میں تھی، یہ آیت کمالِ علم واحاطۂ علمی کے بیان میں ہے ـــــ مشرک قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفتِ قدرت وصفتِ علم ہی کے باب میں لگی ہے۔

هو الأول۔ اس موجود حقیقی کا وجود، ہر دوسرے وجود سے یہاں تک کہ وجودِ زمان سے بھی مقدم وسابق رہا ہے، عدم سابق کبھی اس پر طاری ہی نہ ہو سکا ـــــ بعض مشرک قوموں نے اُس کی ذات کو بھی حادث سمجھا ہے۔

يعني هو الأول قبل كل شيئ بلا ابتداء، بل كان هو ولم يكن شيئ موجوداً. (معالم، ج ۵/ص: ۲۶).

هو القديم الذى كان قبل كل شيئ. (مدارك، ص: ۱۲۰۶)

السابق على جميع الموجودات فهو سبحانه موجود قبل كل شيئ حتى الزمان لأنه جل وعلا الموجد والمحدث للموجودات. (روح، ج ۲۷/ص: ۱۶۵)

والآخر۔ اس موجود حقیقی کا وجود، ہر مخلوق کے فنائے ذاتی وصفاتی کے بعد بھی علیٰ حالہٖ قائم وباقی رہے گا۔ عدم سابق کی طرح عدمِ لاحق کا بھی اس پر طاری ہونا محال ہے ـــــ بعض مشرک قوموں نے اس کی ذات کو بھی فانی سمجھا ہے۔

أي الآخر بعد فناء كل شيئ بلا انتهاء تفنى الأشياء ويبقىٰ هو. (معالم، ج ۵/ص: ۶۲)
الذى يبقى بعد هلاك كل شيئ (مدارك، ص: ۱۲۰۶)

هو الظاهر۔ ہر موجود کا وجود وظہور اُسی کے وجود وظہور سے ہے، اپنے دلائل وشواہد کے اعتبار سے اور مطلق وجود کے مرتبہ میں روشن ترین وظاہر ترین۔

الظاهر بوجوده (روح، ج ۲۷/ص: ۱۶۶)

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ

تخت شاہی پر قائم ہوگیا ۵ وہ اُسے بھی جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور (اُسے بھی جانتا ہے) جو چیز اُس میں سے نکلتی ہے

مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ

اور جو چیز آسمان سے اُترتی ہے اور جو چیز اُس میں چڑھتی ہے ۶ اور وہ تمھارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۞ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ وَإِلَى اللّٰهِ

اور وہ خوب دیکھتا رہتا ہے جو کچھ بھی تم کرتے رہتے ہو ۷ اُسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہی کی طرف

والباطن۔ اپنے آثار وصفات کے اس شدتِ ظہور کے ساتھ ساتھ اس کی کُنہ ذات ہر عقل وادراک کی رسائی سے باہر، تو اس سے بڑھ کر مخفی اور کون ہوسکتا ہے۔ اپنی تفصیلاتِ وجود کے مرتبہ میں مخفی ترین۔

والباطن بكنهه سبحانه. (روح، ج۲۷/ص:۱۶۶)

ایک حدیث میں دعا کے یہ الفاظ آئے ہیں: وأنت الظاهر فليس فوقك شيئ وأنت الباطن فليس دونك شيئ. (صحيح مسلم، رقم: ۲۷۱۳، مسند أحمد، ج۲/ص:۳۸۱)

امام بخاریؒ نے یحییٰ بن زیاد الفراء کے حوالے سے یہ معنی نقل کیے ہیں: الظاهر على كل شيئ علماً والباطن على كل شيئ علماً. (صحيح بخاري، كتاب التفسير، باب تفسير سورة الحديد)

۵ اس کی صفتِ خالقیت وصفتِ حاکمیت کا اثبات۔

في ستة أيام۔ استوىٰ على العرش۔ ان دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف میں اور کئی بار گزر چکے ہیں۔

۶ (غرض یہ کہ وہ ہر طرح اور ہر اعتبار سے ہمہ داں، ہمہ بیں ہے)

ما يلج في الأرض۔ مثلاً بارش کا پانی۔

ما يخرج منها۔ مثلاً نباتات۔

ما ينزل من السماء۔ مثلاً ملائکہ اور احکامِ تشریعی اور تکوینی۔

ما يعرج فيها۔ مثلاً ملائکہ اور اعمالِ صالحہ۔

۷ حق تعالیٰ کی ہمہ گیری، ہمہ توانی، ہمہ بینی کی مزید تاکید۔

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَهُوَ

(سب) اُمور لوٹ جائیں گے ۸ وہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور وہی داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور وہ

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ

دلوں (کی بات) تک خوب جانتا ہے ۹ ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول پر اور جس مال میں اُس نے تم کو

مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾

دوسروں کا جانشین بنایا ہے اُس میں سے خرچ کرو، سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں انھیں بڑا اجر ہوگا ۱۰

وھو معکم أین ما کنتم۔ اس کی معیتِ علمی سے مخلوق کا کوئی بھی مرتبۂ وجود خالی نہیں۔

۸ (نہ کہ کسی اور کی طرف)

الأمور کے عموم میں جوہر و عرض سب ہی آ گئے ـــــ حشر میں سب کی راجعیت صرف ذات حق تعالیٰ ہی کی جانب ہوگی، اس میں بہت سے باطل مذہبوں کی تردید آ گئی، جنھوں نے حشر میں مرجعیت عام کے متعلق کسی اور ذات کو قرار دے رکھا ہے۔

۹ اُس کے علم کی طرح اُس کی قدرت بھی ہر جزو کل کو محیط ہے۔ ہر ہر شے میں جاری وساری ہے۔ یہ نہیں کہ خدا موجود تو ہے، مگر اس کا علم صرف کلیات تک ہے، جزئیات کو حاوی نہیں، جیسا کہ بعض جاہلی فلاسفہ نے کہا ہے۔

یولج اللیل ...... اللیل۔ دن اور رات دونوں اُسی کی مخلوق ہیں اور تمام تصرفات وتکوینیات میں اُسی کی قدرت کے محکوم ومحتاج ـــــ یہ نہیں کہ دن اور رات کوئی دیوی دیوتا کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۰ (کہ وہ مال کو اسی اصل مالک اور دینے والے کی راہ میں خرچ کر رہے ہیں)

ما جعلکم مستخلفین فیہ۔ اس میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف آ گیا کہ یہ مال تم سے پہلے کسی اور کا تھا اور تمھارے بعد کسی اور کا ہو جائے گا۔ یہ کون سی ایسی چیز ہے جس کا تم اتنا غم کر رہے ہو کہ اسے اللہ کے حکم سے اپنی ضرورتوں میں بھی خرچ کرنے میں بخل کر رہے ہو! ـــــ مالی جہاد کی ترغیب کا یہ طریقہ کتنا حکیمانہ ومصلحانہ ہے!

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ

آخر تمھیں کیا ہوگیا ہے جو تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہو! درآں حالیکہ رسول تمھیں بلا رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ

وَقَدْ اَخَذَ مِيثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ

اور (اللہ خود) تم سے اس کا اقرار لے چکا ہے ۱۱ اگر تم کو ایمان لانا ہو، وہ وہی ہے جو اپنے بندے پر

اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ

صاف صاف آیتیں اُتارتا ہے تاکہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائے اور بے شک اللہ تمھارے اُوپر

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑨ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ

شفیق ہے بڑا مہربان ہے ۱۲ تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہو! درآں حالیکہ آسمان

۱۱ یعنی کمالِ حیرت کی بات ہے کہ تم جب بھی ایمان اور پورا ایمان نہیں لاتے ہو، جب کہ دو دو زبردست داعی اس دعوتِ ایمان کی قبولیت کے موجود ہیں ـــــ ایک تو رسولؐ جیسا حکیم اعظم مبلغ۔ دوسرے توحید کا داعیہ خود تمھاری فطرت کے اندر موجود!

لاتؤمنون باللہ۔ یعنی ایسا ایمان جو اللہ پر ایمان لانے کا حق ہے۔ ایمان باللہ کے تحت میں رسولؐ پر ایمان، حشر پر ایمان، کتبِ الٰہی پر ایمان، سارے بنیادی عقائدِ ایمانی آگئے۔

وقد أخذ میثاقکم۔ میثاق سے مراد بیعت رسولؐ بھی سمجھی گئی ہے اور میثاق صلبِ آدمؑ بھی لی گئی ہے۔

يعني بذلك بيعة الرسول صلى الله عليه وسلم وزعم ابن جرير أن المراد بذلك الميثاق الذى أخذ عليهم فى صلب آدم وهو مذهب مجاهد. (ابن کثیر، ج ٤/ص: ٢٧٥)

۱۲ اور اس سے بڑھ کر اس کی شفقت و رحمت اور کیا ہوگی کہ اُسی نے ایسے حکیم و شفیق رسولؐ کو تمھارے لیے داعی و مبلغ بنا کر بھیجا، جو دلائلِ حقانیت اس طرح کھول کھول کر پیش کرتا ہے۔

عبدہ۔ عبد سے مراد عبد کامل یعنی رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ (۲۳) آیت وإن كنتم فى ريب مما نزّلنا على عبدنا...... الخ، پر حاشیہ۔

ایت بینٰت۔ مضامینِ قرآنی، معجزاتِ محمدی، سب اس کے تحت میں آگئے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ

اور زمین سب آخر میں اللہ ہی کے رہ جائیں گے ۱۳ تم میں جو لوگ فتح (مکہ) سے قبل ہی خرچ کر چکے

وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ

اور لڑ چکے (وہ اُن کے برابر نہیں جو بعد فتح لڑے اور خرچ کیا) وہ لوگ درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں ان لوگوں سے جنھوں نے بعد کو خرچ کیا اور لڑے

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ

اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ تو سب ہی سے کر رکھا ہے، اور اللہ کو تمھارے اعمال کی پوری خبر ہے ۱۴ کوئی شخص ہے جو

ع ۱۰
۱۷

والظاهر أن المراد بها ايات القرآن وقيل المعجزات. (روح، ج۲۷/ص:۱۷۱)

من......النور۔ کفر وشرک ومعاصی کی تاریکیوں سے نورِ ہدایت وایمان کی طرف۔

۱۳ تو جب سارا مال آخر ایک روز چھوڑنا ہی ہے تو ابھی سے اپنی خوشی سے طاعتِ حق کی راہ میں کیوں نہ دے دیا جائے۔ اہل ایمان کو دینی اور ملّی مقاصد میں مالی شرکت کے لیے آمادہ ومستعد کیا جارہا ہے!

۱۴ (تو کسی کو یہ وہم نہ ہونے پائے کہ اس کا اجر چھوٹ جائے گا)

قبل الفتح۔الفتح سے اکثر نے مراد فتح مکہ لی ہے۔

عن قتادة هوفتح مكة. (جصاص، ج۳/ص:۴۱۶)

يعني فتح مكة في قول أكثر المفسرين. (معالم، ج۵/ص:۲۷)

والجمهور على أن المراد بالفتح ههنا فتح مكة. (ابن كثير، ج۴/ص:۲۷۵)

اور بعض قول صلح حدیبیہ سے متعلق بھی ہیں۔

روى عن الشعبي قال فصل ما بين الهجرتين فتح الحديبية وفيه أنزلت هذه الآية. (جصاص، ج۳/ص:۴۱۶)

بہر حال دونوں صورتوں میں جو مجاہدین ومقاتلین شروع زمانۂ اسلام میں ہوئے ہیں، جب کہ ان کی تعداد بھی بہت قلیل تھی اور وہ ہر طرح ضعیف ودرماندہ بھی تھے۔ انھوں نے اپنے اوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کر کے اور اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال ڈال کر بے دریغ اپنا سرمایہ

يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ⑪ يَوْمَ

اللہ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر اللہ اُسے اُس شخص کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لیے اجر پسندیدہ ہے ۱۵ یہ وہ دن ہوگا

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

جب ایمان والوں اور ایمان والیوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور اُن کے آگے اور اُن کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا ۱۶

بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ

آج تم کو بشارت ہے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہو گے (اور) یہی

اسلام کی خدمت کی نذر کر دیا، اُن کے مرتبہ کا کیا پوچھنا! باقی جن اہل ایمان نے اس وقت اپنے اخلاص کا ثبوت جہادِ مالی وقتال سے دیا، جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہو چکی تھی اور مسلمان کثرتِ تعداد اور جاہ ومال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے تو اجر اُن کا بھی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اُن السابقون الأولون کے درجہ کا تو نہیں۔

وکلا......الحسنیٰ۔ جملہ مومنین کو اطمینان دلایا ہے کہ اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے اجر ملے گا سب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا۔

۱۵ یہ ساری عبادت جہادِ مالی کی ترغیب وتشویق کے لیے ہے۔

قرضاً حسنا۔ قرض کا لفظ اس اشارے کے لیے ہے کہ اجر کا ترتب اس قدر یقینی اور قطعی ہے کہ گویا وہ اللہ پر قرض ہے ورنہ لفظی معنی کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو ''قرض'' دے ہی کون سکتا ہے؟

استعير لفظ القرض ليدل على التزام الجزاء. (مدارك، ص:۱۲۰۸)

فیضاعفہ۔ اس میں اشارہ اجر کی کمیت ومقدار کی جانب ہوگیا ـــــــ اصل سرمایے سے کہیں زیادہ دوگنا، چوگنا، دس گنا بلکہ اس سے بھی بہت زائد ہوگا۔

کریم۔ اس سے اشارہ اس اجر کی نوعیت وکیفیت کی طرف ہوگیا ـــــــ خوب جی بھرا اجر ملے گا۔

۱۶ یہ منظر حشر میں پل صراط پر سے گزرتے ہوئے ہر مومن کا ہوگا ـــــــ ہر مومن کے ساتھ ساتھ اس کا نور بقدر اس کے درجہ ومرتبہٴ ایمان کے ہوگا۔

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا

بڑی کامیابی ہے ۱۷ یہ وہ دن ہوگا جب منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گی

انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا

کہ ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمھارے نور سے کچھ حاصل کرلیں ۱۸ (ان سے) کہا جائے گا تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر (وہیں)

نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ

روشنی تلاش کرو ۱۹ پھر ان (فریقین) کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا کہ اس کی اندرونی جانب میں رحمت ہوگی

۱۷ یہ بشارت کا پیام سنانے والے جنت کے فرشتے ہوں گے۔

۱۸ یہ اس وقت ہوگا جب اہل ایمان اپنے اعتقاد واعمال کی برکت سے بہت آگے بڑھ جائیں گے اور منافقین یعنی اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے والے لیکن درحقیقت کافرومنکر پیچھے بالکل اندھیرے میں رہ جائیں گے۔

یہ منافقین یا تو نور سے شروع ہی سے محروم ہوں گے اور یا ان کے پاس شروع میں کسی قدر نور ہو (اس مناسبت سے کہ مسلمانوں کے ساتھ ظاہری اعمال میں انھیں اشتراک حاصل تھا) اور فقدان ایمان وتصدیق کی بنا پر بعد کو بالکل مفقود ہوجائے اور اُن کے جرم نفاق یا خداعِ ایمانی کی مناسبت سے لگتی ہوئی بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ پہلے اُنھیں نور مل جائے اور پھر بلا شان وگمان یک بہ یک اُنھیں اس سے محروم کردیا جائے۔

۱۹ مقصود کہنے کا یہ ہوگا کہ یہ نور تو دنیا ہی کے اعمال پر مرتب ہوا ہے، ہوسکے تو وہیں سے جاکر اُسے حاصل کرو۔ یہ احمق یہ سمجھیں گے کہ یہیں کہیں قریب ہی جانے سے مل جائے گا!

قیل۔ یہ کہنے والے فرشتے ہوں گے۔

قاله قتادة تقول لهم الملائكة. (معالم، ج۵/ص:۲۹)

یا ممکن ہے کہ مومنین ہی ہوں۔

قال ابن عباس يقول لهم المؤمنون. (معالم، ج۵/ص:۲۹)

وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ

اور اُس کے بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا ۲۰ (منافقین) پکار کر (مومنین سے) کہیں گے کہ کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے، وہ کہیں گے ہاں تھے

وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ

تو لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم راستہ دیکھا کرتے تھے اور تم شک رکھتے تھے اور تم کو تمھاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا

حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ

یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا، اور تم کو بڑے فریبیے نے اللہ کے ساتھ فریب میں ڈالے رکھا ۲۱ غرض آج نہ تم سے

۲۰ یعنی اہل ایمان تک پہنچنا تو منافقوں کو کیا نصیب ہوگا، الٹے اِن کے اُن کے درمیان ایک آڑ قائم کردی جائے گی، اور اِدھر یہ پشت پھیریں گے کہ اُدھر وہ وہی روشنی جو دور سے اُنھیں نظر آرہی تھی وہ بھی غائب کردی جائے گی اور یہ اندھیرے گھپ میں پڑے رہ جائیں گے۔

بینهم۔ یعنی مومنوں اور منافقوں کے درمیان۔

أی بین المؤمنین والمنافقین. (مدارك، ص:۱۲۰۹)

باطنه۔ اندرونی جانب یعنی مومنین کے رُخ والی سمت۔

ظاهره۔ بیرونی جانب یعنی کافروں کے رخ والی سمت۔

۲۱ (اور آخر وقت تک کبھی رجوع وتوبہ کی توفیق نہ ملنے دی)

اہل ایمان جواب دیں گے کہ بے شک تم بظاہر تو ہمارے ساتھ تھے اور ہم میں ملے جلے ہوئے تھے، لیکن ایسا ساتھ کس کام کا جب کہ دل سے تم اسلام اور پیمبر اسلام کے دشمن تھے؟ اور آخر وقت تک وہی ابلیسی مغالطے کے شکار رہے۔

ألم نكن معكم۔ یعنی کیا ہم اعمال میں اور طاعات میں تمھارے شریک نہیں رہتے تھے؟

وتربّصتم۔ یعنی اسلام کے مٹ جانے ہی کا انتظار کرتے اور اس کی آس لگائے بیٹھے رہے۔

وارتبتم۔ اور تمھیں اسلام کی صداقت وحقانیت میں شبہ ہی رہا کیا۔

الأماني۔ بیہودہ تمنائیں یہی کہ ہم اپنے جس طریقہ پر ہیں، یہی ہماری نجات کے لیے کافی ہے۔

غرکم باللّٰه۔ اللہ سے متعلق دھوکا یہی کہ مذہب کفر حق ہے اور دین اسلام نعوذ باللہ ایک ڈھکوسلا ہے!

فِدۡیَۃٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ مَاۡوٰىکُمُ النَّارُ ؕ ہِیَ مَوۡلٰىکُمۡ ؕ وَبِئۡسَ

کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے وہی تمھاری رفیق ہے، اور وہ کیسا بُرا

الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۵﴾ اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ

ٹھکانا ہے ۲۲ کیا ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی نصیحت

وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ

اور جو دین حق نازل ہوا ہے اُس کے آگے جھک جائیں اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں اُن کے قبل کتاب ملی تھی پھر اُن پر ایک لمبا

عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِعۡلَمُوۡۤا

زمانہ گزر گیا تو اُن کے دل خوب سخت ہو گئے اور اُن میں کے بہت سے کافر ہیں ۲۳ جانے رہو

أمر اللّٰہ۔ یعنی موت۔

أی الموت. (مدارک، ص: ۱۲۰۹)

حتیٰ جاء أمر اللّٰہ۔ یعنی عمر بھر انھیں کفریات میں پڑے رہے اور توبہ نہ کی، یہاں تک کہ موت آگئی۔

الغرور۔ بڑا فریبیا، یعنی شیطان۔

۲۲ (کہ یہ دار الجزا ہے، دار العمل نہیں۔ اور تمھاری معیت ظاہری یہاں نجات کے لیے ہرگز کافی نہیں ہوسکتی)

منکم ولا من الذین کفروا۔ یعنی نہ چھپے ہوئے کافروں (منافقوں) سے اور نہ کھلے ہوئے کافروں سے۔

۲۳ یعنی بجز ایک قلیل تعداد کے جو اُن میں سے مسلمان ہوگئی، باقی کثرت سے ان لوگوں کو قبولِ حق سے عار آنا شروع ہوگیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت ان کے دِلوں میں خوب گہری بیٹھ گئی۔

ألم......الحق۔ ذکر ان مومنین کا ہے جو صاحبِ ایمان تو ہیں لیکن اُن کے عمل میں کثرت سے کوتاہیاں ہیں، اُنھیں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ ترکِ معاصی، اور طاعاتِ ضروری کی پابندی کا عزم دل سے کرلیں اور اس توبہ و رجوع میں جلدی کریں۔

اَنَّ اللّٰهَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾

کہ اللہ ہی زمین کو اُس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے ہم نے مثالیں تمھارے سامنے کھول کر پیش کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو ۲۴

اِنَّ الۡمُصَّدِّقِيۡنَ وَالۡمُصَّدِّقٰتِ وَاَقۡرَضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمۡ

بلاشبہ صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں (یہ جو) اللہ کو خلوص کے ساتھ (قرضہ دیں) تو وہ صدقہ اُن کے لیے بڑھایا جائے گا

وَلَهُمۡ اَجۡرٌ كَرِيۡمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓـئِكَ هُمُ

اور اُن کے لیے اجر پسندیدہ ہے ۲۵ اور جو لوگ کہ اللہ اور اس کے پیمبروں پر (پورا) ایمان رکھتے ہیں وہی تو

ألم يأن۔ مراد یہ ہے کہ رجوع و توبہ میں تاخیر و تساہل ہی کیوں ہو؟

کالذین......قبل۔ مراد یہود و صاحب صحائف اسرائیلی ہیں۔

کالذین......قلوبھم۔ قدیم اہل کتاب نے جب اپنی اپنی کتاب کے ہدایات کے برخلاف شہوات و معاصی میں انہماک پیدا کر لیا تو رفتہ رفتہ ان کی قساوتِ قلب کی اب یہ نوبت پہنچ گئی کہ ندامت و ملامتِ اضطراری کی بھی اہلیت باقی نہ رہ گئی۔

آیت سے ایک عملی سبق یہ ملا کہ خود مسلمانوں کو معاصی سے توبہ ورجوع میں عجلت کرنا چاہیے، ورنہ بعض اوقات رفتہ رفتہ توبہ کی توفیق ہی جاتی رہتی ہے، اور پھر عیاذ اًباللہ نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے۔

الآية تدل على أن كثرة المعاصي ومساكنتها وألفها تقسى القلب وتبعد عن التوبة. (جصاص، ج۳/ص:٤١٦)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک خشوع کا لزوم و دوام۔ دوسرے یہ کہ طولِ غفلت سے قساوتِ قلب پیدا ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ قساوت کا علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۲۱)

۲۴ (کہ جس طرح اللہ بارش بھیج کر خشک زمین کو از سرِ نو تازہ و سرسبز کر دیتا ہے، اسی طرح توبہ کے اثر سے وہ خالق ذوالجلال قلبِ مردہ کو بھی زندہ اور درست کر دیتا ہے، اس لیے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں)

۲۵ اس آیت کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ ہٰذا کا حاشیہ نمبر۱۵۔

الصِّدِّيقُوْنَ ق وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ط وَالَّذِيْنَ

اپنے پروردگار کے ہاں صدیق اور شہید ہیں، اُن کے لیے اُن کا اجر (خاص) ہوگا اور اُن کا نور (خاص) ہوگا ۲۶ؑ اور جو لوگ

قرض حسنہ اصطلاحِ شریعت میں ایسے مال کو کہتے ہیں جو حلال کمائی سے خوش دلی اور اخلاصِ نیت کے ساتھ صاحبِ احتیاج کو دیا جائے۔

والقرض الحسن أن يتصدّق من الطيب عن طيبة النفس وصحة النية على المستحق للصدقة. (مدارك، ص: ۱۲۱۰)

۲۶ؑ یعنی جن لوگوں نے تصدیقِ ایمانی اور پابندیٔ طاعات پوری طرح کر کے مومن ہونے کا حق ادا کر دیا، وہ اللہ کے ہاں تو مرتبۂ صدیقیت وشہادت پر پہنچ گئے۔

الصدّیقون۔ صدیق یہاں اسی معنی میں ہے، جس معنی میں اردو میں ''ولی'' بولتے ہیں۔ لفظی معنی اس شخص کے ہیں جو بڑی کثرت سے صدق سے کام لیتا ہو، یا جو اپنی زبان سے، قلب سے، عمل سے سب سے تصدیق کرتا ہو۔

والصديق من كثر منه الصدق (راغب) قيل بل لمن صدق بقوله واعتقاده وحق صدقه بفعله. (راغب، ص: ۳۱۰)

الصديق الكثير الصدق. (معالم، ج۵/ص: ۳۱)

أى المبالغون فى التصديق. (جلالين، ص: ۷۲۲)

والشہداء۔ شہید یہاں لغوی معنی میں ہے، یعنی حق کے گواہ۔

أى هم الذين استشهدوا فى سبيل الله. (مدارك، ص: ۱۲۱۰)

وأراد بالشهداء المؤمنين المخلصين. (معالم، ج۵/ص: ۳۱)

باقی اگر شہید سے یہاں مراد اصطلاحی شہید یا قتیل فی سبیل اللہ ہو، جیسا کہ بعض اکابر مفسرین کا قول ہے، تو معنی یہ کیے جائیں گے کہ مومن کامل اپنی جان و مال دونوں کو اپنی جگہ پر تو اللہ کی راہ میں وقف اور خدمتِ دین کی نذر کر ہی دیتا ہے، رہا یہ کہ اس کے بعد بھی جان گئی یا رہی تو یہ تو اس کے اختیار کی چیز نہیں۔

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی لوگ دوزخی ہیں، خوب جان لو کہ

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ

دُنیوی زندگی محض ایک کھیل کود اور (ظاہری) خوشنمائی اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال واولاد میں ایک دوسرے پر

وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا

اپنی برتری جتلانا ہے ۲۷ گویا کہ مینہ ہے کہ اُس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے، سو تو اُسے زرد دیکھتا ہے

عند ربھم۔ یعنی حکم الٰہی میں۔ پروردگار کے نزدیک۔

أی فی حکمه وعلمه سبحانه (روح) المراد أولئك فی حکم الله تعالیٰ بمنزلة الصدیقین والشهداء المشهودین بعلو الرتبة ورفعة المحل (روح، ج۲۷/۱۸۳)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مومنین کو مطلقاً صدیق وشہید فرمادینا دلیل ہے اس پر کہ ان میں بھی مراتب ہیں اور ادنیٰ مرتبہ ہر مومن کو حاصل ہے جیسا کہ ولایتِ عامہ ہر مومن کے لیے عام ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۲۱)

۲۷ (اس لیے کہ بحیثیت مقصود کے ہر گز قابلِ توجہ والتفات نہیں)

یہاں یہ بتادیا ہے کہ دُنیا کے مقاصد سب کے سب فانی وسریع الزوال ہوتے ہیں اور اہل دنیا عمر کے ہر دور میں انھیں کے اُلٹ پھیر میں رہتے ہیں۔ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود کی نذر ہو جاتا ہے۔ سن اور بڑھا تو حسن وعشق کے جھمیلے میں پڑ گئے، یا تجارت، ملازمت وغیرہ زرکشی کے پیشوں میں لگ گئے۔ سن کہولت آنے لگا تو اب ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر ومسابقت، مال وجاہ وشرافت خاندانی وغیرہ کی بنیادوں پر ہونے لگا۔ غرض ساری عمر انھیں بے بنیاد وبے ثبات مقصدوں کے پیچھے دوڑتے رہنے میں گزر جاتی ہے، اور آخرت جو مقصودِ اصلی ہے اور حیاتِ لافانی ہے وہ عمر کے کسی حصے میں خیال میں نہیں آتی۔

آیت کے مفہوم کا انطباق جس طرح دُنیا پرست افراد واشخاص پر ہوتا ہے اسی طرح آخرت فراموش ودنیا پرست قوموں، حکومتوں اور نسلوں پر بھی ہوتا ہے۔

مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت سے صریح تعلیم دُنیا سے زُہد اور بے رغبتی کی نکلتی ہے۔

ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۖ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ

پھر وہ چُورا چُورا ہوجاتی ہے ۲۸ اور آخرت میں عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت

وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿٢٠﴾ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ

اور خوشنودی بھی، اور دُنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے ۲۹ دوڑو اپنے پروردگار کی مغفرت

۲۸ تشبیہ سے مقصود یہاں دُنیا کے بالکل عارضی ہونے اور پھر اُس کے زوال واضمحلال کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

۲۹ (عالمِ آخرت کی بقاوپائداری کے مقابلے میں)

دُنیا کی بے ثباتی اور فناپذیری پر ایک بار پھر زور دیا ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس عارضی وفانی دُنیا وسامانِ دُنیوی کے برعکس عالم آخرت باقی ولازوال ہے اور وہاں کی کیفیتیں دو ہیں، دونوں ثابت وباقی: ایک کافروں کے لیے اور وہ عذاب شدید ہے، دوسری ایمان والوں کے لیے اور وہ اللہ کی مغفرت ورحمت ہے۔ اب انسان کو اختیار ہے کہ ان دو میں سے جس کو چاہے اپنا مقصودِ اعظم بنالے۔

مغفرة من الله ورضوان۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ مغفرت عامۂ مومنین کے حصے میں آئے گی اور رضوان خواص وعاشقین کے نصیب میں۔

متاع الغرور۔ یہ دُنیا دھوکے کی ٹٹی بس انھیں لوگوں کے حق میں ہے جو اس میں پڑے رہتے اور اسی پر بھروسہ کیے رہتے ہیں، آخرت کو بھلائے ہوئے۔

لمن ركن إليها واعتمد عليها. (مدارك، ص:۱۲۱۱)

أى هي متاع فان غار لمن ركن إليه فإنهٗ يغتر بها وتعجبه حتى يعتقد أنهٗ لا دار سواها ولا معاد وراءها. (ابن كثير، ج٤/ص:۲۸۲)

لمن لم يشتغل فيها بطلب الآخرة. (معالم، عن سعيد بن جبير، ج٥/ص:۳۲)

لمن اطمأن بها ولم يجعلها ذريعة للآخرة. (روح، ج۲۷/ص:۱۸۵)

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ

کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کی سی ہے ۳۰ تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کے لیے

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

جو اللہ اور اُس کے پیمبروں پر ایمان رکھتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ ہی بڑے

الْعَظِيْمِ ۝۲۱ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ

فضل والا ہے ۳۱ کوئی سی بھی مصیبت نہ دُنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمھاری جانوں میں

اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۲۲ ۚ لِّكَيْلَا

مگر یہ کہ (سب) ایک رجسٹر میں (لکھی ہیں) قبل اس کے کہ ہم اُن جانوں کو پیدا کریں، یہ اللہ کے لیے آسان ہے ۳۲ (یہ بات بتادی گئی ہے) تاکہ

۳۰ یعنی بے انتہا وسیع، قرآن محاورۂ انسانی میں ہے اور محاورۂ انسانی میں زمین وآسمان کی سی وسیع کے معنی بے انتہا وسیع کے ہیں۔

قرآن مجید کی بلاغت ملاحظہ ہو، جوں ہی اس متاعِ دُنیا کے فانی اور ہیچ ہونے اور دولت آخرت کے باقی وقائم ہونے کا نقش دل میں بیٹھا، معاً جنت کی طرف دوڑ کرنے کا پیام پہنچا دیا ——

سارعوا إلى مغفرة...... الخ۔

۳۱ (وہ صرف خواص اور مجاہدین یا عاشقین ہی کو نہیں، ہر عامی مومن کو بھی اپنے فضل وکرم کے بحر بیکراں سے سیراب کرے گا)

أعدت...... رسله۔ اس میں جتا دیا کہ جنت تو ہر مومن کا مستقر اصلی ہے ہی۔

ذلك...... يشاء۔ اس میں یہ اشارہ کر دیا کہ کوئی اپنے اعمال پر مغرور نہ ہو جائے، یعنی یہ تو محض ہمارا فضل وکرم ہے جو جنت میں پہنچا دیتا ہے اور اس کا مدار ہماری مشیت پر ہے گو ہم نے اپنی رحمت سے اپنی مشیت ان عمل کرنے والوں ہی کے ساتھ وابستہ کر دی ہے۔

۳۲ (کیوں کہ اس کے علم میں حال ومستقبل سب یکساں ہیں)

ما...... نبرأها۔ یعنی جتنی بھی مصیبتیں انسان کے لیے ممکن ہیں خواہ داخلی ہوں یا خارجی،

تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ

جو چیز تم سے لی جارہی ہے اُس پر (اتنا) رنج نہ کرو، اور جو چیز اُس نے تمھیں دی ہے اُس پر اتراؤ نہیں ۳۳؎ اور اللہ کسی

سب ازل سے مقدر ہیں۔

کتاب۔ مراد لوح محفوظ ہے۔

وهو اللوح المحفوظ أى مكتوبة فيه. (بحر، ج۸/ص:۲۲۵)

يعنى اللوح المحفوظ. (معالم، ج۵/ص:۳۲)

ذلك۔ یعنی قبل وقوع ان کا لکھ دینا۔

أى تقدير ذلك وإثباته فى كتاب. (مدارك، ص:۱۲۱۱)

نبرأها۔ ضمیر ھا، أنفس کے لیے ہے۔

والضمير على ماروى عن ابن عباس وقتادة والحسن وجماعة للأنفس (روح، ج۲۷/ص:۱۸۵)۔

۳۳؎ یعنی کوئی نعمت یا عطیۂ الٰہی تمھارے دلوں میں اِتراہٹ یا فخر کے جذبات نہ پیدا کرنے پائے جو طاعتِ الٰہی سے مانع ہو جاتا ہے ——— باقی رہی طبعی مسرت تو وہ تو جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ اِتراہٹ تو اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کسی خوبی کو اپنے ذاتی استحقاق کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کی جڑ کاٹ دی، جب نعمت کے لیے محض حق تعالیٰ کے حکم و مشیت کا استحضار ہو گیا تو اب اِتراہٹ ہونے ہی کیوں لگی؟

علی مافاتکم۔ جو چیز تم سے جاتی رہے تمھارے محبوبات و مرغوبات میں سے مثلاً مال یا اولاد یا صحت و عافیت یا حسن و شباب یا کوئی عزیز یا دوست۔

لکی اس کا عامل أخبرناکم مقدر ہے۔

لاتأسوا۔ یعنی رنج و غم حد سے زیادہ نہ کرو، جو طاعتِ الٰہی میں حائل ہو جائے۔ صدمۂ طبعی سے کوئی ممانعت مقصود نہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں علاج ہے حزن کا تقدیر کے یاد کر لینے سے، نیز یہ اشارہ ہے کہ اس میں ضرور ہماری ہی مصلحت ہوگی، گو ہمیں تفصیل سے علم نہ ہو۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۲۴)

مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ

اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا ۳۴ (وہ لوگ ایسے ہیں) جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے رہتے ہیں ۳۵

وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ

اور جو کوئی رُوگردانی اختیار کرے گا، تو اللہ تو (سرتاسر) بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ۳۶ ہم نے اپنے پیمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دے کر بھیجا ۳۷

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ

اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور انصاف کرنے کو نازل کیا، تا کہ لوگ اعتدال پر

۳۴ یہ وعید ہے اِتراہٹ پر۔

مختال فخور۔ مختال اور فخور دو لفظ آئے ہیں۔ اختیال کی بنیاد کمالاتِ داخلی پر ہوتی ہے، مثلاً علم عبادت وغیرہ اور فخر کی بنیاد کمالاتِ خارجی پر مثلاً مال وجاہ وغیرہ۔

۳۵ (حُبِّ دنیا کی بنیاد پر)

یبخلون۔ البخل۔ بخل کے عام و وسیع معنی ہیں، حق اللہ وحق العباد کو ضائع کردینے اور انھیں ادا نہ کرنے کے، یہاں خصوصیت کے ساتھ اشارہ ہے طاعاتِ ضروری میں خرچ کرنے سے رک جانے پر۔

آیت سے اشارہ اس طرف ہوگیا کہ حُبِّ دنیا ایسی چیز ہے کہ اُس سے اکثر صفات ذمیمہ پیدا ہوجاتے ہیں، مثلاً اختیال اور افتخار اور بخل وغیر ذٰلک (تھانوی، ج ۲/ص:۶۲۵)

۳۶ یعنی حکم انفاق کے بعد بھی بخل کرتے رہو گے تو اس میں ضرر صرف تمھارا ہی ہے، حق تعالیٰ کا اس میں کیا نقصان، وہ ذات پاک تو اپنی ذات وصفات دونوں کے لحاظ سے خود ہی ہر طرح کامل واکمل ہے بلکہ استکمال بالغیر تو اس کے لیے محال ہی ہے۔

آیت سے اس عقیدۂ جاہلیت کی بھی تردید مقصود ہے کہ پجاریوں کی خدمات سے خود دیوتا اور خدا مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

۳۷ (اسی اصلاحِ اُخروی کی غرض سے)

البینات کے تحت احکام، ہدایات، دلائل ومعجزات سب آگئے۔

أی الحجج والمعجزات. (روح، ج ۲۷/ص:۱۸۸)

بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ

قائم رہیں ۳۸ اور ہم نے لوہے کو (بھی) نازل کیا کہ اس کے اندر شدید ہیبت ہے

۳۸ حقوق اللہ میں، حقوق العباد میں، غرض سارے اجزائے شریعت میں)

وانزلنا...... بالقسط۔ یعنی انھیں آسمانی کتابوں میں احکام بندوں کی باہمی معاملت ومعاشرت سے متعلق دیے، اور ہدایات عدل وادائے حقوق کے بارے میں نازل کیے۔ شریعت اسلامی کا تعلق صرف فلاح آخرت سے نہیں، بلکہ اس دُنیا کے بھی پورے انتظامات سے ہے اور شریعت کے اس دنیوی اور انتظامی جز کی اہمیت خصوصی آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔

الکتٰب۔ کتٰب ظاہر ہے کہ یہاں جنس کتاب کے لیے ہے اور اس سے مراد تمام کتب وصحائف آسمانی ہیں۔

أي جنس الكتٰب الشامل للكل. (روح، ج۲۷/ص:۱۸۸)

المیزان۔ میزان سے مراد عدل یا احکامِ عدل سے لی گئی ہے۔

الميزان إشارة إلى حمل الناس على تلك الأحكام المبنية على العدل والانصاف. (كبير، ج۲۹/ص:۲۱۰)

يعني العدل. (معالم، ج۵/ص:۳۳)

وهو العدل قاله مجاهد وقتادة وغيرهما. (ابن كثير، ج۴/ص:۲۸۳)

وأكثر المتأولين على أن المراد بالميزان العدل. (بحر، ج۸/ص:۲۲۶)

بعض محققین نے اس لفظ سے مراد عقل سلیم یا معرفتِ حق یا ضمیر لی ہے، جو ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور دعوتِ انبیاء ہی کی طرح اس کے بھی بغیر حجتِ الٰہی انسان پر قائم نہیں ہوتی، چنانچہ بچہ اور مجنون اسی لیے تو تکلیفِ شرعی سے بری ہیں کہ ان کی عقلیں اور ان کے ضمیر کامل اور نمو یافتہ نہیں۔

الميزان هو الذي يتميز به العدل عن الظلم والزائد عن الناقص. (كبير، ج۸/ص:۲۲۶)

لیقوم میں لِ تعلیل کا ہے۔

علة لإنزال الكتاب والميزان والقيام بالقسط. (روح، ج۲۷/ص:۱۸۸)

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ

اور لوگوں کے لیے (اور بھی) فائدے ہیں ۳۹؎ اور اس لیے بھی تا کہ اللہ جان لے کہ بے دیکھے اُس کی اور اُس کے پیمبروں کی مدد

یعنی ہدایتِ خلق انھیں دو امور تعلیم کتاب ومیزان سے قائم و وابستہ ہے۔

الکتٰب والمیزان۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کتٰب سے اشارہ قوتِ نظری کی جانب ہے اور میزان سے اشارہ قوتِ عملی کی جانب۔

والحاصل أن الكتاب إشارة إلى القوة النظرية والميزان إلى القوة العملية. (کبیر، ج۲۹/ص: ۲۱۰)

۳۹؎ الحدید۔ یہی لوہا ہے جسے ہم آپ سب جانتے پہچانتے ہیں۔

فیہ بأس شدید۔ معمولی اور گھریلو چاقو، چھری، استرہ، قرولی سے لے کر تلوار، نیزہ، سنگین، خنجر، پستول، رائفل، مشین گن، توپ وغیرہ سے ہوتے ہوئے جدید ترین قسم کے آلاتِ مہلک: ایٹم بم وغیرہ پر نظر کر جائیے، ہر ایک میں کار فرمائی اسی مہلک اور پُر ہیبت دھات، لوہے، ہی کی نظر آئے گی اور پھر ہتھیاروں یا اسلحہ کے علاوہ دوسرے قسم کے مہلک آلاتِ حرب: ٹینک، جیپ، آرمرڈ کار، ڈریڈ ناٹ جہاز، آبدوز کشتیاں، تباہ کن کشتیاں، بمبار طیارے، شکاری طیارے وغیرہا، ان سب کو بھی نظر میں رکھئے، جب جا کر لفظ قرآنی کی حیرت انگیز و معجزانہ جامعیت کی قدر ہوگی!

ومنافع للناس۔ آج دنیا جس کارخانۂ عالم کو کارگاہِ تہذیب وتمدن کے نام سے یاد کرتی ہے، اس سے لوہے کہ چھوٹے بڑے سارے مصنوعات، گھریلو ہل اور سوئی اور نب اور پن اور سیفٹی پن اور قینچی اور ہولڈر اور پھاوڑہ اور بیلچہ اور کدال اور اُسترے اور ناخن گیر اور کرچھے اور دست پناہ اور کھرپے اور بسولے اور ہنسیا اور گنڈاسے اور کلہاڑی اور چھلنی اور ہاون دستہ، اور کرنی، سائیکل کی تیلیوں اور تانگوں، اکّوں کی کمانی، دھونکنی اور سلاخیں اور توے اور پہیوں کے آہنی خول، اور موٹر اور موٹر سائیکلیں، ریلوے انجن اور فائر انجن اور ٹیلی فون اور ٹیلی گراف اور ریڈیو کے تار اور ریل کی پٹریاں اور ان سب کے اندر کے بے شمار پُرزوں اور جنگی وغیر جنگی، رزمی، بزمی، ان گنت بڑی اور چھوٹی مشینوں کو ذرا معدوم فرض کر کے دیکھئے کہ اعلیٰ شہری تمدن تو خیر بڑی چیز ہے ادنیٰ دیہاتی تمدن بھی باقی رہ جاتا ہے؟ یہ سارے جائزے لے ڈالنے کے بعد الفاظِ قرآنی کی معجزانہ جامعیت پر بے اختیار قربان ہو جانے کو جی چاہے گا!

بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا

کون کرتا ہے ۴۰ بے شک اللہ (بڑا) قوت والا ہے (بڑا) زبردست ہے ۴۱ اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیمبر بنا کر بھیجا اور دونوں کی

فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ۖ فَمِنْهُم مُّهْتَدٍ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٦﴾

نسل میں نبوّت اور کتاب جاری کردی ۴۲ سو اُن میں سے ہدایت یافتہ بھی ہوئے، اور اکثر اُن میں کے نافرمان نکلے ۴۳

ع ۳
۱۹

۴۰ یعنی تاکہ یہ نمایاں اور ظاہر ہو جائے کہ کون کون ان نعمتوں سے دین کی اقامت ونصرت اور جہاد فی سبیل اللہ میں کام لیتا ہے۔

لیعلم اللّٰہ۔ اللہ کے معلوم کرلینے کے معنی ہوتے ہیں کسی شے کے علانیہ ثابت ہو جانے اور ظہور پذیر ہو جانے کے۔

بالغیب۔ یعنی محض اپنی قوتِ ایمانی کے سہارے ایسے خدا اور اس کے دین کی نصرت کریں جو اُن کی نظر سے مخفی و مستور ہے۔

أى غائباً منهم. (روح، ج۲۷/ص:۱۸۹، مدارك، ص:۱۲۱۲)

أى قام بنصرة الدين ولم ير الله ولا الآخرة. (معالم، ج٥/ص:٣٣)

۴۱ اُسے کوئی حاجت کسی قسم کی بھی کسی بندے کی نصرت و اعانت کی نہیں، احکامِ جہاد وغیرہ جو مل رہے ہیں سب بندوں ہی کے اخلاص کی جانچ پڑتال کے لیے ہیں۔

۴۲ اس میں اس بڑی اہم تاریخی حقیقت کا اعلان آگیا کہ نبوت و شریعتِ آسمانی کا سلسلہ بنی نوح میں نسل ابراہیمی کے واسطے سے چلا اور دوسری نسلیں طرح طرح کے شرک اور وہم پرستیوں میں پڑی رہ گئیں۔

۴۳ فمنهم۔ ضمیر ھم ان پیمبروں کی ذریت کی جانب بھی ہوسکتی ہے اور اُمتانِ دعوت کی جانب بھی۔

أى فمن الذرية أو من المرسل إليهم. (كبير، ج۲۹/ص:۲۱۳)

فسقون۔ یہاں لفظی معنی میں ہے، اصطلاح فقہ میں نہیں، مراد یہاں کافر ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی متعدد مواقع پر ہے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ

پھر ہم اُن کے بعد اپنے اور پیمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور اُن کے بعد ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا ۴۴ اور ہم نے انھیں

الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ

انجیل دی ۴۵ اور جن لوگوں نے اُن کی پیروی کی، اُن کے دلوں میں ہم نے شفقت اور نرمی رکھ دی تھی ۴۶ اور رہبانیت کو

یعنی الذین ترکوا الإیمان بعیسی ومحمد علیهما الصلاة والسلام. (معالم، ج۵/ص:۳۱)

فارقون عن حدود دینهم. (روح، ج۲۷/ص:۱۸۹)

۴۴ (جو سلسلۂ انبیائے اسرائیل کے خاتم ہوئے ہیں اور ان کے اور خاتم النبیینؐ کے درمیان کوئی نبی نہیں بجز یحیٰی علیہ السلام کے جو عیسیٰ مسیحؑ کے معاصر بھی تھے)

۴۵ یہ دعویٰ تو مسلمانوں کا ہے کہ قرآن کی طرح انجیل نامی بھی ایک کتاب آسمانی نازل ہو چکی ہے، لیکن موجودہ مسیحیت صدیوں سے اس دعوے سے کلیۃً دست بردار ہو چکی ہے، وہ تو اس کی قائل ہے کہ مسیحؑ سرے سے کوئی پیامبر ہی نہ تھے جو کسی اور کا پیام یا کسی کی طرف سے کتاب لے کر آتے، وہ تو خود (نعوذ باللہ) مظہر ذات باری تھے، اور اُن کی زبانی بعض بشارتیں سن کر اور ان کے معجزات و خوارق دیکھ کر بعض لوگوں نے زبانی یا تحریراً دوسروں تک پہنچا دیے، اور ان دوسروں نے ان انسانی نوشتوں کے مختلف مجموعوں کو مختلف انجیلوں کے نام سے شائع کر دیا ــــ قرآن مجید کے الفاظ وآتینہ الإنجیل سے گو اوّل نظر میں متبادر یہی ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی قرآن مجید ہی کی طرح ایک کتاب انجیل نامی نازل ہوئی تھی لیکن یہ معنی بالکل قطعی اور لازمی نہیں۔ اور یہ تو بہر حال قطعی ہے کہ جس وحی شدہ انجیل کا یہاں ذکر ہے، وہ اس نام کی وہ کتاب تو ہرگز نہیں جو اِس وقت مسیحیوں کے ہاتھ میں ہے۔

۴۶ (اور یہ علامت اُن کے صحیح اتباع مسیحؑ کی تھی)

الذین اتبعوہ۔ خوب خیال رہے کہ رأفت و رحمت کی صفاتِ مدحیہ اُن واقعی متبعین مسیحؑ کے حق میں ارشاد ہو رہی ہیں، نہ کہ نصرانیوں کے حق میں۔

ِابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ

انھوں نے خود ایجاد کرلیا، ہم نے اُن پر واجب نہیں کیا تھا، بلکہ انھیں نے اللہ کی رضامندی کی خاطر (اسے اختیار کرلیا تھا) ۴۷ سو انھوں نے

۴۷ یعنی اس سے مقصود ان لوگوں کا اپنے دین وایمان کا تحفظ نہ تھا بلکہ کمالِ روحانی حاصل کرنا تھا۔

ورهبانية۔ رہبانیت کے معنی ترکِ لذات وتحمل شدائد کے ہیں اور بعض اہل لغت کے نزدیک محض زیادتی اور افراط کے۔

الرهبانية غلو فى تحمل التعبد من فرط الرهبة. (راغب، ص: ۲۳۰)

قال الفارسى وأصل الرهبانية من الرهبة ثم صارت اسماً لما فضل عن المقدار وافرط فيه (تاج، ج۲/ص: ۴۲ ـ لسان، ج۵/ص: ۳۳۸)

مسیحیوں نے ابتدائی صدیوں ہی سے بعض مشرک فلاسفۂ یونان ومصر وغیرہ کے اثر سے اپنا مسلک رہبانیت یا ترکِ دنیا کا اختیار کرلیا تھا، جس کے تحت میں ترکِ نکاح، ترکِ لذائذ غذائی، ترکِ حیوانات، ترکِ خانماں، ترکِ طہارت، ترکِ اختلاط اور صحرا گزینی وغیرہ سب آگئے۔

والمراد من الرهبانية ترهبهم فى الجبال فارّين من الفتنة فى الدين، مخلصين أنفسهم العبادة متحملين كلفاً زائدة على العبادات التى كانت واجبة عليهم من الخلوة واللباس الخشن والاعتزال عن النساء والتعبد فى الغيران والكهوف. (كبير، ج۲۹/ص: ۲۱۴)

ابتدعوها۔ اس نے صاف کردیا کہ یہ مسلکِ ترکِ دنیا ہرگز تعلیم ربانی کے مطابق وماتحت نہ تھا، نہ صراحۃً نہ اس سے ماخوذ ومستنبط۔

ما كتبنٰها عليهم۔ مزید تاکید وزور کے لیے پھر فرمادیا گیا کہ یہ مسلک ترک دنیا شریعت ربانی کا جز ہرگز نہ تھا، تمام تر ایک انسانی اختراع تھی۔

صوفیۂ محققین نے لکھا ہے کہ سلوک وتصوف سے مقصود تمام تر رضائے الٰہی رکھنا چاہیے نہ کہ تفاخر وحصولِ مراتب ودرجاتِ عالیہ۔

إلا ابتغاء رضوان الله۔ اس کا تعلق ابتدعوها سے ہے، یعنی ان کی نیت اس بدعت سے اتباع رضائے الٰہی ہی تھی۔

رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

اس کی رعایت پوری پوری نہ کی ۴۸ سو اُن میں سے جو (اب) ایمان لائے ہم نے اُنہیں اُن کا اجر دیا، اور زیادہ تو اُن میں کے نافرمان ہی ہیں ۴۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اُس کے پیمبر پر ایمان لاؤ اللہ تم کو اپنی رحمت سے دوحصہ دے گا ۵۰

إنهم قصدوا بذلك رضوان اللّٰه تعالىٰ، قاله سعيد بن جبير وقتادة. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٨٤)

۴۸ (اور یہی ہوا کہ اپنے لگائے ہوئے قیود اور اپنے عائد کیے ہوئے شرائط خود ہی نہ نباہ سکے اور پھسل پھسل گئے)

ابھی آچکا ہے کہ إلا ابتغاء رضوان اللّٰہ یعنی ان کی نیت بخیر تھی، یہ اپنے اوپر مشقتیں اور کلفتیں انھوں نے تقربِ خداوندی ہی کی غرض سے عائد کی تھیں، لیکن بدعت بہرحال بدعت تھی، نباہ یہ اس کا بھی نہ کرسکے۔

رہبانیت کی ساری تاریخ خود مسیحیوں کے قلم کی لکھی ہوئی، ایک بڑی حد تک فسق وفجور ہی کی تاریخ ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

آیت میں راہبین نصاریٰ کی مذمت دو دو حیثیتوں سے ہے: ایک تو دین میں بدعت یا نئی راہ نکالنے کی حیثیت سے، دوسرے اس پر کہ اپنے بدعی عبادات والتزامات کو بھی نباہ نہ سکے۔

وهذا ذم لهم من وجهين: أحدهما الابتداع في دين الله مالم يأمر به الله، والثاني في عدم قيامهم بماالتزموه مما زعموا أنه قربة يقربهم إلى الله عزوجل. (ابن كثير، ج٤/ص:٢٨٤)

۴۹ (چنانچہ اس وقت آپؐ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں)

فآتينا الذين......أجرهم۔ یعنی جنھوں نے اپنے پیمبر وقت کی تصدیق کی اور ان پر پوری طرح ایمان لائے، انھیں اجر بھی پورے کا پورا ملا۔

۵۰ کتابی مومن کے اجر کا دوگنا ہونا ظاہر ہے، ایک اجر اپنے نبی سابق کی تصدیق کا، دوسرا پیمبر وقت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کا۔

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸ۙ

اور تمھارے لیے (وہ) نور پیدا کردے گا کہ تم اُسے لیے چلو پھرو گے اور وہ تم کو بخش دے گا، اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے ۵۱

یٰأیہا الذین آمنوا۔ یہاں خطاب حضرت مسیحؑ پر ایمان رکھنے والوں سے ہے، اور انھیں دعوت خاتم النبیین پر ایمان لانے کی دی جارہی ہے۔

فی روایة النسائی عن ابن عباس أنه حمل هذه الآية على مؤمن أهل الكتاب. (ابن کثیر، ج ٤/ص: ٢٨٥)

الخطاب لأهل الكتابين من اليهود والنصارىٰ. (معالم، ج٥/ص:٣٦)

الذين آمنوا بعيسىٰ. (جلالين، ص: ٧٢٤)

اتقوا اللّٰہ۔ دعوت ایمان سے پہلے اتقوا اللّٰہ لانے میں اشارہ ہے کہ معاصرین اہل کتاب کی راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی بڑی روک تقویٰ کی کمی تھی اور ایمان لانے میں بڑا دخل تقویٰ کو تھا۔

''اس آیت میں جو اہل کتاب کو یٰأیہا الذین آمنوا سے تعبیر فرمایا ہے، باوجودیکہ عادتِ قرآنیہ اس لفظ سے صرف مسلمانوں کو خطاب کرنے کی ہے، اس میں نکتہ غالباً یہ ہے کہ چونکہ یہ اُن کا ایمان بالرسول کے بعد ایمان مقبول ہو جائے گا، اس لیے اس کو ایمان معتد بہ سے تعبیر فرمایا''۔ (تھانوی، ج۲/ ۶۲۸)

کفلین من رحمته۔ ملاحظہ ہو سورۃ القصص (۵۴) آیت أولئك يؤتون أجرهم مرتين. الخ کا حاشیہ۔

۵۱ (اور ان صفات غفر و رحمت کے ظہورِ کامل کا وقت حشر ہی میں ہوگا)

یجعل......به۔ یعنی ایسا نور ایمان عطا کرے گا جو یہاں سے لے کر پل صراط تک برابر تمھارا رفیق رہے گا۔

ویغفر لکم۔ یعنی باوجود تمھارے پچھلے کفر اور شدید نافرمانیوں کے بھی تمھاری مغفرت ایمان لانے کے بعد کردے گا۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ

(اور یہ دولتیں اس لیے عطا کرے گا) تا کہ اہل کتاب کو (قیامت میں) معلوم ہو جائے کہ انھیں اللہ کے فضل کی کسی چیز پر بھی دسترس نہیں

وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۵۲

رکوع ۲۰ ۴

۵۲ (اُسے یہ سرکش و نافرمان ذرا سا بھی موقع دیتے تو ان کی نجات و مغفرت رکھی ہوئی تھی)

أھل الکتٰب۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھیں ابھی ابھی یاأیھا الذین آمنوا سے مخاطب کیا گیا تھا۔ انھیں محض أھل الکتٰب کہنے میں اشارہ یہ ہے کہ ابھی یہ صرف اہل کتاب ہیں، محض انبیائے قدیم حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان ظاہر کرنا اور جتلانا انھیں مومن رہنے کے لیے کافی نہیں۔

لئلا یعلم۔ علم یہاں تحقیق کے معنی میں ہے۔

أی لیتحققوا. (ابن کثیر، ج ٤/ص:٢٨٦)

لئلا یہاں کَی یا ل کے مفہوم میں ہے۔

أی لیعلم ولامزیدة (کشاف، ج ٤/ص: ٤٧٠)

أكثر المفسرين والنحويين على أن لا زائدة والمعنى ليعلم. (نیشاپوری، ج٦/ص:٢٦٢)

اعلم أن أكثر المفسرين على أن لاههنا صلة زائدة والتقدير ليعلم أهل الكتاب.

(کبیر، ج٢٩/ص:٢١٦)

لئلا یعلم۔ یہ تحقق قیامت کے دن ہوگا، جو ہر حقیقت کے انکشاف کامل کا وقت ہوگا۔

ألا ...... فضل اللہ۔ یعنی اہل کتاب عدم ایمانِ محمدیؐ کی حالت میں فضل خداوندی سے ذرا بھی مستفید نہ ہو سکیں گے ـــــ یہ اہل کتاب کے اس زعم باطل کی تردید میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا دامن پکڑے ہوئے ہیں، ہمیں کیا غم واندیشہ ہے!

أن ...... یشاء۔ اور اُسی کی مشیت اپنے فضل کو اہل ایمان کے ساتھ متعلق و مخصوص کرنے کی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭

اللہ نے بے شک اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں ردّ وبدل کر رہی تھی اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی [۱]

[۱] ان بی بی صاحبہ کا نام خولہ بنت ثعلبہ تھا۔ ان کے شوہر اوس بن صامت نے ایک بار غصہ میں آکر اُن سے کہہ دیا أنت عليّ كظهر أمي (تو میرے حق میں ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت) اس کو اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں اور عرب جاہلیت میں اس سے طلاق واقع ہو جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بی بی کا قصہ سن کر اسی قول مشہور کے مطابق فرمایا کہ میری رائے میں تو تو حرام ہوگئی۔ انھوں نے احتجاج کیا کہ شوہر نے لفظ طلاق تو کہا ہی نہیں، اور حق تعالیٰ سے فریاد کرنے لگیں، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

آیت سے ایک علم یہ بھی حاصل ہوگیا کہ اللہ اپنے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ بندے اور بندی کی باتیں سنتا رہتا ہے۔

قد سمع اللہ۔ قد توقع کے جواب میں اور اس کے پورے ہونے کے موقع پر آیا کرتا ہے، چنانچہ یہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان صحابیہ دونوں کو توقع یہی تھی کہ اس مستغیثہ کی سن لی جائے گی۔

معناه التوقع لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم والمجادلة كانا يتوقعان أن يسمع مجادلتها وشكواها وينزل في ذلك مايفرّج عنها. (كشاف، ج ٤/ص: ٤٧٣)

تجادلك۔ جدال یہاں اپنے معروف معنی میں نہیں، بلکہ گفتگو کے ردّ وبدل کے معنی میں ہے۔

أي تراجعك الكلام في شأنه. (روح، ج ٢٨/ص: ٢)

وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ

اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، اللہ تو (سب کچھ) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے ۲؎ تم میں سے جو لوگ اپنی

مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ

بیویوں سے ظہار کرتے ہیں تو وہ (بیویاں) اُن کی مائیں (کچھ ہو) نہیں (جاتی) ہیں، اُن کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے اُن کو جنا ہے

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②

یہ لوگ یقیناً ایک نامعقول بات اور جھوٹ کہہ رہے ہیں ۳؎ بے شک اللہ بڑا معاف کردینے والا، بڑا بخشنے والا ہے ۴؎

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ قبل اس کے کہ

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ

دونوں باہم اختلاط کریں ایک مملوک کو آزاد کرنا ہے ۵؎ اس سے تمھیں نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ کو

۲؎ (اور اس جیسے خبیر وعلیم، سمیع وبصیر کے لیے لوگوں کی مشکلات کی کشایش کرتے رہنا کیا دشوار ہے!)

سمیع۔ الفاظ واقوال کا سننے والا۔

بصیر۔ نیتوں اور دلوں کا حال جاننے والا۔

۳؎ (کہ بیوی کو ماں کہہ دینے، یا ماں کے کسی حصۂ جسم سے تشبیہ دے دینے سے حرمت لازم آجاتی ہے)

یظھرون منکم۔ ظھار اصطلاحِ شریعت میں یہی ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے کہ أنت علیّ کظھر أمّی۔

مـا ھـن أمھتھم۔ نہ وہ بیویاں ان الفاظ کے تلفظ سے مائیں بن گئیں، اور نہ کوئی اور سبب حرمت کا پیدا ہوگیا۔

۴؎ (چنانچہ اس بارے میں بھی اگر گناہ کا تدارک کرلیا جائے تو گناہ معاف ہوجائے گا)

۵؎ اور مملوک میں غلام اور باندی دونوں شامل ہیں۔

بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۝۳ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ

پوری خبر ہے اس کی جو تم کرتے رہتے ہو ۶ پھر جس کو یہ میسر نہ ہو تو قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں اس کے ذمہ دو متواتر

رقبة کے لفظی معنی ''گردن'' کے ہیں، قرآنی کنایہ میں مراد مملوک سے ہوتی ہے۔

فتحریر رقبة۔ غلاموں، باندیوں کی گلوخلاصی اور آزادی کو مختلف گناہوں کا کفارہ بنا دینا اس کے مرادف تھا کہ یہ گلوخلاصی اسلام میں بہرحال ایک امر مستحسن ہے۔

ثم......قالوا۔ یعنی تحریم زوجہ سے رجوع کرنا چاہتے ہیں۔

من قبل أن یتماسّا۔ یعنی قبل اس کے کہ میاں بیوی اختلاط کریں۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ مس یا اختلاط ادائے کفارہ کے بعد ہو، لیکن اگر کسی نے ادائے کفارہ سے قبل ہی مس یا اختلاط کرلیا، تو اب اور کوئی مزید جزا اس پر لازم نہ آئے گی، وہی کفارہ کافی ہوگا، البتہ اپنے اس عمل پر ندامت وتوبہ بہرحال کرنی چاہیے۔

رقبۃٍ۔ حنفیہ اور بعض دوسرے فقہائے قدیم اور بعض تابعین کے ہاں مملوک مطلق ہے، کافر ومسلم کے لیے عام ہے۔ امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک مملوک مسلمان ہونا چاہیے۔

فقال عطاء ومجاهد وإبراهيم، وإحدى الروايتين عن الحسن يجزی الكافر وهو قول أصحابنا والثوری والحسن بن صالح، وروی عن الحسن أنه لا يجزی فی شیئ من الكفارات إلا الرقبة المؤمنة وهو قول مالك والشافعی. (جصاص، ج۳/ص:۴۲۵)

۶ یعنی تمھاری لغزشوں اور خطاؤں سے بھی اور ان کے کفارے سے بھی، سب سے باخبر ہے۔

قرآن مجید چونکہ احکام ظاہری ہی کی تعمیل کافی نہیں سمجھتا، بلکہ قلب میں بھی تقویٰ پیدا کرنا چاہتا ہے، اس لیے تقریباً ہر حکم فقہی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کے عالم کل اور خبیر مطلق ہونے کا بھی استحضار کراتا رہتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ دُنیوی حاکموں کو دھوکا دے لینا بہرحال ممکن ہے، اصل ضرورت تو آسمانی عدالت سے ڈرنے کی ہے۔

ذلکم توعظون به۔ یعنی تمھیں زجر ونصیحت اس حکم کفارۂ مالی کے ذریعے سے کی جاتی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کفارۂ مالی کو موجب وعظ وزجر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ مالی بار کو

مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ؕ ذٰلِکَ

مہینوں کے روزے ہیں ے پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمہ کھلانا ہے ساٹھ مسکینوں کا ۸ یہ (احکام)

لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴﴾

اس لیے ہیں تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ۹ اور کافروں کے لیے عذاب دردناک ہے ۱۰

بھی اصلاحِ نفس میں دخل ہے، اور یہیں سے مشائخِ طریقت نے یہ تدبیر اخذ کی ہے کہ مریدوں سے ان کے نفس پر جرمانہ بھی کراتے ہیں، گوخود اُسے وصول نہیں کرتے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۲۹)

ے یہاں یہ بتایا کہ جس کسی کے پاس غلام یا باندی سرے سے ہو نہیں (خواہ اس لیے کہ اُسے اتنی مقدرت ہی نہ ہو، خواہ وہ ملک ایسا ہو جہاں مملوکِ شرعی کا وجود نہ پایا جاتا ہو، مثلاً آج کا ہندوستان) تو اس کے لیے دوسرا متبادل کفارہ یہ مسلسل دو مہینے کے روزے ہیں۔

۸ تیسرا متبادل کفارہ یہ ہوا۔

ستین مسکیناً۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک ہی مسکین کو ۶۰ دن تک کھلاتے رہیں تو بھی درست ہے۔

فمن لم یستطع۔ غیر مستطیع سے اس سیاق میں وہ شخص مراد ہے جو بسببِ ضعف یا مرض روزے پر قادر نہ ہو۔

۹ (انھیں معمولی بات سمجھ کر نظرانداز نہ کرو۔ یاد رکھو کہ یہ الٰہی ضابطے ہیں)

ذلك لتؤمنوا باللہ۔ ایمان پر مضبوطی احکام کی تعمیل و پابندی ہی سے قائم رہتی ہے۔

ذلك یعنی یہی تعلیم جو ابھی اوپر ملی ہے۔

إشارة إلى ما مرّ من البيان. (روح، ج۲۸/ص:۱۹)

۱۰ کافروں سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو خداوندی احکام اور ضابطوں کی تصدیق نہیں کرتے ___ محض تارکین نہیں، منکرینِ احکام مراد ہیں۔

قال ابن عباس لمن جحده و كذب به. (معالم، ج۵/ص:۴۲)

أى الذين لم يؤمنوا ولا التزموا بأحكام هذه الشريعة. (ابن كثير، ج۴/ص:۲۹۰)

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ خوار ہوں گے جیسے ان کے قبل کے لوگ خوار ہو چکے ہیں [۱۱]

أی الذین لایقبلونها. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۱۲۲)

لمن جحد هذا و کذب به. (کبیر، ج ۲۹/ص: ۲۲۸)

جن مفسرین نے تارکین احکام مراد لی ہے، انھوں نے اطلاقِ کفر کو یہاں حقیقی معنی میں نہیں لیا ہے، بلکہ اسے صرف تہدیدی مفہوم میں لیا ہے، جیسا کہ بعض اور بھی آیاتِ قرآنی میں آیا ہے۔

وأطلق الکافر علی متعدی الحدود تغلیظاً لزجره، ونظیر ذلك قوله تعالیٰ "ومن کفر فإن الله غني عن العالمین". (روح، ج ۲۸/ص: ۲۰)

[۱۱] (قتل سے، قید سے، شکست سے وغیرہا)

الذین...... رسوله۔ اس کے تحت میں ریاست مکہ کے مشرکین اور یہود عرب دونوں آگئے۔ اور سزائے سخت یعنی حقیر و ذلیل ہونے کی پیش گوئی دونوں کے حق میں جلد ہی پوری ہو کر رہی۔

یہ لوگ وہی ہوتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کیے ہوئے حدود کو چھوڑ کر اپنی طرف سے حدود وضع کرتے ہیں۔

أی یضعون أو یختارون حدوداً غیر حدودهما. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۱۲۲)

آیت کو وسیع مفہوم میں لے کر بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ جو مسلمان ملوک وامرائے سوء نے شریعتِ اسلامی سے الگ ہو ہو کے قانون نکالے ہیں، وہ سب اسی وعید کے تحت میں آجاتے ہیں، لیکن صاحب روح نے ایک اسی قسم کے رسالے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کاش رسالہ مذکور میری نظر سے بھی گزرا ہوتا، اس لیے کہ اتنی سی بات پر اطلاقِ کفر دشوار ہے، پھر آگے لکھا ہے:

ثم إنه لا شبهة فی أنه لا بأس بالقوانین السیاسیة إذا وقعت باتفاق ذوی الآراء من أهل الحل والعقد علی وجه یحسن به الانتظام ویصلح أمر الخاص والعام، ومنها تعیین مراتب التأدیب والزجر علی معاص وجنایات لم ینص الشارع فیها علی حدٍ معین بل فوض الأمر فی ذلك لرأی الإمام، فلیس ذلك من المحادّة لله تعالیٰ ورسوله صلی الله علیه وسلم فی شیئ. (روح، ج ۲۸/ ص: ۲۰-۲۲)

وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٥ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ

اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کیے ہیں اور کافروں کے لیے ذلّت کا عذاب ہونا ہے ١٢ اُس روز جس روز

اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اللہ ان سب کو اُٹھائے گا پھر ان کا سب کیا ہوا ان کو جتلائے گا، اللہ نے اُسے محفوظ رکھا اور یہ لوگ اُسے بھول گئے اور اللہ تو ہر چیز

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝٦ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

پر مطلع ہے ١٣ کیا آپ نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

''ایسے قوانین سیاسی میں تو مطلق مضائقہ نہیں جو اہل حل وعقد کے اتفاق رائے سے منظور ہوں اور جن کی غایت حسن انتظام اور معاملات کی درستی ہوتی ہے، اور انھیں میں سے یہ امر بھی ہے کہ جن گناہوں اور جرموں کے بارے میں شریعت نے کوئی سزائے معین نہیں رکھی ہے، بلکہ ان کی تفصیل امام پر چھوڑ دی ہے تو ایسے قوانین پر اللہ ورسول کے احکام کی مخالفت کا اطلاق ذرا بھی نہیں ہوتا''۔

کُبتوا۔ اس سزائے خواری کا تعلق اس دُنیا سے ہے ـــــــ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان یاد رہے کہ مستقبل کے قطعی و یقینی واقعات کا ذکر صیغۂ ماضی ہی میں کیا جاتا ہے۔

١٢ (آخرت میں)۔

سزائے دُنیوی کا ذکر ابھی گزر چکا، اب بیان سزائے آخرت کا ہو رہا ہے۔

وقد أنزلنا آیت بینت۔ اس میں یہ اشارہ آگیا کہ ایسے کھلے ہوئے احکام وہدایات کی مخالفت یقیناً مستوجب تعزیر ہوگی۔

١٣ (اس کے علم میں اور اس کے حساب وکتاب میں کسی غلطی یا اختلال کا احتمال بھی نہیں)

نسـوه۔ مراد نسیانِ طبعی واضطراری نہیں، بلکہ نسیانِ ارادی ہے، ان کی دانستہ بے التفاتی وبے فکری کا نتیجہ۔

واللّٰہ......شھید۔ مشرکین جاہلین کے استحضار کے لیے حق تعالیٰ کے عالم جزئیات وکلیات ہونے اور اس کی صفاتِ ہمہ بینی وہمہ دانی کی تکرار وتاکید کی ضرورت بار بار تھی۔

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ

کوئی سرگوشی تین (آدمیوں) میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ (آدمیوں) کی جس میں

سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ

چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر یہ وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞ اَلَمْ تَرَ

پھر وہ اُن کو اُن کے کرتوت قیامت کے دن جتلا دے گا، بے شک اللہ کو ہر چیز کی پوری خبر ہے ۱۴ کیا آپ نے

اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ

ان لوگوں (کے حال) پر نظر نہیں کی جنھیں سرگوشی سے روک دیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی کرتے ہیں جس سے اُنھیں روکا گیا تھا، اور سرگوشیاں

بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا

گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں ۱۵ اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں، جس سے

۱۴ یہ تنبیہ و سرزنش یہود و منافقین پر ہے جو اکثر باطل کے لیے سرگوشیاں آپس میں کیا کرتے، اور یہ سمجھے رہتے کہ اس کی خبر نہ مسلمانوں کو ہوگی، نہ اُن کے خدا اور رسول کو۔

الم......الأرض۔ چنانچہ انسانوں کا کوئی بڑے سے بڑا مخفی راز بھی حق تعالیٰ کے لیے راز نہیں۔

نجوی۔ اس کے لفظی معنی تو مطلق سرگوشی کے ہیں، لیکن یہاں مراد وہ اسرار مخفی ہیں جو کسی بے گناہ کی اذیت رسانی یا امر حق کی مخالفت میں ہوں۔

۱۵ یعنی یہ بدسرشت لوگ حکم امتناعی کے باوجود سرگوشیاں کر کر کے تین تین قانونی دفعات کے تحت میں مجرم ہوتے ہیں۔

الإثم۔ قانون کی خلاف ورزی بجائے خود ایک گناہ ہے ـــــ یہ پہلا جرم ہوا۔

والعدوان۔ یعنی مسلمانوں کو دکھ پہنچانے اور اُن کی طبیعت کو ملول و مکدر کرنے کا گناہ ـــــ یہ دوسرا جرم ہوا۔

ومعصية الرسول۔ یعنی رسول کی براہِ راست نافرمانی ـــــ یہ تیسرا جرم ہوا۔

لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ

اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا ۱۶؎ اور اپنے آپس میں کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو ہمارے اس کہنے پر (فوراً) سزا کیوں نہیں دے دیتا؟

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

ان کے لیے جہنم کافی ہے کہ اس میں یہ داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانا ہے ۱۷؎ اے ایمان والو! جب

تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا

تم کسی سے سرگوشی کرو تو سرگوشی گناہ اور زیادتی اور نافرمانی رسول کی نہ کرو ۱۸؎ اور نیکی

نهوا عن النجوى۔ خفیہ سرگوشی بجائے خود کوئی جرم نہیں، یہاں مفاسد اور شرانگیزیوں کی بنا پر ممنوع قرار پائی ـــــ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ امام کو اختیار ہے، اپنے اجتہاد و احتیاط کی بنا پر جس امر مباح سے چاہے رعایا کو روک دے۔

۱۶؎ یہودِ مدینہ کی بدنفسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب مجلس نبویؐ میں آتے، اور عام ملکی تہذیب کے لحاظ سے شرما شرمی سلام کرنا ہی پڑتا، تو اس میں بھی ایک پہلو اپنے خبث اور بے تمیزی کا ڈھونڈھ لیتے، یعنی زبان سے بجائے ''السلام علیکم'' کے ''السام علیکم'' تلفظ کرتے، جس کے معنی ہیں کہ تم پر موت آئے۔

حيوك ......الله۔ آج کل سلام کے جو غیر اسلامی صیغے، آداب، اور کورنش اور بندگی اور مجرا وغیرہ نکل آئے، اور اُس سے بھی بڑھ کر اب جو ''جے ہند'' وغیرہ نکل رہے ہیں، فقہائے عصر نے آیت کے اس جزء سے استدلال کر کے ان سب کو بدعت قرار دیا ہے۔

۱۷؎ (اور عذابِ عاجل تو دوسری حکمتوں اور مصلحتوں سے سردست ملتوی ہو گیا ہے)

ويقولون ......نقول۔ یعنی اگر یہ واقعی رسول ہیں اور ہم اُن کے ساتھ گستاخیاں کر رہے ہیں، تو آخر ہمیں سزا فوراً کیوں نہیں مل جاتی؟

۱۸؎ (جیسا کہ کافر اور منافق کرتے رہتے ہیں)

یہاں یہ بتا دیا کہ سرگوشی بجائے خود کوئی جرم نہیں، اسے جرم تو محض ان اغراض و مقاصد نے بنا دیا ہے، جنھیں لے کر منافقین آپس میں سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں۔

بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ

اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے ۱۹ (ایسی) سرگوشی بس

الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

شیطان ہی کی طرف سے ہے تاکہ وہ مسلمانوں کو رنج میں ڈالے اور وہ انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا مگر ہاں اللہ کے ارادے سے ۲۰

وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ

اور ایمان والوں کو تو بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے ۲۱ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے

۱۹ راز دارانہ سرگوشیوں کی ضرورت آخر مسلمانوں کو بھی کبھی پڑ جاتی تھی، یہاں ارشاد اُن سے ہو رہا ہے کہ ضرورت کے وقت نفس سرگوشی کی ممانعت نہیں، تمھارا موضوع و مقصود، بجائے اثم وعدوان و معصیت رسول کے بر و تقویٰ ہی رہے۔

البر و التقویٰ اہل نظر نے کہا ہے کہ آیت میں البر سے مراد خیر متعدی اور التقویٰ سے مراد خیر لازمی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ کے لیے تخلیہ میں تعلیم و گفتگو کی گنجائش اس آیت سے نکلتی ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۳۱)

۲۰ شیطان مردود میں قوت ہی کیا ہے، اُس سے کسی صاحب ایمان کا ہراساں ہونا بالکل بے معنی ہے۔ مسلمان کو اس کے اثر سے جو کچھ مضرت پہنچتی ہے وہ بھی تمام تر حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی کے ماتحت۔

إنما النجوىٰ من الشيطٰن۔ اس نجویٰ، (سرگوشی) سے مراد وہی مفسدانہ و شرانگیز سرگوشیاں ہیں۔

بإذن اللّٰه۔ اذن پر حاشیہ سورۃ البقرہ (آیت ۱۰۲) وماهم بضارين به من أحد إلا بإذن اللّٰه کے تحت میں گزر چکا۔

۲۱ (اور ادھر اُدھر اپنے خیالات کو ڈانوا ڈول ہونے ہی نہ دینا چاہیے)

مومن اگر اللہ پر پورا پورا توکل و اعتماد کرے تو پھر ہمیشہ کے لیے شیطان اور ہر مخلوق کی

تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ ۚ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا

کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو جگہ کھول دیا کرو، اللہ تمھیں کھلی جگہ دے گا اور جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو

فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ

تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو ۲۲ؔ اللہ تم میں ایمان والوں کے اور اُن کے جنھیں علم عطا ہوا ہے درجے بلند کرے گا

وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ⑪ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ

اور اللہ کو تمھارے اعمال کی پوری خبر ہے ۲۳ؔ اے ایمان والو! جب تم رسولؐ سے سرگوشی کرو

طرف سے خطرے سے نجات ہو جاتی ہے۔

۲۲ؔ غرض یہ کہ صدرِ مجلس کے ہر حکم کی تعمیل بے چون و چرا کیا کرو۔

یٰٓأیھا الذین...... المجلس۔ اب تعلیم آدابِ مجلس کی مل رہی ہے، خصوصاً مجلس نبویؐ کی ـــــ شریعت کی ہمہ گیری سے زندگی کا کونسا شعبہ بچا رہ سکتا ہے!

إذا قیل لکم۔ یہ حکم صدرِ مجلس کی طرف سے ملے گا، کسی ضرورت یا مصلحت کی بنا پر۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ طریقت اگر اپنی مجلس کے کچھ آداب وضوابط مقرر کرے، تو اسے اس آیت سے اصل مل سکتی ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۳۲)

۲۳ؔ (چنانچہ اس کی بھی کہ کون تعمیل ارشاد محض دُنیوی مصلحت سے کر رہا ہے بلا شائبہ ایمان اور کون پورے ایمان، اخلاص وخشیت کے ساتھ کر رہا ہے)

الذین...... درجت۔ ان قیدوں کے لگ جانے سے، درجاتِ عالی کے وعدہ سے منافقین نکل گئے، اور یہ وعدۂ درجاتِ عالی، مجموعۂ مخاطبین میں سے صرف اہل ایمان اور اہل علم کے لیے ان کے غایتِ خلوص وغایتِ خشیت کی بنا پر مخصوص رہ گیا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ کے لیے جائز ہے کہ اپنے اصحاب کے درمیان خواص وعوام کے فرق کی رعایت کرے اور اس کا مدار شیخ کی رائے پر ہوگا نہ کہ اصحاب شیخ کی رائے پر۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۳۲)

فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ

تو اپنی سرگوشی سے قبل کچھ خیرات دے دیا کرو ۲۴ یہی تمھارے حق میں بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ، لیکن اگر

لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ

تم مقدرت نہ رکھتے ہو، تو اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۲۵ کیا تم اس سرگوشی سے قبل خیرات

نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کرنے (کے حکم) سے ڈر گئے؟ سو (خیر) جب تم نہ کر سکے اور اللہ نے تمھارے حال پر توجہ فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَلَمْ تَرَ

اور زکاۃ دیا کرو اور کہا مانو اللہ اور اُس کے رسول کا، اور اللہ کو پوری خبر ہے تمھارے اعمال کی ۲۶ کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی

ع ۲ ۷

۲۴ حکم اغنیائے اُمت کو مل رہا ہے کہ تم رسول سے اگر تخلیہ چاہتے ہو تو کچھ نہ کچھ نذرانہ فقرائے امت کے لیے پیش کیا کرو۔ اس حکم کا اُمت کی انتظامی مصلحتوں پر مبنی ہونا بالکل ظاہر ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ سے تخلیہ چاہنا ایک امرِ اہم ہے، بلا ضرورت اس کی درخواست ومبادرت نہ کرے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۳۲)

۲۵ (چنانچہ ناداروں کے حق میں تخلیہ کے لیے اس نے کوئی ایسی قید یا شرط نہیں رکھی)

یاأیها الذین آمنوا۔ آیت کے شروع میں ان الفاظِ مخاطبت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب گفتگو منافقین سے نہیں، صرف مخلصین سے ہو رہی ہے۔

ذلك خیر لكم وأطهر۔ جب ہر طاعت کفارۂ سیئات کا سبب ہوتی ہے، تو یہ طاعت بھی لامحالہ اغنیائے امت کے کفارۂ سیئات کا باعث ہوگی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اس شخص کے لیے تسلی ہے، جو صاحب مقدرت نہ ہو، اور شیخ کو ہدیہ دینے پر قادر نہ ہو۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۳۲)

۲۶ یعنی اس حکم منسوخی کے بعد بھی قرب و وصول کے لیے تمھارے لیے دوسرے احکامِ شریعت پر عمل و مداومتِ عمل کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ

جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب نازل کیا ہے، یہ لوگ نہ تو تم میں ہیں اور نہ اُنھیں میں ہیں

وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ؕ

جھوٹی بات پر قسم کھا جاتے ہیں، درآنحالیکہ (اُسے خوب) جانتے ہیں ۲۷ اللہ نے اُن کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے

وتاب اللہ علیکم۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اسے بالکل ہی منسوخ کر کے اس حکم کی تعمیل سے معاف کر دیا۔

وأشفقتم......صدقت۔ روایاتِ حدیث میں آتا ہے کہ جب حکم تخلیۂ رسول سے قبل صدقہ پیش کرنے کا نازل ہوا تو بہت سے صحابی ڈر گئے، اور ضروری باتیں پوچھنے سے بھی رک گئے، یہ صحابی یقیناً نادار ہوں گے، انھیں ایک طرف تو یہ احساس کہ ہم اپنی ناداری کی بنا پر ادائے صدقہ کے قابل نہیں، دوسری طرف فرطِ خشیت سے اپنے متعلق اس میں بھی شک کہ آیا ہم حقیقۃً معذور اور اس حکم صدقہ سے مستثنیٰ ہیں بھی؟

واللہ خبیر بما تعملون۔ حق تعالیٰ خبردار ہے اعمال کی ظاہری صورت سے بھی اور ان کی باطنی کیفیات سے بھی۔

۲۷ (کہ حلف جھوٹا اٹھا لیتے ہیں)

الذین تولوا۔ مراد منافقین ہیں، جن میں سے بہت سے خود بھی یہود تھے اور میل جول بھی یہود ہی سے زیادہ رکھتے تھے۔

قوماً غضب اللہ علیھم۔ مراد یہود و مشرکین ہیں ـــــ زیادہ تر مراد یہود ہی لیے گئے ہیں۔

وھم الیھود. (روح، ج۲۸/ص:۳۲)

ما......منھم۔ یعنی یہ نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے۔ منافقین نہ تو امتِ اسلامی ہی کے جز ہیں، اور نہ اُن کا شمار کھلے ہوئے باغیوں اور منکروں میں ہے۔

منکم میں ضمیر جمع مخاطب سے مراد مومنین ہیں، اور منھم میں ضمیر جمع غائب سے مراد وہی قوم مغضوب۔

یحلفون علی الکذب۔ اور ان کا سب سے بڑا کذب ان کا یہی دعوائے اسلام و ایمان تھا۔

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ

بے شک (بہت) بُرے ہیں وہ کام جو وہ کیا کرتے ہیں ۲۸ اُنھوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے، پھر (اوروں کو) اللہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ

راہ سے روکتے ہیں سو اُن کے لیے ذلّت کا عذاب ہونے والا ہے ۲۹ اُن کے مال اور اُن کی اولاد اللہ (کے عذاب)

مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ

سے اُنھیں ذرا نہ بچا سکیں گی، یہ لوگ دوزخ والے ہیں، اسی میں ہمیشہ رہیں گے ۳۰ جس روز اللہ ان

یحلفون کے صیغۂ مضارع سے اشارہ یہ ہو رہا ہے کہ یہ لوگ ایمان واسلام کا جھوٹا حلف اٹھاتے ہی رہتے ہیں۔

وصيغة المضارع للدلالة على تكرر الحلف. (روح، ج۲۸/ص:۳۲)

۲۸ ظاہر ہے کہ کفر اور پھر منافقت کے ساتھ اخفائے کفر سے بڑھ کر برا کام اور کون سا ہوگا!

إنهم......يعملون۔ اس فقرے نے یہ بتا دیا کہ ان کے معذب ہونے کی بنیاد و باعث ان کا یہی کفر و سوء عمل ہے۔

عذاباً شديداً سے یہاں مراد عذاب قبر بھی لی گئی ہے۔

والمراد منه عند بعض المحققين عذاب القبر. (كبير، ج۲۹/ص:۲۳۸)

۲۹ عذاب شدید کا ذکر ابھی آچکا ہے، اسی کی تاکید ہے کہ وہ عذاب شدید ہونے کے ساتھ ہی ذلیل ورسوا کرنے والا بھی ہوگا، آزارِ جسمانی واذیتِ قلبی کا جامع۔

اتخذوا أيمانهم جنة۔ یعنی اپنے بچاؤ کے لیے اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے ـــــ مسلمانوں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کی جھوٹی قسمیں کھانے سے جانتے تھے کہ اب مسلمان ان کے جان ومال سے تعرض نہ کریں گے۔

۳۰ آج بھی دُنیا میں جو قومیں آخرت کی طرف سے غافل وبے خبر ہیں، اُنھیں بڑا اعزہ اپنی وسیع مالیانہ اور کثیر آبادی ہی کا رہتا ہے۔

اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ

سب کو دوبارہ اُٹھائے گا یہ اُس کے سامنے (اس طرح) قسمیں کھائیں گے جیسے تمھارے سامنے قسمیں کھاجاتے ہیں اور یہ خیال کریں گے کہ ہم

عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑱ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ

کسی اچھے حال میں ہیں ۳۱ تو خوب سُن لو کہ یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں ۳۲ اُن پر شیطان چھا گیا ہے

فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ

سو اُس نے اُنھیں اللہ کی یاد بھلادی ہے، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں، خوب سُن لو کہ شیطان کا گروہ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑲ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ

ٹوٹے میں پڑکر رہنے والا ہے ۳۳ بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے پیمبر کی مخالفت کرتے ہیں، یہ لوگ

۳۱ یعنی یہ سمجھیں گے کہ دُنیا میں مسلمان کی حیثیت سے رہنے کی جھوٹی قسم کھا کر عذاب جہنم سے بچ جائیں گے، جیسے دُنیا میں قانونِ شریعت کی گرفت میں آنے سے جھوٹ بول بول کر اور مکر کر کر کے بچ جاتے تھے۔

۳۲ (کہ حق تعالیٰ کے سامنے تک جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے سے نہ چوکے)

جن لوگوں کی ساری عمر مسلسل کذب ومنافقت کی نذر ہوئی ہو، عجب کیا، جو حشر میں اپنی اسی عادتِ مستمر کی بنا پر اُن کی زبان جھوٹ پر کھل جائے، اور حق تعالیٰ اس طرح عرصۂ حشر میں ان کی مزید تفضیح ورسوائی کا سامان کردیں۔

۳۳ (آخرت میں تو یقیناً، اور دُنیا میں بھی احیاناً)

استحوذ علیھم الشیطٰن ۔ چنانچہ اسی کے چھا جانے سے انھوں نے اس کے اثر اضلال واغوا کو قبول کرلیا ہے۔

فانسٰھم ذکر اللہ۔ چنانچہ یہ احکامِ الٰہی کو بالکل چھوڑے بیٹھے ہیں۔ ذکرِ الٰہی سے غفلت اور شیطانی تسلط کی خاص علامت یہ ہے کہ انسان کو احکامِ الٰہی سے، علماء وصلحاء کی صحبت سے رفتہ رفتہ وحشت وبیزاری ہونے لگتی ہے، اور دل اہل غفلت کی صحبتوں میں غفلت ومعصیت ہی کے مشغلوں اور چرچوں میں لگنے لگتا ہے۔

فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

ذلیل ترین ہیں ۳۴ اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیمبر غالب آ کر رہیں گے، بے شک اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا غلبہ والا ہے ۳۵

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ

جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، آپ اُنھیں نہ پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں جو اللہ

وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ

اور اس کے پیمبر کے مخالف ہیں، خواہ وہ لوگ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا اُن کے کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ

یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ نے) اُن کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے، اور اُنھیں اپنے فیض سے قوت دی ہے ۳۶ اور اُنھیں ایسے

۳۴ (جس کا کامل و مستقل ظہور آخرت میں ہو کر رہے گا، اور کبھی کبھی دُنیا میں بھی) ساری مخلوقات میں اس سے بڑھ کر ذلیل و حقیر کون ہوگا جو خود امن و صداقت کے خلاف جنگ کر رہا ہو۔

۳۵ (اس کے لیے کیا دشوار ہے کہ خلاف اسباب ظاہر بھی جس کو چاہے غلبہ دے دے) حق و باطل کے معرکہ میں حق کا غلبہ بلحاظ قوتِ دلائل تو ہمیشہ ہی رہتا ہے، اور بہت موقعوں پر اس کا ظہور مادّی و ظاہری حیثیت سے بھی ہو جاتا ہے۔

کتب اللّٰہ۔ یہ وعدۂ حق لوحِ محفوظ میں مکتوب ہے۔

أى فى اللوح. (مدارك، ص: ۱۲۲۱)

أى أثبت فى اللوح المحفوظ. (روح، ج۲۸/ص: ۳٤)

۳۶ (چنانچہ وہ لوگ ظاہر میں احکام پر عمل کرتے رہتے ہیں، اور باطن میں اسی سے سکون بھی حاصل کرتے رہتے ہیں)

لا تجد......عشیر تھم۔ مومن کامل و مخلص کی ایک خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوست بھی اپنے محبوبِ حقیقی کے دوستوں اور مخلصوں ہی کو رکھتا ہے اور اس کے باغیوں، منکروں کو اپنا بھی

جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ

باغوں میں جا داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گے ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ اُن سے خوش ہوگا

وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور وہ اللہ سے خوش ہوں گے، یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، خوب سن لو کہ اللہ ہی کے گروہ والے فلاح پانے والے ہیں ۳۷

دشمن سمجھتا ہے، یہاں تک کہ اس کی طبعی محبتوں پر بھی حق تعالیٰ کی عقلی محبت غالب آجاتی ہے — یہ چند رشتے صرف نمونہ کے طور پر گنا دیے گئے، انھیں رشتوں کی تعیین و تخصیص مراد نہیں۔

ولیس المراد من ذکر خصوصهم وإنما المراد الأقارب مطلقاً. (روح، ج۲۸/ص:۳۶)

بروح منه۔ یعنی وہ سکینت یا نورانیت جو حیاتِ معنوی کو قائم رکھتی اور ترقی دیتی رہتی ہے۔

وهو نور القلب. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۲٤)

وتسمیته روحاً مجاز مرسل لأنه سبب للحیاة الطیبة الأبدیة. (روح، ج۲۸/ص:۳۶)

۳۷ (آخرت میں تو تمام تر اور دُنیا میں بھی اکثر)

ألا ...... المفلحون۔ شیطان کے گروہ کا ذکر ابھی گزر چکا ہے، اب ذکر اس کے مقابلے میں اللہ والے گروہ کا ہے، مستقل اور پائدار جتنی بھی نعمتیں ہیں، وہ سب فلاح میں شامل ہیں اور ان سب کا وعدہ اسی گروہ سے ہے۔ اس گروہ کی خاص شناخت یہ بتائی کہ اللہ ان کی طاعت سے خوش رہے گا اور یہ اس طاعت کے انعام سے جی بھر کر خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔

حزب اللّٰه۔ مومنین متقین کے کمال شرف و امتیاز کے لیے یہ بس ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کا انتساب اپنی ذات کے ساتھ کر کے انھیں یاد فرمایا ہے۔

(۵۹)

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّة

سورۂ حشر مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور وہ بڑا قوت والا ہے (بڑا) حکمت والا ہے ۱

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ

وہ وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے

الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ

نکال دیا ۲ تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود اُن کا خیال یہ تھا کہ اُن کے قلعے اُن کو اللہ (کی گرفت) سے

۱ (ایسا حکمت والا کہ ہر مخلوق سے اطاعت و طاعت کا وہی کام لیتا ہے جس کی وہ اہل ہے)

سبح۔ تسبیح سے یہاں اختیاری تقلیدی تسبیح مراد نہیں جس کا مکلّف انسان و جنات کو کیا گیا ہے، بلکہ تکوینی، تسخیری تسبیح مراد ہے، جس پر ساری مخلوق یکساں مضطر ہے ـــــــ مطلب یہ ہوا کہ ہر ہر مخلوق بلا استثناء تسبیح حق اپنے مرتبۂ وجود کے مطابق کیا کرتی ہے۔

ما۔ "ما" بے جان کے لیے آتا ہے، اس لیے ترجمہ بجائے "جو کوئی" کے "جو کچھ" سے کیا گیا ہے۔

العزیز۔ اسم لا کر یاد دلا دیا کہ بڑی سی بھی بڑی مخلوق بھی کونسی ایسی ہے جو اُس کے حلقۂ طاعت و اطاعت سے باہر رہ سکے؟

۲ مراد یہود مدینہ کا قبیلہ بنی نضیر ہے ـــــــ یہود کا یہ قبیلہ مدینے سے دو میل کے فاصلے پر آباد تھا۔ جب رسول اللہؐ مدینہ تشریف لائے، تو منجملہ اور یہود کے اُن سے بھی معاہدہ صلح کا ہو گیا

تھا۔ ربیع الاول ۴ھ میں آپؐ ایک بار اُن کے ہاں گئے، تاکہ خون بہا کے چندے میں اُنھیں بھی شریک کرلیں، اُنھوں نے ایک جگہ آپ کو بٹھا، سازش یہ کی کہ اوپر سے ایک پتھر گرا کر آپ کو ہلاک کردیں، اور مرگِ اتفاقیہ کی شہرت دے دیں۔ خدائے حافظ وناصر نے آپؐ کو وحی سے مطلع کردیا، اور آپؐ سازشوں کے قریب بچ کر نکل آئے۔

یہ بنونضیر والے چند ماہ قبل غزوۂ اُحد کے موقع پر بھی مسلمانوں کے ساتھ غداری کرچکے تھے۔ اب اس تازہ واقعہ کے بعد یہ جرم اور زیادہ سنگین ہوگیا تھا۔ آپؐ نے ان لوگوں کے پاس کہلا بھیجا کہ تمھاری اس شدید غداری کی سزا جلاوطنی ہے، جان بچانا منظور ہو تو دس دن کی مہلت ہے، اس مدت کے اندر اپنا ضروری سامان (بجز اسلحہ) لے کر منتقل ہوجاؤ، ورنہ نکالے جاؤ گے۔ یہود کو اپنی مستحکم قلعہ بندی پر ناز تھا، شہ اس سے اور مل گئی کہ منافقینِ مدینہ کے لیڈروں نے زبردست کمک کا بھی وعدہ کرلیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جواب انکار میں کہلا بھیجا، آپؐ نے لشکرکشی کی، منافقینِ مدینہ کی امداد کا وعدہ تو جھوٹا نکلا، یہود قلعہ بند ہوگئے، آپؐ نے محاصرہ کرلیا اور اُن کے باغوں پر جو اُن کی اصل جائیداد تھے، تصرف کرنا شروع فرمادیا۔ یہود گھبرا کر نکلے، اور کچھ شام کی اور کچھ خیبر کی طرف منتقل ہوگئے۔

لأول الحشر۔ پہلی ہی بار، یعنی اس سے قبل یہ مصیبت اُنھیں پیش نہیں آئی تھی۔

لفظ میں ایک لطیف اشارہ یہ ہے کہ جلاوطنی دوبارہ بھی انھیں جھیلنی پڑے گی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں سارے جزیرۂ عرب کو یہود سے خالی کرالیا۔

وأما آخر حشرهم فهو إجلاء عمر إياهم من خيبر إلى الشام. (کبیر، ج۲۹/ص:۲۴۳)

کافروں کی جلاوطنی کی سزا بعض فقہاء نے اب منسوخ قرار دی ہے، لیکن محققین کا فیصلہ راجح حکم کے نفاذ کے حق میں ہے۔

لأول الحشر۔ ل وقت کے بیان کے لیے ہے۔

أى عند أول الحشر. (کبیر، ج۲۹/ص:۲۴۲)

فى أول حشرهم. (أبو سعود، ج٦/ص:٢٢٤)

اللّٰہِ فَاَتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ

بچالیں گے ۳؎ سو اللہ (کا عذاب) اُن پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ اُنھیں خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے اُن کے دلوں میں رُعب ڈال دیا

یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی

تو وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے ہی اُجاڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی ۴؎ سواے دانش والو!

۳؎ اُنھیں اپنی قلعہ بندیوں کے استحکام پر اعتماد ہی ایسا تھا۔

ماظننتم أن یخرجوا۔ یعنی ان کا ساز وسامان وشان وشوکت دیکھ کر، اے مسلمانو! تمھارا بھی یہ خیال نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ نکلنے پر مجبور ہوجائیں گے۔

مانعتھم۔ حصونھم۔ ھم کی دونوں ضمیریں یہود بنونضیر کی جانب ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن یہ بھی جائز ہے کہ مطلق یہود کی جانب ہوں۔

من اللہ۔ یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال وشرف پر استدلال کیا گیا، اس معنی میں کہ یہود سے معاملہ تو رسول اللہ کا ہورہا تھا، لیکن قرآن مجید نے اسے منسوب خود حق تعالیٰ کی جانب کردیا۔

فی الآیۃ تشریف عظیم لرسول اللّٰہ، فإنھا تدل علی أن معاملتھم مع رسول اللّٰہ ھی بعینھا نفس المعاملۃ مع اللّٰہ. (کبیر، ج۲۹/ص:۲۴۳)

۴؎ مسلمان تو خیر اس بدعہد قوم کو نقض عہد کی پاداش میں خانہ ویران کرہی رہے تھے، مگر یہ بدنصیب خود بھی اپنے مکانوں کی لکڑی، تختے وغیرہ کھود کر اُنھیں ویران کیے جاتے تھے۔

فاتٰھم...... یحتسبوا۔ مسلمانوں کی ظاہری بے سروسامانی اور کمزوری دیکھ کر یہود کو اس کا وہم بھی نہیں گزرا تھا کہ سزائے غیبی ہمیں اُن کے ہاتھوں ملے گی۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اہل حرب کے مال وجائداد کو (کہ باغ بھی انھیں میں شامل ہیں) جلانا، کاٹنا، تباہ کرنا حسب مصلحت بالکل جائز ہے۔

قذف فی قلوبھم الرعب۔ اللہ اللہ! ایک زمانہ وہ تھا کہ بڑے بڑے پُرقوت ومہذب اعدائے اسلام، اسلام کی اقبال مندیوں سے مرعوب تھے، ایک آج کا زمانہ ہے، اُلٹے مسلمان ہی نصاریٰ، یہود، ہنود، سب ہی سے مرعوب ہیں!

الْاَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا

عبرت حاصل کرو ۝ اور اگر اللہ نے اُن کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دُنیا ہی میں اُنھیں (قتل کا) عذاب دیتا

یخربون بیوتھم۔ جنگ یورپ کے زمانے سے ہندوستان کا بھی اخبار بین طبقہ بھاگنے والی فوج کی (Scorched Earth Policy) کی اصطلاح سے خوب واقف ہوگیا ہے، قرآن مجید یہود کی اسی پالیسی کی جانب اشارہ کررہا ہے۔

۵ (ان مخالفینِ اسلام کی حالت سن کر، اور یہ سوچ کر کہ حق کی دشمنی کا برا انجام اسی دُنیا ہی میں نکل آتا ہے)

فقہائے مفسرین نے آیت سے استنباط وقیاس فقہی کا وجوب نکالا ہے اشارۃ النص سے۔

فیہ أمر بالاعتبار والقیاس فی أحکام الحوادث ضرب من الاعتبار، فوجب استعماله بظاهر الآية. (جصاص، ج۳/ص:۴۲۹)

واستدل به علی أن القياس حجة من حيث أنه أمر بالمجاوزة من حالٍ إلی حالٍ وحملها عليها فی حكم لما بينهما من المشاركة المقتضية له. (بيضاوی، ج۵/ص:۱۲۵)

وقال الخفاجی فی وجه الاستدلال قالوا إنا أمرنا فی هذه الآية بالاعتبار وهو ردّ الشیئ إلی نظيره بأن يحكم عليه بحكمه، وهذا يشمل الاتعاظ والقياس العقلی والشرعی، وسوق الآية للاتعاظ فتدل عليه عبارة وعلی القياس إشارة. (روح، ج۲۸/ص:۴۲)

واشتهر الاستدلال بالآية علی مشروعية العمل بالقياس الشرعی، قالوا إنه تعالیٰ أمر فيها بالاعتبار وهو العبور والانتقال من الشیئ إلی غيره، وذلك متحقق فی القياس إذا فيه نقل الحكم من الأصل إلی الفرع. (روح، ج۲۸/ص:۴۱)

أنا قد تمسكنا بهذه الآية فی كتاب المحصول من أصول الفقه علی أن القياس حجة فلا نذكره ههنا. (كبير، ج۲۹/ص:۲۴۲)

فالله تعالیٰ أمرنا بالاعتبار وهو التأمل فی المثلات المذكورة والقياس نظيره بعينه، لأن الشرع شرع أحكاماً بمعان أشار إليها كما أنزل مثلات بأسباب قصها، وحينئذ

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿٣﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۖ

اور آخرت میں تو ان کے لیے عذاب دوزخ ہی ہے ۶ یہ سب اسی سبب سے ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی

وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤﴾ مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ

اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو پھر اللہ سزا دینے میں بڑا سخت ہے ۷ جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا

تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ

اُنھیں اُن کی جڑوں پر قائم رہنے دیا، سو یہ دونوں اللہ ہی کے حکم کے موافق ہیں ۸ اور تاکہ اللہ نافرمانوں کو

يكون إثبات حجة القياس عقلياً أي ثابتاً بدلالة النص المشابه للقياس، لا ثابتاً بعين القياس وإلا يلزم الدور. (أحمدي، ص:٤٦٣)

۶ جلاوطنی سے بھی سخت تر سزا آخر یہود ہی کے ایک دوسرے قبیلے بنو قریظہ کو مل کر رہی۔

۷ (دُنیا و آخرت دونوں میں ہر سزا دینے پر قادر)

یہود کا یہ جرم دُوہرا تھا: ایک تو سرے سے انکار و تکذیبِ رسالت، دوسرے غدر و بدعہدی۔

سزا بھی اسی مناسبت سے دُہری ملی، ایک تو جلاوطنی، دوسری عذابِ دوزخ۔

ذلک۔ یعنی یہی سزا جو اُنھیں مل چکی، اور جو آیندہ بھی ملنے والی ہے۔

أي ماحاق بهم وماسيحيق. (أبو سعود، ج٦/ص:٢٢٥)

۸ یعنی شرعاً دونوں ہی کی گنجایش تھی: دشمن کو تکلیف پہنچانے کے لیے درختوں کو کاٹ دینے کی، اور اپنے آیندہ نفع کے خیال سے ان کے باقی رکھنے کی بھی۔

من لینة۔ لینة ہر قسم کے کھجور کو کہتے ہیں، اور ایک قول ہے کہ عمدہ قسم کے کھجوروں کو۔

قال مجاهد وعمرو بن ميمون كل نخلة لينة، وقيل اللينة كرام النخل.

(جصاص، ج٣/ص:٤٢٩)

من نخلة ناعمة. (راغب، ص:٥١٢)

وهما أجود النخيل. (كشاف، ج٤/ص:٤٨٨)

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۵﴾ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ

رُسوا کرے ۹ اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو اُن سے بطور فئے دلوایا، سوتم نے اس کے لیے نہ

مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ ۱۰ بلکہ اللہ اپنے پیمبروں کو جس پر چاہے غلبہ دے دیتا ہے، اور اللہ تو

فقہاء نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ اختلافِ مسلک جب کہ حدودِ شرعی کے اندر اور اخلاص کے ساتھ ہو، مضر نہیں۔ اور ایک کو دوسرے پر عیب لگانے کا حق نہیں۔

۹ (اور مسلمانوں کو عزت دے)

چنانچہ ترکِ باغات میں بھی مسلمانوں کی کامیابی کا تیقن تھا اور قطع باغات میں بھی، مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی آثارِ غلبہ کا ظہور تھا، اور کافروں کا غیظ اور مقہوری دونوں صورتوں میں مشترک۔ جائز دونوں ہی فعل ہیں، اور دونوں ہی حکمت و مصلحت پر بھی مبنی ہیں، اس لیے قبیح بھی کوئی نہیں۔

مسلمانوں نے جو قیاسِ فقہی اس وقت قائم کیا تھا، اس میں قیاس کے مبنی بھی دونوں قسم کے نصوص تھے، جنھوں نے درخت کاٹے یا جلائے اُنھوں نے نصوصِ تخریب وانہدامِ آثارِ کفر سے کام لیا، جنھوں نے درخت باقی رہنے دیے اُنھوں نے نصوصِ اصلاح وحفظِ اموال کو سامنے رکھا۔ ہر دو فریق نے اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیا تھا، اور حق تعالیٰ نے دونوں کے عمل کی جو صورتاً ایک دوسرے کے منافی اور متناقض تھے، تصویب فرمائی۔

صوب اللّٰه الذين قطعوا، والذين أبوا و كانوا فعلوا ذلك من طريق الاجتهاد.

(جصاص، ج۳/ص:۴۲۹)

اور یہیں سے فقہاء نے یہ قاعدہ بھی اخذ کیا ہے کہ مجتہد بہرحال مستحق اجر ہوتا ہے۔

وهذا يدل على أن كل مجتهد مصيب. (جصاص، ج۳/ص:۴۲۹)

۱۰ یعنی اُس کے لیے نہ تمھیں منزل درمنزل سفر کی مشقتیں طے کرنا پڑیں، اور نہ قتل وقتال کی نوبت آئی، اس لیے تمھارا کوئی حق ہی اس مال کی تملیک وتقسیم پر قائم نہیں ہوتا، جیسا کہ جنگ وقتال کے بعد مالِ غنیمت کے جیتنے پر ہو جاتا ہے۔

عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۞ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى

ہر چیز پر قادر ہے ۱۱ جو کچھ اللہ اپنے رسولؐ کو (دوسری) بستیوں والوں سے بطورِ فئے کے دلوا دے

فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ

سو وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا اور (رسول کے) عزیزوں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا ۱۲

وما آفاء اللّٰہ۔ فئے اصطلاحِ فقہ میں وہ مال ہے جو اہل حرب سے بلا قتل وقتال حاصل ہو جائے۔
قال الأزهري الفيئ ما ردّهُ اللّٰه على أهل دينه من أموال من خالف أهل دينه بلاقتال. (كبير، ج٤/ص:٤٢٩)
بنی نضیر سے یہ حاصل کیا ہوا مال اسی قبیل سے تھا، اور فدک اور نصف خیبر اسی کے تحت میں آتے ہیں۔
علی رسوله...... منكم۔ یہ جائدادیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مِلک تھیں، لیکن آپؐ کے بعد یہ محل میراث نہ تھیں، بلکہ وقف تھیں، اور یہ حکم خصوصیات ذات رسالتؐ میں سے تھا۔
ان کے مصارف کا حکم جو بھی آرہا ہے، وہ اسی طرح کا ہے، جیسے اہل نصاب کے لیے زکاۃ وصدقہ کے مصارف ہیں ــــ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ حربی کافروں کے قلعوں کو آلات کی مدد سے توڑنا پھوڑنا، اُن کے مکانات کو گرانا، اُجاڑنا، ان کے باغوں کو کاٹ ڈالنا، ویران کرنا، سب جائز ہے۔
احتج العلماء بهذه الآية على أن حصون الكفرة وديارهم لا بأس أن تهدم وتحرق وتغرق وترمىٰ بالمجانيق، وكذلك أشجارهم لا بأس بقلعها مثمرة كانت أو غير مثمرة. (كبير، ج٢٩/ص:٢٤٧)
۱۱ (پس وہ جس طرح بھی چاہے دشمنانِ دین کو مغلوب ومقہور کرے، اور جس طرح بھی چاہے اپنے رسول کو مختار ومتصرف بنادے)
لکن...... یشاء۔ چنانچہ کبھی حسب مقتضائے حکمت ومصلحت وہ بلا مشقت وتعب بھی اُنھیں غلبہ دے دیتا ہے ــــ اس وقت بھی اس نے اسی طرح بے لڑے بھڑے اپنے رسولؐ کو غلبہ دے دیا، اس لیے اس میں تمھارا کوئی حق نہیں، مالکانہ تصرف صرف رسولؐ کی رائے پر ہے۔
۱۲ اور یہ سب حصے بس اسی حیثیت سے قائم ہوں گے جو یہاں بیان کردیے گئے، یعنی یا

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ

تاکہ وہ (مالِ فئے) تمھارے تونگروں ہی کے قبضہ میں نہ آجائے ۱۳ تو رسول جو کچھ تمھیں دیں

فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمھیں روک دیں، رُک جایا کرو ۱۴ اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ

بحیثیت قرابت دارِ رسول، یا بحیثیت یتیم، یا بحیثیت مسکین، یا بحیثیت مسافر، نہ بحیثیت شریکِ جہاد کے، اور پھر یہ سب بھی رسولؐ ہی کی حسب صوابدید پر)

ما……القریٰ۔ جیسا کہ بعد کو فدک اور نصف خیبر بھی اللہ نے اسی طرح اپنے رسولؐ کو دلوادیا۔

فلـلّٰـہ ۔ اللہ ہی جس طرح چاہے اس کے بارے میں حکم دے دے، تمھیں کوئی استحقاق تملک کا نہیں، تمھیں تو جہاد تک میں نہیں شریک ہونا پڑا۔

۱۳ (جیسا کہ جاہلیت میں سب غنیمتیں مالدار اور ذی اختیار ہی لوگ کھا جاتے تھے، اور نادار سپاہی بدستور نادار ہی رہ جاتے تھے، جیسا کہ اس ''تہذیب وتمدن'' کے دور میں بھی ادنیٰ واعلیٰ سپاہیانِ لشکر ہر حصہ غنیمت سے محروم ہی رہتے ہیں)

قرآن نے اس کی تقسیم رسولِ معصوم کی رائے پر رکھی۔ اور پھر اس کی مدیں بھی بتلادیں، تاکہ آپؐ باوجود مالک ہونے کے اس سرمایے کو اہلِ حاجت اور مصلحتِ عامہ کے مواقع ہی میں صرف فرمائیں۔

دُولة بين الأغنياء۔ دُولة کے لفظی معنی دست بدست پھیرنے کے ہیں۔

فقہاء نے آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بیت المال سے مدد اسی حد تک لینا چاہیے کہ نوبت تمول، تونگری، ذخیرۂ مال وسرمایہ داری کی نہ آجائے ـــــــــ محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت میں صراحت کے ساتھ ذکر اگرچہ صرف فئے کا ہے، لیکن اس سے استنباط یہی ہوتا ہے کہ اسلام بالعموم بھی سرمایہ داری (کیپٹلزم) یا سرمایے کے اجتماع ومرکزیت کے حق میں نہیں۔

۱۴ مَا عام ہے۔ ما آتٰکم ہر امر کو اور وما نھٰکم ہر نہی کو شامل ہے، اس لیے جمہور محققین کا مسلک ہے کہ گو نزولِ آیت عطاء مال فئے میں ہوا ہے، لیکن حکم اس کا عام ہے، اور حضرت رسالت کے جملہ اوامر واحکام واجب القبول ہیں۔

شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۞ لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ

سزا دینے میں بڑا سخت ہے ۱۵ ان حاجت مند مہاجروں کا (یہ خاص طور پر) حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے

وَاَمۡوَالِهِمۡ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا وَّیَنۡصُرُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ

مالوں سے جُدا کر دیے گئے ہیں، اللہ کے فضل اور رضا مندی کے طلب گار ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۞ وَالَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالۡاِیۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ

یہی لوگ تو صادق ہیں ۱۶ اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دار الاسلام اور ایمان میں ان کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں

وهو عام فی کل ما أمر به النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ونهی عنه. (معالم، ج٥/ص:٥٧)

أی مهما أمرکم به فافعلوه ومهما نهاکم عنه فاجتنبوه. (ابن کثیر، ج٤/ص:٣٠٣)

فخذوه أی فتمسکوا به لأنه واجب الطاعة. (بیضاوی، ج٥/ص:١٢٦)

۱۵ (اور اس حقیقت کا استحضار ہر معصیت، ہر نافرمانی کی راہ میں مانع قوی ثابت ہوگا)

اسلام کا خدا ''خدا'' ہے، حلم کے موقع پر حلیم اور غضب و انتقام کے موقع پر غضبناک و منتقم، مشرک قوموں کے بعض دیوتاؤں اور خداؤں کی طرح قوتِ قہری سے محروم و معرّیٰ اور سرکشوں و معاندوں کے مقابلے میں معذور اور بے دست و پا نہیں۔

واتقوا اللّٰه۔ اس تقوائے الٰہی کے بعد، خواہ معاملت ہو، خواہ معاشرت، ہر صیغہ کا ہر حکمی جزئیہ آسان اور خوش گوار ہو جاتا ہے۔

۱۶ (اپنے دعوئے ایمان و حب خدا اور رسولؐ میں)

یہ صاف و صریح قرآنی مدحِ صحابہ ہے۔ اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ ہجرت کسی دُنیوی غرض سے نہیں، محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے کر رہے ہیں۔ ان کے ایمان میں کسی طرح کا کھوٹ نہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے دین کی خدمت و نصرت ہی ان کی زندگی کا مشن ہے۔

الذین......أموالهم۔ یعنی جبراً وظلماً اپنے گھروں سے نکالے اور اپنی جائدادوں سے بے دخل کیے گئے۔ مشرکوں نے انھیں اتنا تنگ اور مجبور کیا کہ یہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر آمادہ ہو گئے۔

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا

محبت کرتے ہیں اُس سے جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے اور اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں اس سے، جو کچھ کہ انھیں ملتا ہے

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ

اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں ۷۱ اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے

لفظ فقراء سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کافر جب مالِ مسلم پر قابض و مسلط ہو جائیں تو وہ اس کے قانوناً مالک سمجھ لیے جائیں گے، چنانچہ شرفائے مسلمین جو مکہ میں مالدار تھے، جب وہ مدینہ میں مہاجر کی حیثیت سے آئے تو مکّی مال و جائداد کی ملکیت ان سے ساقط ہو گئی، اور قرآن مجید نے اُنھیں فقراء قرار دیا۔

وفيه دليل على أن الكفار يملكون بالاستيلاء أموال المسلمين، لأن الله تعالىٰ سمّى للمهاجرين فقراء، مع أنه كانت لهم ديار وأموال. (مدارك، ص:۱۲۲۵)

اور اس مسئلہ کی فرع یہ ہے کہ جب اسی مال سے اُنھیں کافروں کے ہاتھ سے بطور بیع یا ہبہ یا اور کسی جائز طریقے پر مسلمانوں کو کچھ ملے تو اُس کا قبول کرنا جائز ہوگا، لیکن قانونی تملیک صرف مال کی حد تک جائز ہوگی، نفوسِ مسلم پر اس کا اطلاق صحیح نہ ہوگا۔ مسلمان کی ذات یا جان پر کافر کا دعویٰ تملیک کسی صورت میں بھی جائز نہ ہوگا۔

۷۱ صحابیوں میں مہاجرین کے بعد اب یہ مناقب و فضائل حضراتِ انصار کے بیان ہو رہے ہیں ـــــ قرآنی مدحِ صحابہ کا دوسرا جز۔

الدار۔ دارالاسلام یا مدینہ منورہ۔

من قبلهم۔ یعنی مہاجرین کے ورودِ مدینہ سے قبل۔

أى من قبل قدوم المهاجرين عليهم. (معالم، ج۵/ص:۵۸)

دارالہجرۃ اصلاً تو مدینہ منورہ ہی تھا، باقی ہر دوسرا مقام بھی دارالہجرت ہو سکتا ہے، جہاں توحید پرستی کے لیے پناہ و فراغت مل سکے۔

لا ...... أوتوا۔ حاجة کے اصل معنی طلب کے ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ مہاجرین کو

نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۹ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

محفوظ رکھا جائے، سوایسے ہی لوگ تو فلاح پانے والے ہیں ۱۸؎ اور اُن لوگوں کا (بھی حق ہے) جو اُن کے بعد آئے

تقسیم غنیمت وغیرہ میں سے جو کچھ ملتا رہتا ہے، یا اور انھیں جو شرف و مرتبہ حاصل ہو چکا ہے، اس کی طرف یہ انصار کبھی اپنا خیال بھی نہیں لے جاتے۔

قال الحسن يعني إنهم لايحسدون المهاجرين على فضل آتاهم الله. (جصاص، ج۳/ص:۴۳۴)

يعني الحسد. (ابن كثير، ج٤/ص:٣٠٤)

ولايجدون في أنفسهم حسداً للمهاجرين فيما فضلهم الله به من المنزلة والشرف والتقديم في الذكر والرتبة. (ابن كثير، ج٤/ص:٣٠٤)

يحبون من هاجر إليهم۔ مہاجرین سے محبت رکھنے کی فضیلت پر یہ صاف نصِ قرآنی ہے، اور یہ خبر متواتر سے معلوم ہے کہ خلفائے راشدین چاروں کے چاروں مہاجر تھے، تو اُن خلفاء اربعہ سے محبت رکھنا علامت کمالِ ایمان ٹھہری ـــــــ اور اس کے برعکس ان حضرات سے بیزاری، علامت نقصِ ایمان!

ويؤثرون......خصاصة۔ خصاصة یہ فضیلت کا اعلیٰ درجہ اور انتہائی مرتبہ ہے جو حضرات انصار کے لیے ارشاد ہو رہا ہے۔ یہ حضرات مہاجرین کے حصے پر رشک تو کیا کرتے، خود اپنے پاس سے انھیں کھلاتے پلاتے رہتے ہیں، چاہے خود اپنے ہی فاقے کی نوبت کیوں نہ آجائے!

الخصاصة الحاجة فأثنى الله عليهم بإيثارهم المهاجرين على أنفسهم في ما ينفقونه عليهم وإن كانوا هم محتاجين إليه. (جصاص، ج۳/ص:۴۳۴)

خصاصة۔ شدتِ فقر و احتیاج کو کہتے ہیں۔

عبر عن الفقر الذي لم يسد بالخصاصة. (راغب، ص:١٦٧)

أي فاقة وحاجة إلى ما يؤثرون. (معالم، ج٥/ص:٥٨)

۱۸؎ (جیسے کہ یہ حضرات انصار ہیں کہ حرص اور اس کے مقتضا پر عمل کرنے سے حق تعالیٰ نے انھیں محفوظ کر دیا ہے)

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ

(اور وہ) یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰ اَلَمْ تَرَ اِلَى

ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دے، اے ہمارے پروردگار! تو تو بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے ۱۹ کیا آپ نے منافقین

الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ

کے حال پر نظر نہیں کی کہ اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں کہہ رہے تھے کہ اگر

مرشد تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ جو حرص و طمع جبلی و طبعی ہے وہ محل ملامت نہیں، ملامت اُس کے مقتضائے نامشروع کے عمل پر ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۴۱)

الشحّ أن تاخذ مال أخيك بغير حق. (جصاص، ج ۳/ص: ٤٣٥)

الشحّ بخل مع حرص. (راغب، ص: ۲۸۷)

وقيل الشحّ هو الحرص الشديد الذى يحمله على ارتكاب المحارم. (معالم، ج ٥/ص: ٦٠)

۱۹ (اس لیے ہماری یہ دعا دُنیا و آخرت دونوں میں ضرور قبول کرے گا)

یہ قرآنی مدحِ صحابہ کا تیسرا جز ہے، اور مہاجرین و انصار دونوں کے حق میں جامع ——— یہ لوگ وہ تھے کہ اپنے سے اگلوں کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، اور اپنے سامنے والوں اور اپنے پچھلوں کے ساتھ محبت و شفقت، اور اپنی دعائے خیر سب کے لیے عام رکھتے تھے۔

والذين جاؤا من بعدهم۔ یعنی ان مہاجرین و انصار کے بعد دُنیا میں آئیں گے، یا اسلام میں داخل ہوں گے، یا ہجرت میں شریک ہوں گے ——— تقسیم فئے کا یہ سلسلہ قیامت تک برابر اُمت میں جاری رہے گا، اور یہ قول خلیفہ حضرت عمرؓ کے علاوہ صحابیوں، تابعین اور فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا ہے۔

قال عمر رضى الله عنه دخل فى هذا الفيئ كل من هو مولود إلى يوم القيامة فى الإسلام. (مدارك، ص: ١٢٢٦)

أنهم التابعون بعد قرن الصحابة إلى يوم القيامة، وهو اختيار جماعة، منهم مالك بن أنس. (ابن العربى، ج ٤/ص: ٢٢١)

فهي عامة في جميع التابعين والآتين بعدهم إلى يوم الدين، ولا وجه لتخصيصها. (ابن العربي، ج٤/ص:۲۲۱)

وهم المؤمنون بعد الفريقين إلى يوم القيامة، ولذلك قيل إن الآية قد استوعبت جميع المؤمنين. (بيضاوی، ج٥/ص:١٢٦)

وقيل هم المؤمنون بعد الفريقين إلى يوم القيامة...... وكلام كثير من السلف كالصريح فيه، فالآية قد استوعبت جميع المؤمنين. (روح، ج۲۸/ص:٥٤)

مصارفِ فئے تو قرآن مجید نے خود ہی متعین کر دیے تھے (ملاحظہ ہو آیت نمبر ۷) البتہ اُن کی تقسیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی رائے پر مالکانہ حیثیت سے موقوف رکھی گئی تھی۔ وفات شریف کے بعد یہ تفویض رائے کا پہلو تو ختم ہو گیا، البتہ آیندہ اہتمام و انتظام خلفاء اور جانشینوں کے لیے مالکانہ حیثیت سے نہیں، صرف حاکمانہ حیثیت سے باقی رہ گئی۔

ربنا...... بالایمان۔ یہ دعائے خیر متقدمین اور سابقین کے حق میں ہے۔

ولا...... آمنوا۔ اس دعائے خیر کا زیادہ تعلق معاصرین سے ہے۔

ربنا...... بالإیمان۔ اپنے سے پہلے کے ایمان والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنا علاماتِ ایمان میں سے ہے۔ اور حضراتِ صوفیہ کے ہاں تو سلف کے لیے دعائے خیر کرتے رہنا معمولات میں داخل ہے۔

محققین و متکلمین نے لکھا ہے کہ جب دوسرے مومنین کے لیے دعائے استغفار اور ان کی طرف سے حسد و بغض سے براءتِ عامۂ مومنین کی شان ہے تو صحابۂ رسول جو اُمت کے خواص ہی نہیں، اخص الخواص تھے، ان کے لیے یہ کیسے قابل تسلیم ہو سکتا ہے کہ وہ عارضی اختلافات و تنازعات کی بنا پر ایک دوسرے کے بدخواہ، اور ایک دوسرے کے حق میں لعّان ہو گئے ہوں گے۔

لاخواننا۔ یہ اُخوت محض عقائدِ ایمان کی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ قومی، نسلی، لسانی، وطنی، لونی، غرض بجز وحدتِ اعتقادی کے اور حیثیت سے مومنین کے گروہ ایک دوسرے سے مختلف ہی ہوتے ہیں۔

أُخۡرِجۡتُمۡ لَنَخۡرُجَنَّ مَعَكُمۡ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمۡ أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلۡتُمۡ

تم نکالے گئے تو قطعاً ہم بھی تمھارے ساتھ نکل جائیں گے، اور تمھارے معاملے میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے، اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوگئی

لَنَنصُرَنَّكُمۡ وَٱللَّهُ يَشۡهَدُ إِنَّهُمۡ لَكَٰذِبُونَ ۝١١ لَئِنۡ أُخۡرِجُواْ لَا يَخۡرُجُونَ

تو ہم یقیناً تمھاری مدد کریں گے، حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں ۲۰ (حالانکہ) اگر (اہل کتاب) نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے

مَعَهُمۡ وَلَئِن قُوتِلُواْ لَا يَنصُرُونَهُمۡ وَلَئِن نَّصَرُوهُمۡ لَيُوَلُّنَّ ٱلۡأَدۡبَٰرَ ثُمَّ لَا

اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر ان کی مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر اُن کی کوئی

يُنصَرُونَ ۝١٢ لَأَنتُمۡ أَشَدُّ رَهۡبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ ٱللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ

مدد نہ ہوگی ۲۱ بے شک تم لوگوں کا خوف اُن کے دِلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ

۲۰ (ہرگز اپنے وعدوں پر عمل نہ کریں گے)

ذکر منافقینِ مدینہ کا ہو رہا ہے، جو ایک بہت بڑی تعداد میں تھے۔

إلی الذین نافقوا۔ مراد عبداللہ بن اُبی اور اس کے جتھے کے دوسرے منافقین مدینہ ہیں۔

لا خوانهم...... الکتاب۔ مراد یہود ہیں، خصوصاً قبیلۂ بنی نضیر کے یہود ــــــ یہ اُخوت عقائدِ کفریہ کی تھی، ورنہ ظاہر ہے کہ منافقینِ مدینہ (جو مشرکین عرب میں سے تھے) اور یہود (جو بنی اسرائیل تھے) نسلاً متحد نہ تھے۔

لئن ..... لننصرنكم۔ یعنی جلاوطنی ہو تو، اور قتال ہو تو، ہم ہر حال اور ہر صورت میں تمھارے رفیق دیاور و ناصر ہیں۔ یہ زبردست پیش گوئی جو حرف بہ حرف ثابت ہوئی، بجائے خود ایک دلیل صداقتِ رسول ؐ کی تھی!

۲۱ یعنی جو ناصر بن کر، اور نصرت کے دعویدار بن کر آئے تھے، وہ تو نکل ہی گئے، اور دوسرا کوئی ناصر ہوگا تو بھی یہ لامحالہ مغلوب و مقہور ہوں گے۔

پوری آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ منافقین مدینہ جو یہود بنی نضیر کی حمایت و رفاقت کا وعدہ کر رہے ہیں، اول تو وقت پڑنے پر اُن کا ساتھ دیں گے نہیں، نہ جلاوطنی میں، نہ جنگ میں، اور بالفرض ساتھ دیا بھی

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ

یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے ۲۲ یہ لوگ تو سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر ہاں حفاظت والی بستیوں

تو ان کی امداد بالکل بے نتیجہ و غیر مؤثر رہے گی۔ یہ خود ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔

ولئن نصروھم ۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان عام ہے۔ بارہا اُس نے مستبعدات بلکہ محالات کو بھی فرض کر کے اُن پر آگے گفتگو کی ہے ـــــ ولئن اتبعت أهواء هم ......الخ، قل إن كان للرحمن ولد......الخ اسی کی نظیریں ہیں۔

۲۲ (اللہ کی عظمت کے باب میں)

یعنی اگر یہ سمجھ سے کام لے کر خدا کی عظمت کے دل سے قائل ہو گئے ہوتے تو یہ کیوں کر ممکن تھا کہ تم سے ڈرتے اور خدا سے نہ ڈرتے!

لا أنتم۔ خطاب مسلمانوں سے ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ منافقین حق تعالیٰ سے تو ڈرتے نہیں، ورنہ کفر چھوڑ کر ایمان ہی نہ لے آتے؟ اور ایمان کے جھوٹے دعوے سے باز ہی نہ آ جاتے؟ البتہ مسلمانوں کا رُعب واقعی ان کے دلوں پر چھایا ہوا ہے، اور اسی لیے یہ بنی نضیر سے جا ملنے کی ہمت نہیں رکھتے، خشیتِ الٰہی کی کمی کا حاصل اس مقام پر ایمان باللہ میں کمی ہے، ورنہ اگر محض طبعی خوف، مثلاً کسی خطرناک جانور کا، یا ہیبت ناک دشمن کا خوف، خدا سے زیادہ ہے تو یہ داخلِ معصیت نہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس موقع پر مومنین کو جو ملامت نہیں کی گئی، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کے ساتھ کوئی معاملہ خلافِ شریعت کیا جائے، مثلاً سجدۂ تعظیمی، اور وہ اس سے اپنی ناخوشی کا اظہار کر دے، تو پھر دوسرا مانے یا نہ مانے، تو وہ معذور ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۶۴۲)

ذلك۔ یعنی ان کافروں کے دلوں میں بمقابلہ حق تعالیٰ کے مسلمانوں کی ہیبت و دہشت کا زیادہ ہونا۔

أى ما ذكر من كونكم أشد رهبة فى صدورهم من الله تعالىٰ. (روح، ج ۲۸/ص:۵۷)

اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ

یا دیواروں کی آڑ میں ۲۳ اُن کی لڑائی آپس (ہی) میں بڑی تیز ہے تو انھیں متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلب

شَتّٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِیْبًا

غیر متفق ہیں، یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل کو کام میں نہیں لاتے ۲۴ (ان کی) مثال ان لوگوں کی سی ہے جو اُن کے کچھ ہی قبل ہوئے تھے

۲۳ (سوائے مسلمانو! تم ان سے کچھ اندیشہ و ہراس نہ کرو)

قریً محصنة۔ عام ہے، حفاظت خواہ خندق سے ہو یا حلقہ بندی سے ہو، یا اور کسی طریق پر۔

جمیعاً۔ یعنی منافقینِ مدینہ اور یہود کے مختلف قبائل سب مل کر اور اکٹھے ہو کر بھی۔

مجتمعین یعنی الیهود والنصاریٰ. (مدارك، ص:۱۲۲۷)

مطلب یہ ہوا کہ ان مخالفین میں لڑنے کی ہمت اور حوصلہ ہی کہاں! اول تو لڑیں گے نہیں، اور اگر لڑے بھی تو میدان میں سامنے آ کر نہیں بلکہ اس طرح بچ بچ کر اور ڈرتے ہوئے۔ یہ پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ منافقین کو تو کبھی لڑنے ہی کی ہمت سرے سے نہیں ہوئی، ہاں یہودِ خیبر اور بنی قریظہ نے مقابلہ کیا تو وہ اسی طرح پر۔

۲۴ (دین کے بارے میں)

اور اس لیے سب کے سب بس اپنے ہی اغراض کے تابع ہیں۔

بأسهم......شتیٰ۔ یعنی گو اہل ایمان کے ساتھ عداوت میں یہ سب شریک ہیں، لیکن اُن کا آپس کا اِفتراق بھی حد درجہ شدید ہے ـــــــ جس کا نمونہ آج بھی (یعنی ۱۹۴۵ء میں) برطانیہ اور رُوس، رُوس اور امریکہ اور ساری فرنگی حکومتوں کے درمیان نظر آ رہا ہے ـــــــ خود غرضیوں اور خود پرستیوں کا لازمی نتیجہ!

ذلك۔ یعنی یہ تفرق و تشتت باہمی۔

أی التفرق. (مدارك، ص:۱۲۲۷)

أی ما ذکر من تشتت قلوبهم. (روح، ج۲۸/ص:۵۸)

ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ

جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۲۵؎ (ان کی) مثال شیطان کی سی ہے ۲۶؎ جو انسان سے

لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْۤءٌ مِّنْكَ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

کہتا ہے کہ کافر ہو جا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو (شیطان) کہنے لگتا ہے، میرا تجھ سے کچھ واسطہ نہیں، میں تو اللہ پروردگار عالم سے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَاۤ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ

ڈرتا ہوں ۲۷؎ سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے، جہاں ہمیشہ رہیں گے، اور یہی

۲۵؎ (آخرت میں جو اس دُنیوی سزا کے علاوہ ہوگا)

یہ حال یہود بنی نضیر کا بیان ہو رہا ہے۔

کمثل۔ یعنی یہود بنی نضیر کی مثال ـــــــ تشبیہ محرومیٔ دارین میں ہے۔

الذین من قبلھم قریباً۔ یعنی یہود بنی قینقاع، یہ بھی مدینہ و حوالیِ مدینہ میں آباد تھے ۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد اس قبیلہ نے بدعہدی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربہ کیا، مغلوب ہوئے اور پھر جلاوطن۔

عن ابن عباس یعنی بنی قینقاع. (ابن جریر، ج ۲۲، ص: ۵۳۹)

بعض نے مراد اہل بدر سے بھی لی ہے۔

عن مجاھد قال کفار قریش.-(ابن جریر، ج ۲۲، ص: ۵۴۰)

وبال أمرھم۔ یعنی عداوتِ رسول کا خمیازہ۔

۲۶؎ یہاں مراد منافقین ہیں ـــــ اور تشبیہ عین وقت پر نکل جانے اور کام نہ آنے میں ہے۔

أی مثل المنافقین فی إغرائھم الیھود علی القتال. (مدارک، ص: ۱۲۲۷)

۲۷؎ یعنی جس طرح شیطان پہلے تو انسان کو بہکاتا، بھڑکاتا ہے، اور پھر وقت پڑنے پر ساتھ نہیں دیتا۔ اسی طرح منافقینِ مدینہ نے پہلے تو بنی نضیر کو خوب بڑھاوے دیے، لیکن جب وقت آیا تو صاف نکل گئے۔

ع ۲/۷
۵

جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ

سزا ہے ظالموں کی ۲۸ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص دیکھ لے کہ اُس نے کل کے واسطے کیا

لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ

بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کو تمھارے اعمال کی (پوری) خبر ہے ۲۹ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے

فلمّا کفر۔ یعنی جب کفر اور وبالِ کفر کا تحقق انسان پر ہو جاتا ہے، اس کا ظہور خواہ دُنیا میں ہو یا آخرت میں۔

الشیطٰن......للإنسان۔ دونوں سے مراد جنسِ شیطان و جنسِ انسان ہے۔

والجمهور على أن المراد بالشيطان والإنسان الجنس. (روح، ج۲۸/ص:۵۹)

۲۸ (جو اپنے ہاتھوں اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں)

عاقبتهما۔ هما کی ضمیر تثنیہ سے مراد وہی کافر انسان اور شیطان ہیں۔

أي الإنسان الكافر والشيطان. (مدارك، ص:۱۲۲۷)

ذلك۔ یعنی یہی جہنم میں حبسِ دوام۔

أي الخلود في النار. (روح، ج۲۸/ص:۵۹)

۲۹ (اس لیے طاعات کی طرف بڑھنا، اور معاصی سے محترز رہنا تمھارے لیے لازم ہے)

یٰأیها......اللّٰه۔ یعنی اے ایمان والو! تمھارا محض دعوئ ایمان کافی نہیں۔ نافرمانیوں سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہیے، خصوصاً ان نافرمانوں کے حالات سن لینے کے بعد۔

ولتنظر نفس ماقدمت لغدٍ۔ یعنی یہ دیکھتے رہا کرو کہ طاعات اور اعمالِ صالحہ کا کتنا ذخیرہ اب تک بھیج چکے۔

اتقوا اللّٰه۔ اس تقویٰ کا تعلق طاعات کی طرف بڑھنے سے ہے، جیسا کہ ما قدمت لغد سے اشارہ ہو رہا ہے۔

واتقوا اللّٰه۔ اس تقویٰ کا تعلق معاصی سے بچنے کا ہے، جیسا کہ خبیر بما تعملون سے اشارہ ہو رہا ہے۔

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ

اللہ کو بھلادیا، سو اللہ نے خود ان کی جانوں کو اُن سے بھلادیا، یہی لوگ تو نافرمان ہیں ۳۰ اہلِ دوزخ

اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور اہل جنت برابر نہیں، اہل جنت تو کامیاب لوگ ہیں ۳۱

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تُو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا

لغد۔ غد کا صیغۂ نکرہ اس کی عظمت وہیبت کے اظہار کے لیے ہے۔

وتنكيره لتعظيم أمره. (مدارك، ص:۱۲۲۷)

۳۰ (پورے پورے یعنی کافر)

الفاسقون۔ یہاں قرآن مجید کے اکثر موقعوں کی طرح الکافرون کے معنی میں ہے۔
الفاسقون یعنی فسق میں کامل۔ طاعتِ الٰہی سے بالکل ہی خارج، اور یہ وہی ہوسکتے ہیں جو کافر ہوں۔

أي الكاملون في الفسوق. (بيضاوى، ج۵/ص:۱۲۷)

نسوا اللہ۔ یعنی حق تعالیٰ اور اس کے احکام وہدایات کی طرف سے عمداً اعراض برتنے لگے۔
أنفسهم۔ یعنی حق تعالیٰ نے ان کی عقل ایسی ماردی کہ یہ نہ اپنے نفع کو پہچانتے ہیں اور نہ اس کے حاصل کرنے کی فکر کرتے ہیں۔

۳۱ (درآنحالیکہ اہل دوزخ سراسر ناکام ونامراد ہیں)

لا ...... الجنة۔ دونوں فریق کا برابر اور یکساں ہونا کیسا، وہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں اپنے مآل اور حقیقتِ حال کے لحاظ سے ــــــ خلط اور اِلتباس تو صرف اسی دُنیا میں رہتا ہے، صرف یہیں سب ملے جلے اور یکساں معلوم ہوتے ہیں، آخرت میں تو اہل جنت وہ ہوں گے، جو دُنیا میں حکم اتقوا اللہ پر عامل رہے، یعنی تقویٰ۔ اور اہل دوزخ وہ ہوں گے جو دُنیا میں الذین نسوا اللہ اور أولئك هم الفاسقون کے مصداق رہے۔

خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

پھٹ جاتا ۳۲؎ اور ہم ان عجیب (موثر) مضمونوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سوچیں ۳۳؎

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ

اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا، وہی نہایت مہربان ہے

الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ

بار بار رحم کرنے والا ہے ۳۴؎ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سالم ہے، امن دینے والا ہے

۳۲؎ (مضامینِ قرآنی کی عظمت وہیبت سے)

یعنی قرآن مجید بجائے خود اس درجہ مؤثر اور فاعلِ قوی ہے۔

لو......جبل۔ یعنی پتھر کا پہاڑ، جو جمود اور بے حسی کا انتہائی نمونہ معلوم ہوتا ہے، اس پہاڑ پر اگر ہم قرآن نازل کرتے اور پہاڑ میں بقدرِ ضرورت فہم وعقل کا مادہ رکھ دیتے، تو پہاڑ تک فرطِ تاثر سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

۳۳؎ (اور نفع حاصل کریں)

کافر بلکہ فاسق انسان کی بھی تاثر پذیری، بسبب غلبۂ ہوائے نفس فاسد ہو جاتی ہے، اور اسی سے اس میں جمود اور عدمِ احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ ہوائے نفس کو مغلوب کرنے اور قرآن مجید سے تاثر وتذکر کی قابلیت کو بڑھانے میں بڑا دخل صحبتِ صالحین کو ہے۔

۳۴؎ اور یہی وہ صفاتِ کاملہ ہیں، جن سے مشرک قوموں کے معبود، اور اہل باطل کے خدا خالی ہیں۔

ھو......إلا ھو۔ حق تعالیٰ کی یکتائی اور توحید کامل کا اثبات اس سے ہو گیا۔

عالم الغیب والشھادۃ۔ حق تعالیٰ کا علم فلاسفۂ مصر ویونان وغیرہ کے خدا کی طرح محدود وناقص قسم کا نہیں، ہر طرح کامل اور جزئیات وکلیات سب کو محیط ہے ـــــــ اسی صفتِ علم کا علم صحیح نہ رکھنے سے مشرکین کو خدا جانے کتنے دیوتا گڑھنے پڑے!

الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست ہے، خرابی کا دُرست کرنے والا ہے، بڑا عظمت والا ہے، پاک ہے اللہ لوگوں کے شرک سے ۳۵

ھو الرحمٰن الرحیم۔ حق تعالیٰ کی صفتِ رحم ہر طرح کامل اور غیر محدود ہے ـــــ اسی صفت کے بارے میں ٹھوکر لگنے سے مسیحیوں کو ''کفارہ'' کا عقیدہ تراشنا پڑا، اور پھر ایک خدا کے ''اکلوتے بیٹے'' کی تلاش ہوئی، جس کو ساری گنہ گار مخلوق کی طرف سے کفارے میں پیش کیا جائے!

۳۵ یعنی ہر قسم کے شرک اور شائبۂ شرک سے، جو لوگ اس کی ذات وصفات میں کرتے رہتے ہیں ـــــ کوئی مخلوق کیسی ہی اشرف واعلیٰ ہو، اس کی شریک کسی حیثیت سے، کسی درجہ میں بھی نہیں ہو سکتی۔

ھو ...... إلا ھو۔ توحیدِ ذات کا مکرر اِثبات، تاکید کی غرض سے۔

الملك۔ ملکیت، مالکیت، حاکمیت کے سارے اختیارات اور جملہ حقوق اسی کو حاصل ہیں۔ کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس ذاتِ پاک پر دسترس حاصل نہیں۔

القدوس۔ وہ ذاتِ پاک، ہر عیب، ہر نقص، ہر کوتاہی سے بالاتر ہے۔ اور یہ مشرکین کا جہل محض ہے جو اس کی جانب بعض نالائق صفات کو منسوب کر دیا ہے۔

السّلام۔ اس کی ذات میں اس کا امکان ہی نہیں کہ آئندہ بھی کوئی نقص، کوئی عیب اس میں پیدا ہو سکے۔

المؤمن۔ یعنی اپنے بندے سے ہر خوف کو دُور کرتا رہتا ہے، ہر آئی ہوئی آفت کو ٹالتا رہتا ہے ـــــ مشرک قومیں ہر آئی ہوئی مصیبت سے بچنے کے لیے فلاں دیوی اور فلاں دیوتا کی دہائی دیتی رہتی ہیں۔

العزیز۔ اس اسم میں حق تعالیٰ کی صفتِ قدرت کا اِثبات ہے ـــــ مشرکین نے اپنے دیوتاؤں کو کمزور اور غیر قادر مانا ہے۔

الجبّار۔ یعنی ہر قسم کی اصلاح کرنے والا ہے۔ مجبر اس کو کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی یا اُکھڑی ہوئی ہڈی پھر سے بٹھا دے۔

أی الذی جبر حالھم بمعنی أصلحه. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۱۲۷)

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ

وہی اللہ تو پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے صورت بنانے والا ہے، اُسی کے اچھے اچھے نام ہیں، اُسی کی تسبیح کرتی ہیں

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾

جو چیزیں بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہی زبردست ہے، حکمت والا ہے ۳۶ے

المتکبر۔ یعنی وہ ذات جس کے آگے مخلوق کی ساری عظمتیں ہیچ ہیں، اور جس کی تحقیر یا تصغیر کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۳۶ے (سوایسے باعظمت اور باحکمت کے احکام کی پابندی نہایت درجہ ضروری ہے)

صفاتِ حسنہ کمالیہ کا مزید اِثبات ـــــــ سورۃ الحشر کی ان دونوں آیتوں کے جوشِ بلاغت وزورِ کلام کو حال کے ملحد اور مسیحی ماہرین عربیت نے بھی سراہا ہے۔

الخالق۔ یعنی صفتِ تخلیق وتکوین وایجاد میں کوئی اُس کا سہیم وشریک نہیں۔

البـاری۔ یعنی رُوح و مادہ، ہیولیٰ وصورت، جوہر وعرض سب کا موجد، سب کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے۔

المصور۔ یعنی ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک آئینِ حکمت کے مطابق ہی اس نے صورتِ وجود سے مشرف کیا ہے۔

له الأسماء الحسنیٰ۔ صفاتِ کمالیہ کی جامع اسی کی ذات ہے۔

یسبح......الأرض۔ اسی کی حمد وثنا کی تسبیح چھوٹی بڑی، آسمانی زمینی، ہر مخلوق اپنی اپنی بساط فہم اور مرتبۂ وجود کے مطابق کرتی رہتی ہے۔

(٦٠)

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِیَّةٌ

سورۂ ممتحنہ مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ

اے ایمان والو! تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بنالینا کہ اُن سے

اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ

محبت کا اظہار کرنے لگو، درآں حالیکہ تمھارے پاس جو (دینِ) حق آچکا ہے اس کے وہ منکر ہیں، رسول کو اور خود تم کو

وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ

اس بنا پر شہر بدر کرچکے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے ہو، اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے

وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖق وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ

اور میری رضا کی تلاش میں نکلے ہو[۱] تم ان سے چپکے چپکے محبت کرتے ہو اور مجھے خوب علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو

[۱] اس فقرے إن كنتم......الخ کا تعلق آیت کے پہلے حکم لا تتخذوا عدوّی وعدوّکم سے ہے یعنی اگر تم واقعی ہماری رضا کی طلب اور ہماری راہ میں جہاد کو نکلے ہو، تو اِن دشمنانِ دین سے دوستی اور محبت کا برتاوا کیسا؟

عدوّی۔ یعنی اللہ اور اُس کے دین سے بیر رکھنے والے۔

عدوّکم۔ یعنی اُمتِ اسلامی سے اُس کے اسلام کی بنا پر بیر رکھنے والے۔

تلقون الیھم بالمودۃ۔ یعنی دلی محبت و دوستی رکھنا تو خیر الگ ہے، اِن دشمنانِ خدا اور دشمنانِ امت سے عملی برتاوا بھی دوستوں کا سا رکھنا کب روا ہے!

وَمَآ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡهُ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ① اِنۡ يَّثۡقَفُوۡكُمۡ

اور جو کچھ تم ظاہر کر کے کرتے ہو، اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا، وہ راہِ راست سے بھٹک گیا ۲ اگر انھیں تم پر دسترس ہو جائے

يٰأيها الذين آمنوا۔ اس خطاب کے معاً بعد ذکر بعض مسلمانوں کے ایک گناہِ کبیرہ کا یعنی دشمن سے مکاتبت و مراسلت کا آ رہا ہے، لیکن اس ارتکابِ کبیرہ کے بعد بھی مومن مومن ہی رہا، دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہو گیا ـــــ اور یہیں سے اہل سنت کو خوارج کے مقابلے میں یہ دلیل ہاتھ آئی کہ مومن کبیرہ کے بعد بھی مومن ہی رہتا ہے۔

وفيه دليل على أن الكبيرة لا تسلب اسم الإيمان. (مدارك، ص:١٢٣١)

أن تؤمنوا۔ یعنی اخراج کی علت تمھارا یہی ایمان باللہ ہے۔

تعليل ليخرجون. (مدارك، ص:١٢٣١)

فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ مال و اولاد کے تحفظ کے خیال سے تقیہ جائز نہیں۔

وفي هذه الآية دلالة على أن الخوف على المال والأولاد لا يبيح التقية في إظهار الكفر وإنه لا يكون بمنزلة الخوف على نفسه. (جصاص، ج٣/ص:٤٣٦)

وما ذكرناه يدل على صحة قولنا ويدل على أن الخوف على المال والأهل لا يبيح التقية أن الله فرض الهجرة على المؤمنين ولم يعذرهم في التخلف لأجل أموالهم وأهلهم. (جصاص، ج٣/ص:٤٣٦)

وقد...... الحق۔ یہ تشریح مزید ہے عدوّی کی۔

يخرجون۔ یہ تشریح مزید ہے عدوّکم کی۔

إن كنتم خرجتم۔ یعنی اپنے اپنے گھروں سے یہ مقاصد حصولِ رضائے الٰہی و جہاد فی سبیل اللہ لے کر نکلے ہو۔

بالمودّة۔ ب زائدہ تاکید کے لیے ہے۔

الباء زائدة مؤكدة للتعدي. (مدارك، ص:١٢٣١)

۲ (اور بھٹکے ہوؤں کا جو انجام ہونا ہے وہ بھی خوب معلوم ہے)

يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ

تو اظہارِ عداوت کرنے لگیں، اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں

تسرون إليهم بالمودة۔ اس اخفا سے شبہ ان کے ساتھ مزید دوستی اور خصوصیت کا ہوتا ہے، اس لیے یہ اور بھی برا ہے۔ حاطب ابن ابی بلتعہ یمنی ثم مکی ایک بڑے صحابی تھے، بدری مرتبے کے۔ خود تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے، خاندان سارا مکہ ہی میں تھا، فتح مکہ سے ذرا قبل اپنے خاندان والوں کو خط لکھا کہ عنقریب مکہ پر چڑھائی ہونے والی ہے۔ آنحضرتؐ کو وحی الٰہی سے خبر ہو گئی، آپؐ کے حکم سے وہ عورت پکڑ آئی، جو چھپا کر خط لیے جا رہی تھی، حضرت حاطبؓ نے اپنے بیان میں کہا کہ "میری نیت بری نہ تھی، میں نے تو محض یہ سمجھ کر لکھا تھا کہ اسلام کا اس سے کوئی ضرر نہیں۔ آپؐ کو فتح تو بحمد اللہ ضرور ہی ہو کر رہے گی، ہاں میری اس اطلاع سے اہل مکہ ضرور میرے احسان مند ہو جائیں گے، اور میرے خاندان والوں کی رعایت کریں گے کہ مجھ پردیسی اور میرے خاندان کا اہل مکہ پر کوئی حقِ قرابت وغیرہ بھی نہیں"۔ آپؐ نے ان کے حسنِ نیت کی تصدیق کر کے فرمایا کہ تم سچے ہو، بلکہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے عام جوشِ دینی کے تحت میں اس دفعہ کا نفاذ کرانا چاہا جو دشمن سے مل جانے والوں اور انھیں خبر پہنچانے والوں کے لیے ہے، تو آپؐ نے یہ فرمایا کہ یہ تو بدری ہیں اور تمھیں معلوم نہیں کہ اہل بدر کے خلوص و ایمان کی جانچ خود اللہ تعالیٰ کر چکا ہے۔

حضرت حاطبؓ پر صحابی اور پھر بدری صحابی ہونے کے باوجود جو اتنی سخت گرفت ہوئی، اس سے ظاہر ہے کہ شریعتِ اسلامی میں دشمن حربی سے خط و کتابت رکھنا یا تعلقات قائم رکھنا کس درجہ شدید جرم ہے!

وأنا......أعلنتم۔ حق تعالیٰ کی صفتِ عالم الغیبی کا استحضار کرا کے اوپر اشارہ کر دیا کہ یہ تو مانع مزید ہونا چاہیے تمھارے اور ان دشمنانِ دین کے درمیان خفیہ دوستی کا۔

بالمودة۔ ب سببیہ بھی قرار دی گئی ہے یعنی تم نے یہ جو خبر دی تو بسبب محبت کے۔

أی بسبب المودة. (مدارك، ص: ۱۲۳۱)

أخبار رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبب المودة. (بيضاوی، ج ۵/ص: ۱۲۸)

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٢﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ

اور وہ تو یہ چاہتے ہی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ ۳ تمھارے رشتہ دار اور تمھاری اولاد تمھارے کچھ کام نہ آئیں گی، قیامت

الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ

کے دن (اللہ ہی) تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ تمھارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ۴ بے شک تمھارے لیے

اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا

ایک عمدہ نمونہ ہے ابراہیم اور اُن کے شریک حال لوگوں میں ۵ جب کہ ان لوگوں نے اپنی قوم والوں سے کہہ دیا کہ ہم تم سے

مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ

اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، اُن سب سے بیزار ہیں، ہم تمھارے منکر ہیں اور ہمارے اور تمھارے درمیان

۳ غرض یہ ہے کہ یہ کافر تو دُنیوی اور دینی ہر اعتبار سے تمھارے دشمن اور بدخواہ ہیں ــــــ آیت میں مسلمانوں کے ساتھ کافروں کی مستقل دشمنی وعناد اور بدخواہی کا بیان آ گیا۔

۴ (پس ہر عمل کا فیصلہ بھی بالکل ٹھیک ہی ٹھیک کرے گا)۔

لن......القیمۃ۔ کافروں اور بے دینوں سے تعلقات بڑھانے کا محرک اکثر یہی اہل وعیال کی فلاح ونفع کا خیال ہوتا ہے، یہاں اسی کی جڑ کاٹی ہے یعنی جن عزیزوں قریبوں کی خاطر آج تم اللہ کی نافرمانی کر رہے ہو، وہ آخرت میں جو مستقل فیصلے کا وقت ہوگا، تمھیں ذرا بھی نہ بچا سکیں گے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دُنیوی علاقوں، رابطوں کی رعایت معاملات دینی میں ناجائز ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۴۶)

۵ یعنی پیروی اُس نمونہ حسنہ کی کرو جو ابراہیمؑ اور ان کے ساتھی مومنین، کافروں اور اعدائے دین کے ساتھ تعلقات رکھنے کے باب میں قائم کر گئے ہیں ــــــ قرآن مجید اپنے حسب معمول حکم دینے کے ساتھ ساتھ مزید رغبت وشوق پیدا کرنے کے لیے، نیز عمل میں مزید سہولت پیدا کرنے کے لیے ماضی سے عملی نظیریں بھی پیش کرتا جاتا ہے۔

والذین معہ۔ حضرت ابراہیم خلیلؑ کے ساتھ یہ معیت یا شرکت ایمان واطاعت میں تھی۔

الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ

ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ ۶ البتہ ابراہیم نے یہ اپنے باپ سے کہا تھا

۶ (اور اس لیے تم سے قولاً و فعلاً ہر طرح قطع تعلق کرتے ہیں)

اِنّـا...... بکم۔ یعنی ہم تمھارے عقائد سے بیزار ہیں، اور تمھارے معبودوں کی اُلوہیت کے منکر ہیں ـــــ یہ تبرّی بلحاظِ عقائد ہوگی۔

وبدا...... أبداً۔ یعنی ہمارا، تمھارا برتاؤ بھی دشمنوں کا سا رہے گا ـــــ یہ تبرّی بلحاظِ معاملت ومعاشرت ہوگی۔

عین جس وقت یہ اجزائے تفسیری زیر تحریر ہیں، ہندوستان میں ایک شور برپا ہے کہ پیمبروں نے اپنے منکروں اور مکذّبوں تک کو اپنا ہم قوم کہہ کر پکارا ہے، اس لیے ہندوستان میں بھی مسلموں اور مشرکوں کو ایک ''قوم'' ہی کر دینا چاہیے، اور مسلمانوں کو ان کے ساتھ اسی طرح گھل مل جانا چاہیے جس طرح ایک قوم کے لوگ فرنگستان میں گھلے ملے ہوئے ہوتے ہیں ! ـــــ یہ قرآن مجید کے ساتھ کیسا تلعب اور مفہوم ''قوم'' قرآنی کی کیسی تحریف ہے! رئیس الموحدین حضرت ابراہیم خلیلؑ اور ان کے رفقائے مومنین اپنے ''ہم قوم'' کافروں کے ساتھ جو برتاؤ قولاً و فعلاً رکھتے تھے، وہ قرآن مجید سے خود ہی پوری طرح ظاہر ہو رہا ہے ـــــ اور تنہا اسی آیت پر موقوف نہیں، قرآن مجید تو اس مضمون کی تاکید اور تصریح سے لبریز پڑا ہوا ہے!

حتـی...... وحـده۔ یہ قید لگا کر اسے صاف کر دیا کہ ہماری تمھاری دشمنی کچھ نسلی تھوڑی ہی ہے، وہ تو صرف عقائد کی بنا پر ہے۔ تم آج شرک چھوڑ کر عقیدۂ توحید اختیار کر لو، تو یہ عداوت ابھی ختم ہو سکتی ہے۔

العداوة والبغضاء۔ یہ عداوت و بغض اور احکام تبرّی و قطع تعلق صرف دین سے متعلق ہیں، باقی صلۂ رحم یا اعزّہ و اقرباء کے ساتھ دُنیوی حسنِ سلوک کا حکم الگ ہے، اور وہ بھی نصوص ہی سے ماخوذ ہے۔

قـد...... معـه۔ آیت اس کا حکم دے رہی ہے کہ کافروں سے دشمنی رکھنے اور ترکِ موالات کرنے کے باب میں مسلمانوں کو ابراہیمؑ اور ابراہیمیوں کی پیروی کرنا چاہیے۔

لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا

کہ میں تمہارے لیے استغفار ضرور کروں گا، اور مجھے اللہ کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں ؎ اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ پر توکل کرتے ہیں

وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۴﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور تیری ہی طرف رُجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے ۸ اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنانا

أمر الناس بالتأسي بهم في إظهار معاداة الكفار وقطع الموالاة بيننا وبينهم. (جصاص، ج۳/ص:۴۳۶)

؎ (کہ اس سے اپنی دُعا وعرضداشت خواہ مخواہ قبول ہی کرالوں)

لأبيه۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد آزر پر جو مشرک اور بت تراش تھے، حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔

قـول......لك۔ حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ میں حق تعالیٰ سے یہ دُعا ضرور کروں گا کہ وہ تمھیں زندگی ہی میں راہِ ہدایت دکھا دے، تا کہ بعد موت نجات حاصل ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ تمھارے بحالتِ کفر مرنے پر بھی تمھاری بخشش چاہوں گا ـــــ اس وعدے وگفتگو پر حاشیہ سورۃ البراءۃ کی آیت وما كان استغفار إبراهيم لأبيه الخ کے تحت میں گزر چکا۔

إلا قول إبراهيم لأبيه۔ یعنی مشرک باپ کے لیے دعائے مغفرت کرنے میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہ کرنا۔

يعني في أن لا يتأسوا به في الدعاء للأب الكافر. (جصاص، ج۳/ص:۴۳۶)

أمر اللّٰه تعالىٰ بالتأسي بإبراهيم في كل أموره إلا في الاستغفار للأب الكافر. (جصاص، ج۳/ص:۴۳۶)

أي اقتدوا به في أقواله ولا تأتسوا به في الاستغفار لأبيه الكافر. (مدارك، ص:۱۲۳۲)

أي ليس لكم في ذلك أسوة أي في الاستغفار للمشركين، هكذا قال ابن عباس ومجاهد وقتادة ومقاتل وابن حبان والضحاك وغير واحد. (ابن كثير، ج۴/ص:۳۱۳)

مرشد تھانویؒ نے کیا خوب بات اس موقع پر فرمائی کہ جو بغض فی اللہ ہوتا ہے وہ شفقت وخیر خواہی کو قطع نہیں کرتا، بخلاف بغض نفسانی کے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۴۶)

۸ (چنانچہ ہماری اپنے ہم قوموں سے، اپنے عزیزوں قریبوں سے یہ تبری وقطع تعلق تبری

وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝ لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡهِمۡ

اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف کر دے، بے شک تو ہی زبردست ہے، حکمت والا ہے ۹ بے شک ان لوگوں میں تمہارے لیے

اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ

یعنی ایسے شخص کے لیے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے، اور جو کوئی رُوگردانی کرے گا، سو

اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ۝ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّجۡعَلَ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَ الَّذِيۡنَ

اللہ تو (بالکل) بے نیاز ہے اور سزاوارِ حمد ہے ۱۰ عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن سے

ع ۶

ہی کے حکم کی تعمیل میں اور تکمیلِ دین ہی کے لیے ہے)

ربنا علیك توكلنا۔ یہاں یہ اشارہ کر دیا کہ مسلمان جب اپنی قوم کے کافروں کا بائیکاٹ کریں گے، تو اغلب ہے کہ خود بھی مادّی و مالی نقصان اُٹھائیں، ایسے موقع پر عمقِ قلب کے ساتھ توکل واعتماد حق تعالیٰ ہی پر پیدا کر لینا چاہیے۔

۹ (تیرے لیے ہماری اس عرضداشت کو قبول کر لینا کیا مشکل ہے!)

لا...... كفروا۔ یعنی اس مقاطعہ و تبرّی کے بعد ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ کافر ہم کو ہر طرح ستانے اور مصیبت میں ڈالنے پر قادر ہو جائیں۔

واغفرلنا ربنا۔ جتنی کوتاہیاں اور لغزشیں ہم سے تیرے ارشاد کی تعمیل میں ہو جائیں، تو ان سب کو معاف اور نظر انداز کر کے ہمیں اپنے دامنِ رحمت ہی سے وابستہ رکھیو۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ "ایسے اسبابِ فتنہ سے جن سے اہل حق پر اہل باطل کا شبہ ہونے لگے، بچنا ہی عین مطلوب ہے اور اُن میں جو اسباب غیر اختیاری ہیں اُن سے بچنے کی تدبیر یہی ہے کہ دُعا کریں"۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۴۷)

۱۰ (ہر حال میں اپنے جامع صفاتِ کمالیہ ہونے کی بنا پر)

فیهم ضمیر ھم ابراہیمؑ اور اصحاب ابراہیم (والذین معه) کی جانب ہے۔

فیهم اسوة حسنة۔ فقہاء نے کہا ہے کہ سنتِ مصطفویؐ کی طرح سنتِ ابراہیمی کا اتباع بھی مومنین کے حق میں سرتاسر خیر اور علاماتِ ایمان میں سے ہے۔

عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ

تم سے دشمنی ہے دوستی پیدا کردے، اللہ بڑا قدرت والا ہے اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۱ اللہ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ

عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۞ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ

بے شک اللہ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں ہی کو دوست رکھتا ہے ۱۲ اللہ تو تمھیں اُن لوگوں سے دوستی کرنے سے

ومن یتول۔ اور جو کوئی رُوگردانی اور بے اتفاقی کرے گا، اس حکم تبرّی و مقاطعہ کی تعمیل یا کسی حکم الٰہی کی بھی تعمیل سے۔

ھو الغنی۔ ضرر اس ذاتِ بے نیاز کا بالکل نہیں، ضرر تمام تر اسی نافرمان بندے کا ہے۔

۱۱ (چنانچہ اب تک اسی حکم کی تعمیل میں جن سے کوتاہیاں ہوئی ہیں، وہ اگر توبہ و استغفار کرلیں تو اللہ کی مغفرت و رحمت دونوں سے مستفید ہوسکتے ہیں)

عسیٰ......مودۃ۔ یعنی اُنھیں کافروں اور مسلمانوں کے شدید دشمنوں میں سے بعض کو اسلام کی ہدایت دے دے۔ حضرت ابوسفیان بن حرب وغیرہ کا اسلام لانا اسی پیش گوئی کے ظہورِ عملی کی مثال ہے۔

مسلمانوں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں مشرکین سے قطع تعلق کرتو لیا تھا لیکن قرابتوں اور رشتہ داروں کی بنا پر کسی درجہ میں غم محسوس کرنا بالکل طبعی تھا۔

واللہ قدیر۔ تو ایسے قادرِ مطلق کی قدرت سے یہ بعید ہی کیا ہے۔

فقہائے مفسرین نے لکھا ہے کہ جو کافر اہل حرب میں سے نہ ہوں، بلکہ ذمی ہوں، اُن کے لیے صدقات بالکل جائز ہیں۔

عموم فی جواز دفع الصدقات إلی أھل الذمۃ إذ لیس ھم من أھل قتالنا

(جصاص، ج۳/ص:۴۳۶)

۱۲ (اور انصاف کا اولین مقتضا یہ ہے کہ ہر شخص سے معاملہ اس کے درجہ وحیثیت کے لائق کیا جائے)

اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور تم کو تمھارے گھروں سے نکالا

وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور تمھارے نکالنے میں مدد کیا ۱۳ اور جو کوئی دوستی کرے گا اُن سے، تو یہی لوگ

الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ

تو ظالم ہیں ۱۴ اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں

أن...... إليهم۔ یہاں برّ وقسط (حسن سلوک وعدل) سے مراد اُن کا عام و مطلق مفہوم نہیں کہ وہ تو بہر صورت ہر انسان بلکہ ہر حیوان کے لیے واجب ہے، بلکہ مراد اس شفقت ورعایت کے برتاؤ سے ہے، جو ذمی یا مُصالح ہونے کی بنا پر کافر کے ساتھ بھی لازم آتا ہے۔ گویا بالواسطہ یہاں یہ ارشاد ہوا کہ شفقت ورعایت کا برتاؤ ذِمّی اور مصالح کے حق میں جائز ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ''بعض بزرگوں کی جو عادت کافروں سے نرمی، ملاطفت برتنے اور اُن کے ہدیے اور تحفے قبول کر لینے کی ہے اس کی سند یہاں سے نکل آتی ہے''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۴۷)

۱۳ ایسے محارب کافروں کے ساتھ معاملے کے احکام ذمیوں اور غیر محاربین کے ساتھ برتاؤ کے احکام سے بالکل مختلف ہیں۔

قاتلوكم في الدين۔ یہ قتال خواہ بالفعل واقع ہو چکا ہو یا بالعزم واقع ہونے کو ہو۔

وأخرجوكم...... إخراجكم۔ یہ اخراج یا معاونت علی الاخراج خواہ بالفعل واقع ہو چکی ہو یا بالعزم واقع ہونے کو ہو۔

إن تولوهم۔ ولایت یا دوستی سے یہاں بھی مراد وہی شفقت ورعایت والا برتاؤ ہے۔

۱۴ (اور حق تعالیٰ کے نافرمان)

الظلمون۔ یعنی اپنے حق میں ظالم۔

ومن يتولهم۔ ولایت یا دوستی کے یہاں بھی معنی دوستی کا عملی برتاؤ رکھنے کے ہیں۔

فَامْتَحِنُوْهُنَّ ط اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ج فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا

تو ان کا امتحان کرلیا کرو، اللہ ان کے ایمان سے خوب واقف ہے ۱۵ پس اگر انھیں مسلمان سمجھ لو تو انھیں کافروں

تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ط لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ط وَاٰتُوْهُمْ

کی طرف مت واپس کرو، وہ عورتیں ان (کافروں) کے لیے نہ حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان کے لیے حلال ہیں ۱۶ اور ان (کافروں) کو وہ ادا کردو

۱۵ فـامتـحـنـوهـن......بـإيـمـانهن۔ یہاں مسلمانوں سے یہ کہا جارہا ہے کہ جب دارالحرب سے ہجرت کر کے بیویاں تمھارے پاس آئیں تو تم اس کی جانچ کرلیا کرو کہ آیا وہ ظاہری اعتبار سے مومن ہیں بھی ـــــ اور یہ ظاہر کی جانچ پڑتال انتظامی ضرورتوں اور دُنیوی مصلحتوں سے ہے، ورنہ عالم الغیب کو کسی جانچ پڑتال کی کیا حاجت! اور پھر ایمانِ حقیقی کی تحقیق تو بندوں کے بس کی چیز ہے بھی نہیں۔

إذا......مـهـاجـرات۔ یعنی جب دارالحرب سے یہ بیویاں تمھارے پاس دارالاسلام حکمی یا حقیقی میں آئیں۔

الـمـؤمـنـت۔ مـؤمـنـات سے مراد اس سیاق میں وہ بیویاں ہیں، جو اپنے کو مسلمان کہتی ہیں ـــــ قرآن مجید نے محض ان کے دعوئے اسلام پر انھیں مؤمنات کے لقب سے یاد فرمایا۔

سمّاهن مؤمنات لنطقهن بكلمة الشهادة. (مدارك،ص:۱۲۳۳)

۱۶ (اس لیے کہ نہ مسلمہ کافر شوہر کے عقد میں باقی رہ سکتی ہے اور نہ حربیہ مسلمان شوہر کے عقد میں)

فـإن عـلـمتـموهـن مؤمنات۔ یعنی اگر وہ عورتیں تمھاری جانچ پڑتال میں مسلمان ثابت ہوجائیں۔علم یہاں محض ظن غالب کے معنی میں ہے جو ظاہری علامات سے پیدا ہو جاتا ہے۔

وهو الظن الغالب بظهور الأمارات. (مدارك،ص:۱۲۳۳)

المراد به العلم الظاهر لاحقيقة اليقين لأن ذلك لاسبيل لنا إليه. (جصاص،ج۳/ص:۴۳۷)

أى الـعلم الذى يمكنكم تحصيله، وهو الظن الغالب بالحلف وظهور الأمارات.

(بیضاوی،ج۵/ص:۱۲۹)

مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ

جو کچھ اُنھوں نے خرچ کیا ہے ۱۷ اور تم کو اُن عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہیں جب کہ تم ان کے مہر ان کے حوالہ کر دو

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ

اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو مت باقی رکھو ۱۸ اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے وہ ان (کافروں سے) طلب کر لو، اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہے وہ تم سے مانگ لیں

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ وَاِنْ فَاتَكُمْ

یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۹ اور اگر تمھاری بیویوں میں سے

فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ”اختلافِ دارین کی بنا پر زوجین میں تفریق کر دی جائے گی“۔ یعنی اس صورت میں کہ زوجین میں سے ایک دارالاسلام میں رہ جائے، اور دوسرا دارالحرب ہی میں رہے۔

فی ھذہ الآیۃ ضروب من الدلالۃ علی وقوع الفرقۃ باختلاف الدارین بین الزوجین واختلاف الدارین أن یکون أحد الزوجین من أھل دارالحرب والآخر من أھل دارالسلام. (جصاص، ج۳/ص:۴۳۸)

۱۷ (ان بیویوں پر مہر وغیرہ کے قسم سے)

مسلمان عورت کو کافر شوہر نے جس قدر مہر دیا ہو، مسلمان وہ مہر اس کافر شوہر کو واپس کر دیں۔ یہ ادائی مہر خواہ اب نئے مسلمان شوہر کی طرف سے ہو، یا بیت المال سے ـــــــ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اب یہ حکم باقی نہیں، یہ عارضی طور پر صلح حدیبیہ کے سلسلے میں تھا۔

۱۸ یعنی تمھاری جو بیویاں دارالحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں، اُن سے تمھارا نکاح زائل ہو گیا، ان کے تعلقات کا کوئی اثر باقی مت سمجھو۔

۱۹ (چنانچہ اس کے یہ احکام بھی اس کی صفاتِ علم وحکمت ہی پر مبنی ہیں)

وسئلوا ما أنفقتم۔ یعنی اپنی ان بیویوں پر جو اب تم سے چھوٹ رہی ہیں، ان پر تم نے مہر وغیرہ کے قسم سے جو کچھ خرچ کیا ہے اس کا مطالبہ ان کافروں سے کرو۔

شَیۡءٌ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ اِلَی الۡکُفَّارِ فَعَاقَبۡتُمۡ فَاٰتُوا الَّذِیۡنَ ذَهَبَتۡ اَزۡوَاجُهُمۡ

کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے سے تمھارے ہاتھ نہ آئے، پھر (کافروں کو مہر دینے کی) تمھاری نوبت آئے تو جن کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئیں

مِّثۡلَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡۤ اَنۡتُمۡ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ

جتنا (مہر) اُنھوں نے (ان بیویوں پر) خرچ کیا تھا اُس کے برابر تم ان کو دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ ۲۰ اے پیمبر

اِذَا جَآءَکَ الۡمُؤۡمِنٰتُ یُبَایِعۡنَکَ عَلٰۤی اَنۡ لَّا یُشۡرِکۡنَ بِاللّٰهِ شَیۡئًا

جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ نہ کسی کو شریک کریں گی

وآتـوهـم مـا أنـفـقـو۔ ابھی اسی آیت کے اندر اوپر آچکا ہے، اب پھر اسی کی تاکید مزید ولیسئلوا ماأنفقوا سے ہورہی ہے۔ مفسر تھانویؒ نے اسی سے نکتہ یہ نکالا ہے کہ دوسروں کا حق جو اپنے ذمے رہ جائے وہ زیادہ مؤکد ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۶۵۱)

۲۰ (اور اسی کے خوف کا استحضار کر کے ہرگز کسی خیانت، تساہل یا چالاکی کے مرتکب نہ ہو)

وإن......فعاقبتم۔ یعنی نہ وہ بیوی ہی ملے، اور نہ اس کے بجائے اس کے مہر کی رقم ہی تمھیں ملے۔

یہ عـاقبتـم۔ عقاب سے نہیں، عقب سے ہے، اور مراد یہ ہے کہ تمھاری کوئی بیوی کافروں کے پاس چھوٹ جائے، یا تمھارے ذمے کسی کا مہر واجب الاداء رہ جائے۔

مـن العقبة لامن العقاب...... وحاصل المعنى إن لحق أحد من أزواجكم بالكفار أو فاتكم شيئ من مهورهن ولزمكم أداء المهر كما لزم الكفار. (روح، ج۲۸/ص:۷۹)

فـاتـوا......أنـفـقـوا۔ یعنی یہ رقم واجب الاداء بجائے ان کافروں کو دینے کے اُن مسلمان شوہروں کو دے دو، جو کافر بیویوں اور ان کے معاوضہ مہر وغیرہ کی رقم دونوں سے محروم ہو چکے ہیں۔

"اگر کفار ایسی عورتوں کا مہر اُن کے مسلمان شوہروں کو واپس نہ کریں تو جو مہر کفار کا مسلمانوں کے ذمے واجب الاداء ہے، وہ اُن کفار کی جگہ ان مسلمان شوہروں کو دے دیا جائے، برابری کی صورت میں تو کچھ تکلف نہیں، اور کمی بیشی میں یہ حکم تھا کہ جو کفار کا بچے، وہ کفار کو دے دیا جائے اور جو اپنا رہے اُس کا مطالبہ اُن سے کیا جائے۔ اور یہ حکم بھی مخصوص تھا اُسی واقعہ کے ساتھ"۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۶۵۰)

وَّلَا يَسۡرِقۡنَ وَلَا يَزۡنِيۡنَ وَلَا يَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ وَلَا يَاۡتِيۡنَ بِبُهۡتَانٍ يَّفۡتَرِيۡنَهٗ

اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی

بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِنَّ وَاَرۡجُلِهِنَّ وَلَا يَعۡصِيۡنَكَ فِىۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَايِعۡهُنَّ

جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گڑھ لیں اور مشروع باتوں میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ اُن کو بیعت کرلیا کیجیے ۲۱

وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَوَلَّوۡا

اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرلیا کیجیے، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۲۲ اے ایمان والو! ان لوگوں سے

۲۱ (بلالحاظ اُن کے تاریک اور گندے ماضی کے)

أن......شیئًا۔ شرک کے مرض میں تو جاہلیتِ عرب کی ساری ہی عورتیں مبتلا تھیں۔

ولا یسرقن۔ چوری بھی جاہلیت کے قانون اور رواج میں اس درجہ معیوب وشرمناک نہ تھی۔

ولا یزنین۔ حرام کاری تو تہذیبِ عرب میں اسی طرح داخلِ فیشن تھی جیسی آج جاہلیت فرنگ کی تہذیب میں ہے۔

ولا یقتلن أولادهن۔ اس کے تحت میں دختر کشی واولاد کشی بلکہ اسقاط اور منع حمل کی چلی ہوئی ساری صورتیں آگئیں۔

ولا......أرجلهن۔ عربی محاورے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بدکاری کی اولاد کو اپنے شوہر کی اولاد بنادینا، یا کسی غیر کا بچہ اُٹھا کر اُسے اپنی اور اپنے شوہر کی اولاد مشہور کردینا۔

ولا یعصینك فی معروف۔ اس کے اندر تمام احکام شرعی آگئے۔

یبایعنك علی أن ......الخ۔ محققین نے کہا ہے کہ بیعت رسولؐ کی ان تمام شرطوں کو اعتقاد کے ساتھ تسلیم کرنا شرطِ ایمان تھا، اور اُن پر عمل کا التزام شرطِ کمالِ ایمان۔

۲۲ (اور وہ ان کے حق میں مغفرت ورحمت دونوں کو کام میں لائے گا)

آیت اُن غالیوں کے رد کے لیے بالکل کافی ہے، جو کسی پیشہ ور بیسوا کے تائب ہونے اور بعد توبہ کسی کے نکاح میں آنے ہی کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ قَدۡ یَئِسُوۡا مِنَ الۡاٰخِرَةِ کَمَا یَئِسَ الۡکُفَّارُ

دوستی مت رکھو جن پر اللہ نے غضب نازل کیا ہے، وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے ہیں جیسے

مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡقُبُوۡرِ ﴿۱۳﴾

قبروں والے کافر مایوس ہیں ۲۳

فبایعهن۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت، بیعت کے اغراض و مقاصد کے باب میں بالکل صریح ہے۔ اور اس سے اُس رسمی بیعت کا ابطال لازم آتا ہے جس میں عمل کا اہتمام ہی نہ ہو۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۵۰)

استغفرلهن۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مرید کا یہ ایک حق ہے کہ اُس کے حق میں دعا کی جائے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۵۰)

۲۳ یعنی جس طرح ملحدین و منکرینِ آخرت میتوں اور مُردوں کی طرف سے ہر طرح کی آس توڑے رہتے ہیں، اسی طرح یہ مغضوب و مقہور قوم یہود بھی آخرت سے اپنا ہر رشتہ توڑے ہوئے ہے۔

قوماً غضب الله عليهم۔ اشارہ یہود کی جانب ہے۔ اُنھیں کے لیے قرآن مجید میں دوسری جگہ صراحت کے ساتھ مغضوبیت کا ذکر ہے۔

عن الحسن وابن زيد ومنذر بن سعيد أنهم اليهود لأنه عز وجل قد عبر عنهم في غير هذه الآية بالمغضوب عليهم. (روح، ج ۲۸/ص: ۸۲)

وهم اليهود. (معالم، ج ۵/ص: ۷۸)

يئسوا من الآخرة۔ یہود ایک خالص دینی اور موحد قوم تھی، لیکن رفتہ رفتہ یادِ آخرت کو بالکل بھلا چکی تھی، ان کی توریت کے اندر آج بھی جتنے صحیفے اور نوشتے موجود ہیں، سب میں ذکر فلاحِ دُنیوی کا تو کثرت سے ملتا ہے، لیکن اجر آخرت کا تذکرہ تو شاید ڈھونڈنے کے بعد بھی نہ ملے۔

لا تتولوا۔۔ الخ۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ جواز دوستی سے تو مطلق کفر ہی مانع ہے، البتہ جس کی گمراہی اشد ہوگی، اس سے دوستی کا عدم جواز بھی اشد ہوگا۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۵۲)

(۶۱)

سُوْرَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ

سورۂ صف مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے جو چیز بھی آسمانوں میں ہے اور جو چیز بھی زمین میں ہے، اور وہی زبردست ہے حکمت والا ہے ۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے

اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ

کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں ۲ اللہ تو ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح مل کر

---

۱ (اس کی صفاتِ قوت و حکمت کا عین مقتضا بھی یہی ہے کہ سب کے سب اُس کی حمد و ثنا کریں)
سبح......الأرض۔ یہ تسبیح ہر مخلوق اپنے اپنے مرتبۂ وجود و شعور کے مطابق و متناسب ہی کرتی ہے۔

۲ اسلام ہر مسلمان کو عملی انسان، سیرت کا پختہ اور کردار کا مضبوط اور مجاہد بنانا چاہتا ہے، اور نفاق بلکہ شائبۂ نفاق سے بھی دور رکھنا چاہتا ہے، اس لیے وہ قول و عمل کی مطابقت پر شدت سے مُصر ہے۔
ان آیتوں کے نزول کا سببِ قریب روایتوں میں یہ آیا ہے کہ بعض مسلمانوں نے آپس میں کہا تھا کہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے ہاں محبوب ترعمل کونسا ہے، تو ہم ضرور اُسے کر ڈالیں، حالانکہ اس کے قبل معرکۂ اُحد میں بعض حضرات جہاد کے موقع پر ثابت قدم بھی نہیں رہے تھے، یہاں اسی پر گرفت ہے۔

صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ

لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ۳ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم والو!

لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۚ فَلَمَّا زَاغُوْٓا

تم مجھے کیوں ایذا پہنچاتے ہو، درآنحالیکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمھاری طرف سے اللہ کا رسول ہوں ۴ پھر جب ان لوگوں نے کجی اختیار کی

اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

تو اللہ نے ان کو کج کر دیا ۵ اور اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو

لم تقولون مالا تفعلون۔ حاصل یہ کہ واعظ اور داعی کے لیے باعمل ہونا اور زیادہ ضروری ہے، یہ مطلب نہیں کہ بے عمل یا ضعیف العمل کے لیے دعوت و وعظ ناجائز ہے۔

۳ (اپنی صف و قطار میں ذرا شگاف نہیں پیدا ہونے دیتے)

آیت میں حق تعالیٰ کے ہاں محبوبیت کا راز بتا دیا ــــ قتال فی سبیل اللہ جم کر اور صف بستہ ہو کر۔ کأنھم بنیان مرصوص۔ یہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے ساتھ مسلمان سپاہ کی قطار کی تشبیہ ثبات و استحکام کے لحاظ سے ہے۔

۴ (اور تمھارا یہ تمرد اور سرکشی ہرگز کسی اجتہادی غلطی یا عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں)

وقد تعلمون۔ اسرائیلیوں نے اپنی قوم کے پیمبرِ اعظم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نافرمانی، سرکشی، عصیان و طغیان کا جو معاملہ تسلسل اور شدت کے ساتھ جاری رکھا تھا، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر بکثرت آیا ہے، اور توریت میں تو اس سے بھی کہیں زیادہ تفصیل و تکرار کے ساتھ ملتا ہے، لیکن اُتنی تصریح تو قرآن مجید میں بھی موجود ہے کہ یہ تمرد تمام تر قصداً اور ارادۃً تھا، کسی عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہ تھا۔

۵ (اور زیادہ)

قرآن مجید اس ضابطۂ تکوینی کا ذکر اسی کی اہمیت کی مناسبت سے بار بار اور مختلف طریقوں پر کر چکا ہے کہ انسان جب اپنے ارادے و اختیار سے غلط کام لے کر غلط راستے پر چلنے لگتا ہے تو ارادۂ الٰہی نتیجۃً بھی اسی ارادۂ انسانی پر مرتب کر دیتا ہے، اور انسان کی غلط روی پر برابر اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔

الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ

ہدایت نہیں دیتا ۶ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمھارے پاس اللہ کا

اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ

پیمبر آیا ہوں تصدیق کرنے والا توراۃ کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے ۷ اور ایک رسول کی بشارت دینے والا جو

فلما زاغوا۔ یعنی جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی ساری سعی تبلیغ ناکام رہی، اور یہود حضرتؑ کی اتنی افہام وتفہیم کے بعد بھی اپنی اسی روشِ تمرد پر قائم رہے۔

۶ یعنی جو دانستہ غلط راہ پر چلنے پر مُصر ہیں، اور اپنے قصدِ صحیح سے کام لے کر راہِ حق میں غور و تامل ہی نہیں کرتے، اُنھیں حق تعالیٰ ہدایت کی توفیق بھی نہیں دیتا کہ ایسے ضدی کج رووں کو ہدایت بخشنے کے معنی تو انھیں ہدایت پر مجبور کردینے کے ہوئے، اور یہ نظامِ تکوینی کی حکمتوں ہی کے سرے سے منافی ہے۔ یہاں سے اور قرآن مجید کی اور بھی دوسری آیات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جب ضد اور عناد کسی قوم میں اس قدر راسخ ہوجائے اور اس کی اصلاح کی اُمید باقی نہ رہ جائے تو پھر دفع مضرت کے لیے آخری تدبیر قتال کی ہے۔

۷ تصدیق تو ہر پیمبر اپنے سے قبل کے تمام الہامی نوشتوں کی کرتا ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اسرائیلی تھے، اور ان کے مخاطب بھی تمام تر اسرائیلی ہی تھے، اس لیے ذکر تصریح کے ساتھ صرف توریت ہی کا مناسب تھا۔

بنی اسرائیل پر، اور عیسیٰ ابن مریمؑ پر، اور آپؑ کی تصدیق توراۃ پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔

إنی رسول اللہ إلیکم۔ اس ذرا سے فقرے کے اندر ہی بہت سی گمراہیوں کی تردید آگئی۔ چنانچہ اس کا اثبات ہوا کہ:۔

(۱) آپؑ کی بعثت بنی اسرائیل کی جانب تھی، کل دُنیا کی جانب نہ تھی ــــــ موجودہ مسیحیت کی تردید۔

(۲) اس کا اثبات کہ آپؑ حق تعالیٰ کی طرف سے رسولِ برحق تھے، نعوذ باللہ کوئی مفتری نہ تھے ــــــ یہود کی تردید۔

بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۶

میرے بعد آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا ۸ پھر جب وہ ان کے پاس کھلے نشانات لائے تو وہ لوگ بولے کہ یہ تو صریح جادو ہے ۹

(۴) آپؑ حق تعالیٰ کے ایک ممتاز ترین ومقرب ترین بندے تھے، نعوذ باللہ خود اُلوہیت کے مدعی کسی معنی میں بھی نہ تھے ——— مسیحیت کی تردید۔

۸ انجیل آج جس صورت میں بھی مسیحیوں کے ہاتھ میں موجود ہے، احکام ومسائل شریعت یا قانونِ خداوندی کی دفعات سے یکسر خالی ہے اور اسے مسیحی وغیر مسیحی ہر ایک دیکھ کر اپنا اطمینان کر سکتا ہے کہ احکام ومسائلِ شریعت کی ضرورت اس کے بعد بھی جوں کی توں باقی ہے، حضرت مسیحؑ نے اسی لیے فرمایا تھا کہ میرے بعد ایک اور رسول آئے گا ——— انجیل برنابا کے نام سے آج جو انجیل حواریِ برنابا کی جانب منسوب دُنیا میں موجود ہے اس میں تو یہ پیش گوئیاں بہت صاف اور بالکل کھلے لفظوں میں ہیں، لیکن خود مسیحیوں کو بھی جو چار انجیلیں مسلّم ہیں اُن میں سے بھی ایک میں یہ عبارتیں آج تک مل رہی ہیں:۔

''میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے''۔ (یوحنا ۱۴:۱۶)

''جب وہ مددگار یا وکیل یا شفیع آئے گا جس کو میں تمھارے باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا رُوح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (۱۵:۲۶) ''وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا'' (۱۶:۸)

مسیحی جس یونانی لفظ کے ترجمے سے خود مطمئن نہیں ہیں، اور اس کا ترجمہ کبھی ''تسلّی دہندہ'' سے کرتے ہیں، کبھی ''مددگار'' سے، کبھی ''وکیل''، کبھی ''شفیع'' سے، وہ اصل میں (Periclutos) ہے، جو صحیح ترجمہ لفظ احمدؐ (بمعنی محمود وستودہ) ہی کا ہے۔

۹ حضرت مسیحؑ کے معجزات کو دیکھ کر یہود نے انھیں تمام تر سحر پر محمول کرنا شروع کر دیا تھا۔ اناجیل مروجہ میں اس کے اشارے موجود ہیں:۔

''اور فقیہ جو یروشلم سے آئے تھے یہ کہتے تھے کہ اس کے ساتھ بعلزبول ہے، اور یہ بھی کہ وہ بدرُوحوں کے سردار کی مدد سے بدرُوحوں کو نکالتا ہے۔'' (مرقس ۳:۲۲)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ

اوراس سے بڑھ کر ظالم اورکون ہوگا جواللہ پر جھوٹ باندھے، درآنحالیکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے ١٠

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ

اوراللہ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ١١ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال پر پہنچا کر رہے گا، گو کافروں کو (کیسا ہی) گراں گزرے ١٢ وہ (اللہ) وہی ہے جس نے اپنے پیمبر کو ہدایت

''فریسیوں نے سن کر کہا کہ یہ بدرُوحوں کے سردار بعلزبول کی مدد کے بغیر بدرُوحوں کو نہیں نکالتا۔'' (متی ۔۱۲: ۲۴)

''فریسیوں نے کہا کہ یہ تو بدرُوحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔'' (متی ۔۹: ۳۴)

اور تالمود میں تو یہود کے قلم سے صراحتیں لکھی چلی آئی ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

جاءهم میں واحد کی ضمیر فاعلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے، اور ھم کی جمع ضمیر مفعول بنی اسرائیل یا ان کے سرداروں کی جانب ہے۔

١٠ یعنی دعوت وتنبیہ کا پورا سامان موجود ہے، اور پھر بھی وہ تنبہ نہ حاصل کرے!

افترىٰ على الله الكذب۔ بشر کو بشریت کے مرتبے سے خدا کے درجہ تک پہنچا دینا، کتب سماوی میں تحریف وتصرف کر دینا، کفارہ وغیرہ کے گڑھے ہوئے عقیدوں کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دینا، یہ سب مثالیں افتراء علی اللہ ہی کی ہیں۔

١١ ابھی جو حاشیہ والله لايهدى القوم الفاسقين پر گزرا ہے، اُسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

الظالمين سے مراد وہی اپنے حق میں ظلم کرنے والے، اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

١٢ یعنی اللہ تو بہر حال اپنے دین کی جڑوں کو مضبوط جما کر رہے گا، مخالفین ومعاندین کی ساری کوششوں اور مزاحمتوں کے باوجود۔

ع ۱ / ۹

وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ۝۹

اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کردے، گو مشرکوں کو (کیسا ہی) گراں گزرے ۱۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنۡجِيۡكُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝۱۰

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی سوداگری بتادوں جو تمہیں عذابِ دردناک سے بچادے ۱۴

تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ؕ

(وہ یہی ہے کہ) تم لوگ اللہ اور اس کے پیمبر پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو

یریدون......بأفواههم۔ مخالفین و معاندین علاوہ عملی تدبیروں کے زبان اور منہ سے بھی توڑ واعتراض کی باتیں کیا کرتے تھے اور قوی شبہات دلوں میں ڈالتے رہتے تھے۔

یریدون، کی ضمیر جمع فاعلی سے اشارہ سارے ہی مخالفینِ اسلام کی جانب ہو گیا۔

نور اللہ یعنی دین اسلام۔

۱۳ (اور وہ کیسی ہی جان توڑ کوششیں اس کی مخالفت میں کر ڈالیں)

لیظهره علی الدین کله۔ یعنی سارے باطل ادیان و مذاہب اس دینِ حق کے دلائل و براہین کے آگے دب جائیں۔

ولو کره المشرکون۔ دینِ توحید کے استحکام و ترقی سے جلنے والا اور ناگواری محسوس کرنے والا مشرکوں سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے؟

۱۴ سوال کا جواب اگلی آیت میں آرہا ہے۔ اس طرح کے درمیانی سوالات کرتے جانا عربی خطابت میں عام تھا اور عربی اسلوبِ بلاغت کا ایک اہم جز۔

علی تجارة۔ قرآن کے مخاطبینِ اول، قریش عرب ایک زبردست تجارت پیشہ قوم اور بڑے کاروباری لوگ تھے، قرآن مجید کا ان سے مخاطبت میں تجارتی، معاشی، کاروباری اصطلاحیں: بیع، شراء، مال، ربح، خسران، ثمن، قرض، قرضِ حسن، دَین، ربا وغیرہ لانا مخاطبین کی خاص رعایت رکھنا ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ

تمھارے حق میں یہی بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ۱۵؎ اللہ تمھارے گناہ معاف کردے گا اور تمھیں باغوں میں داخل کرے گا

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں ہوں گے

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ

یہی بڑی کامیابی ہے ۱۶؎ اور ایک اور (ثمرہ بھی) کہ وہ تمھیں محبوب ہے (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد و فتح یابی

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

اور آپ ایمان والوں کو بشارت دے دیجئے ۱۷؎ اے ایمان والو! مددگار ہو جاؤ اللہ کے (دین کے) جیسا کہ

۱۵؎ (حقائق اُمور کا)

انوکھی تجارت کی تفسیر اس آیت نے کر دی۔

۱۶؎ جو قومیں آخرت پر یقین رکھنے کا دعویٰ کرتی ہیں، وہ اسے خوب سمجھے رہیں کہ انسان کی اصلی کامیابی یہی عالمِ آخرت کی مستقل پائیدار کامیابی ہے ـــــ لازوال مسرّت، بے پایاں راحت اور غم والم سے نجات۔

۱۷؎ (دُنیا میں اسی قریبی فتح ونصرت کی)

واخرىٰ تحبونها۔ یعنی اس اُخروی ثمرے کے علاوہ ایک اور ثمرہ ایمان وطاعت جو تمھیں طبعاً محبوب بھی ہے ـــــ ثمراتِ آخرت کیسے ہی بیش بہا، گراں قدر، بے مثال ہوں بہرحال انتظار طلب ہیں۔ انسان طبعی وخلقی طور پر اس بڑے اور انتہائی ثمرے کے علاوہ، ثمراتِ عاجل کا بھی طلب گار رہتا ہے، اور قرآن سے بڑھ کر بشری جذبات کی رعایت کرنے والا اور کون ہوگا؟

نصر......قریب۔ مسلمانوں کی عظیم الشان اور حیران کن فتح مندیوں کی پیش گوئی کا ظہور ووقوع جس شاندار طریقے پر سارے حجاز کے ایک ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں، اور پھر خلافتِ راشدہ کے زمانے میں ایران اور رومہ اور شام ومصر، اور عراق کی سرزمینوں پر

عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِيۡۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ

عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے فرمایا کہ کون میرا مددگار ہوتا ہے اللہ کے واسطے ۱۸ حواری بولے کہ

الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ

ہم مددگار (ہوتے) ہیں اللہ کے (دین کے)، پھر بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا

ہوکر رہا، اس کی گواہ دُنیا کی ساری تاریخ ہے۔

۱۸ یعنی دینِ حق کی تبلیغ کے معرکوں میں کون میرا شریک و رفیق ہوتا ہے؟

حواریین پر حاشیے سورۂ آل عمران (آیت:۵۲) میں گزر چکے، اور عیسیٰؑ ابن مریم پر اس سے قبل۔

کما......اللہ۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت فرمایا، جب آپؑ مخالفوں اور دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ اناجیل مروجہ میں آپؑ کی اس نصرت طلبی کے سلسلے میں ہے:۔

''اُس نے بارہ کو مقرر کیا تاکہ اس کے ساتھ رہیں، اور وہ انھیں بھیجے کہ منادی کریں''۔ (مرقس،۳:۱۴)

''وہ ان سے کہنے لگا کہ فصل تو بہت ہے لیکن مزدور تھوڑے ہیں، اس لیے فصل کے مالک کی منت کرو کہ اپنی فصل کاٹنے کے لیے مزدور بھیجے''۔ (لوقا،۱۰:۲)

أنصار اللہ۔ مراد انصار دین اللہ سمجھی گئی ہے۔

أی أنصار دین اللہ. (کبیر، ج۲۹/ص:۲۷۶)

کونوا أنصار اللہ۔ یعنی اللہ کے دین کی نصرت مستقلاً اختیار کرلو، اور اسی پر جمے رہو۔

أی بإدامة النصرة والثبات علیه، أی ودوموا علی ما أنتم علیه من النصرة.

(کبیر، ج۲۹/ص:۲۷۶)

کما قال الحواریون ......الخ۔ تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ تم بھی نصرتِ دین میں اسی طرح ہوجاؤ جس طرح حواریین عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ آیت سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ نصرتِ دین کا اور انصار اللہ بننے کا حصر کچھ قتال و جہاد ہی پر نہیں، اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو قتال ایک بار بھی نہیں کیا تھا، اور پھر بھی آپ کے حواریوں کی نصرتِ دین کو بطورِ نمونہ کے پیش کیا گیا۔

وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا

اور ایک گروہ منکر رہا ۱۹ پھر ہم نے ایمان والوں کا ساتھ اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں دیا، سو وہ

ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

غالب ہو گئے ۲۰

۱۹ (انھیں حواریوں کی کوشش کے باوجود)

فـامـنـت طائفة۔ ان ایمان لانے والوں کی تعداد، روایاتِ یہود کے مطابق ۳۰۰ سے لے کر ۳۳۰ تک پہنچتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

۲۰ چنانچہ تبلیغ دینِ حق کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکی اور مخالفین اپنے سارے اثر، قوت، غلبہ، وجاہت کے باوجود مسیحؑ کی دعوت کو پھیلنے سے نہ روک سکے۔

حضرت مسیحؑ کو اپنی زندگی میں مقابلہ دُہری دُہری مخالفتوں کا کرنا پڑا: ایک تو خود آپ کی قوم یہود، جسے اس وقت اس کے وطن فلسطین میں ایک نیم خود مختارانہ حکومت حاصل تھی، آپؑ کی شدید ترین مخالف ہو گئی تھی، اور پھر حکومتِ وقت رُومی سلطنت کا مذہب شرک، بت پرستی تھا۔ صدائے توحید اُن کے لیے تازیانہ کا حکم رکھتی تھی۔ اس ساری مخالفانہ فضا کے باوجود آپؑ کو جو بھی کامیابی ہوئی تمام تر تائیدِ غیبی کا نتیجہ تھی۔ آیت سے کتنا بڑا درس ہمت و عزیمت کا مسلمانوں کو مل رہا ہے!

سورۂ جمعہ مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ

(اسی) اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ بھی آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ بھی زمین میں ہیں، (جو) بادشاہ ہے، مقدس ہے، زبردست ہے

الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

حکمت والا ہے [1] وہی تو ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انھیں میں سے ایک پیمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

سناتا ہے اور اُنھیں پاک کرتا ہے اور اُنھیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے، درآنحالیکہ یہ لوگ پہلے سے

[1] تسبیح جملہ مخلوقات پر حاشیہ کئی بار گزر چکا ہے کہ مراد ہر ہر مخلوق کی، اپنے اپنے مرتبۂ وجود کے مطابق تسبیح ہے، زبانِ حال سے بھی اور زبانِ قال سے بھی۔

الملک۔ یعنی وہ بادشاہ مطلق الاختیار ہے، اس کے اقتدار اور اس کے اختیارات پر کوئی قید کسی قسم کی بھی نہیں۔ جو قانون وہ چاہے مقرر کردے، جس کو اور جب جو حکم وہ چاہے، دے دے۔

القدوس۔ ہر عیب، ہر نقص، ہر کمی اور کوتاہی سے وہ منزہ اور برتر ہے۔

العزیز۔ زمین وآسمان کی ساری قوتیں، مادّی یا غیر مادّی، اسی کی محکوم وتابع فرمان ہیں۔ وہ سب پر حاکم ہے، کوئی اس کا مزاحم نہیں ہوسکتا۔

الحکیم۔ اس کی ہر کارروائی بے انتہا مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی ہوتی ہے، اس کی صناعیوں کو سطحی نظر سے دیکھنا محض حماقت ہے۔

لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ۲؎ اور دوسروں کے لیے بھی ان میں سے (آپ کو بھیجا) جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے اور وہ (بڑا) زبردست ہے

الْحَكِيْمُ ۝٣ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

حکمت والا ہے ۳؎ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور اللہ بڑے فضل

۲؎ (اور جو قوم بھی تعلیماتِ نبوت سے محروم ہوتی ہے، ایسی ہی ظلمتوں اور ضلالتوں میں گھری رہتی ہے)

فی الأمّیین۔ یعنی قوم عرب کے درمیان۔

الأمی منسوب إلى أمة العرب. (کبیر، ج ۳۰/ص:۴)

اُمّی پر حاشیہ سورۂ آل عمران (آیت ۷۵) میں گزر چکا۔

صوفیۂ محققین نے کہا ہے کہ جب رسولؐ اور رسول اعظم بھی اُمی یا علومِ رسمی سے ناآشنا ہوسکتا ہے، تو کسی ولی کے اُمی یا اَن پڑھ ہونے میں کیا اشکال ہے، البتہ علومِ شرعیہ سے بقدر ضرورت اسے واقفیت ہونا چاہیے۔

یتلوا علیہم آیتہ۔ پہلا کام اس عربی رسولؐ کا اہل عرب کے سامنے کلامِ الٰہی کی آیتوں کو پڑھ کر سنانا ہے۔

ویزکّیہم۔ رسول کا کام آیاتِ الٰہی کی تلاوت اور کلامِ الٰہی کے سنانے کے بعد عقائدِ باطلہ اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔

یعلمہم الکتٰب والحکمۃ۔ رسولؐ کا کام تبلیغ اور تزکیہ پر ختم نہیں ہو جاتا، وہ اپنے مخاطبین کو کتابِ الٰہی کے مضامین کی، نیز اپنی لائی ہوئی حکمت کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔

مسائل کی توضیح وتشریح، تعمیم، تخصیص، تبیین، تفسیر سب اس کے تحت میں آ گئے۔

بعث فی الأمیّن۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپؐ کی دعوت صرف قوم عرب کی جانب تھی، کافۃ للناس بشیراً ونذیراً وغیرہ متعدد آیتوں سے آپؐ کی دعوت کا عموم اور عالمگیری بجائے خود ثابت اور قطعی ہے، اور یہ ضرور نہیں کہ صراحت وتکرار ہر موقع پر اسی کی ہوتی رہے۔

۳؎ آخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت موجود نہ تھے۔ آگے چل کر کسی

الْعَظِيْمِ ۝ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ

والا ہے ؎ جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کا حکم دیا گیا تھا، پھر انھوں نے اس پر عمل نہ کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے

يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

جو کتابیں لادے ہو، (کیسی) بری مثال ہے اس قوم والوں کی جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ

ظالم لوگوں کو (توفیق) ہدایت نہیں دیتا ؎ آپ کہیے اے یہودی ہو جانے والو! اگر تمھارا یہ دعویٰ ہے کہ تم ہی

زمانے میں ایمان لانے والوں میں شامل ہوں گے، اور یوں وہ سارے لوگ جو قیامت تک اسی دینِ حق میں داخل ہوں گے، سب آخرین کے تحت میں آگئے۔

وقال ابن زيد: هم جميع من دخل في الإسلام بعد النبي صلى الله عليه وسلم إلىٰ يوم القيٰمة. (معالم، ج٥/ص:٨٢)

قال مجاهد وغير واحد: هم الأعاجم وكل من صدق النبي صلى الله عليه وسلم من غير العرب. (ابن كثير، ج٤/ص:٣٢٧)

ھم سے تعبیر ان غیر موجودین کو بحیثیت ان کے اسلام کے کیا گیا ہے۔

وھو العزیز الحکیم۔ اور اسی قدرت والے اور حکمت والے نے اپنی قدرت و حکمت سے ایسا رسول مبعوث کر دیا۔

۴؎ ایک بگڑی ہوئی قوم کی قوم کو راہِ ہدایت دکھا دینا، اور بے شمار مخلوق کو راہِ ہدایت پر لے آنا اس کے فضل عظیم کے سامنے کیا مشکل ہے؟ پھر اس کے عموم فضل کو کسی ایک نسل یا قوم کے ساتھ ہمیشہ کے لیے محدود و محصور سمجھنا بھی حماقت ہی ہے۔

ذلك۔ یعنی رسولؐ کے ذریعے ضلال مبین سے نکل کر کتاب و حکمت و ہدایت کی روشنی میں آ جانا۔

۵؎ الظلمین سے مراد وہی لوگ ہیں، جو دینِ حق سے عناد رکھتے ہیں، اور اسی خبث و عناد کی بنا پر کبھی دلائل و حقائق پر غور نہیں کرتے ــــــ ایسوں کو سنا دیا گیا کہ جب تک وہ اپنی طرف سے عناد ترک نہ کریں گے، انھیں ہدایت نصیب نہ ہوگی۔

اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۞

بلاشرکت غیرے اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ، اگر تم سچے ہو ۶

مثل...... کمثل الحمار۔ یہ مثلیت اور تشبیہ نفع سے محرومی کے لحاظ سے ہے ـــــ جس طرح کتابوں کے بوجھ سے لدا ہوا گدھا کتابوں کے نفع سے محروم محض رہتا ہے، اسی طرح یہ اہل توریت، توریت پر عمل نہ کرنے کے باعث، اس کے فوائد سے کورے رہ گئے۔

کمثل الحمار۔ حمار گدھے کی تخصیص اس لیے کہ جانوروں میں اس کی بلادت اور نافہمی ضرب المثل کی حد تک مشہور ہے، اور اہل عرب کو بالکل مسلّم تھی۔

هذا التمثيل لإظهار الجهل و البلادة، و ذلك في الحمار أظهر. (كبير، ج ۳۰/ص:۶)

أن الحمار من الذل و الحقارة ما لايكون في الغير. (كبير، ج ۳۰/ص:۶)

حملوا۔ حمل یہاں ادائے حقوق اور مکلّف کیے جانے کے معنی میں ہے۔

حملوا أي كلفوا أن يتحملوها أي يقوموا بحقها. (راغب، ص:۱۴۸)

۶ (اپنے دعوئے محبوبیت مطلقہ میں)

یٰأیھا الذین ھادوا۔ خطاب ان اہل عرب سے ہے، جو یہود کے طور طریقے، وضع و معاشرت، شعائر و عقائد اختیار کرتے کرتے رفتہ رفتہ خود بھی یہودی بن گئے تھے ـــــ جیسے ہندوستان میں انگریزوں کے زمانۂ عروج خصوصاً شروع انگریزی دور میں، ہزار ہا اہل ہند نے انھیں کا تمدن اختیار کر کے رفتہ رفتہ اپنے کو ''کرشٹان'' بنا لیا تھا۔

یہودی مذہب اصلاً تبلیغی مذہب نہیں، نسلی مذہب تھا، صرف نسل اسرائیل کے لیے محدود۔ لیکن یہود کے علم و فضل، ثروت و تمدن سے مرعوب و مسحور ہو کر کثرت سے مشرکینِ عرب نے بھی چپکے چپکے دبے پاؤں اپنے اوپر یہودیت (تہوّد) طاری کر لی تھی۔

أنکم...... الناس۔ یہود نے اپنے دل سے یہ عقیدہ گڑھ لیا تھا کہ ہم جو کچھ بھی کریں، جس طرح بھی رہیں سہیں، بہر حال ہماری پیمبر زادگی ہمارے آڑے آتی رہے گی، اور ابراہیم خلیلؑ کی جانب نسلی انتساب ہمیں اللہ کی ہر نافرمانی پر گرفت سے ہمیشہ محفوظ ہی رکھے گا، اور یہ امتیاز بجز ہمارے نسل آدم میں کسی کو بھی حاصل نہیں ـــــ قرآن مجید بار باران کے اسی خطرناک نظریے پر ضرب لگاتا ہے۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ⑦

اور وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے بسبب اُن (اعمال) کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹتے ہیں اور اللہ خوب واقف ہے (ان) ظالموں سے ۷

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى

آپ کہہ دیجیے کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو، وہ ضرور تمھیں آ پکڑے گی، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

(خدا) کے پاس لائے جاؤ گے، پھر وہ تم کو تمھارے سب کیے ہوئے کام جتلا دے گا ۸ اے ایمان

ع ۹ ۱۱

فتمنوا الموت۔ یہاں وہ تمنائے موت مراد نہیں جو عدمِ ثبات و عدمِ توکل کی بنا پر کسی مصیبت سے گھبرا کر کی جاتی ہے، بلکہ وہ تمنائے موت مراد ہے، جو شوقِ جنت اور اشتیاقِ لقائے رب میں ہر مومن کے دل میں پیدا ہوتی رہتی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ''ولایت و مقبولیت کی علامتوں میں سے مومن کے لیے آرزوئے موت بھی ہے، اگرچہ صرف عقلی ہی حد تک رہے۔'' (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۶۴)

۷ یعنی معاندینِ حق سے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ پر تو ان لوگوں کا عنادِ حق وخبثِ باطن عیاں ہی ہے، اُسے اپنے معلوم کرنے کے لیے کسی امتحان کی ضرورت نہیں، لیکن دوسروں پر ظاہر کرنے کے لیے اس نے یہ ایک موٹی سی پہچان بتا دی ـــــ زبان سے اپنی محبوبیتِ مطلقہ کا دعویٰ کرتے ہو، تو پھر ذرا اپنے اِس قیدِ دنیا سے آزاد ہو جانے کی آرزو کر دکھاؤ، لیکن کرو گے کیسے؟ حُبِّ دنیا میں تو اتنا جکڑے ہوئے ہو، اور اُخروی و رُوحانی لذائذ سے اتنا بُعد رکھتے ہو کہ اس آرزو کی کبھی ہمت ہی نہ کر سکو گے!

۸ (اور اپنے اسی علم کامل و قطعی کے مطابق سزا بھی دے گا)

موت سے ناگواری تو انسان کے لیے ایک امر طبعی ہے، اس سے یہاں تعرض نہیں، لیکن جو صاحبِ ایمان ہوتا ہے، وہ اس طبعی گرانی و ناگواری کے باوجود عقلی و ایمانی اعتبار سے ہمیشہ موت کی پیشوائی ہی کے لیے تیار رہتا ہے۔

إنّ......منہ۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ موت کا استحضار، ضمیر کی بیداری کی خاص علامت ہے، اور قلب کی قساوت کا خاص علاج۔

اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ

والو! جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے نماز کے لیے تو چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف ۹

وَذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ

اور خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو ۱۰ پھر جب نماز پوری ہو چکے

۹ اس ذکر اللہ کے عموم میں نمازِ فرض اور خطبۂ واجب دونوں آ گئے۔

یٰٓایھا الذین۔ اس کے عموم سے وہ لوگ خارج ہیں، جن پر جمعہ واجب ہی نہیں، عورتیں، بچے، مریض، مسافر وغیرہ۔

للصلوٰۃ۔ ل عہد کا ہے، اور للصلوٰۃ سے مراد لوقت الصلوٰۃ ہے۔ الصلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ الجمعة ہے۔

من یوم الجمعة۔ من یہاں فی کے معنی میں ہے۔

أی فی یوم الجمعة. (مدارك، ص:۱۲۴۱)

فاسعوا۔ سعی یہاں اپنے لفظی معنی میں، یعنی دوڑنے کے مرادف نہیں، بلکہ اس سے مقصود چلنے میں توجہ واہتمام کی تاکید ہے۔

السعی یستعمل للجدّ فی الأمر. (راغب، ص:۲٦۱)

المراد بالسعی القصد دون العدو. (کشاف، ج٤/ص:٥٢٢)

ولیس المراد من السعی الإسراع، إنما المراد منه العمل والفعل. (معالم، ج٥/ص:٨٤)

ولیس المراد بلسعی ههنا المشی السریع وإنما هو الاهتمام بها. (ابن کثیر، ج٤٠/ص:٣٢٩)

نودی للصلوٰۃ۔ مراد جمعہ کی اذان سے ہے۔

یوم الجمعة۔ جمعہ کا دن کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہم پرست مسیحیوں کے ہاں ''منحوس'' سمجھا جاتا ہے، اور شادی بیاہ سے اُس دن خاص طور پر بچا جاتا ہے، ''نحوست'' کی دلیل یہ ہے کہ ''ابن اللہ'' کو سولی پر اسی دن چڑھایا گیا تھا۔

۱۰ (اور حقائق امور کی طرف متوجہ ہو)

فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا

تو زمین پر چلو پھرو، اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو

لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَا نِ انْفَضُّوْآ اِلَیْھَا وَتَرَکُوْکَ

تاکہ تم فلاح پاؤ ۱۱ اور (بعض لوگوں نے) جب کبھی ایک سودے یا تماشے کی چیز کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑتے ہوئے بکھرے اور آپ کو کھڑا ہی

وذروا البیع۔ بیع کا ذکر محض مزید تاکید واہتمام کے لیے ہے، ورنہ حکم فقہی میں تخصیص کچھ بیع وتجارت ہی کی نہیں۔

أراد الأمر بترك ما يذهل عن ذكر الله من شواغل الدنيا. (مدارك، ص: ١٢٤١)

مراد صرف یہ ہے کہ ادھر موذن کے منہ سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہو، اور ادھر ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ دُنیا کے جس حال اور جس مشغلے میں ہو مسجد کا رخ کردے اور نماز جمعہ کی تیاری واہتمام میں لگ جائے ـــــــ گویا یہ مسلمان کی ہفتہ وار پریڈ ہے کہ ہر مسلمان بگل کی آواز سنتے ہی اپنے کو حاضری پر مجبور پائے!

فقہاء نے یہاں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اصل مقصود وقت نماز کا آجانا ہے، جب وقت آجائے تو ہر مسلمان جس پر نماز جمعہ واجب ہے، اس پر نماز کے لیے تیاری واجب ہوجاتی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ اذان کی آواز ہی کان میں پڑے۔

ذلکم خیر لکم۔ اس حکم کی پابندی شخصی وانفرادی حیثیت سے بھی پہلوئے خیر رکھتی ہے اور قومی واجتماعی حیثیت سے بھی ـــــــ دُنیوی، مادّی اعتبار سے یوں کہ نماز جمعہ تنظیم امت کا ایک بہترین نسخہ ہے، اور اخروی، روحانی اعتبار سے یوں کہ آخرت کا نفع باقی، دُنیا کے ہر نفع فانی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔

۱۱ یعنی جب نماز سے فارغ ہوجاؤ تو اب اجازت ہے کہ اپنے کاروبار میں مشغول ہوجاؤ، اور اپنے جمعہ کو مسیحیوں کے اتوار اور یہود کے شنبہ کی طرح دُنیوی کاروبار سے تعطل کا دن نہ فرض کرلو۔ ہاں دُنیوی کاروبار میں اشتغال خدا فراموشی کے مرادف نہیں، احکامِ الٰہی کا استحضار کاروبار میں بھی پوری طرح رہے، دیانت، امانت، تقویٰ، تجارت اور ہر قسم کے دُنیوی مشغلے میں مسلمان کے لیے لازمی ہیں ـــــــ آیت میں جو حکم ہے اُس کی پوری قدر جب ہوگی، جب یہود ونصاریٰ کا معاملہ جو

قَآئِمًاؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِؕ وَاللّٰهُ

چھوڑ دیا ۱۲ آپ کہہ دیجیے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے وہ تماشہ اور سودے سے کہیں بہتر ہے اور اللہ

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے ۱۳

رکوع ۲ ۱۲

انھوں نے اپنے اپنے ہفتہ وار تہواروں کے ساتھ کر رکھا ہے، پیش نظر ہو۔

۱۲ بعض صحابیوں کی طرف اشارہ ہے جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، اور شریعت کے قوانین واحکام ابھی اُن میں پوری طرح راسخ نہیں ہوئے تھے۔ مدینہ میں ایک بار خطبۂ جمعہ کے وقت (جو اُس وقت تک بعد نماز ہوتا تھا) تجارتی قافلہ غلہ لے کر آیا، اور اعلان کے لیے دَف بھی بج رہا تھا، بارہ (۱۲) پختہ اور راسخ صحابیوں کو چھوڑ کر، باقی دوسرے حضرات یہ سمجھ کر کہ نماز تو ختم ہی ہو چکی ہے، تجارتی قافلے کی طرف چل پڑے۔ یہ تنبیہ ان کی اسی اجتہادی غلطی پر کی جارہی ہے۔

وترکوک قائماً۔ ان الفاظ سے اس مسئلے پر کہ خطیب، جمعہ کو خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے، ایک قرآنی دلیل قائم ہو رہی ہے۔

دليل على أن الإمام يخطب يوم الجمعة قائماً. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٣٣١)

سئل عبد الله بن عمر أكان النبي صلى الله عليه يخطب قائماً أو قاعداً؟ قال أما تقرأ (وتركوك قائماً) (معالم، ج ٥/ص: ٩٥)

۱۳ یہاں یہ بتایا ہے کہ معاشیات و مالیات میں بھی اصل بھروسہ اپنے اسی رحیم وشفیق خالق و مالک پر رکھو۔ اجرِ آخرت سے قطع نظر، دُنیوی اسبابِ رزق کے سلسلے کا بھی آخری سرا تو اسی کے ہاتھ میں ہے۔

ما عند الله۔ یعنی اجرِ آخرت اور حق تعالیٰ کا قُرب!

(۶۳)

سورۃ منافقون مدنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں تو اللہ کو تو یہ معلوم ہی ہے

اِنَّکَ لَرَسُوۡلُہٗ ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ۚ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ

کہ آپ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ (اس کی بھی) گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں [1] اُن لوگوں نے اپنی قسموں کو

جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنَّہُمۡ سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲﴾

سپر بنا رکھا ہے، پھر یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، بے شک کیسے بُرے ان کے کرتوت رہے ہیں [2]

[1] (اپنے اس دعوے میں کہ ہم آپ کے رسول ہونے کے گواہ ہیں)

قـالـوا......الـلّٰـہ۔ یعنی اپنے اصلی اور دلی اعتقاد کے خلاف آپؐ کے سامنے آکر آپ کی تصدیق رسالت کا نمایشی اظہار کرتے ہیں۔

لـکـذبون۔ اس کذب کا تعلق ظاہر ہے کہ خبر سے نہیں، مخبر سے ہے، یعنی بات بجائے خود تو سچی ہے، مگر یہ کہنے والے اسے سچ جان کر نہیں کہہ رہے ہیں۔

[2] یہ منافقین خود تو ایمان سے محروم تھے ہی، دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکتے رہتے تھے، اور اس لیے ان کا جرم دُوہرا جرم تھا۔

اتـخـذوا أیـمـانهم جُنّة۔ یعنی یہ لوگ اگر علانیہ اپنے کفر و عداوتِ اسلام کا اظہار کر دیں تو اُن کا شمار بھی کافروں میں ہونے لگے اور ان کے مقابلے میں جہاد واجب ہو جائے، اس لیے یہ

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۳

یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے ۳ سو ان کے دلوں پر مہر کردی گئی تو یہ (اب) نہیں سمجھتے ۴

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ

اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ بات کرنے لگے تو آپ ان کی باتیں سننے لگیں، گویا یہ

اپنے جان اور مال کے بچانے کی خاطر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں ——— کوئی شخص جب تک زبان سے اسلام کا اقرار کر رہا ہے، خواہ وہ حقیقۃً کیسا ہی دشمنِ اسلام ہو، اسلام اُسے قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

فصدوا عن سبیل اللہ۔ یعنی دوسروں کو بھی راہِ حق سے روک کر اپنے جرم کا درجہ دُگنا کر رہے ہیں۔

ساء ماکانوا یعملون۔ ساء میں ہمیشہ ایک پہلو تعجب کا شامل رہتا ہے، گویا سامعین سے کہا جا رہا ہے کہ دیکھو تو سہی، کیسے بُرے اُن کے کرتوت رہے ہیں!

وفی ساء معنی التعجب الذی هو تعظیم أمرهم عند السامعين. (مدارك، ص:۱۲٤۲)

۳ یعنی پہلے مومنین کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا، پھر اپنے رازداروں کی مجلس میں جا کر کلماتِ کفر کہے۔

أی نطقوا بكلمة الشهادة...... ثم ظهر كفرهم بعد ذلك. (مدارك، ص:۱۲٤۲)

أو نطقوا بالإيمان عند المؤمنين، ثم نطقوا بالكفر عند شياطينهم. (مدارك، ص:۱۲٤۲)

ذلك۔ یعنی اُن کے کرتوتوں کا بُرا اور بہت بُرا ہونا۔

إشارة إلى قوله ساء ماكانوا يعملون. (مدارك، ص:۱۲٤۲)

بأنهم۔ میں ب سببیہ ہے۔

أی بسبب أنهم. (مدارك، ص:۱۲٤۲)

۴ (دین کے روشن ترین دلائل و حقائق کو بھی)

فطبع۔ دلوں پر یہ مہر اُسی ارادی منافقت کی عادت کی بنا پر لگی، اور پھر اس نتیجے کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے ذہنوں سے صلاحیت ہی حقائق دین کی فہم کی جاتی رہی۔

خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحۡسَبُوۡنَ كُلَّ صَيۡحَةٍ عَلَيۡهِمۡ ؕ هُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡهُمۡ ؕ

لکڑیاں ہیں سہارے سے لگائی ہوئی ۵ ہر غل پکار کو یہ اپنے ہی اوپر سمجھنے لگے ہیں، یہی لوگ (پورے) دشمن ہیں، پس آپ ان سے ہوشیار رہیے

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ۝۴ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا يَسۡتَغۡفِرۡ لَكُمۡ

اللہ ان کو غارت کرے، کہاں پھرے چلے جاتے ہیں ۶ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمھارے لیے استغفار کر دیں

۵ (کہ دیکھنے میں تو لمبی چوڑی، موٹی، شاندار، مگر بے جانِ محض، روح سے خالی)

وإذا......أجسامهم۔ یہ خوش نمائی ان کے ظاہری شان وشوکت اور مادی تن وتوش کی بنا پر ہوگی ـــــ آج بھی منافقوں، زندیقوں، بے دینوں کے مجمع میں کیسے کیسے خوش پوش اور کیسے کیسے خوش ظاہر نظر آتے ہیں!

وإن......لقولهم۔ جاذبِ توجہ ان کی تقریر کی ظاہری شستگی اور آراستگی ہوگی ـــــ آج بھی منافقوں، زندیقوں، بے دینوں کے مجمع میں کیسے کیسے خوش تقریر، خوش تحریر، خطیب وادیب نظر آتے ہیں!

۶ (دینِ حق سے)

قتلهم الله۔ عربی زبان میں ایک بددعا کا کلمہ ہے۔

ایک مومن، آج جب قرآن مجید میں منافقین کی ایسی ایسی تکلیف دہ اور مسلم آزار کیفیتیں سنتا ہے، تو قدرۃً اُس کے دل میں اُن کی طرف سے سخت غصہ پیدا ہوتا ہے، اور جوش میں بے ساختہ اُن پر لعنت بھیجنے کو دل چاہتا ہے۔ قرآن مجید نے بکمالِ بلاغت عین موقع پر بندوں کے جذبات کی ترجمانی کر دی! ـــــ یہ نکتہ حکیم الامت تھانویؒ نے اپنی مجلس میں یہ کہہ کر ارشاد فرمایا کہ یہ اُن کے بڑے گھر میں جو کچھ ایسی پڑھی لکھی بھی نہیں، ان سے بیان فرمایا۔

يحسبون كل صيحة عليهم۔ منافق کا ضمیر اُسے کبھی چین لینے نہیں دیتا، افشائے راز اور کشفِ حقیقت کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے، وہ ہر چرچے کو اپنے ہی متعلق سمجھتا ہے۔

هم العدو فاحذرهم۔ یعنی ایسے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے بڑے سخت دشمن ہیں تو اُن کے مکر وکید وضرر رسانی سے ہمیشہ ہوشیار رہنا!

هم العدو۔ یعنی بڑے سخت دشمن۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۞

تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ اُنھیں دیکھیں گے کہ بے رُخی کر رہے ہیں تکبّر کرتے ہوئے ۷

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ

اُن کے حق میں برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا آپ ان کے لیے استغفار نہ کریں، اللہ اُنھیں بہر حال نہ بخشے گا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى

بے شک اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو (توفیقِ) ہدایت نہیں دیتا ۸ یہی لوگ تو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس جمع ہیں اُن پر کچھ

مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

خرچ مت کر دینا یہاں تک کہ وہ (آپ ہی) منتشر ہو جائیں گے ۹ حالاں کہ اللہ ہی کے تو ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے

أي هم الكاملون في العداوة. (مدارك،ص:۱۲۴۳)

۷ حاصل یہ کہ نفاق کے ساتھ ساتھ مرض رعونت وخود بینی میں بھی یہ لوگ مبتلا تھے، اور اسی لیے نہ کسی قسم کی معذرت کی ضرورت سمجھتے تھے، نہ توبہ واستغفار کی۔

۸ (جو فسق عملی واعتقادی میں غرق ہو چکے ہیں، اور قبولِ حق وہدایت کا قصد ہی نہیں کرتے) قرآن مجید حق تعالیٰ کے اس قانونِ تکوینی کی تکرار بار بار کر چکا ہے، تاکہ بندوں کو خوب اُس کا خوب استحضار رہے۔

سوآء......لھم۔ رسول تک کے استغفار کی شرطِ قبولیت وجودِ ایمان ہے۔ جو دل ایمان ہی سے خالی ہیں، ان کے لیے رسول اللہ تک کا استغفار لا حاصل ہے، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

أي ما داموا على النفاق. (مدارك،ص:۱۲۴۴)

أستغفرت لهم۔ یعنی آپ بھی بہر حال بشر ہی ہیں۔ سید البشر اور کامل الفراست ہونے کے باوجود ممکن ہے کہ ان کے زبانی دعوے اور ظاہری بیان کا اعتبار کر لیں۔

الفاسقين۔ فاسق کے عموم میں کافر، منافق، متکبر وہ سب جمع ہو گئے، جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

أي الذي سبق ذكرهم وهم الكافرون والمنافقون والمستكبرون. (كبير،ج۳۰/ص:۱۶)

۹ روایتوں میں آتا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر انصار ومہاجرین کے درمیان

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

البتہ منافقین ہی نہیں سمجھتے ۱۰ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جائیں گے

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ

توغلبہ والا وہاں مغلوبوں کونکال باہر کرے گا ۱۱ حالانکہ عزت تو بس اللہ ہی کی ہے اور اس کے پیمبر کی اور ایمان والوں کی، البتہ

الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ

منافقین (وہی اس کا) علم نہیں رکھتے ۱۲ اے ایمان والو! کہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد

ع ۱۴/۸

بے لطفی اور رنجش ہوگئی تھی، منافقین کو موقع مل گیا، انصار کے ہمدرد وغم خوار بن کر اُن سے بولے کہ تمھیں نے تو رشتۂ مواخات قائم کرکے اُن کے حوصلے بڑھا دیے، اُن کے دماغ خراب کردیے ہیں، تم آج خرچ دینا بند کردو تو ابھی تو یہ مجمع منتشر ہوا جاتا ہے۔

یقولون۔ منافقین یہ انصارِ مدینہ سے کہتے تھے۔

من عند رسول اللّٰہ۔ اشارہ مہاجرین مکہ کی جانب ہے۔

۱۰ (بلکہ بکمالِ حماقت ونادانی یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ مہاجرین کے رزق کا مدار انصارِ مدینہ کے چندے اور عطیے پر ہے)

۱۱ یعنی ہم کہ ہمارا شمار مدینہ کے اکابر واہلِ اقتدار میں ہے، ان غریب نو واردوں اور مکی پردیسیوں کو اپنے شہر سے نکال باہر کریں گے۔

رجعنا إلى المدينة۔ یہ گفتگو مدینہ سے باہر غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر ہو رہی تھی۔

۱۲ (کہ غلبہ اور مغلوبی، عزت وذلت کا حقیقی اور تکوینی معیار کیا ہے؟)

وللّٰہ......للمؤمنین۔ حق تعالیٰ کا غالب اور صاحبِ عزت ہونا بالذات اور اصالۃً ہے، اور ہر صفت کے اعتبار سے بالکل کامل ومکمل ـــــــ اور رسول کا بسبب ان کے تعلق اور ربط باللہ کے، اور بلحاظ ان کے لائے ہوئے کلام کے اعجاز اور ان کے دین کے دلائل وبینات کے ـــــــ اور مومنین کا بسبب ان کے تعلق باللہ اور تعلق بالرسول کے اور باعتبار ان کی فتح ونصرت کے۔

للّٰہ العزۃ۔ عزت کے معنی یہاں غلبہ واقتدار کے ہیں۔ دُنیا میں عزت یعنی علو وغلبہ کے بڑے اور اصلی مظہر یہی دو ہیں: ایک مال، دوسرے جاہ۔ قرآن مجید نے اہلِ ایمان کو یہ حقیقت بتائی ہے کہ یہ

اَوۡلَادُكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝۹

تمھیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہی لوگ تو گھاٹے میں رہنے والے ہیں ۱۳

وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ

اور ہم نے جو کچھ تمھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرلو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت آ کھڑی ہو، پھر وہ کہنے لگے

رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝۱۰

کہ اے میرے پروردگار! مجھے اور کچھ دن مہلت کیوں نہ دیں کہ میں خیر خیرات کرلیتا اور نیک کاروں میں شامل ہوجاتا ۱۴

وَلَنۡ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۱ ع

اور اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جب اس کی میعاد مقرر آجاتی ہے اور اللہ کو تمھارے کاموں کی (پوری) خبر ہے ۱۵

دونوں مقصد، مرکزِ حقیقی ہی سے تعلق جوڑے رکھنے سے حاصل ہوسکتے ہیں نہ کہ اس سے کٹ جانے سے ــــ پہلی حقیقت کا اظہار آیت ماقبل میں ہوچکا ہے، اور دوسری حقیقت کا اس آیت میں ہورہا ہے۔

۱۳ (کہ دُنیوی لذت، عیش و راحت تو بہرحال ایک دن ختم ہوجانے والی ہیں، البتہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جتنی کوتاہیاں رہ گئیں، اُس کا وبال باقی رہ جانے والا ہے)

عن ذکر اللہ۔ اس ذکرِ الٰہی کی بڑی فرد اطاعتِ احکامِ الٰہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مال و اولاد تو خود اسی لیے عطا ہوئے ہیں کہ اللہ سے متعلق جو حقوق عائد ہوتے ہیں اُنھیں پورا کرکے اپنے مدارجِ رُوحانی کی تکمیل کرو، لیکن اگر کہیں اُنھیں چیزوں کو جو ذریعۂ عبادت اور سببِ طاعت ہیں، تم نے اصل مقصود و مطلوب بنالیا، تو تم عین گمراہی میں پڑ گئے۔

۱۴ یہ قول بطورِ تمنا و حسرت زبان پر اُس وقت آئے گا، جو عین انکشافِ حقیقت کی گھڑی ہوگی۔

وأنفقوا۔ یعنی ادائے حقوق واجب میں، طاعتِ الٰہی میں خرچ کرو۔

فأصّدق۔ ف یہاں حتی کے مرادف ہے، یعنی یوں کہا جائے کہ کلمۂ لولا جواب ابھی گزر چکا ہے، اس کے جواب میں ہے۔

۱۵ (اس کے ہاں جزا و سزا میں کسی غلطی کا امکان نہیں)

ولن......أجلها۔ یہاں یہ بتادیا کہ جب وہ وقتِ موعود آجائے گا، تو ساری حسرت و تمنا بے کار رہے گی۔

(۶۴)

آیاتها ۱۸ — ۱۸ آیتیں

سُوْرَۃُ التَّغَابُنِ مَدَنِیَّۃٌ

سورۂ تغابن مدنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَلَہُ الۡحَمۡدُ ۫

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں، اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کی (یہ) تعریف ہے

وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ① ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّمِنۡکُمۡ

اور وہی ہر شے پر قادر ہے [۱] وہ وہی ہے جس نے تم (سب) کو پیدا کیا، سو بعض تم میں سے کافر ہیں اور بعض تم میں سے

مُّؤۡمِنٌ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ

مومن، اور اللہ تمھارے (سارے) اعمال کو دیکھ رہا ہے [۲] اُسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا

[۱] (اور وہی ساری صفاتِ کمال و جمال کا جامع ہے)

یسبح ......الأرض۔ یہ تسبیح ہر مخلوق کی اس کے مرتبۂ وجود کے مطابق و متناسب ہوگی، کہیں زبانِ حال سے کہیں زبانِ قال سے۔

له الملك۔ حکومت و ملکیت صرف اُسی ذاتِ پاک کی ہے۔

وله الحمد۔ محمودیت کی مرکز صرف وہی ذاتِ پاک ہے۔

[۲] اس لیے حشر و جزائے اعمال کے وقت سب یکساں ہوں گے۔

خلقکم۔ خطاب عام نوعِ بشری سے ہے۔ مرتبۂ مخلوقیت میں سب یکساں ہیں۔

هو الذی خلقکم اور جب وہ سب کا خالق ہے تو اس کی خالقیت کا عین مقتضا یہ تھا کہ تم سب کے سب اُس کے مطیع ہوتے۔

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور تمہارا نقشہ بنایا، سو تمہارا (کیسا) اچھا نقشہ بنایا، اور اسی کی طرف (سب کی) واپسی ہے ۳ وہ سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾

اور زمین میں ہیں اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو تم علانیہ کرتے ہو، اور اللہ تو دلوں تک کی بات خوب جاننے والا ہے ۴

فمنکم......مومن۔ بشر کے درمیان حقیقی اور بنیادی تفریق صرف مومن و کافر کی ہے۔ ایک طرف چین کے مسلم، مصر کے مسلم، ہند کے مسلم، امریکہ کے مسلم، آسٹریلیا کے مسلم، رنگ کے، نسل کے، زبان کے، وطن کے اختلافات کے باوجود سب کے سب مسلم، اور دوسری صف میں ساری دُنیا کے کافر۔ بس حقیقی قومیں کل یہی دو ہیں ــــــ مومن و کافر یا مطیع و سرکش یا مسلم و منکر۔

۳ یہاں جتنی صفاتِ الٰہی بیان ہوئی ہیں، بہت سی آیاتِ قرآنی کی طرح اُن میں سے ہر صفت کا اثبات کسی نہ کسی مشرکانہ گمراہی کی تردید، کسی نہ کسی جاہلی عقیدے کے ابطال ہی میں ہے۔

خلق السمٰوات والأرض۔ آسمان و زمین نہ دیوی دیوتا ہیں، نہ خود آفریدہ، بلکہ حق تعالیٰ کے خلق کیے ہوئے ہیں، جس طرح اور ساری مخلوق ہے۔

بالحق۔ یہ سارا کارخانۂ کائنات، جس کی پوری پیمائش کسی بندے سے نہ آج تک ہو سکی ہے، نہ آیندہ کبھی ہو سکے گی، یوں ہی بلا مقصد، محض تماشا و تفریح کی خاطر وجود میں نہیں لے آیا گیا ہے، بلکہ مخصوص و متعین اعلیٰ مقاصد کے ماتحت ایک حکیم مطلق کے ارادے و تجویز کے مطابق وجود میں لایا گیا ہے۔

وصوّرکم۔ مادّہ و روح، ہیولیٰ اور صورت، سب کا خالق و موجد وہی ہے۔

فاحسن صورکم۔ انسان کی خلقت و ترکیب سب بہترین آئینِ حکمت کے مطابق ہے، محض اتفاقی اجتماعِ عناصر کا نتیجہ نہیں۔

والیہ المصیر۔ ہر مخلوق کو اپنی زندگی کی میعاد پوری کر کے واپس بھی اسی کے حضور میں ہونا ہے۔ کسی اور دیوی دیوتا، ابن اللہ وغیرہ سے سابقہ پڑنا نہیں ہے۔

۴ حاصل یہ کہ اس کی قدرت کی طرح اس کی صفتِ علم بھی کامل و مکمل ہے، جزئیات و کلیات، غیب و شہادت سب پر یکساں حاوی۔

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِہِمۡ وَلَہُمۡ

کیا تمھیں ان لوگوں کی خبر نہیں جو (تم سے) قبل کفر کر چکے تھے سو انھوں نے اپنے کرتوت کا وبال چکھا اور ان کے لیے

عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ

عذاب دردناک ہے ۵؎ یہ اس سبب سے کہ ان کے پاس ان کے پیمبر کھلے ہوئے نشان لے کر آئے، اس پر وہ بولے کہ کیا انسان

یَّہۡدُوۡنَنَا ۫ فَکَفَرُوۡا وَتَوَلَّوۡا وَّاسۡتَغۡنَی اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ۝ زَعَمَ

ہم کو ہدایت کریں گے؟ غرض انھوں نے کفر کیا اور اعراض کیا اور اللہ نے (اُن کی کچھ) پروانہ کی، اور اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے ٦؎ جو لوگ

۵؎ (آخرت میں)

یعنی وبالِ عاجل کے علاوہ، جس کا مشاہدہ ہر شخص اوراقِ تاریخ کی مدد سے کر سکتا ہے، ان سرکش و نافرمان قوموں کے لیے آخرت کا عذاب آجل بھی ہے۔

الذین کفروا من قبل۔ اس میں وہ تمام قومیں آگئیں، جو اسلام سے قبل دُنیا میں نمودار ہوئیں، اور خدائی قانون کی مخالفت کر کر کے دُنیا سے نابود ہو گئیں۔

فذاقوا وبال أمرھم۔ یعنی اسی دُنیا میں اپنے کفر و طغیان کا مزہ چکھا، اور ہلاک و برباد ہو کر رہے۔

٦؎ (اُس کو نہ کسی کی طاعت سے نفع، نہ کسی کی معصیت سے ضرر)

فقالوا أبشر یھدوننا۔ وہ لوگ حیرت و انکار کے لہجہ میں بولے کہ بھلا بشر بھی کہیں ہادی و رہنما ہو سکتا ہے؟ کوئی دیوی دیوتا ہوتا تو خیر ایک بات بھی تھی ـــــ بشریت کو جاہلی قوموں نے ہمیشہ رہبری و رہنمائی کے منافی سمجھا ہے، اور وہی ذہنیت آج تک چلی آرہی ہے۔

واللہ غنی حمید۔ آیت اُن جاہلی قوموں کے رد میں ہے جن کے عقیدے میں دیوتا بھی اپنے پجاریوں کے درجۂ اقرار و انکار، عبودیت و اعراض سے متاثر ہوتے رہتے تھے۔

ذلك۔ اشارہ وبالِ دُنیوی و عذابِ آخرت دونوں کی جانب ہے۔

إشارة إلىٰ ماذكر من الوبال الذى ذاقوه فى الدنيا وما أعدّ لهم من العذاب فى الآخرة. (مدارك، ص: ۱۲۴۷)

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا

کافر ہیں ان کا خیال ہے کہ وہ (دوبارہ) اُٹھائے نہ جائیں گے، آپ (ان سے) کہئے ضرور اور قسم ہے میرے پروردگار کی، ضرور تم اُٹھائے جاؤ گے، پھر جو

عَمِلۡتُمۡ ؕ وَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۷﴾ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ

کچھ تم کر چکے ہو، اس کی تمھیں خبر دی جائے گی اور یہ اللہ پر (بالکل) آسان ہے ۷ تو اب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس نور پر بھی جو

اَنۡزَلۡنَا ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۸﴾ یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِکَ

ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تمھارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے ۸ وہ دن (یاد رکھو جب) وہ تمھیں اس جمع کرنے والے دن میں جمع کرے گا، یہی (دن) ہے

یَوۡمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ وَ یَعۡمَلۡ صَالِحًا یُّکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ

نقصان (ونفع) کے ظاہر ہونے کا دن اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا، اللہ اس کے گناہ اس سے دور کرے گا

وَ یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ

اور اُسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی، اُن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہ

الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۹﴾ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ

بڑی ہی کامیابی ہے ۹ اور جو لوگ کافر ہے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے رہے، یہ لوگ دوزخی ہیں

۷ بلیٰ وربی کے ٹکڑے سے مقصود عربی اسلوبِ بیان کے مطابق تاکیدِ کلام اور وقوعِ حشر میں قطعیت کا پیدا کرنا ہے۔

وذلك على الله يسير۔ حق تعالیٰ کی قدرت وعظمت کا استحضار اگر ذہن میں رہے تو وقوعِ حشر میں کوئی استبعاد ذرا سا بھی نہ رہے۔

زعم الذين كفروا۔ لفظ زعم سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ منکروں کا یہ قول بلا دلیل محض اٹکل اور خیال سے ہے۔

۸ کوئی عملِ نفاق، کوئی عملِ کفر اُس کی نگاہ سے مخفی نہیں۔

والنور الذی أنزلنا۔ مراد قرآن کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۹ (جس کے سامنے دُنیا کی بڑی سے بڑی ممکن کامیابی بھی ہیچ محض ہے)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

اس میں ہمیشہ رہیں گے اور بُرا ٹھکانہ ہے، کوئی مصیبت ایسی نہیں آئی جو بجز اللہ کے حکم کے ہو

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اُسے راہ دکھا دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب ہی جانتا ہے ۱۰ اور تم اطاعت کرو اللہ کی

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫

اور اطاعت کرو رسول کی، پھر اگر تم نے رُوگردانی کی تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ۱۱

ذلك يوم التغابن۔ یعنی وہ دن منکرو کافر کی حسرت وزیاں کا ہوگا، اور مومن کی راحت ومسرت کا۔

ومن......سیاتہ۔ آیت اُن خارجی اور نیم خارجی گروہوں کے مزید رد میں ہے، جو معصیت کو ایمان کے منافی سمجھتے ہیں۔ مومن سے اگر گناہ سرزد ہی نہ ہوں، تو یہ کفارہ کا ہے کا ہوگا؟ اور قرآن مجید مومنین کے کفارۂ معاصی کا بار بار اثبات ہی کیوں کر رہا ہے؟

ویعمل......سیاتہ۔ قرآن مجید کی یہ بار بار کی بشارت کہ نیکیاں گناہوں کے محو کرنے میں وہ کام دیں گی، جو پنسل کی تحریر کے حق میں ربڑ کرتی ہے، ہم عاصیانِ امت کے لیے کتنی بڑی بشارت ہے!

۱۰ (بشری ضروریات وجذبات کا کونسا جزئیہ اس سے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟)

مــا......اللّٰــه۔ اس خیال کا استحضار مصیبت زدوں کے لیے کتنی بڑی تسلی وتسکین کا باعث اور جادۂ تسلیم ورضا پر قائم رکھنے میں کتنا زیادہ معین ہوسکتا ہے!

باذن اللہ ۔اِذن سے مراد اس سیاق میں حکم تکوینی ہے، جو مرضی الٰہی کو مستلزم نہیں۔

أي بعلمه وتقديره ومشيئته. (مدارك، ص:١٢٤٨)

قال ابن عباس رضي الله عنهما بعلمه وقضائه. (كبير، ج٣٠/ص:٢٤)

ومن......قلبه۔ ایمان باللہ میں تاثیر ہی یہ ہے کہ وہ قلب کو تسلیم ورضا کا راستہ دکھاتا رہے۔ جس کا درجۂ ایمان جتنا زیادہ مستحکم وبلند، اُسی قدر ہجوم مصائب کے وقت سکونِ قلب بھی اس کو زیادہ نصیب۔ چیز تجربے کی ہے، جو چاہے تجربہ کرد یکھے!

۱۱ (اور وہ فریضۂ تبلیغ سے ادا ہو چکے)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں اور ایمان والے بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں ۱۲ اے ایمان والو!

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا

تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد ہی میں سے تمھارے دشمن ہیں، سو اُن سے ہوشیار رہو ۱۳ اور اگر تم معاف کر دو

وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ

اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو، تو اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحم کرنے والا ہے ۱۴ تمھارے مال اور تمھاری اولاد

وأطيعوا الله وأطيعوا الرسول۔ اطاعت حق تعالیٰ کی تو براہِ راست اور اصالۃً مقصود ہے اور رسول کی اُس کے نائب معصوم کی حیثیت سے۔

۱۲ (خواہ وہ مصیبت اُن پر محض تکوینی حیثیت سے بیماری، قحط وغیرہ کے سلسلے میں آپڑے، خواہ راہِ حق پر رہنے کے سلسلے میں مخالفین و معاندین کی طرف سے اُن پر ستم توڑے جائیں)

۱۳ (کہ کہیں تم ان کی محبت طبعی میں غلو کے باعث معاصی میں مبتلا نہ ہونے لگو)

یعنی بعض اوقات بیوی بچوں کی محبتِ مفرط بھی غلط راستے پر ڈال دیتی ہے اور انسان ان کی پُر معصیت فرمایشوں کی تعمیل میں لگ جاتا ہے، سو ایسے بیوی بچوں سے ہوشیار اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

اُوپر مصیبتوں کا ذکر تھا کہ وہ کہیں تمھیں راہِ تسلیم و رضا سے ڈگا نہ دیں، اب نعمتوں کا ذکر ہے کہ کہیں اُن میں پڑ کر احکامِ خداوندی کی طرف سے غافل نہ ہو جاؤ اور اس سلسلے میں صراحت کے ساتھ ذکر صرف بیوی بچوں کا کیا ہے کہ حقیقۃً یہی دُنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں، اور انسان کو طبعی کشش بھی انھیں کی جانب سب سے زیادہ ہوتی ہے ــــــ مومن و مسلم کا کام ہر حال و ہر کیفیت میں، چاہے وہ مصیبت ہو یا راحت، آفت ہو یا نعمت، یہی ہے کہ اپنے رشتۂ عبدیت کو اپنے مالک و مولیٰ کے ساتھ یکساں جوڑے رہے۔

عدوا۔ عدو کے معنی بدخواہ کے ہیں، خواہ وہ بدخواہی عمداً ہو یا نادانستہ۔

۱۴ (پس تمھارا معاف کرنا اور رحمت و مہربانی سے کام لینا تو عین اخلاقِ الٰہی کی پیروی کرنا ہے)

وإن تعفوا۔ یعنی جب تمھارے بیوی بچے، توبہ، ندامت و معذرت سے کام لینے لگیں،

فِتۡنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ وَاسۡمَعُوۡا

تو بس آزمائش (کی چیزیں) ہیں اور اللہ کے پاس پورا اجر ہے ۱۵ سو اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے، اور سنتے رہو

وَاَطِيۡعُوۡا وَاَنۡفِقُوۡا خَيۡرًا لِّاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

اور اطاعت کرتے رہو اور اپنے حق میں بھلائی کے لیے خرچ کرتے رہو ۱۶ اور جو کوئی محفوظ رہا حرص نفسانی سے تو یہی لوگ

اور تم انھیں معاف کرنے لگو۔

وتصفحوا۔ یعنی نہ سزا دو، اور نہ زیادہ مواخذہ وملامت ہی کرو۔

وتغفروا۔ یعنی دل اور زبان سے بھی اُن کے قصور کو بھلا دو۔

آیت میں صاف تعلیم مل رہی ہے کہ بیوی بچوں کا رکھ رکھاؤ اگر صحیح اسلامی طریقے پر نہ کیا گیا تو یہی لوگ جو اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتیں ہیں، انسان کے دشمن اور بدخواہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں!

وإن......رحیم۔ اس میں صاف ترغیب ان قصوروار بیوی بچوں کو معاف کر دینے اور اُن سے درگزر کرنے کی مل رہی ہے۔

۱۵ (اور یہ اجر عظیم اُن لوگوں کا حصہ ہے جو اِن طبعی نعمتوں کا استعمال صحیح طور پر کرتے رہیں)

إنما......فتنة۔ یہاں یہ بتا دیا کہ مال واولاد کا اگر صحیح استعمال کیا جائے تو یہ عین عبادت ہے، لیکن اگر غلط اور بے جا قسم کا کام لیا گیا، تو یہی تمھارے حق میں مصیبت بن جائیں گے۔

أموالکم وأولادکم۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد اگر افرادِ اُمت کے بجائے امت بحیثیت مجموعی سمجھی جائے تو آج کل کے ماہرینِ فن ومبصرین کا یہ بیان پیش نظر رہے کہ فتنۂ جنگ کے سب سے بڑے اسباب یہی دو ہیں:۔۔۔۔۔ افراطِ زر، وافراطِ آبادی!

۱۶ اور اپنے حق میں بھلائی یہی کہ تعمیل احکامِ الٰہی میں خرچ کرتے رہو۔

فاتقوا اللہ مااستطعتم۔ تقوائے الٰہی کے حکم کے ساتھ اسی مااستطعتم کی قید نے تعمیلِ حکم ہم ضعیف وناتواں بندوں کے لیے بہت آسان کر دی، ورنہ ظاہر ہے کہ جو حق تقوائے الٰہی کا ہے، وہ کون ادا کر سکتا ہے؟

صوفیۂ محققین نے مااستطعتم سے یہ استنباط کیا ہے کہ سلوک واصلاحِ نفس میں تدریجی اقدام کافی ہے۔

واسمعوا وأطیعوا۔ یعنی احکامِ الٰہی سنتے رہو اور اُن کی اطاعت کرتے رہو۔

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ

فلاح پانے والے ہیں ۱۷ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ اس کو تمھارے لیے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمھیں بخش دے گا

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

اور اللہ بڑا قدر داں ہے، بڑا بردبار ۱۸ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے ۱۹

ع ۲ ۱۶

۱۷ (دُنیا و آخرت دونوں میں)

لفظ فلاح بہت ہی وسیع و جامع ہے۔ عاجل و آجل، مادّی و رُوحانی، انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کی بھلائیاں اس کے اندر آ گئیں۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ، رکوع اوّل میں ھم المفلحون پر حاشیہ۔

ومن ......نفسہ۔ یعنی وہ شخص خرچ کے موقعوں پر خوش دلی کے ساتھ خرچ کرتا رہا۔

۱۸ لفظ قرض پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔

قرضاً حسناً۔ یعنی اخلاصِ قلب کے ساتھ قرض دے گا۔

إن تقرضوا اللّٰہ۔ اللہ کو قرض دینا یہی ہے کہ دولت اس کے بتائے ہوئے موقعوں پر اس کے احکام کے مطابق خرچ کی جائے۔ اُسے لفظ قرض سے تعبیر کرنا حکم کی اہمیت کے اظہار اور تاکید و ترغیب کے لیے ہے۔

واللّٰہ شکور حلیم۔ وہ قدرداں ایسا کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل صالح کو بھی قبول کر لیتا ہے، اور بُردبار ایسا کہ بڑی سی بڑی نافرمانیوں پر بھی گرفت فی الفور نہیں کرتا۔

۱۹ ان سب صفاتِ الٰہی کا اثبات بھی پچھلے موقعوں کی طرح جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ کے رد میں ہے۔

عالم الغیب والشھادۃ۔ سب کچھ اُس پر روشن ــــــ یہ نہیں کہ خفیف جزئیات اُس کی نگاہوں سے مخفی رہ جائیں، یا یہ کہ اس کے سامنے کوئی جھوٹا عذر چل سکے۔

العزیز۔ وہی سب پر غالب و حاکم ــــــ یہ نہیں کہ "کرم" (قانونِ مکافات) وغیرہ کی کوئی دفعہ اس کے ارادے و مشیت پر بھی غالب آجائے۔

الحکیم۔ اس کا ہر ہر فیصلہ حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے ــــــ یہ نہیں کہ کبھی اس پر سہو، نسیان، غفلت طاری ہو جائے۔

(۶۵)

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ

سورۂ طلاق مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ج

اے نبی (لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو ان کی عدت میں طلاق دو[1] اور عدت کو خیال میں رکھو

[1] بلا شمار عدت سے قبل، حالت طہر میں ـــــــ عدت کی میعاد تین حیض ہیں (جیسا کہ سورہ البقرہ کے حاشیوں میں صاف کیا جا چکا ہے) حیض سے قبل طلاق دینے میں مصلحت یہ ہے کہ پورے تین حیض شمار میں آجائیں گے، اور حساب میں کچھ گڑبڑ نہ ہوگا، ورنہ اگر دورانِ حیض میں طلاق دی تو لامحالہ یا تو اس حیض کا کچھ حصہ چھوڑنا پڑے گا، یا اُسے ملانا پڑے گا، دونوں صورتوں میں عدت کی اصل میعاد (تین حیض) سے کچھ نہ کچھ کمی یا زیادتی ضرور کرنی پڑے گی۔

یٰایھا النبی۔ خطاب براہِ راست رسول اللہؐ سے ہونے کی حکمت بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ افرادِ اُمت تو تبعاً اُس میں شامل ہو ہی جائیں گے، اور صالحین و شرفاء کو اُس میں عار بھی نہ آئے گا کہ ضرورت تو جب حضورؐ کو بایں رافت و حلم پڑ سکتی ہے (بلکہ واقعۃً پڑی تھی) تو دوسروں کا کیا ذکر ہے!

اكتفاء بعلم المخاطبين بأن ما خوطب به النبي صلى الله عليه وسلم خطاب لهم إذ كانوا مأمورين بالاقتداء به. (جصاص، ج۳/ص:۴۵۲)

اور یہ ترکیب بھی صحیح مانی گئی ہے کہ قل لأمتك یہاں محذوف و مقدر ہے۔

تقديره يٰأيها النبي قل لأمتك. (جصاص، ج۳/ص:۴۵۲)

إذا طلقتم النساء۔ النساء سے وہ بیویاں مراد ہیں جن کے ساتھ صحبت حقیقۃً یا حکماً ہو چکی ہو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ

اور اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتے رہو ۲ انھیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں ۳ بجز اس صورت کے کہ وہ کسی

لعدتھنّ۔ حذف مضاف ہے یعنی

فی قبل عدّتهن أی فطلقوهنّ مستقبلات بعدتهنّ . (مدارك، ص: ۱۲۵۰)

ایک فقہی اختلاف خود لفظ قبـــل کی تشریح میں ہوا ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کے معنی آمد واستقبال کے ہیں، شافعیہ نے مراد ابتدالی ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ل توقیت یا اظہارِ وقت کا ہے۔۔۔ یعنی وہ وقت جس سے عدت بلا تردد شمار کی جاسکے۔

۲ یعنی عبادات ہی کی طرح ان دُنیوی معاملات اور قانونی احکام کو بھی یاد رکھو کہ یہ سب خدائے قادرِ مطلق ہی کے دیے ہوئے ہیں، جس کے ارشادات کا ایک ایک جز ئیہ اپنی جگہ پر پوری اہمیت رکھتا ہے۔۔۔ اور پھر وہ اللہ بھی کیسا تمھارا پروردگار! ہر ہر حکم اور ہر ہر ہدایت میں تمھاری ہی تربیت کا، تمھاری ہی مصلحتوں کا لحاظ رکھنے والا!

وأحصوا العدة۔ یعنی طلاق دینے کے بعد زمانۂ عدت کو دھیان میں رکھو، اس حساب میں گڑبڑ نہ ڈالو۔

فقہائے حنفیہ نے لکھا ہے کہ طلاق اگر حالتِ حیض میں دے دی ہے تو رُجوع کرنا واجب ہے، اس لیے کہ وہ وقت عدت نہیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حکم کے اندر تین طلاقیں دفعۃً دے بیٹھنے اور طلاق حالتِ حیض میں دینے، دونوں کی ناپسندیدگی ضمناً آگئی ہے۔

۳ یعنی اُن گھروں سے جن میں وہ طلاق کے وقت رہ رہی تھیں۔

بیـــوتھـــن سے مراد وہی شوہروں کے گھر ہیں، جن میں بیویاں رہتی ہوں۔ انھیں بجائے شوہروں کے بیویوں کی جانب منسوب اس لیے کیا کہ ان میں رہتی تو وہی لوگ تھیں۔

وهي بيوت الأزواج، وأضيفت إليهن لاختصاصها بهن من حيث السكنى.

(مدارك، ص: ۱۲۵۰)

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ

کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کریں ۴ یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کے حدود سے تجاوز کرے گا اُس نے اپنے اوپر

نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

ظلم کیا، تجھے خبر نہیں شاید کہ اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردے ۵ پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچنے لگیں

آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلقہ کا یہ حق سکونتِ مکان محض حق العبد نہیں، جس کا معاف کر دینا خود مطلقہ کے اختیار میں ہو۔

ولا یخرجن فقہاء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ زمانۂ عدت بھر عورت کو باہر نہ نکلنا چاہیے، بلکہ اپنے اسی مکان میں عدت میں قیام واجب ہے۔

وفيه دليل على وجوب السكنى لها ما دامت فى العدة. (جصاص، ج۳/ص:۴۵۴)

زمانۂ عدت بھر منکوحہ کی طرح مطلقہ کا بھی حق سکونتِ مکان قائم رہتا ہے۔

۴ (جب البتہ بطورِ سزا نکالی جائیں گی)

فاحشةٍ مبینةٍ۔ اس کے تحت میں بدکاری اور چوری دونوں آگئیں۔ بعض محققین نے زبان درازی کو بھی جس سے گھر میں ہر وقت کوفت و رنجش اور تکرار رہے اس میں داخل کیا ہے۔

۵ (تیرے دل میں)

خطاب یہاں طلاق دینے والے اور طلاق میں عجلت کرنے والے سے ہے کہ کیا معلوم آگے چل کر تجھے اپنے عاجلانہ عمل طلاق پر ندامت ہی ہو۔

بعد ذلك۔ یعنی بعد ایقاعِ طلاق۔ آیت میں صاف ترغیب اس کی موجود ہے کہ تینوں طلاقیں دفعۃً واقع نہ کر دی جائیں، یہ اس لیے کہ طلاقِ مغلظہ کے بعد پھر کوئی موقع تدارک کا باقی نہ رہے گا (بجز صورتِ حلالہ کے)۔ دوسرے ائمہ کے یہاں تو دفعۃً تین طلاقیں ایک ہی طلاق کے حکم میں رہیں گی۔ حنفیہ کے ہاں قانوناً واقع ہو جائیں گی، لیکن فقہائے حنفیہ نے لکھا ہے کہ ایسی طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔

فقد ظلم نفسه۔ اور یہ اپنے حق میں ظالم شخص اس ظلمِ نفس کے نتیجے بھی بھگتے گا۔

فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّاَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ

تو انھیں (یاتو) قاعدے کے مطابق (نکاح میں) رہنے دو، یا انھیں قاعدے کے مطابق رہائی دو ۲ اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ

مِّنۡكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ

ٹھہراؤ اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو، اس (مضمون) سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور روز

وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ‏ ﴿۲﴾ وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ

آخرت پر ایمان رکھتا ہے ۷ اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے کشائش پیدا کردیتا ہے اور اُسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اُسے

تلک......نفسہ۔ قرآن مجید نے اپنے عام معمول کے مطابق یہاں بھی بندوں کو ڈرایا ہے کہ بندوں کے آپس کے معاملات کو امر خفیف نہ سمجھیں، اللہ کے ان احکام سے بھی بے پروائی پوری طرح قابلِ مواخذہ ہے۔

محققین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ جس امر کی مختلف شقوں میں مختلف مصالح ہوں، ان کے انقطاعی فیصلے میں جلدی نہ کی جائے۔

۶ مطلب یہ ہوا کہ اُنھیں طلاق ہی دینا ہو تو ہر نشیب و فراز خوب سوچ سمجھ کر تین مہینے کی لمبی مہلت لے کر دو، اور اُنھیں شریفانہ طور پر عزت کے ساتھ رُخصت کر دو، ورنہ پھر طلاقِ رجعی سے رجوع کر کے اُنھیں عزت و شرافت کے ساتھ اپنی بیوی بنے رہنے دو۔ یہ نہ ہو کہ محض ستانے کے لیے اُنھیں قیدِ نکاح میں معلق رکھو—— غرض یہ کہ علاحدگی ہو تو، اور یکجائی بدستور رہے تو، دونوں صورتوں میں عزت و شرافت کا سررشتہ کسی طرح بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

ھـــن۔ ضمیر جمع مؤنث جہاں جہاں آئی ہے، اس سے مراد وہی بیویاں ہیں، جنھیں طلاق صرف رجعی ہوئی ہے اور رُجوع کی گنجایش ابھی باقی ہے۔

۷ (اور اسی میں ایمان بالرسول بھی آگیا)

واشھــــدوا۔ فقہائے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں صیغۂ امر وجوب کے لیے نہیں، محض استحباب کے لیے ہے۔

هذا الإشهاد مندوب إليه. (مدارك، ص: ۱۲۵۱)

لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ

گمان بھی نہیں ہوتا ۸ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا سو اللہ اس کے لیے کافی ہے، اللہ اپنا کام (بہرحال) کر کے رہتا ہے

وهذا أمر ندب. (روح، ج۲۸/ص:۱۳٤)

دو عادل گواہوں کا یہ حکم استحبابی رجوع وافتراق دونوں صورتوں کے لیے ہے۔

أمر بالإشهاد على الرجعة والفرقة أيتهما اختار الزوج. (جصاص، ج۳/ص:٤٥٥)

يعنى عند الرجعة والفرقة جميعاً. (مدارك، ص:۱۲٥۱)

اور دونوں صورتوں میں گواہیاں کرالینا تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے جھگڑوں سے بچنے کے لیے مفید ہی ہوتا ہے۔

وأقيموا الشهادة لله۔ یعنی شہادت بالکل سچی، محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہو، کسی کی رُو رعایت، کسی کی دوستی دشمنی کو اُس میں دخل نہ ہو۔

ذوى عدل منكم۔ گواہوں کو عادل یعنی سچا نہ صرف اس معاملے، بلکہ ہر معاملے میں ہونا چاہیے۔

ذلكم يوعظ به۔ اشارہ ان تمام احکامِ طلاق ومتعلقاتِ طلاق کی طرف آ گیا، جو ابھی مذکور ہو چکے ہیں۔

والأولىٰ كما فى الكشف أن يكون إشارة إلى جميع ما مرّ من إيقاع الطلاق (روح، ج۲۸/ص:۱۳٥)

ذلكم......الآخر۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ ان احکام سے نفع تو صرف وہی اُٹھائیں گے، جن کے دلوں میں حق تعالیٰ کا اور یوم آخرت کا استحضار رہتا ہے۔

۸ آیت میں صاف اس کی تعلیم ہے کہ دشواریوں اور تنگیوں سے نکلنے کی کنجی تقوائے الٰہی ہے۔

يجعل له مخرجاً۔ یعنی اُسے ہر قسم کی مشکلات سے نجات دلا دیتا ہے۔

ويرزقه من حيث لا يحتسب۔ قرآن مجید کی جن چند آیتوں کی صداقت وحقانیت پر اپنے ذاتی تجربے ومشاہدے کی بنا پر بے اختیار وجد کرنے کو جی چاہتا ہے، اُن میں ایک یہ آیت بھی ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے ایسے راستوں اور وسیلوں سے کھلاتا، پلاتا، آمدنیاں

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ

اللہ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے ۹ اور تمھاری مطلقہ بیویوں میں سے جو حیض آنے سے مایوس

نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ط

ہو چکی ہیں، اگر تمھیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں ۱۰ اور (اسی طرح) اُن کی بھی جنھیں ابھی حیض نہیں آیا ۱۱

دلاتا ہے کہ ادھر اُن کا وہم و گمان بھی نہیں جا سکتا تھا ـــــ اپنے اور دوسروں کے لیے روزمرہ اس کے مشاہدے ہوتے رہتے ہیں، بلکہ ومن یتق اللّٰہ کی قید کے بغیر بھی، تقویٰ کے بغیر بھی۔ عجیب عجیب اور حیرت انگیز طریقوں سے روزی پہنچاتا رہتا ہے۔

۹ (اور وہ اندازِ معیّن ہمیشہ حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے)

یعنی خدائی کارخانے میں کوئی چیزیں ہی اٹکل پچّو تھوڑے ہی ہو جاتی ہے۔ اس نظامِ عالم کا ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیہ ایک حکیمانہ قانون کا پابند اور اسی سے وابستہ و منسلک ہے۔

ومن......حسبہ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ حق تعالیٰ ہی کی ذات تو تمام اسبابِ ظاہری کا آخری سرچشمہ اور اُن پر حاکم و متصرف ہے۔

إن اللّٰـــہ بالغ أمرہ۔ یہاں یہ بتایا کہ جن چیزوں کو تم اسبابِ عادی سمجھ رہے ہو، اُن کا اسبابِ عادی ہونا تو تمھارے ہی نقطۂ نظر سے ہے۔ حق تعالیٰ تو بہر حال اِن قوانین کا یا کوئی اور بھی قوانین ہوں، اُن کا ہرگز محکوم و پابند نہیں۔

۱۰ قرآن مجید علاوہ اپنی دوسری حیثیتوں کے ایک فقہی و قانونی کتاب کے لحاظ سے بھی ہر طرح جامع و مکمل ہے۔ بشری ضروریات کا کوئی بھی گوشہ، جو ذرا سی بھی اہمیت رکھتا ہے، اس سے چھوٹنے نہیں پایا ہے ـــــ اور حیرت و عبرت دونوں کی بات ہے کہ اپنی اپنی ناقص کتابیں رکھنے والے دوسرے اہل مذاہب اس کمال اور ہنر کو اُلٹا نقص اور عیب شمار کر رہے ہیں!

واللائی یئسن۔ یہ مایوسی سن کی زیادتی کے باعث بھی ہو سکتی ہے اور مرض سے بھی۔

إن ارتبتم۔ یعنی ان کی تعیین عدت کے باب میں اگر تمھیں شبہ ہے۔

۱۱ (بسبب کم سنی کے)

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ

اور حمل والیوں کی میعاد اُن کے حمل کا پیدا ہوجانا ہے ۱۲ اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرے گا

يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ

اللہ اس کے (ہر) کام میں آسانی پیدا کردے گا ۱۳ یہ حکم ہے اللہ کا جو اُس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرے گا

يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ

اللہ اُس کے گناہ اس سے دُور کردے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا ۱۴ ان (مطلقات) کو اپنی حیثیت کے موافق رہنے کا مکان دو

مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ

جہاں تم رہتے ہو، اور اُنھیں تنگ کرنے کے لیے

یہاں یہ بتادیا کہ ان دونوں قسم کی بیویوں کی عدتِ طلاق کی مدت پورے تین مہینے ہے۔
ایک فقہی استنباط آیت سے یہ بھی ہوا کہ لڑکیوں کا نکاح قبل بلوغ یا کم سنی میں بھی بالکل جائز ہے——
جب طلاق قبل بلوغ ہوسکتی ہے تو ظاہر ہے کہ نکاح تو طلاق سے قبل ہی ہوگا۔

۱۲ (خواہ یہ وضعِ حمل اپنی طبعی مدت سے قبل ہی ہوجائے)
قرآن مجید کی اس تصریح کے بعد قدرۃً فقہاء بھی سب اس پر متفق ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی
عدت بس وضعِ حمل تک ہے۔

لم يختلف السلف والخلف بعدهم أن عدة المطلقة الحامل أن تضع حملها.
(جصاص، ج۳/ص:۴۵۸)

۱۳ (اگر حساً و ظاہراً نہیں بھی، جب بھی معناً و باطناً تو ضرور ہی)
ومن يتق الله۔ تقوائے الٰہی سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی پابندی زندگی کے
ہر ہر شعبہ میں بلا استثنا رکھی جائے۔

۱۴ گویا اس طرح وہ نفیاً و اثباتاً دونوں طرح مزے میں رہے گا—— ایک طرف سلب
مضرت "يكفر عنه سياته"۔ دوسری طرف جلب منفعت يعظم له أجراً۔
ذلك۔ یعنی جو اوپر مذکور ہوچکا۔

لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ

اُنھیں تکلیف مت پہنچاؤ ۱۵ اور اگر وہ حمل والیاں ہوں تو اُنھیں خرچ دیتے رہو ان کے حمل کے

حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ

پیدا ہونے تک ۱۶ پھر وہ لوگ تمھارے لیے رضاعت کریں تو تمھیں اُن کی اجرت دو اور باہم مناسب طور پر

إشارة إلىٰ ما ذكر من الأحكام. (روح، ج ۲۸/ص:۱۳۸)

۱۵ مثلاً کوئی ایسی بات کرنا کہ وہ پریشان ہو کر گھر چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائیں ـــــــ عزم افتراق، بلکہ خود افتراق کے بھی معا بعد شریعت کا حکم ہے کہ عدت بھر سابق بیوی کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا جائے۔

أسکنوھن۔ یعنی اُن مطلقہ بیویوں کو زمانۂ عدت بھر رہنے کا مکان دو، عام ہے کہ طلاق رجعی یا بائن ہو چکی ہو۔

وجب ذلك للجميع من البائن والرجعي. (جصاص، ج ۳/ص:۴۵۹)

من حيث سكنتم من وجدكم۔ مطلقہ کی سکونت کا مکان (عدت بھر کے لیے) شوہر کی حیثیت و مرتبہ کے لائق ہونا چاہیے۔

۱۶ (خواہ وہ وضع حمل تین مہینے کے اندر ہی ہو جائے، یا اس سے بہت زیادہ مدت لے) عام مطلقہ بیویوں کے لیے عدت کی میعادِ معیّن تین مہینے کی ہے، لیکن بیوی اگر حاملہ ہے تو اس کی میعادِ عدت وہی وضع حمل ہے۔ اولاد اگر دوسرے ہی دن پیدا ہو جائے تو عدت اسی وقت ختم ہو جائے گی۔ اور انتظار زچگی میں اگر چھ مہینے لگ جائیں، جب بھی عدت ختم نہ ہوگی، قائم رہے گی۔

فأنفقوا عليهن۔ مطلقہ بیویوں کی سکونت کے لیے مکان ہی دینا نہیں، بلکہ عدت بھر اُن کے کھانے پینے وغیرہ کے ضروری مصارف بھی شوہر کے ذمے واجب ہیں ـــــــ یہ ہیں اس شریعت کے احکام جسے ظالموں نے "سخت" مشہور کر رکھا ہے۔ دُنیا میں کوئی شریعت، میں بہ قسم کہتا ہوں کہ ہر مخلوق کے حق میں عدل کرنے والی، اور کمزوروں کے حق میں رحیم و شفیق اسلامی شریعت سے بڑھ کر نہیں مل سکتی!

صحابیوں میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور فقہاء میں تمام حنفیہ اور بعض دوسرے ائمۂ فقہ

بِمَعْرُوفٍ ۚ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ۝٦ لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ

طے کرلیا کرو ۱۷ اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو رضاعت کوئی دوسری کرے گی ۱۸ یہ وسعت والے کو خرچ اپنی وسعت کے موافق

کا بھی یہی مذہب ہے کہ مکان سکونت اور نفقہ ہر قسم کی مطلقہ کے لیے زمانہ عدت بھر کے لیے ہے۔

فقال أصحابنا والثوری والحسن بن صالح لکل مطلقة السکنیٰ والنفقة مادامت فی العدة حاملاً کانت أو غیر حامل، وروی مثله عن عمر وابن مسعود رضی اللّٰه عنهما. (جصاص، ج۳/ص:۴۵۹)

۱۷ یعنی رضاعت کی اُجرت آپس میں مناسب شرح کے مطابق طے کرلیا کرو ـــــ یہ نہ ہو کہ عورت تو اپنی شرح بڑھاتی ہی چلی جائے، اور مرد اتنے کے لیے بھی تیار نہ ہو، جس سے عورت اپنا گزر بھی کر پائے۔

یعنی لاتشتط المرأة علی الزوج فی ما تطلبه من الأجرة ولا یقصر الزوج لها عن المقدار المستحق. (جصاص، ج۳/ص:۴۶۳)

وأتمروا۔ ائتمار باب افتعال سے ہے تفاعل کے معنی میں، گویا ایک لفظ سے فریقین کے باہمی مشورے کی جانب اشارہ کردیا۔

فإن أرضعن لکم۔ یعنی جو اولاد تم سے ہو، اس کی رضاعت کرنے کو تیار ہو جاؤ۔

فآتوهن أجورهن۔ یعنی جو معاوضہ طے ہو جائے اُسے حسب قرارداد دیتے رہو۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی قرارداد نہیں ہوئی ہے، تو اجرت واجب نہ ہوگی۔

فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب طلاق واقع ہوگئی، تو اب ماں کے لیے اپنی اولاد کی رضاعت پر اُجرت لینا جائز ہے، اور باپ (یا جو کوئی ولی ہو، اُس) پر اس اُجرت کا ادا کرنا واجب ہے۔

وأتمروا بینکم بمعروف۔ مرشد تھانویؒ نے اس سے اہل طریق کے کام کی یہ بات نکالی ہے کہ انسان کو چاہیے نہ خود تنگی میں پڑے، نہ دوسرے کو تنگی میں ڈالے، جس سے اپنی یا دوسرے کی آزادی میں خلل پڑے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۷۲)

۱۸ یہ تو ایک طبعی چیز ہوئی، لیکن فقہائے مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں خبر بمعنی امر ہے،

سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا

کرنا چاہیے اور جس کی آمدنی کم ہو اُسے چاہیے کہ اُسے اللہ نے جتنا دیا ہے اُس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی پر اس سے زیادہ بار نہیں ڈالنا چاہتا

اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۞ ۷ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ

جتنا اُسے دیا ہے، اللہ تنگی کے بعد جلد فراغت بھی دے دے گا ۱۹ اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھوں نے

اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۞ ۸

اپنے پروردگار اور اس کے پیمبروں کے حکم سے سرتابی کی تو ہم نے ان کا سخت حساب کیا اور اُنھیں سزا بھی بڑی بھاری دی

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۞ ۹ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا

غرض اُنھوں نے اپنے کرتوت کا وبال چکھا ۲۰ اور اپنے انجام کا وہیں گھاٹا بھی اُٹھایا، اللہ نے اُن کے لیے ایک سخت عذاب

شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ ۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ

تیار کر رکھا ہے ۲۱ سو اللہ سے تقویٰ اختیار کیے رہو اے سمجھ والو، جو ایمان لا چکے ہو ۲۲ اللہ نے تمھارے پاس نصیحت نامہ

یعنی یہ محض خبر نہیں دی جا رہی ہے، بلکہ حکم دیا جا رہا ہے کہ دوسری اَنّا تلاش کر لی جائے۔

۱۹ اولاد پر خرچ کرنا بہت مرتبہ انسان کو اپنے حبِ مال کی بنا پر گراں گزرتا ہے، یہاں تک کہ بعض جاہلی اور ''مہذب'' قوموں نے اولاد پر خرچ کرنے کے مقابلے میں اولاد کو قتل کر ڈالنا تک گوارا کر لیا ہے۔ ولا تقتلوا أولادكم خشية املاق۔ قرآن مجید اس شجرِ خبیث کی جڑ بار بار کاٹتا ہے۔ لینفق......اللہ۔ یعنی جو امیر ہیں وہ اپنی امارت کے لائق، اور جو غریب ہیں وہ اپنی بساط کے موافق اولاد کی رضاعت و پرورش پر خرچ کرنے سے دریغ نہ کریں۔

۲۰ (اسی دُنیا میں)

دُنیا میں کسی قوم پر عذاب آنے کے یہ معنی ہیں کہ خود وہ قوم یا اس کی تہذیب و تمدن مٹ جائیں۔

۲۱ یعنی آخرت میں ــــــــ اور یہ اُخروی عذاب اس دُنیوی عذاب کے علاوہ ہے۔

۲۲ (کہ ایمان و فہم دونوں کا تقاضا یہی ہے)

آج کی ''روشن خیال'' دُنیا میں عقل و فہم کے معنی بھی مسخ ہو کر اور اُلٹ کر رہ گئے ہیں۔ اب

ذِكْرًا ۝ رَّسُولًا يَّتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اُتارا (اور ایسا) رسولؐ (بھیجا) جو تم کو اللہ کے کھلے ہوئے احکام پڑھ کر سناتا ہے تا کہ اُن لوگوں کو جو ایمان لائیں

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ

اور نیک عمل کریں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے ۲۳ اور جو اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک عمل

صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ

کرے گا اللہ اُسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اُن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے

کمال "عقل" کے معنی تمام تر آخرت فراموشی کے سمجھ لیے گئے ہیں۔

۲۳ جس طاعت و تقویٰ کی طرف ابھی دعوت دی گئی تھی، وہ یہی ہے کہ انسان کفر، جہل و عصیان کی گھٹاٹوپ تاریکیوں سے نکل کر ایمان، علم و عملِ صالح کی نورانیت میں آجائے۔

ذکراً رسولاً۔ جائز ہے کہ ذکر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے لی جائے کہ آپ گویا مجسم ذکر و تذکیر تھے۔

هو النبي صلى الله عليه وسلم عبر به عنه لمواظبته عليه الصلاة والسلام على تلاوة القرآن الذي هو ذكر أو تبليغه والتذكير به، ورسولاً بدلاً منه. (روح، ج۲۸/ص:۱۴۱)

أرسل رسولاً أو بدل من ذكراً كأنه في نفسه ذكر. (مدارك، ص:۱۲۵٤)

لیکن عام طور پر ذکراً سے مراد قرآن ہی لی گئی ہے۔

والظاهر أن الذكر هو القرآن وأن الرسول هو محمد صلى الله عليه وسلم.

(بحر، ج۸/ص:۲۸٦)

أي القرآن . (مدارك، ص:۱۲۵٤)

رسولاً کو جو بعض اہل نحو نے ذکراً کی صفت بھی مانا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے اس ترکیب کے لحاظ سے فرمایا کہ اس سے دلالت دونوں کے اتحاد پر نکلی، اور جب یہ ہے تو اس سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ شیخِ طریق جو واسطۂ ذکر ہوتا ہے اُس سے مصاحبت و مکالمت منافی ذکر نہیں، بلکہ گویا عین ذکر ہی ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۷۵)

قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ

بے شک اللہ نے ایسے شخص کو بہت ہی اچھی روزی دی ہے ۲۴ اللہ وہ ہے جس نے آسمان پیدا کیے اور انھیں کی طرح

مِثْلَهُنَّ ۭ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

زمین بھی، ان (سب) میں (اللہ کے) احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم کو معلوم ہو کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ

قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ⑫

ہر شے کو (اپنے) علم سے گھیرے ہوئے ہے ۲۵

۲۴ یہاں ایک بار پھر یقین دلا دیا کہ کسی کا حسنِ عمل اور دوامِ طاعت بے نتیجہ و بے ثمر ہرگز نہیں رہے گا۔

۲۵ یعنی حق تعالیٰ کی صفاتِ قدرت و علم ہر طرح کامل، جامع و ہمہ گیر ہیں۔

ومن الأرض مثلهن۔ اس سے عام طور پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ زمینیں بھی تعداد میں سات ہی ہیں۔ اور یہ احتمالات بھی مفسر تھانویؒ اور دوسرے محققین سے منقول ہیں کہ ممکن ہے یہ زمینیں ایسی ہوں جو نظر نہ آتی ہوں یا یہ کہ انھیں کو لوگ مریخ وغیرہ کواکب کے نام سے موسوم کرتے ہوں۔ اور صاحب روح المعانی نے جس کی تاریخ اختتام ۱۲۶۷ھ یا انیسویں صدی عیسوی کا وسط ہے، ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد زمین کے سات بڑے خطّے: امریکہ، ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ ہیں۔ اور محقق موصوف نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ کرۂ قمر وغیرہ کی مزید تحقیق کے بعد وہاں بھی زمین ثابت ہو، اور اس طرح زمینوں کے تعدد پر حس و مشاہدے کی گواہی بھی ہو جائے۔

اس عاجز کے ذہن میں تو مثلیت کا اصل تعلق عددِ سبع سے نہیں بلکہ فعلِ خلق سے ہے، یعنی یہ زمین یا زمینیں بھی آسمان ہی کی طرح مخلوق ہیں ـــــــ اور یہ کہ ہر آسمان اور ہر زمین پر مخلوق بھی اُسی کے ماحول کے متناسب آباد ہے، اور دلی مسرت ہوئی، جب ان سطور کی تحریر کے بعد مثلیت کے متعلق یہی قول بعض تفسیروں میں بھی نظر پڑ گیا۔

وقيل المثلية في الخلق لا في العدد ولا في غيره. (روح، ج۲۸/ص:۱۴۴)

حدیث میں جو اُن زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے، ممکن ہے وہ باعتبار بعض

ع ۲
۱۸

حالات کے ہو اور بعض حالات میں وہ زمین سے فوق ہو جاتی ہوں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۷۶)

اس عاجز کے خیال میں تو یہ بھی آسانی سے ممکن ہے کہ مراد اسی زمین کی سات پرتوں یا سات تہوں سے ہو کہ اس زمین کے نیچے چھ پرت یا چھ تہیں اور ہیں۔

یتنزل الأمر ۔ نزولِ احکام سے مراد احکامِ تشریعی کا نزول بھی ہو سکتا ہے اور احکامِ تکوینی کا بھی، اور ان دونوں کے مجموعہ کا بھی۔ اسی نزولِ امر کا آسمانوں پر ملائکہ کے لیے ہوتے رہنا تو ظاہر ہی ہے اور تصرفاتِ تکوینی کا ہر ممکن زمین پر ہوتے رہنا بھی اسی طرح ظاہر ہے۔

لتعلموا ......الخ۔ یعنی یہ علم تمھیں اس لیے دے دیا گیا، تا کہ تم کو حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور علمِ محیط پوری طرح معلوم ہو جائے۔

(٦٦)

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ

ایاتھا ۱۲
۱۲ آیتیں

سورۂ تحریم مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے اُسے آپ کیوں حرام کر رہے ہیں اپنی بیویوں کی خوشی حاصل کرنے کے لیے ۱

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ

اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحیم ہے ۲ اللہ نے تمھارے لیے تمھاری قسموں کا کھولنا مقرر کر دیا ہے ۳ اور اللہ تمھارا کارساز ہے

۱ شانِ نزول کی دو مختلف روایتیں ہیں۔ دونوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی صاحبہ کی دل جوئی کے لیے عہد کر لیا تھا کہ فلاں نعمت سے آیندہ تمتع نہ کریں گے۔ یہ عمل اگرچہ بجائے خود بالکل جائز تھا، ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ جس حلال چیز سے چاہے ہمیشہ کے لیے دست بردار ہو جائے اور دست برداری کا اعلان بھی کر دے، لیکن یہ پیمبر کے شایانِ شان نہ تھا، اور وہ بھی ایک داعیۂ ضعیف کی بنا پر، اسی لیے آپؐ سے خطاب ہم رنگِ عتاب ہوا۔ آپؐ ظاہر ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام نہیں فرما رہے تھے، بلکہ آپؐ کے عہد کے بعد صرف وجوبِ امتناع میں وہ چیز مثلِ حرام کے ٹھہر رہی تھی، اس لیے تنبیہاً اُسے تحریم سے تعبیر کیا گیا۔

۲ (جو معصیت تک کو معاف کر دیتا ہے اور پھر یہ عمل تو معصیت کے درجہ کا ہے بھی نہیں، صرف خلافِ عزیمت اور خلافِ شانِ پیمبری ہے)

۳ (تو آپ اگر قسم بھی کھا چکے ہیں تو کفارۂ حلف دے کر اس سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں) روایتوں میں حضرت انس بن مالکؓ کے حوالے سے آتا ہے کہ آپؐ نے کفارے میں ایک غلام آزاد فرمایا۔

وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا ج

وہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۴ اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب پیمبر نے ایک بات اپنی کسی بیوی سے چپکے سے فرمائی

فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ج

پھر جب اُن بیوی نے وہ بات (کسی اور کو) بتلادی اور اللہ نے پیمبر کو اس کی خبر کردی تو پیمبر نے اس کا کچھ حصہ بتادیا اور کچھ کو ٹال گئے ۵

فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا ط قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝

پھر جب پیمبر نے اُن بیوی کو وہ بات بتادی تو وہ بولیں کہ آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ آپ نے کہا مجھے خبر دی ہے ہر علم رکھنے والے اور ہر خبر رکھنے والے نے ۶

لکم......أیمانکم۔ ابھی خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انفرادا تھا، معاً اب اُمت سے بصیغۂ جمع مخاطب ہونے لگا۔

۴ (جس نے اپنے علم وحکمت سے کام لے کر تمھاری ضرورتوں اور مصلحتوں کا خیال کر کے دشواریوں کو تمھارے لیے آسان کر دیا ہے)

۵ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجِ مبارک سے کوئی بات مصلحتاً رازدارانہ ارشاد فرمائی تھی اور منشائے مبارک یہ تھا کہ پھیلنے نہ پائے، لیکن اُن بیوی صاحبہ نے وہ بات ایک دوسری بیوی صاحبہ تک پہنچادی، اور اِدھر بذریعۂ وحی آنحضرتؐ کو اس کل واقعہ کی اطلاع کردی گئی، تو پھر بھی آپؐ نے ان پہلی بیوی صاحبہ سے اس شکایت کے وقت بھی پوری بات نہ دُہرائی کہ اُنھیں شرمندگی اور زیادہ ہوگی، بلکہ صرف اتنا ہی جز فرمایا کہ تم نے ہماری آپس کی بات کو دوسری تک بلااجازت کیوں پہنچادیا؟ ــــــ کیا ٹھکانہ ہے رسولؐ کے حلم اور کرم وشفقت کا کہ عین ناگواری کے وقت بھی دوسروں کے جذبات کا اس درجہ خیال!

نبأت بہ۔ یعنی ان بیوی صاحبہ نے اس بات کو ایک دوسری بیوی صاحبہ تک پہنچادیا۔

وأظهره اللہ علیہ۔ یعنی حق تعالیٰ نے بذریعۂ وحی اس ساری کارروائی کو اپنے رسول پر کھول دیا۔

۶ (یعنی حق تعالیٰ نے)

قرآن مجید ہی کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بات میں تعلیم، تربیت واصلاح کے پہلو موجود ہوتے ہیں ــــــ آپؐ بیوی صاحبہ کے پوچھنے پر جھٹ سے یہ نہیں فرمادیتے کہ ''خبر دیتا

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اے دونوں (بیویو) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل (اس طرف) مائل ہو رہے ہیں ۷ اور اگر پیمبر کے مقابلے میں تم کارروائیاں کرتی رہیں تو پیمبر کا

مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۞ عَسٰى

رفیق تو اللہ ہے اور جبرئیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں ۸ (اور) اگر پیمبر

کون، کیا خود مجھے کشف سے، الہام سے، وحی سے، فرشتوں کے ذریعے سے نہیں معلوم ہوسکتا''! بلکہ اپنے کسی کمال کی طرف اشارہ کیے بغیر اس علم کو منسوب تمام تر حق تعالیٰ کی جانب کر دیتے ہیں!

مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ اس علم کو تمام تر حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دینے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ بیوی صاحبان توبہ ورجوع کی طرف متوجہ اور زیادہ ہوں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۷۸)

۷ (کہ آپ کا دِل دوسری بیوی صاحبوں کی طرف سے ہٹا کر بالکل اپنا بنالیں)

''یہ امر باعتبار اس کے کہ اس کا اصل مقتضا حبِ رسولؐ وحبِ شوہر ہے، قبیح نہیں، لیکن چونکہ اس کا ایک دوسرا پہلو دوسروں کے حقوق کا اتلاف بھی ہے، اس لیے اس سے توبہ کرانا ضروری قرار پایا''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۷۸)

۸ (تو ایسے شخص کو کسی کی سازشوں سے گزند کیا پہنچ سکتا ہے، نقصان جو کچھ ہوگا خود سازش کرنے والوں کا ہوگا)

فإن اللّٰه هو مولٰه۔ یہ حق تعالیٰ کی رفاقت اپنے رسولؐ کے ساتھ تو حقیقی واصلی ہے۔

وجبریل۔ یہ جبرئیلؑ کی رفاقت رسول اللہؐ کے ساتھ اس معنی میں ہے کہ وہی تو واسطۂ وحی وفیض حق تعالیٰ اور رسولؐ کے درمیان ہیں۔

وصالح المؤمنين۔ مومنین صالحین کی رفاقت اس معنی میں ہے کہ یہ سب رسولؐ ہی کے تو مطیع ومخلص وتابع ہیں۔

والملٰئكة بعد ذٰلك ظهير۔ عام فرشتوں کی رفاقت اس معنی میں ہے کہ تصرفاتِ تکوینی انھیں کے واسطے سے تو ہوتے ہیں۔

رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ

تمھیں طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار تمھارے عوض انھیں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا، اسلام والیاں، ایمان والیاں

قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

فرماں برداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، شوہر دیدہ بھی اور کنواریاں بھی ۹ اے ایمان والو!

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ

بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں ۱۰ اس پر تند خو

بعد ذلك۔ جیسے اُردو محاورے میں کہتے ہیں کہ ''اس کے علاوہ''۔ یعنی حضرت حق اور جبرئیل اور مومنین صالحین تو ان رسولؐ کے رفیق و شریک ہی ہیں، اُن کے علاوہ عام فرشتے بھی اُن کی رفاقت و نصرت پر رہتے ہیں۔

۹ (غرض سیرت کے اعتبار سے ہر طرح کامل و مکمل)

تو ایسے مرد کو کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ وچار و نا چار موجودہ ہی بیویوں کو غنیمت سمجھتا رہے۔

خیراً منکن۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس وقت بھی ان بیویوں سے کوئی بہتر بیوی موجود تھی، بلکہ صرف اتنا ہے کہ اگر تبدیلی واقع ہوتی تو اللہ تعالیٰ اُن نئی بیویوں کو اُن موجودہ بیویوں سے بہتر بنانے پر قادر تھا۔

سٰٓئحٰت۔ محققین نے یہاں بھی اس کے معنی السائحون ہی کی طرح روزے داروں کے لیے ہیں۔

أی صائمات. (راغب، ص:۲۷۷)

ثیّبٰت وأبکاراً۔ شوہر کو مرغوب و پسندیدہ ہر حال اور ہر صورت میں کنواریاں اور کم سنیں ہی نہیں ہوتیں، بلکہ بعض صورتوں میں اور بعض اعتبارات سے بیوہ یا مطلقہ ہی محلِ رغبت و پسند ہو سکتی ہیں، اس لیے موقع رغبت پر اُن کا ذکر بھی فطرتِ بشری کے خالق و راز دار نے نظر انداز نہیں کیا۔

۱۰ احکامِ الٰہی کی تعمیل خود کرنا، اور گھر والوں میں بقدرِ امکان ان احکام کی تبلیغ کرنا اور ان کی تعمیل کرانا، یہی دوزخ سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا ہے۔

غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾

بڑے مضبوط فرشتے (مقرر) ہیں، وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ اُن کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اُسے (فوراً) بجالاتے ہیں ١١

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾ ع ١٩

اے کافرو! آج کچھ عذر معذرت نہ کرو، تمھیں سزا بس اسی کی مل رہی ہے جو تم کرتے رہے ہو ١٢

أھلیکم۔ أھل کے تحت میں انسان کے سارے ہی متعلقین، متوسلین آگئے۔ بیوی، بچے، ملازم، رعایا، شاگرد، مرید وغیرہ ـــــ ان سب تک بقدرِ وسعت وامکان احکامِ الٰہی پہنچانا واجب ہے۔

وھذا یدل علی أن علینا تعلیم أولادنا وأھلینا الدین والخیر، وما لا یستغنی عنه من الآداب ویدل علی أن للأقرب فالأقرب منا مزیه فی لزومنا تعلیمھم وأمرھم بطاعة اللّٰه تعالی. (جصاص، ج٣/٤٦٦)

اہل فہم یہاں خوب سمجھ لیں کہ احکام کے اتباع واطاعت سے جب پیمبر معصوم تک کے گھر والوں کو مفر نہیں، تو پھر کسی بزرگ، کسی شیخ کی اولاد یا اعزہ کا اپنے کو اس پابندی سے مستثنیٰ سمجھے رہنا کتنا بڑا حمق ونادانی ہے!

الحجارۃ۔ اس پر حاشیہ سورۃ البقرہ (آیت ٢٤) رکوع ٣ میں گزر چکا ہے۔

١١ عمل یا زبان سے نافرمانی تو کیا کرتے، دل تک میں اس کا خیال نہیں لاتے ہیں!

لا......یؤمرون۔ آیت کے اس جزء سے دُہری دُہری گمراہیوں کی تردید ہو رہی ہے ـــــ ایک طرف تو اُن جاہلی مشرک قوموں کی جنھوں نے ملائکہ کو (دیوتاؤں کا لقب دے کر) معبود سمجھا ہے، اُنھیں بتایا گیا کہ فرشتے بھی تمام دوسری مخلوقات کی طرح اللہ کے مخلوق ہی ہیں، اور مخلوق بھی کیسے، نہایت درجہ مطیع، اور دوسری طرف یہود اور نصاریٰ کے اس باطل عقیدے کی تردید ہوئی کہ بعض فرشتے نافرمان وسرکش بھی ہوئے ہیں جن کا سرغنہ وسرخیل ابلیس ہوا ہے۔

غلاظ شداد۔ ایسے سخت ودُرشت کہ نافرمانوں اور مجرموں پر رحم کرنا جانتے ہی نہیں اور ایسے زبردست وپُرقوت کہ کوئی اُن سے مزاحمت پر قادر نہیں۔

١٢ (دارالعمل یعنی دُنیا میں)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ

اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچی توبہ کرو، عجب کیا کہ تمہارا پروردگار (اس سے) تمہارے گناہ تم سے

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ

دُور کردے اور تمھیں باغوں میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں، (اُس دن)

لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

اللہ نہ نبی کو رسوا کرے گا اور نہ ان لوگوں کو جو اللہ کے ساتھ ایمان لائے ہیں ۱۳؎ ان کا نور دوڑ رہا ہوگا ان کے سامنے

وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور ان کے داہنے (اور) وہ کہتے جاتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے اس نور کو اخیر تک رکھیو، اور ہماری مغفرت کریو، بے شک تو ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ⑧ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ

قادر ہے ۱۴؎ اے نبی! آپ جہاد کیجیے کافروں سے اور منافقوں سے اور ان پر سختی کیجیے، ان کا ٹھکانہ

لاتعتذروا۔ اب عذر و معذرت نہ کرو، دار الجزا میں یہ سب بے کار ہے ——— یہ اُس وقت کہا جائے گا، جب منکرین دوزخ میں ڈالے جارہے ہوں گے۔

۱۳؎ محققین نے لکھا ہے کہ مقصود صرف مؤمنین کو اطمینان دلانا اور مژدۂ امن سنانا ہے۔ پیمبر کا ذکر اس سیاق میں تو محض تقویت و اثبات کے لیے ہے، یعنی جس طرح پیمبر کا محفوظ رہنا یقینی ہے، مومنینِ اُمت بھی اپنی محفوظیت یقینی سمجھیں۔

توبۃ نصوحا۔ سچی اور مخلصانہ توبہ کی علامت یہ ہے کہ ماضی پر دل سے، اور کامل ندامت ہو، اور مستقبل میں بقدرِ امکان پورا عزم ترکِ معصیت کا ہو۔

أی توبة بالغة فی النصح. (کبیر ج ۳۰/ص:۴۲)

لایخزی اللہ۔ خزی سے یہاں مراد وہ رسوائی ہے جو کفر ہی کی جزا ہے۔

۱۴؎ (تیرے لیے ہماری آرزوؤں کو پورا کرنا اب کیا مشکل ہے!)

نورھم...... بأیمانھم۔ یہ اُس وقت ہوگا جب اہلِ ایمان پُل صراط سے گزر رہے ہوں گے۔

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ

دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے ۱۵ اللہ ان لوگوں کے لیے جو کافر ہیں مثال بیان کرتے ہیں ۱۶ نوح کی بیوی

وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا

اور لوط کی بیوی کی، وہ دونوں ہمارے (خاص) صالح بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں، لیکن انھوں نے ان کے حق ضائع کیے

فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿١٠﴾

تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلے میں اُن کے ذرا کام نہ آسکے اور دونوں عورتوں کو حکم ملا کہ تم بھی دوزخ میں داخل ہو، اور داخل ہونے والوں کے ساتھ ۱۷

أتمم لنا نورنا۔ نہ ہو کہ ہمارا نور منافقین کی طرح راستے ہی میں بجھ کر رہ جائے۔

یقولون......قدیر۔ بعض علمائے محققین نے عالم آخرت کی اس دُعا سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بندے کی حاجت مندی اور عبودیت کسی حال اور کسی عالم میں بھی اس سے زائل نہ ہوگی۔

۱۵ بلحاظِ انجامِ آخرت دونوں کا ٹھکانہ ایک ہی ہے، جہنم دونوں کے لیے مشترک ہے۔

جاھد الكفار والمنفقين۔ نفس، جہاد یا جہد شدید تو کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں عام ہے، البتہ یہ حسب موقع و مصلحت ہونا چاہیے۔ کافروں کے مقابلے میں تو جہاد، قتال وغزا کے معنی میں ہتھیاروں سے ہوگا، اور منافقین کے مقابلے میں زبان سے۔

واغلظ عليهم۔ سختی، مضبوطی، ثابت قدمی، کافروں اور منافقوں دونوں کے مقابلے میں لازمی ہے۔

فيه الدلالة على وجوب الغلظة على الفريقين من الكفار والمنافقين، ونهى عن مقارنتهم ومعاشرتهم. (جصاص، ج۳/ص:٤٦٧)

کہاں ہماری شریعت کے یہ احکام، اور کہاں ہمارا یہ عمل کہ ہر ''ترقی یافتہ'' و ''مہذب'' غیر مسلم کی وضع، لباس، زبان، معاشرت کی تقلید پر ٹوٹے پڑتے ہیں، اور اس کو اپنے لیے باعثِ فخر وکمال خیال کر رہے ہیں!

۱۶ (یہ ظاہر کرنے کو کہ کسی صالح یہاں تک کہ پیمبر سے محض مادّی وطبعی تعلق وانتساب بلا ایمان اور اپنی سعی اصلاح کے ہرگز کافی و مفید نہیں)

۱۷ (اپنے کفر کی پاداش میں)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ

اور اللہ ان لوگوں کے لیے جو مومن ہیں مثال بیان کرتا ہے ۱۸ فرعون کی بیوی کی جب کہ انھوں نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے

عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ

جنت میں اپنے قرب میں مکان بنادے اور مجھ کو فرعون اور اُس کے عمل (کے اثر) سے بچادے اور مجھے ظالم لوگوں سے

الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ

بھی بچادے ۱۹ اور (دوسری مثال بیان کرتا ہے) مریم بنت عمران کی جنھوں نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا تو ہم نے اُن (کے چاک گریباں) میں

امرأت نوح۔ حضرت نوحؑ کا ذکر تو بار بار اور آپؑ کے نافرمان لڑکے کا ذکر ایک بار پہلے گزر چکا ہے۔ اب یہ معلوم ہوا کہ آپؑ کی رفیقِ حیات بھی مومن نہیں بلکہ کافرہ تھی۔

امرأت لوط۔ حضرت لوطؑ پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ آپؑ کی ان کافر بیوی کا ذکر بھی دو بار سورۃ الاعراف (آیت ۸۳) اور سورۂ ہود (آیت ۸۱) میں آچکا ہے۔

عبدین من عبادنا صالحین۔ یعنی وہی حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ ـــــ پیمبر تک حق تعالیٰ کی نظر میں صرف ''عبد صالح''! نہ اوتار، نہ مظہر خدا، نہ معبود!

تحت عبدین لفظ تحت سے صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ بیوی شوہر کی ماتحت ہی ہوتی ہے۔

فخانتھما۔ سب سے بڑا حق یہی ضائع کیا کہ اپنے اپنے شوہروں کی نہ نبوت کی تصدیق کی، نہ اُن پر ایمان لائیں۔

قیل...... الداخلین۔ یعنی جس طرح اور سارے کافر دوزخ میں جھونکے جاتے ہیں، تم بھی وہیں جلو مرو، تم میں اور [illegible] کافروں میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔

۱۸ (یہ ظاہر کرنے کو کہ اپنا ایمان اور اپنی صالحیت بالکل کافی ہیں۔ اور جب یہ موجود ہوں، تو پھر کسی غیر مومن سے مادّی تلبّث یا انتساب راہِ فلاح میں ہرگز حائل نہیں ہوسکتا)

۱۹ یعنی اُن کافروں کے شر سے، اور ان کے ضررِ حسّی اور معنوی سے۔

امرأت فرعون۔ فرعون موسوی پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ زوجۂ فرعون سے مراد حضرت بی بی آسیہؑ ہیں، جنھوں نے حضرت موسیٰ [illegible]لام کو شیر خوارگی کے زمانے میں دریائے نیل سے نکال

مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ

اپنی رُوح پھونک دی، اور اُنھوں نے اپنے پروردگار کے پیاموں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی ۲۰

کہ اُن کی پرورش کی تھی۔ حاشیہ ان پر بھی گزر چکا۔

ونجنی من فرعون وعمله۔ یعنی اے پروردگار! کہیں فرعون اور اس کے اعمالِ کفر کا وبال میرے اوپر نہ پڑنے لگے!

آیت سے معلوم ہوا کہ ہر بلا و مصیبت سے اپنی نجات دُنیوی و اُخروی کے لیے حق تعالیٰ سے دعا و مناجات کرتے رہنا سیرت صالحین میں سے ہے۔

وفيه دليل على أن الاستعاذة بالله والالتجاء إليه ومسئلة الخلاص منه عند المحن والنوازل من سير الصالحين. (مدارك، ص:۱۲۵۹)

من القوم الظلمين۔ ظالمین یہاں بھی کافرین کے مرادف ہے۔

أي الكافرين. (معالم، ج۵/ص:۱۲۳)

۲۰ (یہ ظاہر کرنے کو، کہ جب اپنے میں ایمان و صالحیت موجود ہوں، تو پھر کسی صالح سے عدم تعلق و انتساب مضر نہیں)

مریم ابنت عمران پر حاشیے سورۂ آل عمران (آیت ۳۶) اور سورۂ مریم (آیت ۳۶) میں گزر چکے۔

فنفخنا فيه من روحنا۔ یہ نفخ رُوح بواسطۂ فرشتۂ جبرئیلؑ کے ہوا تھا۔ اس نفخ روح پر حاشیے سورۂ آل عمران (آیت ۴۹) وغیرہ میں گزر چکے۔

فیہ میں ضمیر ہ جسم مریمؑ کی جانب بھی ہوسکتی ہے، اور گریبانِ مریمؑ کی جانب بھی، اور خود حملِ مریمؑ کی جانب بھی۔

وضمير (فيه) للفرج، وجوز في ضمير (فيه) رجوعه إلى الحمل. (روح، ۲۸/ص:۱۶۴)

روحنا۔ روح کی اضافت حق تعالیٰ نے اپنی جانب اس کے اظہارِ عظمت کے لیے کی ہے۔

والإضافة للتشريف والمراد من روح خلقناه بلا توسط أصل. (روح، ج۲۸/ص:۱۶۴)

وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

اور وہ اطاعت کرنے والوں میں سے تھیں ۲۱

صدقت بکلمٰت ربها و کتبه۔ یہ تصریح آپؑ کے ایمان اور عقائد کی ہوئی ــــ آپؑ مومنہ وعارفہ اور اس وقت تک کی کتبِ آسمانی (توریت وغیرہ) کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ نعوذ باللہ خود کسی معنی میں مدعیٔ الوہیت یا شریک اُلوہیت نہ تھیں ــــ پوری تردید مسیحیوں کے غلو کی ہوگئی۔

۲۱ و کانت من القٰنتین۔ یہ تصریح آپؑ کے حسنِ اعمال کی ہوئی ــــ آپ نعوذ باللہ کسی طرح کی بدکار نہ تھیں، یہ پوری تردید یہود کے ناپاک افتراؤں اور گندے الزاموں کی ہوگئی۔

صدقت بکلمٰت ربها۔ کلمات رب سے مرادِ شرائعِ الٰہی بھی لی گئی ہیں، یعنی مریم صدیقہؓ نے عملاً بھی تمام حقائقِ دین کی تصدیق کی۔

وقال أبو علي الفارسي الكلمات الشرائع التي شرع لها دون القول، فكأن المعنىٰ صدقت الشرائع وأخذت بها. (كبير، ج ۳۰/ص:۴۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨ ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ

بڑا برکت والا ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں (ساری) حکومت ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے ۱ اور وہی ہے جس نے موت

۱ ملکیت اور قدرت دونوں اُسی ذات واحد کی کامل اور غیر مشترک ہیں۔

یہ مفہوم کلمۂ ''ملک'' میں خود ہی آ گیا تھا، آیت کے دوسرے جز نے اس کی تصریح و تاکید کر دی ــــــ بعض محققین سے یہ نکتہ بھی منقول ہے کہ بادشاہت اور حکومت محل موجود اور کیفیتِ حاضر تک محدود سمجھی جاتی ہے، قدرت اس کے مقابلے میں عام اور وسیع ہے۔ تو آیت کے جزو ثانی نے یہ صاف کر دیا کہ صرف موجودات ہی کی بادشاہت و حکومت نہیں، بلکہ سارے آئندہ ممکنات پر بھی اس کی ملکیت اور قدرت اُسی طرح وسیع و محیط ہے۔

تبارک۔ برکت میں بالیدگی و افزونی، حسّی و عقلی، کثرتِ خیر و دوامِ خیر سب شامل ہیں۔

البركة النماء والزيادة حسية كانت أو عقلية و كثرة الخير ودوامه. (روح، ج ۲۹/ص:۳)

اور برکت کو صیغۂ تفاعل میں تبارک کر کے لانا معنی میں مزید زور و قوت پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

وصيغة التفاعل للمبالغة فى ذلك. (روح، ج ۲۹/ص:۳)

اور تبارک الذی بیدہ الملک کے معنی یہ ہوئے کہ برکات و خیرات اُس اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں جس کی بادشاہت چھائی ہوئی ہے اور جس کی قدرت غیر محدود ہے۔

ذلك تنبيه على اختصاصه تعالى بالخيرات المذكورة مع ذكر تبارك. (راغب، ص:٥٤)

بیدہ۔ ید کے اصلی معنی ہاتھ کے ہیں، اور ثانوی و مجازی معنی قبضہ یا تصرف کے ہیں۔

وَالۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ

و زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمھیں آزمائے کہ عمل میں تم میں سے کون بہتر ہے ۲ اور بڑا زبردست

يقال هذا في يد فلان أي في حوزه وملكه. (راغب، ص:٦١١)

ذكر اليد مجاز عن الإحاطة بالملك والاستيلاء عليه. (كشاف، ج٤/ص:٥٦٢)

أي في تصرفه. (جلالين، ص:٧٥٤)

اُردو میں جب بھی یہ فقرہ بولا جاتا ہے کہ ہر چیز آپ کے ہاتھ میں ہے تو ہاتھ سے مراد یہ مخصوص جسمانی عضو نہیں ہوتا بلکہ مِلک و تصرف ہی ہوتا ہے اور ''دستِ قدرت'' فارسی واُردو کا ایک چلا ہوا محاورہ ہے۔

الملك۔ ال استغراق کا ہے یعنی جو کچھ ہے سب اسی کا مملوک ہے۔

علی کل شیئ قدیر۔ اسی کی ملکیت کامل ہے اور ہر شے کو محیط وحاوی۔

الكامل الإحاطة والاستيلاء على كل موجود. (روح، ج۲۹/ص:۳)

صفاتِ ملکیت وقدرت میں مشرک قوموں کو بڑی ٹھوکریں لگی ہیں، اسی لیے قرآن مجید ان کا اس کثرت سے اثبات حق تعالیٰ کے حق میں کرتا ہے۔

۲ اور اسی کے لحاظ سے آخرت میں جزا وسزا دے گا۔

خلق الموت والحياة۔ یہاں یہ بتا دیا کہ خود موت وزندگی بھی اللہ کی دوسری ایجابی وسلبی مخلوقات کی طرح اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں، خود آفریدہ ہستیاں یا کوئی دیوی دیوتا نہیں، جیسا کہ بہت سی جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے۔

خلق الموت۔ موت اسلام میں عدمِ محض یا سلبِ حیات کا نام نہیں، جیسا کہ بعض مشرک جاہلی فلاسفہ نے قرار دیا ہے، ایک مستقل ہستی ہے، وجودی مخلوق ہے، مثبت حقیقت ہے۔

واستدل بهذه الآية من قال إن الموت أمر وجودي، لأنه مخلوق. (ابن كثير، ج٤/ص:٣٥٧)

قال أصحابنا إنه صفة وجودية مضادة للحياة. (كبير، ج٣٠/ص:٤٨)

والموت على ما ذهب إليه الكثير من أهل السنة صفة وجودية تضاد الحياة.

(روح،ج ۲۹/ص:۴)

مسیحوں کے یہاں یہ عقیدہ پھیلا ہوا ہے کہ موت انسان کے لیے ایک طبعی چیز اور ختم حیات کا نام نہیں، بلکہ معصیت آدم علیہ السلام کی پاداش کے طور پر آدم و نسلِ آدم پر مسلط کر دی گئی ہے۔

''گناہ کی مزدوری موت ہے''۔(رومیون،۶:۲۳)

''جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دُنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی، اس لیے کہ موت نے گناہ کیا''۔(رومیون،۵:۱۲)

اس طرح یہود کا عقیدہ تھا کہ صرف زندگی خدا کی پیدا کی ہوئی ہے، اور موت تو شیطان نے نافرمانی کر کے پیدا کر دی ہے۔(ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی)۔

آیت سے اُن بداعتقادیوں کی تردید مدنظر ہے۔

الموت والحيوة۔ حیات یا زندگی کا محل عمل یا ظرفِ عمل تو ظاہر ہی ہے، یہ مہلت یا موقع اگر نہ حاصل ہو تو انسان کوئی عمل اچھا یا بُرا کرے ہی کس وقت؟ خود موت حسنِ عمل کے لیے بمنزلہ شرط ہے۔ موت کے مشاہدے سے دُنیا کے فانی ہونے کا، اور آخرت کے عقیدے سے وہاں کے اجر کا اگر یقین نہ ہو تو انسان حسنِ عمل کی کوشش ہی کیوں کرے!

الحياة ۔ حیات سے کہیں کہیں قرآن مجید نے وہ مستقل پائیدار دائمی آخرتی زندگی بھی مراد لی ہے، جو اس عالمِ ناسوت کے بعد شروع ہو کر کبھی نہ ختم ہو گی، جیسا کہ آیت يقول ياليتنى قدمت لحياتي سے واضح ہے، اور زندہ عالم اسی کو قرار دیا ہے، جیسا کہ و إن الآخرة لهى الحيوان سے روشن ہے۔ اگر الحيوان سے بھی اُخروی زندگی ہی مراد لی جائے تو پورے فقرے کا مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ نے اس ''ناسوتی زندگی'' سے کوچ اور عالمِ آخرت میں بقا و قیام کا انتظام اس لیے رکھا ہے کہ تمھارے ''حسن عمل'' کا امتحان ہو جائے۔

یہ خوب خیال رہے کہ اسلام میں موت بجائے خود نہ کوئی خوف و دہشت کی چیز ہے، نہ کراہت و انقباض کی، بلکہ وہ تو رُوح کو اس کی اصل منزل تک پہنچا دینے میں جسر موصل ہے، یہ جوڑ دینے والے پل کا کام دینے والی ہے۔

الْغَفُوْرُ ۝ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ

اور بڑا مغفرت والا وہی تو ہے ۳؎ وہ جس نے سات آسمان ایک دوسرے کے مطابق کر دیے، تو خدائے رحمٰن کی صفت میں

مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ

کوئی فتور نہ پائے گا، سو تو (اے مخاطب) پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے، کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ

يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا

تو نگاہ ہی آخر درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی ۴؎ ہم نے بے شک قریب کے آسمان کو چراغوں سے

لیبلوکم۔ کیسے جچے تلے لفظوں میں یہاں اس دُنیوی زندگی کی اصل حقیقت بیان کر دی کہ یہ تو تمام تر ایک امتحان گاہ ہے ــــــ اور کون طالب علم ایسا ہے جو امتحان کی تیاری کی گھڑیاں بے فکری، غفلت اور لااُبالی پن کی نذر کر دے بجز اس کے کہ جو بدنصیب ترین ہو!

۳؎ (جس کو چاہے بلا معاوضہ اور بلا کفارہ معاف کر دے اور جس نیکی پر جتنا چاہے اجر دے ڈالے، مغفرت مرتب کرنے پر وہ کسی شرط وقید کا پابند محتاج نہیں)

العزیز۔ ہر جزا و سزا پر قادر۔ عذاب وثواب دونوں اسی کے اختیار میں، وہ سب پر غالب وقادر، کوئی اس پر غالب وقادر نہیں۔

الغفور۔ بخش دینے والا کسی کو احیاناً واتفاقاً نہیں بلکہ غُفر تو عین اس کی شان، عین اس کی فطرت ہے۔

۴؎ (اے مخاطب!)

آیت سے مقصود آسمانوں کی نہ شکل وحرکت کا بیان ہے، نہ ان کے جمود وثبات کا، بلکہ مقصود اُن کا تعدد کے ساتھ، فاطر کائنات کے کمالِ صناعی وصنعت گری کا اظہار ہے۔ آسمان کی سائنسی ہیئت وحقیقت جو کچھ بھی ہو، بہر حال وہ حسن صنعت کا بہترین وکامل ترین نمونہ ہے۔ ہر عیب وہر نقص سے پاک، تو جب اس مخلوقِ اعظم کا یہ حال ہے تو اور ساری مخلوق اس سے فروتر ہی ہے، ان کا اتنا مرتب ومحفوظ ہونا، اُن کے خالق وفاطر کے لیے کیا دشوار ہے!

آیت منکرین صنعت باری کے لیے ایک چیلنج ہے کہ ہر مخلوق و مصنوع کو چھان بین کر کے خوب غور سے دیکھ لیں، کسی میں کوئی بات خلافِ حکمت نہ پائیں گے۔

طباقاً۔ طباق کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، کوئی دو چیزیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہوں یا ایک دوسرے کے موافق و ہم آہنگ، سب اسی کے تحت میں آسکتی ہیں۔

ویستعمل الطباق فی الشیئ الذی یکون فوق الآخر تارة، وفیما یوافق غیره تارة. (راغب،ص:۳۳۸)

سمیت هنا لمطابقة بعضها بعضاً. (لسان:ج۸/ص:۱۲۰، تاج،ج۱۳/ص:۲۸۵)

سبع سماوات طباقاً۔ مراد آسمانِ معروف سے بھی ہوسکتی ہے اور نظامِ شمسی کے سات معروف سیاروں سے بھی، یا کوئی بھی سات دُنیائیں تہ بہ تہ یا ایک دوسرے کے متناسب و ہم آہنگ، جو آیندہ تحقیقات سے ثابت ہوں۔

هل تری من فطور۔ مخاطب، عوام و خواص، عامی و عالم سب ہیں، حکیم اور سائنٹسٹ، ارضیات و فلکیات کے بڑے بڑے ماہرین سب جمع ہو کر ٹھوک بجا کر دیکھ لیں، نظامِ تکوینی کے معجزانہ کمال میں نہ کہیں کوئی رخنہ پائیں گے، نہ کوئی بات آئینِ حکمت کے خلاف۔

فطور کے معنی شگاف یا دراڑ یا خلل۔

الفطور الشقوق، عن مجاهد و الضحاك، وقال قتادة من خلل. (قرطبی،ج۱۸/ص:۲۰۹)

فارجع البصر۔ ثم ارجع البصر۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ پہلی نظر عوام کی ہے جو صرف وجود اور حسنِ ظاہر کو دیکھ کر کمالِ صانع کے قائل ہو جاتے ہیں، اور دوسری نظر اہل نظر و اہل حکمت کی ہے جو ہر ہر مخلوق کے ساتھ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو دیکھ کر اس کے قائل ہو جاتے ہیں کہ جو نظم تکوینی موجود ہے اس سے بہتر ہونا محال ہے اور اس پر مجال حرف گیری نہیں۔

فارجع البصر۔ امر فارجع نہ تکلیفی ہے نہ تشریعی بلکہ تعجیزی ہے، یعنی تم دیکھ لو، تجربہ کرلو، آخر خود ہی تھک جاؤ گے۔

ینقلب إلیك البصر۔ یہ تیسری نظر عارفین نے کہا ہے کہ خواص اہل حق کی ہے، جو اپنی نظر سے خود نادم ہو کر اپنے عجز و جہل کے معترف ہو جاتے ہیں۔

بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ۝٥

آراستہ کررکھا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے اور ہم نے ان کے لیے دوزخ کا عذاب بھی تیار کررکھا ہے ۵

کرتین۔ صیغۂ تثنیہ یہاں محض اظہارِ تعدد کے لیے ہے، دو کا متعین عدد مراد نہیں۔

والمراد بالتثنية التكرير والتكثير كما في لبيك وسعديك. (بيضاوى ج٥/ص:١٤١، روح، ج٢٩/ص:٧)

يراد بها التكرار كأنه قال كرة بعد كرة أى كرات كثيرة. (بحر، ج٨/ص:٢٩٨، نهر، ج٨/ص:٢٩٦)

بلکہ بعض نے تو صراحۃً کرتین کو کرات کے معنی میں لیا ہے اور تثنیہ کو جمع قرار دیا ہے۔

وإن كان لفظه لفظ الثنية فهو جمع، والمعنى كرات. (برهان، ج٣/ص:١٢)

بیسویں صدی عیسوی کے قارئینِ قرآن سے اس طرزِ خطاب کے یہ معنی بھی لیے جاسکتے ہیں کہ اپنی خوردبینوں سے دیکھ لو، اپنی دُوربینوں سے دیکھ لو، اپنے سارے آلاتِ سائنس کو کام میں لاکر دیکھ لو، کہیں بھی کوئی عیب، کوئی نقص، نظامِ کائنات میں نظر نہ آئے گا۔ یہ دعویٰ، یہ تحدّی شایانِ شان صرف کلامِ الٰہی کے ہے۔

۵ شیطانوں کے لیے عذابِ جہنم کا تیار رہنا ایک معلوم و معروف مسئلہ ہے۔

سماء الدنیا۔ وہ آسمان جو ہمارے مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔

هى التى نشاهدها. (بحر، ج٨/ص:٢٩٩)

سمآء کا ترجمہ اس سیاق میں اگر ضبابہ یا کہر (Nebula) سے کیا جائے تو بھی بے تکلف ممکن ہے اور مراد وہ کہر کی چادر لی جائے جو کرۂ ارض کو ہر طرف گھیرے ہوئے اور اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

اشارہ سمآء الدنیا سے یہ بھی نکل آیا کہ علاوہ اس آسمانِ مشاہد کے کچھ اور آسمان بھی ہیں ـــــ اور پھر تعداد میں سبع وغیرہ کی جو تصریح ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

زینا السمآء الدنیا بمصابیح۔ اس سے یہ بھی نکل آیا کہ کرہ کی فضا روشن ہے۔

مصابیح۔ مصباح کے اصل معنی چراغ ہی کے ہیں، مراد یہاں مصابیح سے ستاروں سے لی گئی ہے، عام اس کے کہ وہ ساکن ہوں یا متحرک۔

وھی الکواکب التی وضعت فیھا من السیارات والثوابت. (ابن کثیر، ج٤/ص:٣٥٧)

اور یہ بالکل ممکن ہے کہ مصابیح کی مصداق بجائے کواکب کے کوئی اور چیز آگے چل کر ثابت ہو۔ قولِ تفسیری اور صراحتِ قرآنی کے درمیان جو فرق کلام اللہ اور کلام الناس کا ہے، وہ ہر حال میں پیش نظر رہنے کا ہے!

زینّا سے اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ نظامِ فلکی اور فضائے آسمانی اپنی پختگی اور صناعی ہی کے لحاظ سے بے نظیر نہیں بلکہ زیب وزینت، جمال وآرائش کے پہلو بھی اس میں رکھ دیے گئے ہیں۔ اور خلائی مسافروں نے لاکھوں میل دُور سے جو اس فضا کو اس درجہ حسین وخوشنما پایا ہے تو اس میں مبالغہ کو دخل نہیں۔

ولقد زیّنا السمآء الدنیا بمصابیح۔ ان چراغوں، ستاروں سے ایک بڑی غرض فضائے آسمانِ زمینی کی آراستگی وزیبائش بھی ہے، اور آیت سے یہ حقیقت ایک بار پھر روشن ہوجاتی ہے کہ قرآن مجید کو مسائل ہیئت وفلکیات سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں، اس نے ستاروں کے ضمن میں بس اسی پہلو کو لیا جو بالکل کھلا ہوا ہے اور عالم وعامی سب کی سمجھ میں آسانی سے آجانے والا ہے۔

عطاء تابعی سے روایت ہے کہ ستارے ان لالٹینوں میں سے ہیں جنھیں فرشتے نوری زنجیروں میں آسمان سے زمین کی طرف لٹکائے ہوئے ہیں۔

عن عطاء أن الکواکب فی قنادیل معلقة بین السماء والأرض بسلاسل من نور فی أیدی ملائکة. (روح، ج٢٩/ص:٨)

فرشتے اور ''نوری زنجیریں'' یہ محض اصطلاحیں ہیں مذہب کی۔ اہل سائنس انھیں حقیقتوں کو اپنی اصطلاحوں میں ''قانونِ فطرت''، ''قوتِ کشش'' وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اصطلاحات کے ادل بدل سے کسی حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

وجعلناھا رجوماً للشیطین۔ ستاروں کے رجم شیاطین پر حاشیے سورۃ الحجر (آیت ١٧) سورۃ الصافات (آیت ٧) میں پہلے گزر چکے۔

آیت میں صراحت نہیں کہ بجنسہٖ کوئی ستارہ ہی شیطان پر پھینک مارا جاتا ہے، بلکہ جیسا صاحب تفسیر عزیزی نے لکھا ہے اور کبیر میں اس کا اشارہ موجود ہے، ممکن ہے کہ ملائکہ، اجزائے ہوائی

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٦ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا

اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا اُن کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے، اُس میں جب یہ لوگ ڈالے جائیں گے

سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝٧ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا

تو اس کی بڑی زور کی گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی کہ گویا غصہ سے ابھی پھٹنے کو ہے، جب جب اس کے اندر کوئی ٹکڑی (کافروں کی) ڈالی

فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝٨ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ

جائے گی تو اس کے پہرہ داران لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ ۶ وہ کہیں گے کیوں نہیں ضرور ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا

فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝٩ وَقَالُوْا

لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور کہا کہ خدا نے کچھ بھی نازل نہیں کیا، تم خود ہی ایک بڑے خبط میں پڑے ہوئے ہو ۷ اور کہیں گے

اور بخارات کو ستاروں سے روشن کر کے شیطانوں پر مارتے ہوں۔ (عزیزی، ج ۳/ص: ۹)

۶ جس نے تم کو اس عذاب سے ڈرایا ہو؟)

تکاد تمیز من الغیظ۔ یہ فقرہ جہنم کے بے انتہا جوش و خروش کے اظہار کے لیے ہے۔

ألقی فیھا فوج۔ دوزخ میں کافروں کے مختلف گروہ اپنے اپنے مرتبہ و نوعیتِ کفر کے لحاظ سے ڈالے جائیں گے۔

ألم یأتکم نذیر۔ فرشتوں کے اس سوال کا مطلب یہ ہوگا کہ عذابِ شدید تو ایسی چیز تھی کہ اگر اس کی خبر درجۂ احتمال بھی تمھارے نزدیک رکھتی تھی جب بھی تمھیں اپنے کو اس سے بچانے کے لیے پوری طرح مستعد و آمادہ ہو جانا چاہیے تھا تو کیا ایسے ہولناک انجام کی خبر ہی سرے سے تمھیں نہیں پہنچی؟

نذیر۔ نذیر، رسول یا نبی کے مرادف نہیں، اس سے عام و وسیع ہے، مراد پیمبر کی تخویفی تعلیم ہے، جو کسی ذریعے سے بھی پہنچی ہو، خواہ خود پیمبر سے خواہ اس کے کسی نائب سے واسطہ در واسطہ۔

۷ (کہ وحی و نبوت اور آخرت وغیرہ کے ڈھکوسلوں پر عقیدہ رکھے ہوئے ہو)

قد جآء نا نذیر۔ منکرینِ حشر اب دوزخ میں پہنچ کر اقبال کریں گے کہ منذرین کی آواز ہی کان میں پڑنا کیسا، ان کی پوری کی پوری تعلیم ہم تک پہنچ چکی تھی، یہ شامت تو خود ہماری ہی تھی کہ ہم

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ

کہ اگر ہم سن لیتے یا اپنی ہی عقل سے کام لیتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے ۸ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑪ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ

سو لعنت ہے اہل دوزخ پر، بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں اُن کے لیے

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

مغفرت اور بڑا اجر ہے ۹ اور تم لوگ اپنی بات (خواہ) چھپا کر کہو یا پکار کر کہو، وہ دلوں (تک) کی باتوں سے

ڈھٹائی کے ساتھ پیمبروں کی تکذیب کرتے رہے اور اُلٹا انھیں کو خبطی قرار دیتے رہے۔

إن أنتم إلا في ضلل كبير۔ آج بھی ہمارے ''روشن خیالوں'' اور ''عقلیین'' کا جو فتویٰ اہل مذہب سے متعلق ہے، وہ اس سے کچھ بہت مختلف نہیں۔ عالم غیب، خشیتِ الٰہی، تقویٰ قلب وغیرہ سب اس گروہ کے نزدیک وہم اور ڈھکو سلے ہی ہیں۔

فرقۂ مرجئہ جو اس کا قائل ہے کہ دوزخ میں صرف کافر ہی رہ جائیں گے (نہ کہ کوئی مسلم) اس نے اپنے عقیدے پر ایک دلیل ان دونوں آیتوں سے بھی قائم کی ہے کہ یہاں دخولِ جہنم نتیجۂ تکذیب ہی بتایا گیا ہے۔

۸ منکرین اب اقرار کریں گے کہ یہ توحید و رسالت کے عقیدے تو ایسے کھلے ہوئے اور عقل سلیم کے اس قدر مطابق تھے کہ اگر ہم نے خود ہی اپنی عقل و دماغ سے کام لیا ہوتا تو انھیں نتیجوں تک پہنچ جاتے، چہ جائے کہ جب راست باز و متدین یقین دلانے والے ان کا یقین دلا رہے تھے، ہماری ہی شامت کی یہ انتہا تھی کہ پھر بھی ہم انکار و تکذیب پر اڑے رہے۔

لو كنّا نسمع۔ نسمع سے مراد دلیل سمعی بھی لی گئی ہے یا طریقِ اتباع یا طریقِ تحقیق و تقلید۔

أو نعقل۔ نعقل سے مراد دلیل عقلی بھی لی گئی ہے، یا طریقِ تحقیق۔

متکلمین نے آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا موجد نہیں۔

تمسك أصحابنا بهذه الآية في بيان أن العبد غير موجد لأفعاله. (كبير، ج ۳۰/ص: ۵۹)

۹ (جس کا ظہورِ کامل آخرت میں ہوگا)

الصُّدُوۡرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ

خوب آگاہ ہے، کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے! اور وہ تو (بڑا ہی) باریک بین اور پورا باخبر ہے ۱۰ وہ وہی ہے جس نے

بذنبھم۔ یہ ذنب یا جرم وہی تکذیبِ رسل کا ہوگا۔

قال مقاتل یعنی بتکذیبھم الرسول. (کبیر، ج ۳۰/ص:۵۸)

ایک قول یہ بھی ہے کہ لفظ ذنب صورتاً واحد، معنی میں جمع کے ہے۔

الذنب ھھنا فی معنی الجمع، لأن فیه معنی الفعل. (کبیر، ۳۰/ص:۵۸)

یخشون ربھم۔ یہی خشیتِ الٰہی وہ چیز ہے جو انسان کو ایمان وطاعت کی طرف لاتی ہے اور جس نے عالمِ غیب پر یقین اور خشیت اپنے دل میں پیدا کرلی، اُس نے قدم ایمان پر جما لیے اور مغفرت واجر کبیر پر اپنا حق قائم کرلیا ــــــ مغرب کا لایا ہوا نظامِ تمدن اور نظامِ تعلیم ایمان کی انھیں مبادیات کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے اور انسانی عقل ودماغ کو تمام تر ریب، بے اطمینانی اور بے یقینی کی بیماری میں مبتلا کردیتا ہے۔

بالغیب۔ ایمان بالغیب کی طرح یہ خشیت بالغیب کی بھی تصریح اس حقیقت کو ظاہر کررہی ہے کہ ایمان وخشیت کا درجہ اعلیٰ سے اعلیٰ حاصل ہو جائے جب بھی غیب کا کوئی نہ کوئی درجہ اس کے بعد بھی باقی رہ جائے گا ــــــ شہودِ کامل جو غیب کی ضد ہے اس عالم ناسوت میں بشر کے لیے ممکن نہیں۔

۱۰ اُن جاہلی فلاسفہ کی حماقت پر تعریض ہے جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانتے ہیں اور دوسری طرف اس کے علم کو ناقص، محدود، اور جزئیات پر غیر حاوی تسلیم کرتے ہیں!

اللطیف۔ لطیف سے مراد ہے بڑی نازک حکمتوں اور تدبیروں والا ہے، عالم اسرار اور خفایا۔ اور یہ معنی اس کے صفاتِ ذاتی کی حیثیت سے ہوئے۔

یراد به دقائق تدبیره لھم وفیھم. (کبیر، ج ۳۰/ص:۶۰)

العالم بخفایا الأمور ودقائقھا فیکون من صفات الذات. (أبو البقاء، ص:۱۲۷۷)

اور دوسرے معنی اس سے صفاتِ افعال کے لحاظ سے یہ لیے گئے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کے حق میں غایت شفقت وکرم سے نیکی واحسان ہی کرنے والا ہے۔

لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ

زمین کو تمھارے لیے پست کر دیا ہے سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ (پیو) اور اُسی کے پاس

النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ

زندہ ہو کر جانا ہے ⁲⁴ کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو (کہ وہ) جو آسمان میں ہے کہیں تمھیں زمین میں دھنسا نہ دے اور وہ

معناه البر بعباده المحسن إلى خلقه بإيصال المنافع إليهم برفق ولطف فيكون من صفات الأفعال. (أبو البقاء، ص: ۱۲۷۷)

هو اللطيف الخبير۔ سر اور ظواہر سب کو جاننے والا، جس پر خفی و جلی سب یکساں روشن ہوں۔

من يعلم دقائق الخفايا و جلائلها جملها و تفاصيلها. (روح، ج ۲۹/ص: ۱٤)

إنه عليم بذات الصدور۔ علم الٰہی کے لیے، اعلان و اخفا دونوں یکساں ہیں۔

اللہ کی صفت قدرت کی طرح صفتِ علم میں بھی مشرک قوموں کو کثرت سے ٹھوکر لگی ہے، اسی لیے صفتِ علمِ الٰہی کا اثبات قرآن میں کثرت سے کیا گیا ہے۔

لطیف، خبیر، علیم۔ اسمائے صفاتی ہے، مقصود ایک ہی حقیقت کا اثبات اس کے مختلف مدارج کے ساتھ ہے۔

⁲⁴ بندوں کو ترغیب دی ہے کہ زمین سے جو چاہو کام لو، اور جس طرح چاہو اس پر رہو سہو، اس پر دوڑو، دھوپو، اس پر ریلیں چلاؤ، موٹریں دوڑاؤ، اسے کھود کر لوہا، کوئلہ، ہیرے جواہر نکالو، اس کا جگر چاک کر کے اس سے تیل کے چشمے اگلواؤ، اس پر پہاڑوں کی سی اونچی عمارتیں بناؤ۔ بس یاد صرف اتنا رکھو کہ تم بندے ہو، خدا نہیں ہو، مطلق العنان و خود مختار نہیں ہو، اللہ کے قانون کے پابند و محکوم ہو اور اُس کے سامنے اپنے ہر عمل کے جواب دہ۔

هو الذى...... ذلولا۔ یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ زمین میں تمھارے لیے ہر قسم کے تصرفات کی اہلیت رکھ دی گئی ہے، تم خود اس پر حاکم و متصرف ہو، اُلٹے اُسی کو دیوی مان لینا اور بھومی پوجا کو عبادت سمجھ لینا، کیسی کھلی ہوئی نادانی ہے!

كلوا۔ اسلام رہبانیت اور نیم فاقہ کشی کا دین نہیں۔ کھانے پینے، بہ فراغت زندگی بسر کرنے کی ترغیب وہ بار بار دیتا ہے۔

تَمُوۡرُ ﴿۱۶﴾ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ

تھرتھرانے لگے ۲۱ کیا تم اس سے نڈر ہوگئے ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے کہ وہ کہیں تم پر ہوائے تند نہ بھیج دے، سو تمھیں عنقریب معلوم ہوجائے گا

من رزقه۔ یہ یاد دلا دیا کہ جو کچھ تمھیں کھانے پینے کو مل رہا ہے، سب حق تعالیٰ ہی کا عطیہ تو ہے۔ سو یہ ذہن میں مستحضر رکھ کر اگر کھاؤ پیوگے تو یقین ہے کہ کھانے پینے میں کوئی بے اعتدالی نہ پیدا ہونے پائے گی۔

۲۱ یعنی کیا تم نے اپنے کو عذابِ الٰہی کی گرفت سے محفوظ و مصون سمجھ لیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ مجرمانہ غفلت کی انتہا ہے!

دُنیا کے کھیل تماشے، ناچ رنگ اور نقاشی و مصوری کے آرٹ، ذہن و شعور پر غفلت کا جو گہرا اثر پیدا کرتے ہیں، ظاہر ہی ہیں، لیکن علم و فن کی جو اونچی شاخیں سمجھی جاتی ہیں اور جنھیں عقلی و معقولی علوم کہا جاتا ہے اُن میں بھی انہماک عام طور پر دل و دماغ کو یادِ آخرت سے یکسر خالی کر دیتا ہے اور اللہ کی قدرت واختیار کا نقشہ تک ذہن سے محو کر دیتا ہے۔

من فی السماء سے یہ مراد تو لی نہیں جا سکتی کہ وہ جو آسمان پر کہیں بیٹھا ہوا ہے۔

هذه الآية لا يمكن إجراؤها على ظاهرها باتفاق المسلمين. (كبير، ج۳۰/ص:۶۱)

لامحالہ مراد یہ ہوگی کہ وہ ذاتِ اعظم جس کا حکم و تصرف آسمانوں پر بھی چل رہا ہے۔

تقدير الآية من في السماء سلطانه وملكه وقدرته، والغرض من ذكر السماء تفخيم سلطان الله وتعظيم قدرته. (كبير، ج۳۰/ص:۶۲)

تقدير قدرته وسلطانه وعرشه ومملكته. (قرطبي، ج۱۸/ص:۲۱۵)

أى من ملكوته فى السماء، لأنها مسكن ملائكته...... ومنها تنزل قضاياه وكتبه وأوامره ونواهيه. (كشاف، ج۴/ص:۵۶۸، مدارك، ص:۱۲۶۴)

فی السماء میں فی معنی میں علی کے بھی لیا گیا ہے اور مراد اس سے غلبہ واقتدار و حاکمیت ہے۔

قيل فى بمعنى على ويراد العلو بالقهر والقدرة. (روح، ج۲۹/ص:۱۵)

اور قرطبی، اور بحر اور روح میں اس پر گفتگو بڑی بسط و تفصیل سے آئی ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد آسمان کے ملائکۂ عذاب ہیں اور یہ بھی نقل ہوا ہے کہ السماء کا

كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾

کہ میرا ڈرانا کیسا تھا ۱۳؎ اور اُن سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں اُنھوں نے بھی تو جھٹلایا تھا سو میرا عذاب کیسا ان پر واقع ہوا ۱۴؎

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۘؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ

کیا اُنھوں نے اپنے اوپر پرندوں پر نظر نہیں کی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں اور سمیٹ بھی لیتے ہیں، اُنھیں کوئی اور نہیں تھامے رہتا بجز خدائے رحمٰن کے

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ

بے شک وہی ہر چیز کو خوب دیکھے بھالے ہوئے ہے ۱۵؎ بھلا خدائے رحمٰن کے سوا کون ہے جو تمھارا لشکر بن کر

لفظ محض جہت علو اور غایت شرف کے اظہار کے لیے ہے۔

۱۳؎ یعنی کیسا صحیح اور مطابقِ واقعہ اور ساتھ ہی کتنا شدید!

موت کے ساتھ ہی زلزلے، سیلاب، سمندری طوفان، امراضِ وبائی دَم کے دَم میں کیسی بڑی بڑی آبادیوں کا بھی صفایا کر کے رکھ دیتے ہیں، یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔

نذیر یہاں مصدر انذار کے معنی میں ہے۔

كيف إنذاري. (كشاف، ج ٤/ص:٥٦٨)

أي إنذاري فنذير مصدر. (روح، ج ٢٩/ص:١٦)

مضاف ہے یائے متکلم کی جانب۔

وهو مضاف إلى ياء الضمير. (روح، ج ٢٩/ص:١٧)

من فی السماء پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔

فستعلمون میں س سے مراد لی گئی ہے: موت کے ساتھ ہی۔

۱۴؎ اگر ماضی ہی سے نمونے اُس عذاب کے تلاش کرتے ہیں تو تاریخ وسیر کے صفحات کا مطالعہ کر لیا جائے کہ کیسی کیسی گردن کش امتیں اور پُرقوت قومیں بالآخر ہلاک ہو کر رہی ہیں اور کیسے کیسے بظاہر لازوال تمدن پیوندِ خاک ہو چکے ہیں ـــــ تاریخ اقوام کا مطالعہ بشرطیکہ عبرت وموعظت کی آنکھ سے ہو تو عین عبادت ہے اور اس سے رُوح میں بجائے غفلت کے بیداری پیدا ہوتی ہے۔

۱۵؎ (اور جس میں جو تصرف چاہے، اپنے حسب مشیت کرتا رہے)

الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۚ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ

تمھاری نصرت کر سکے! کافر تو بڑے دھوکے ہی میں پڑے ہوئے ہیں ١٦ بھلا وہ کون ہے جو تمھیں روزی دے سکے اگر

اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی

اللہ اپنی روزی بند کر لے، اصل یہ ہے کہ یہ لوگ جمے ہی ہوئے سرکشی و نفرت میں ہیں ١٧ سو کیا جو شخص اپنے منہ کے بل گرتا ہوا

وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ

چل رہا ہو کیا وہ بہتر رہرو ہوگا یا وہ جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو؟ ١٨ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ وہی ہے جس نے

پرندوں کی وہ حیرت انگیز قوتِ پرواز کہ انسان بھی منہ دیکھتا ہوا رہ جائے، اُن کا وہ ہوا کی موجوں کو تیزی سے چیرتے پھاڑتے ہوئے جانا، ان کا وہ اتنی بلندی پر اپنے جسم کا توازن قائم رکھنا، یہ سب انسان کے لیے کیسے عجیب وغریب مشاہدات ہیں اور اُن سے کیسا ثبوت حق تعالیٰ کی صناعی وکارفرمائی کا ملتا رہتا ہے!

إنه بكل شيئ بصير۔ یہ سارا کارخانہ یوں ہی بلا مقصد وغایت اور بغیر کسی حکیم کی ارادی کارفرمائی کے اندھا دُھند نہیں چل رہا ہے، حکمتِ کاملہ کی آنکھ چھوٹی بڑی، پست وبلند مخلوقات کے ایک ایک جزئیہ پر رہتی ہے۔

١٦ (کہ انھیں بجائے خدائے واحد، قادر ودانا کے ادھر اُدھر کے سہارے اور آسرے اُلجھائے رہتے ہیں)

أمن ......الرحمن۔ مثال دفعِ مضرت کی ہے ـــــــ بتایا ہے کہ دفعِ مضرت پر سوائے خدائے واحد کے کوئی بھی قادر نہیں۔

١٧ (کہ بلا کسی شائبۂ دلیل کے کفر وشرک میں مبتلا ہیں)

أمّن......رزقه۔ مثال ایصالِ نفع کی ہے کہ اس پر بھی دفعِ مضرت ہی کی طرح کوئی اور قادر نہیں۔

الذی یرزقکم ۔ ربوبیت ورزاقیت تمام تر فیضانِ حق ہی ہے۔ اور اسبابِ رزق کا سلسلہ اسی رزاقِ مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ نادان، ناشکرے بندے درمیانی وسیلوں اور سطحی واسطوں میں اُلجھ کر رہ جاتے ہیں۔

عتو ونفور۔ عتو، سرکشی وبیزاری راہِ حق سے اور نفور تعصب وضدداعیِ حق سے۔

١٨ آیت کے اندر پہلی مثال کافر کی ہے، اور دوسری مومن کی۔

أَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾

تمھیں پیدا کیا اور تمھیں کان اور آنکھیں اور دِل دیے (مگر) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو

قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى

آپ کہہ دیجیے اللہ وہی ہے، جس نے تم کو زمین پر پھیلایا اور تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ۱۹ یہ لوگ کہتے ہیں کہ

هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاِنَّمَاۤ اَنَا

یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ۲۰ آپ کہہ دیجیے کہ علم تو بس اللہ ہی کو ہے اور میں تو بس ایک

أفمن ......وجهه۔ کافر کا راستہ ہی زیغ وضلالت کا ہے، گویا وہ سر کے بل ہلاکتوں میں گرتا ہی چلا جاتا ہے، اُس کا نقطۂ نظر بھی کائنات کی ہر شے سے متعلق اوندھا ہی ہوتا ہے۔

نظریوں پر نظریے کیسے کیسے اُلٹے اور دُور دراز حقیقت تراش کے اُن میں بتلا رہتا ہے۔

أمّن......مستقيم۔ مومن سیدھے قد کے ساتھ مستعد ہو کر چلتا ہے، افراط وتفریط کے غاروں سے بچتا ہوا۔ دینِ فطرت نام ہی ہر قسم کی بے اعتدالی اور کج روی سے بچ کر چلتے رہنے کا ہے۔

۱۹ تمھیں چلنا اسی کے قانون پر ہے جو انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کی نعمتوں کا جامع ومالک ہے، مبدأ بھی وہی، مرجع بھی وہی۔

قل هو الذي أنشأكم۔ خطاب افرادِ انسانی سے معلوم ہوتا ہے۔

قل هو الذي ذرأكم۔ خطاب اجتماعِ انسانی سے معلوم ہوتا ہے۔

وإليه تحشرون۔ یہ عقیدۂ آخرت اگر دل میں گھر کر جائے تو انسان میں احساسِ مسئولیت وذمہ داری کا اعلیٰ درجہ پیدا کر دے اور اس طرح اُس کی زندگی میں ایک اصلاحی انقلابِ عظیم پیدا کر دے۔

قليلاً۔ تقدیر کلام ہے: شکراً قليلاً، اور اس لیے اعراب نصب کا ہے۔

ما مزیدہ ہے تاکیدِ تفصیل کے لیے۔

ما مزيدة لتأكيد التفصيل. (روح، ج۲۹/ص:۲۱)

۲۰ منکرینِ حشر یہ سوال انکار وطنز کی راہ سے مسلمانوں سے کرتے تھے کہ تم جس قیامت کے وقوع کے مدعی ہو تو یہ تو بتاؤ کہ آخر وہ کب واقع ہوگی؟

نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا

کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں ۲۱ پھر جب وہ (قیامت) کو پاس آتا ہوا دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ یہی ہے

الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ

وہ جسے تم طلب کیا کرتے تھے ۲۲ آپ کہیے کہ اچھا یہ بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کردے یا

رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٨﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ

ہم پر رحمت کرے تو (بھی) کافروں کو عذاب دردناک سے بچانے والا کون ہے؟ ۲۳ آپ کہیے وہی (خدائے) رحمان ہے

۲۱ (اور عبدِ محض، مجھے غیب کی کیا خبر! نہ میرے اختیار میں قیامت کا واقع کر دینا اور نہ میرے علم میں اس کی آمد کا متعین وقت)

مشرکوں کے یہ سوالات پیغمبر علیہ السلام سے اپنے پس منظر میں بس اسی حلول اور مظہریت کا اعتقاد رکھتے تھے جو اکثر جاہلی مذہبوں میں مشترک ہے۔ جواب میں پیغمبر کا اصل منصب خود پیغمبر کی زبان سے ادا کر دیا گیا کہ قیامت کا لے آنا تو الگ رہا مجھے تو اس کے وقت کا بھی متعین علم نہیں۔

۲۲ یہ قول فرشتوں کی زبان سے ادا ہوگا، اور مقصود اس سے اہل جہنم کی مزید توبیخ ہوگی۔

رأوه میں ضمیرہ اسی یوم موعود کی جانب ہے۔

يعنى العذاب في الآخرة على قول أكثر المفسرين. (معالم، ج۵/ص:۱۲۷)

اس کی ترکیب یا تو حذفِ مضاف کے ساتھ ذا زلفة سمجھی گئی ہے یا یہ مصدر ہے بمعنی فاعل۔

أي مزدلفاً. (روح، ج۲۹/ص:۲۱)

مصدر بمعنى مزدلفاً أي قريباً، قاله مجاهد. (قرطبی، ج۱۸/ص:۲۲۰)

سيئت...... كفروا۔ یعنی جب قیامت واقعۃً آنے لگے گی تو منکرین کے چہرے فرطِ ہیبت ودہشت سے بگڑ کر رہ جائیں گے۔

تدّعون مصدر دعا سے ہے تفعلون کے وزن پر اور ایک معنی جلدی مچانے کے بھی کیے گئے ہیں۔

تفعلون من الدعاء أي تطلبون، وتستعجلون به. (کشاف، ج۴/ص:۵۷۰)

۲۳ مطلب یہ ہے کہ ہم پر دُنیا میں جو کچھ گزرے گی وہ تو گزر کر رہے گی، اور کامیابی ہو

اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٩﴾ قُلْ

ہم ایمان لائے اس پر، اسی پر ہم توکل کرتے ہیں، عنقریب تمھیں معلوم ہوجائے گا کہ کھلی ہوئی گمراہی میں کون ہے؟ ۲۴ آپ کہہ دیجئے

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿٣٠﴾

اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تمھارا پانی نیچے کو غائب کردیا جائے سو کون ہے جو تمھارے پاس سوتے کا پانی لے آئے ۲۵

یا ناکامی، ہر حال میں اس کا انجام مومنین کے حق میں اچھا ہی ہے۔ تم اپنی خبر لو، اور اپنے لیے فکر کرو کہ تمھارے کفر و انکار کا انجام کیا ہوتا ہے۔

إن......معي۔ یعنی اگر تمھاری آرزو اور گمان کے مطابق میری اور میرے ساتھیوں کی ہلاکت بھی ہوجائے۔

أو رحمنا۔ یعنی اگر وعدۂ الٰہی اور ہماری اُمید کے مطابق ہم پر نزولِ رحمت ہی رہے۔

۲۴ یعنی جب اپنے کو مبتلائے عذاب اور ہمیں اس سے محفوظ دیکھ لوگے جب ہی تو عیاناً جان لوگے کہ ضلالت کی راہ تمھاری ہی تھی۔

آمنّا به۔ ہم ایمان لے آئے اور اسی کی برکت ہم کو انشاء اللہ عذاب سے محفوظ رکھے گی۔

وعليه توكلنا۔ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا اور اس توکل کی برکت انشاء اللہ مصائبِ دنیا کو دفع یا سہل کردے گی۔۔۔۔۔ بجائے توكلنا عليه کے عليه توكلنا کی ترکیب زور و تاکید کے لیے ہے۔

فستعلمون میں س سے اشارہ ہے کہ رہتے ہیں۔

۲۵ (پس جب حق تعالیٰ کے مقابلے میں معمولی طبعی واقعات میں کسی کو تصرف کی قدرت نہیں تو عذابِ آخرت سے بچانے کی مجال کس کو ہوسکتی ہے!)

غوراً۔غور، غائر کے معنی میں ہے اور صیغۂ مصدر زور و تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔

أي الغائر وصف بالمصدر للمبالغة. (قرطبي، ج١٨/ص:٢٢٢)

غائراً ذاهباً في الأرض...... وهو وصف بالمصدر. (كشاف، ج٤/ص:٥٧١)

معين معناً مفعول ہے۔

أي ظاهر تراه العيون؛ فهو مفعول. (قرطبي، ج١٨/ص:٢٢٢)

دوسرے معنی آبِ کثیر کے بھی کیے گئے ہیں۔

قیل هو من مَعَن الماء أی کثُر. (قرطبی، ج۱۸/ص:۲۲۲)

حدیث میں آیا ہے کہ سورۂ ملک کا میت کی قبر پر پڑھنا بڑی برکت ونزولِ رحمت کا باعث ہوتا ہے اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جس نے سورۃ الملک کی تلاوت کی وہ گویا شب قدر میں شب بیدار رہا۔

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قرأ سورة الملك فكأنما أحيا ليلة القدر. (کشاف، ج٤/ص:٥٧١)

(٦٨)

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّة

سورۂ قلم مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ

ن، اور قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں [1] کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل سے

[1] ن۔ حرف مقطعات میں سے ہے، حروفِ مقطعات کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ کے شروع میں آلٓمٓ پر حاشیہ۔

نون کے عام لغوی معنی ضخیم مچھلی (الحوت العظیم) کے ہیں، چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام کا لقب اسی مناسبت سے ذوالنون پڑا۔

لیکن اس کے معنی دوات بھی اکابر ہی سے منقول ہیں۔

عن الحسن وقتادة قالا هي الدواة۔ (ابن کثیر، ج٤/ص:٣٦٢)

عن ابن عباس إن الله خلق النون وهي الدواة. (ابن جریر، ج٢٣/ص:١٤٣)

قال الحسن وقتادة والضحاك النون الدواة. (معالم، ج٥/ص:١٣٠)

اور قلم اور مایسطرون کے سیاق میں اس کے معنی دوات ہی لینا مناسب وموزوں ہیں۔

والقلم۔ قلم سے مراد معلوم ومعروف آلۂ کتابت ہی ہے۔ مفسرین نے بالعموم اس سے مراد اس قلم سے لی ہے جس سے لوحِ محفوظ میں ساری کائنات کی تقدیریں لکھ دی گئی ہیں، چنانچہ حدیث نبوی کا یہ ٹکڑا تفسیروں میں نقل ہوا ہے:۔

فجرى القلم في تلك الساعة بما كان وما هو كائن إلى الأبد. (قرطبی، ج١٨/ص:٢٢٥)

بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا

مجنون نہیں ہیں ۲ اور بے شک آپ کے لیے ایسا اجر ہے

اور چونکہ اس قلم کا تعلق عالم غیب سے ہے، اس لیے دوسرے مغیبات کی طرح اس کی بھی جزئیات وتفصیلات کا علم نہ انسان کو دیا گیا ہے، نہ اس کے کھوج میں پڑنے سے کچھ بھی حاصل ہے، مثلاً یہ بحثیں کہ یہ قلم کا ہے کا بنا ہوا ہے؟ اس کی جسامت کیا ہے؟ یہ چلتا کیوں کر ہے؟ اس کی روشنائی کون سی ہے؟ مومن مکلّف صرف اس کا ہے کہ حقائق غیب پر ایمانِ مجمل قائم رکھے، وہ جس صورت اور جن کیفیات کے ساتھ ہوں، بلا ان کے کم وکیف میں گھسے ہوئے۔

وما یسطرون کا فاعل کون ہے یعنی کون لکھتا ہے؟ اس کی طرف سے قرآن مجید خاموش ہے۔ مفسرین نے علی العموم کاتب اعمال فرشتوں سے لی ہے۔

أی ما یسطره الحفظة. (مدارك، ص:١٢٦٦)

أی ما تكتب الملائكة الحفظة من أعمال بني آدم. (معالم، ج٥/ص:١٣٠)

لیکن اگر کوئی یہ معنی بھی لے کہ تحریر وتسطیر کا تعلق واقعاتِ مستقبل سے ہے، اس دُنیا میں قلم ودوات کی مدد سے جو کچھ لکھا جائے گا، علم وتحقیق کے جو دفتر کے دفتر تیار ہوں گے، وہ سب اس کی شہادت دیں گے کہ وما أنت بنعمة ربك بمجنون، تو گنجایش اس کی بھی نکل سکتی ہے۔

وما یسطُرون کا عموم سب پر حاوی ہے۔

وقیل ما یکتبون (أی) الناس. (قرطبی، ج١٨/ص:٢٢٥)

ما موصولہ بھی ہوسکتا ہے اور مصدریہ بھی۔

إما موصولة أو مصدرية. (روح، ج٢٩/ص:٢٤)

۲ (جیسا کہ ان دشمنانِ دین ودشمنانِ عقل نے ٹھہرالیا ہے، آپ تو سارے عاقلوں سے عاقل تر اور سارے داناؤں سے دانا تر ہیں)

یہ جواب قسم ہوا۔ اور قسم کی حقیقت سورۂ الحجر (آیت:۷۲) کے ایک حاشیے میں بیان ہوچکی۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کاتبِ تقدیر کے لیے قلم اور روشنائی اور خود کتاباتِ لوح کی گواہی یہی ہے جو آگے کی آیتوں میں آرہی ہے ـــــ آپؐ کے کمالِ دانائی کی شہادت سارے ہی صحائف

غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝۵

جو ختم ہونے والا نہیں ۳ اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں ۴ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے

بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ

کہ تم میں سے (واقعی) کس کو جنون تھا ۵ بے شک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی خوب جانتا ہے

بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ

راہ پائے ہوؤں کو ۶ تو آپ جھٹلانے والوں کا کہنا نہ مانیے، یہ لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے پڑ جائیں

تکوینی پیش کریں گے، کسی معاند جاہل کی تکذیب وتعریض سے ہوتا کیا ہے!

۳ (اس لیے آپ اس لعن طعن کو چندے صبر کے ساتھ برداشت کر لیجیے)

سورۃ مکی ہے اور اس کے نزول کے وقت آپ پر طرح طرح کے لعن وطن کی بارش ہو رہی تھی۔

لأجراً۔ یہ اجر بے نہایت آپ کو ادائے فرائضِ رسالت پر ملے گا۔

۴ اور وہ بھی اس مرتبہ پر کہ آپ کی سیرت تو نمونہ ونظیر کا کام دے گی، زندگی کے ہر شعبے میں۔ پھر کسی محدود ملک یا زمانے تک کے لیے نہیں بلکہ ہر ملک، ہر قوم، ہر زمانے کے لیے تو ایسی عدیم النظیر سیرت والے کی طرف جنون کی نسبت خود اپنے پاگل پن کا ڈھول پیٹنا ہے۔

۵ یعنی ان دونوں میں سے کس کو؟ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم داعی اسلام کو، جن کا نام رہتی دُنیا تک روشن سے روشن تر ہوتا ہی چلا جائے گا، یا ان کے حاسدوں، معاندوں کو؟

بأیکم۔ ب اصطلاحِ نحو میں زائد ہے اور مراد أیکم ہی ہے یعنی تم میں سے کون؟

الباء زائدة. (قرطبی، ج۱۸/ص:۲۲۹)

اور بھی اقوال نقل ہوئے ہیں، لیکن مفہوم بہر صورت یہی رہتا ہے۔

فستبصر۔ یہ علم عنقریب ہو کر رہے گا۔ دُنیا ہی میں پوری طرح اور آخرت میں تو اس سے بھی زیادہ روشن ہو کر۔

۶ (اس لیے فیصلہ اسی پر چھوڑے رہیے، اس کے احاطۂ علم سے کچھ بھی باہر نہیں، وہی ہر ایک کو جزا وسزا بھی اسی کے مناسب حال دے لے گا)

فَيُدْهِنُونَ ⑨ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ⑩ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيمٍ ⑪

تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں ۷ اور آپ ایسے شخص کا بھی کہنا نہ مانیں جو بڑا قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل ہے، طعنہ باز ہے، چلتا پھرتا چغل خور ہے

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ⑫ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ⑬ أَن كَانَ ذَا مَالٍ

نیک کام سے روکنے والا ہے، حد سے گزرنے والا ہے، سخت گنہ گار ہے، درشت مزاج ہے اور اس کے علاوہ بدذات ہے، اس نظر سے کہ وہ مال

وَبَنِينَ ⑭ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ⑮

واولاد والا ہے ۸ اور جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے خرافات ہیں

دُنیا میں تو اپنی صداقت و حقانیت کا دعویٰ ہر ملت اور ہر فرقے والے کو ہے۔ ہدایت و گمراہی کا صحیح علم بس اللہ ہی کو ہے۔

۷ یعنی مشرکین کی تو عین تمنا یہی ہے کہ آپ اپنے فرائضِ تبلیغ میں ڈھیلے پڑ جائیں تو یہ بھی اپنی شدتِ عناد و مخالفت میں کمی کر دیں، لیکن آپ ان کی اس اِمکانی مصالحت و رواداری سے ہرگز کوئی اثر نہ قبول کریں، اور اپنے فرائضِ تبلیغ میں ذرا بھی کمی نہ آنے دیں۔

اس ہدایت میں سبق ہر دور کے لیے ہے۔ مخالفین تو آج بھی اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمان اپنی اسلامیت میں ذرا ملائم پڑ جائیں تو وہ بھی کچھ نہ کچھ پیوند اپنے کفر و انکار کا اسلام میں لگا ہی لیں۔

۸ یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ آپ اس خیال سے کہ فلاں شخص صاحبِ وجاہت و صاحبِ اثر ہے، باوجود اس کی ساری خباثتوں کے اشتراکِ عمل کر لینا ہی قرینِ مصلحت سمجھنے لگیں۔

أن کان۔ اس کا تعلق آیت ماقبل کے ابتدائی لفظ و لا تطع سے ہے۔

متعلق بقوله ولاتطع. (مدارك، ص:۱۲۶۷)

بعض نے یہ ترکیب بھی صحیح قرار دی ہے کہ أن کان سے قبل یکفر یا یجحد محذوف ہے۔ اور أن کان اسی سے متعلق ہے ——— اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ خبیث کفر و انکار اس گھمنڈ میں آ کر کرتا ہے کہ وہ پیسے والا اور صاحبِ اولادِ کثیر ہے۔

آیت اپنے عموم مفہوم کے لحاظ سے تو ہر خبیث و رذیل خصائل والے کافر و معاند کے حق میں عام ہے، لیکن شانِ نزول کی روایتوں میں نام ایک متعین و مخصوص شخص ولید بن مغیرہ کا آیا ہے کہ وہ

ان صفات کا حامل تھا۔

والمراد الوليد بن المغيرة عند الجمهور. (مدارك،ص:١٢٦٧)

حلّاف۔ ایسا شخص جو جھوٹی سچی قسمیں عادت کی بنا پر کھاتا رہتا ہے۔

كثير الحلف بالباطل. (معالم،ج٥/ص:١٣٦)

كثير الحلف في الحق والباطل، وكفىٰ به مزجرة لمن اعتاد الحلف. (كبير،ج٣٠/ص:٧٤)

مھین۔ ایسا شخص جو اپنی کمینی حرکتوں کی بنا پر خالق ومخلوق دونوں کی نظر میں ذلیل وخوار اور ہر طرح بے وقعت و بے اعتبار ہو چکا ہو۔

همّاز۔ ایسا شخص جو طنز وتعریض سے دل دُکھاتا رہتا ہو۔

أثیم۔ یعنی فسق پیشہ۔

هو مبالغة في الإثم. (كبير،ج٣٠/ص:٧٤)

بعد یہاں مع کے معنی میں لیا گیا ہے۔

أي مع ذٰلك. (معالم،ج٥/ص:١٣٦)

اور جائز ہے کہ ثم کے معنی میں لیا جائے، تفاوت رتبہ کے اظہار کے لیے۔

الدالة على التفاوت الرتبي. (روح،ج٢٩/ص:٢٧)

زنیم۔ ایسا شخص جو کسی قوم یا قبیلے سے نہ ہو، مگر اس کی جانب منسوب کر دیا گیا ہو۔

إنما الزنيم في لغة العرب هو الدعي في القوم، قاله ابن جرير وغير واحد من الأئمة. (ابن كثير،ج٤/ص:٣٦٥)

هو الدّعِي الملصق بالقوم، وليس منهم. (معالم،ج٥/ص:١٣٦)

شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے مفہوم کو ذرا وسعت دے کر ترجمہ ''بدنام'' سے کیا ہے، یعنی ایسا شخص جس کی بدذاتی معلوم ومعروف ہو۔ اور لغت میں اس کی پوری گنجایش موجود ہے۔

الزنيم الذي يُعرف بالشر اللؤم. (لسان،ج٦/ص:٩٥)

اللئيم المعروف بلؤمه وشرّه. (قاموس،ص:١٠٣١)

اور روایتوں سے بھی اس کی سند مل جاتی ہے۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ اِنَّا

توہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے ۹ ہم نے

وروى عن ابن عباس أنه الذى يُعرف بالشر. (قرطبى، ج۱۸/ص:۲۳٤)

وقال عكرمة هو اللئيم الذى يعرف بلؤمه كما تعرف الشاة بزنمتها. (قرطبى، ج۱۸/ص:۲۳٤)

۹ یعنی اس کے کفر خبیثانہ کی پاداش میں اس کے چہرے اور ناک کو داغ دار کردیں گے۔

الخرطوم۔ خرطوم ہاتھی کی سونڈ کو کہتے ہیں۔ انسان کے چہرے یا ناک کے لیے اس کا استعمال محل ذم وتحقیر پر ہوتا ہے۔

الخرطوم أنف الفيل فسمى أنفه خرطوماً استقباحاً له. (راغب، ص:١٦٤)

قال المبرد الخرطوم ههنا الأنف، وإنما ذكر هذا اللفظ على سبيل الاستخفاف به. (كبير، ج۳۰/ص:٧٦)

مولوی نذیر احمد مرحوم نے خرطوم کے مفہوم کو اس سیاق میں اُردو میں ''ناکڑے'' سے خوب ادا کیا ہے۔

سنسمہ۔ س یعنی ''عنقریب'' کو حشر سے متعلق سمجھا گیا ہے۔

منهم من قال هذا الوسم يحصل فى الآخرة. (كبير، ج۳۰/ص:٧٦)

اور بعض اقوال اس دُنیا سے متعلق بھی ہیں۔

ومنهم من قال يحصل فى الدنيا. (كبير، ج۳۰/ص:٧٦)

اور عجب نہیں کہ دُنیا اور آخرت دونوں ہی عالم مراد ہوں کہ ایسے خبیث کو رسوائی دونوں ہی جہانوں میں نصیب ہوتی ہے۔

قال أبو جعفر ابن جرير إلى أنه لا مانع من اجتماع الجميع عليه فى الدنيا والآخرة. (ابن كثير ج٤/ص:٣٦٦)

اور ابن جریر نے تو ترجیح اس معنی کو دی ہے کہ ہم اس کے حال کو کھول کر اتنا واضح کردیں گے کہ وہ سب پر روشن ہوجائے گا اور کوئی خفا اس میں باقی نہ رہے گا۔

بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾

ان کی آزمائش کر رکھی ہے ۱۰؎ جیسی ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اس کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لائیں گے

وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ان شاء اللہ بھی نہیں کہا تھا، سو اس (باغ) پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا عذاب پھر گیا، اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ

تو وہ (باغ) ایسا ہو گیا جیسے کٹا ہوا کھیت، پھر وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر صبح سویرے چلو

اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا

اگر تمہیں پھل توڑنا ہے، غرض وہ چلے آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے کہ آج وہاں کوئی

الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا

محتاج تم تک نہ آنے پائے، اور سویرے جا پہنچے اپنے کو پھل توڑنے پر قادر سمجھ کر ۱۱؎ پھر جب اس باغ کو دیکھا تو بول اٹھے

أولى القولين بالصواب في تأويل ذلك عندي قول من قال: معنى ذلك...... سنبيّن أمره بياناً واضحاً حتى يعرفوه، فلا يخفى عليهم، كما لا يخفى السِّمة على الخرطوم. (ابن جرير، ج۲۳/ص:۱۷۰-۱۷۱)

۱۰؎ (کہ دیکھیں کون ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کی راہ اختیار کرتا ہے)

بلونھم۔ھم سے مراد مشرکینِ مکہ ہیں۔

يريد أهل مكة. (قرطبي، ج۱۸/ص:۲۳۹)

۱۱؎ یہ کن باغ والوں کا ذکر ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ یہ کوئی باغ حبشہ میں تھا۔

قيل كانوا من أهل الحبشة. (ابن كثير، ٤/ص ٣٦٧)

عن عكرمة قال هم ناس من الحبشة. (ابن جرير ج۲۳/ص:۱۷۲)

ایک قول یہ ہے کہ یہ باغ یمن میں تھا۔

قال سعيد بن جبير كانوا من قرية يقال لها ضروان على ستة أميال من صنعاء.

(ابن كثير، ج٤/ص:٣٦٧)

إِنَّا لَضَآلُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ

کہ یقیناً ہم راستہ بھٹک گئے ۱۲؎ نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ۱۳؎ پھر ان میں جو (نسبۃً) بہتر تھا، وہ بولا کیوں میں نے تم سے کہا نہ تھا

عن ابن عباس قال کان بستان بالیمن. (معالم، ج۵/ص:۱۳۷)

بہرحال جہاں کہیں بھی ہو، کوئی ایسا باغ تھا جس کی تلمیح اہل عرب پر روشن تھی ـــــ اور قصہ کا ماحصل یہ ہے کہ جو اہل غفلت اپنی تدبیروں پر نازاں اور اہل حقوق کی حق تلفی میں لگے رہتے ہیں، وہ آخر خود ہی خسارے میں رہتے ہیں۔

ولا یستثنون۔ انھیں اس درجہ وثوق اپنے صبح کے پروگرام پر تھا کہ اُنھوں نے اپنی شبانہ تجویزوں میں حق تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کا خیال بھی نہ آنے دیا۔

فطاف......نائمون۔ یہ لوگ تو سوتے کے سوتے رہے اور، اور اُدھر رات ہی بھر میں کوئی زمینی یا آسمانی آفت آکر باغ کا صفایا کرگئی ـــــ باغوں اور کھیتوں پر ایسی ناگہانی مصیبتیں ہر فصل اور ہر زمانے میں آتی ہی رہتی ہیں، کبھی پالا پڑ گیا، کبھی تیز و تند لو کے جھکڑوں نے سبزہ زار کو جھلسا دیا، کبھی طوفانی آندھی نے درختوں کا ناس کردیا، کبھی آسمان سے اولے اتنے گرے کہ پتے پتیاں تک باقی نہ رہ گئیں ـــــ یہ انسان کی شامت ہے کہ وہ اسباب کے سلسلے میں خیال مسبب الاسباب اور فاعلِ حقیقی تک لے ہی نہیں جاتا۔

علیکم مسکین۔ خدا فراموشی اور آخرت فراموشی کے ساتھ ساتھ یہ باغ والے مسکینوں، محتاجوں کے حصے کے بھی روادار نہ تھے، کمالِ بخل یا شدتِ حرص سے۔

علی حرد قادرین۔ یعنی اپنے نزدیک یہ سمجھ کر کہ فوراً پھل توڑ لیں گے اور کسی کا حصہ نہ لگنے دیں گے۔

أی علی امتناع من أن یتناولوہ قادرین علی ذلك. (راغب، ص:۱۲۷)

أی علی قصد وقدرۃ فی أنفسهم و یظنون (بلاشبه) أنهم تمکنوا مرادهم.

(قرطبی، ج۱۸/ص:۲۴۲)

۱۲؎ (جو ہم یہاں کہیں نکل آئے)

باغ اب باقی ہی کہاں تھا، جسے وہ لوگ دیکھ کر پہچانتے۔

۱۳؎ (کہ پھلا پھلایا باغ یوں کٹ گیا)

لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

تم (اب) تسبیح (وتقدیس) کیوں نہیں کرتے ۱۴ وہ لوگ بولے: بے شک ہمارا پروردگار پاک ہے، بے شک ہم ہی قصوروار ہیں ۱۵ پھر ایک دوسرے

عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ

کی طرف مخاطب ہوئے باہم الزام لگاتے ہوئے ۱۶ پھر (سب) بولے کہ ہائے ہماری کم بختی کہ ہم ہی سرکشی کرنے والے تھے، شاید کہ ہمارا پروردگار

اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا

اس سے بہتر (باغ) ہمیں بدلہ میں دے دے اور (اب) تو ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف

یہ انھوں نے اس وقت کہا جب باغ کی بربادی کا پورا یقین آ گیا۔

۱۴ یعنی توبہ واستغفار سے اپنی غلطی کی تلافی وتدارک کیوں نہیں کرتے!

أوسطهم۔ یعنی ان لوگوں میں سے بہترین شخص۔ ابن عباسؓ صحابی اور ائمۂ تابعین نے یہی معنی لیے ہیں۔

قال ابن عباس و مجاهد وسعيد بن جبير وعكرمة و محمد بن كعب والربيع بن أنس والضحاك وقتادة أى أعدلهم وأخيرهم. (ابن كثير ج ٤/ص:٣٦٧)

أى أعدلهم وأعقلهم وأفضلهم. (معالم، ج٥/ص:١٣٨)

قال......لكم۔ یہ شخص وہ تھا جس کا عقیدہ تو صحیح تھا، لیکن عملاً یہ بھی ان لوگوں کا شریکِ حال ہو گیا تھا۔

لولا تسبحون۔ تسبیح کے عموم میں توبہ واستغفار سب شامل ہیں۔

أى لولا تذكرون الله وتتوبون إليه من خبث نيتكم. (مدارك، ص:١٢٦٩)

اُردو میں ایسے موقع پر تسبیح وتقدیس ملا کر بولتے ہیں۔

یہ معنی بھی نقل ہوئے ہیں کہ ان شاء اللہ کیوں نہ کہا اور مشیت باری تعالیٰ کو کیوں نہ مقدم رکھا۔

قال النحاس أصل التسبيح التنزيه لله عز وجل فجعل مجاهد التسبيح فى موضع إن شاء الله. (قرطبى، ج١٨/ص:٢٤٤)

۱۵ اس ذرا سے فقرے کے اندر تمہید استغفار اور نفس استغفار دونوں آ گئے۔

۱۶ جیسا کہ کام بگڑ جانے پر دُنیا میں عموماً ہوا کرتا ہے۔

رَاغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

رجوع ہوتے ہیں ۱۷ یہ عذاب اسی طرح (ہوا کرتا ہے) اور آخرت کا عذاب کہیں بڑھا ہوا ہے، کاش یہ لوگ اسے جان لیتے ۱۸

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ

بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس عیش کے باغ ہیں ۱۹ تو کیا ہم فرماں برداروں کو

كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ ٚ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ

نافرمانوں کا سا کر دیں گے، تمھیں کیا ہو گیا؟ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو ۲۰ کیا تمھارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں

۱۷ یعنی توبہ و تدارک کرتے ہیں۔

یبدلنا خیراً منھا۔ لفظ بدل عام ہے، عوض خواہ دُنیا میں ملے خواہ آخرت میں۔ اور عجب نہیں کہ دونوں جگہ مراد ہو۔ صحابی ابن مسعودؓ کا قول نقل ہوا ہے کہ بہتر باغ انھیں دُنیا ہی میں مل گیا۔ اور مجاہد تابعیؒ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ بلغنی أنھم أخلصوا فأبدلھم بھا جنة. (مدارك، ص:۱۲۶۹)

عن مجاھد: تابوا فأبدلوا خیراً منه. (مدارك، ص:۱۲۶۹)

۱۸ کاش بندوں کو اس حقیقت کا علم ہوتا اور استحضار رہا کرتا کہ معصیت و نافرمانی کی پاداش میں جو عذاب اس دُنیا میں کبھی کبھی ہوتا رہتا ہے، جب اس کا نمونہ یہ ہے تو کفر و انکار پر عذاب جس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا، ظاہر ہے کہ وہ اس سے کس درجہ بڑھا ہوا ہوگا!

۱۹ یہاں یہ جتا دیا کہ جنات نعیم (عیش کے باغوں) کے ملنے کا سبب تقویٰ ہوگا ــــــ اور تقویٰ کا ابتدائی اور لازمی درجہ ایمان ہے۔

۲۰ (جو اتنا کھلا ہوا فرق بھی محسوس نہیں کرتے)

مطلب یہ ہوا کہ متقین کو یہ درجہ اگر نہ ملے تو گویا مطیع و نافرمان دونوں برابر رہے۔

المسلمین۔ مراد وہ لوگ ہیں جو اُصول و عقیدے کے لحاظ سے مطیع اور فرماں بردار ہیں۔

المجرمین۔ مراد وہ لوگ ہیں جو اصول و عقیدے کے لحاظ سے منکر و نافرمان ہیں۔

تَدۡرُسُوۡنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَـكُمۡ فِيۡهِ لَمَا تَخَيَّرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ اَمۡ لَـكُمۡ اَيۡمَانٌ عَلَيۡنَا بَالِغَةٌ

تم پڑھتے ہو کہ اس میں تمھارے لیے وہ چیز (درج) ہے جسے تم پسند کرتے ہو ۲۱ کیا ہمارے ذمہ تمھارے حق میں کھائی ہوئی کچھ قسمیں ہیں

اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَـكُمۡ لَمَا تَحۡكُمُوۡنَ ﴿۳۹﴾ سَلۡهُمۡ اَيُّهُمۡ بِذٰلِكَ زَعِيۡمٌ ﴿۴۰﴾

قیامت تک باقی رہنے والی کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کا تم فیصلہ کررہے ہو؟ ۲۲ ان سے پوچھیے کون اس کا ذمہ دار ہے؟

اَمۡ لَهُمۡ شُرَكَآءُ ۚ فَلۡيَاۡتُوۡا بِشُرَكَآئِهِمۡ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۱﴾ يَوۡمَ يُكۡشَفُ

کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک (خدائی) ہیں، اچھا تو یہ پیش کریں اپنے ان شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں ۲۳ وہ دن (یادر کھنے کے قابل ہے) جب

عَنۡ سَاقٍ وَّيُدۡعَوۡنَ اِلَى السُّجُوۡدِ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ

ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور سجدے کی طرف بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کرسکیں گے ۲۴ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی

۲۱ یعنی آخرت میں نجات وکامیابی۔

مطلب یہ ہوا کہ تمھارے عقائد کی صحت کی پشت پر کوئی خدائی سند، کوئی آسمانی شہادت ہے؟

۲۲ یعنی جنت اور اجر ــــــ کیا کوئی خدائی عہد و پیمان اس اجر کے لیے موجود ہے؟

۲۳ منکرین سے پھر حجت و برہان کا مطالبہ ہے ــــــ آخر کس چیز نے اُنھیں اب تک انکار پر جمار کھا ہے؟ کس سہارے اور کس کے بھروسے پر وہ اب تک اپنے عقائدِ باطلہ پر اَڑے ہوئے ہیں؟

۲۴ (یعنی یہ منکرو کافر لوگ)

اس دن سے مفہوم یوم حشر کا ہونا تو سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ کشف ساق کیا چیز ہے اور اس سے یہ مفہوم کیوں کر نکلا؟

ساق کے لفظی معنی پنڈلی کے ہیں۔

ما بين الكعب والركبة. (قاموس، ص:۸۲۵)

ما بين الركبة والقدم. (لسان، ج۶/ص:۴۳۶)

تو لفظی معنی یہ ہوئے کہ ''جس دن پنڈلی کھل جائے گی''۔ اور جن بزرگوں پر احتیاط کا غلبہ ہے اُنھوں نے ترجمے میں یہی پہلو اختیار کیا ہے۔

اور بعض عارفین کا قول ہے کہ صفاتِ باری میں سے یہ کوئی مخصوص صفت ہے جس کی تجلی اُس روز ہوگی اور اسے کسی خصوصی مناسبت سے ساق سے تعبیر کیا گیا ہے ـــــ آخر قرآن مجید ہی میں حق تعالیٰ کے لیے بعض اور اعضاء کے نام آئے ہیں، مثلاً ید (ہاتھ) وجہ (چہرہ)، اور حدیث میں رجل اور قدم (پیر) بھی آئے ہیں، اور یہ سب کلمات متشبہات کہلاتے ہیں، یعنی ان کی متعدد توجیہات وتاویلات ہوسکتی ہیں، اور ان کی اصل حقیقت کا علم بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

لیکن لغت میں اس کی صراحت بھی ہے کہ محاورۂ عرب میں کشف ساق سے مراد امر صعب (دُشوار) کے اہتمام سے ہوتی ہے۔

عن ساق أى عن شدة. (قاموس، ص:۸۲۵)

أى عن شدة كما يُقال قامت الحرب على ساقٍ. (تاج، ج۱۳/ص:۲۲۶)

الساق فى اللغة الأمر الشديد. (لسان، ج٦/ص:٤٣٦)

الساق فى اللغة الأمر الشديد و كشف الساق مَثَلٌ فى شدة الأمر. (نهاية، ج۲/ص:۳۷۹)

اور تفسیر کبیر میں کلام عرب سے متعدد شعر معنی میں نقل کردیے ہیں۔

ائمہ تفسیر بلکہ صحابہ وتابعین سے یہی معنی شدتِ امر اور ہولناکی کے مروی ہیں۔

قال جماعة من الصحابة و التابعين من أهل التأويل يبدو عن أمر شديد. (ابن جرير، ج۲۳/ص:۱۸٦)

عن ابن عباس هو الأمر الشديد. (ابن جرير، ج۲۳/ص:۱۸۸)

عن مجاهد قال شدة الأمر. (ابن كثير، ج٤/ص:۳٦۸)

عبارة عن شدة الأمر وصعوبة الخطب. (مدارك، ص:۱۲۷۰)

فى تفسير الساق وجوه: الأول أنه شدة. (كبير، ج۳۰/ص:۸۲)

عن ابن عباس وهو كرب وشدة، وروى مجاهد عنه قال هو أشد ساعة فى القيامة. (كبير، ج۳۰/ص:۸۳)

اور مفسر قرطبی نے کئی کئی شعر اس معنی میں نقل کردیے ہیں۔

تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدۡ كَانُوۡا يُدۡعَوۡنَ اِلَى السُّجُوۡدِ وَهُمۡ سَالِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرۡنِىۡ

ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی اور یہ لوگ سجدے کی طرف بلائے جاتے تھے اس حال میں کہ وہ صحیح وسالم تھے ۲۵ تو آپ رہنے دیجئے مجھے

عہد عتیق میں بھی ایک جگہ عورت کی ٹانگ ننگی ہونے کا ذکر آیا ہے، اصل عبارت یہ ہے:-

''اُتر اور خاک پر بیٹھ، اے بابل کی کنواری بیٹی...... اپنا نقاب اور ساری سمٹ کر ٹانگ ننگی کر اور ندیوں سے ہو کر پیدل جا''۔ (یسعیاہ، ۴۷:۱،۲)

ویدعون إلى السجود۔ حشر میں یہ سجدے کا حکم مومن وکافر سب کے لیے عام ہوگا، لیکن ظاہر ہے آخرت دار الجزا ہے، دار التکلیف نہیں، اس لیے یہ حکم تشریعی تو ہو نہیں سکتا۔ لامحالہ یہ حکم کافروں کے حق میں محض توبیخی ہوگا، گویا اس تجلی ساق کی ایک تاثیر طبعی یہ ہوگی کہ کافر اور مومن سبھی سجدہ کرنا چاہیں گے، مومن بآسانی قادر ہو جائیں گے، کافر اور منافق قادر نہ ہو سکیں گے۔

لا تكليفاً ولكن توبيخاً على تركهم السجود فى الدنيا. (مدارك، ص: ١٢٧٠)

لا يدعون أن السجدة تعبداً ولا تكليفاً، ولكن توبيخاً وتعنيفاً على تركهم السجود فى الدنيا. (كبير، ج ٣٠/ص: ٨٥)

لا يستطيعون۔ اس سے یہ نکلا کہ ارادہ سجدے کا اس وقت کافر ومنافق بھی کریں گے، لیکن اس پر قادر نہ ہو سکیں گے۔

وفيه دلالة على أنهم يقصدونه فلا يتاتى منهم. (روح، ج ٢٩/ص: ٣٦)

۲۵ (اور اس وقت سجدہ سے انکار رکھتے تھے)

خاشعةً أبصارهم۔ یہ آنکھوں کا جھکا ہونا انتہائے ندامت وحسرت سے ہوگا۔

قرآن مجید میں کہیں ذکر آنکھوں کے اُٹھی رہنے کا بھی آیا ہے اور اُن دونوں بیانات میں کوئی تضاد نہیں، حشر میں شدید ہولناکی کے تو مختلف احوال پیدا ہوں گے اور اسی مناسب سے مجرموں اور منکروں کے تاثرات بھی ادلتے بدلتے رہیں گے، کبھی غلبہ انتہائی ندامت کا ہوگا اور اس وقت نظریں نیچی ہو کر زمین پر گڑ جائیں گی، کبھی غلبہ حیرت واستعجاب کا ہوگا، اُس وقت نظریں اوپر کو اُٹھ جائیں گی۔

وهم سالمون۔ یعنی دُنیا میں جب انھیں پوری طرح قدرت حاصل تھی، اُس وقت تو حکم

وَمَنۡ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴۴﴾

اور انھیں جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں ہم اُنھیں آہستہ آہستہ لیے جا رہے ہیں اس طرح کہ انھیں خبر بھی نہیں

وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ ؕ اِنَّ كَيۡدِىۡ مَتِيۡنٌ ﴿۴۵﴾ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ

اور میں اُنھیں مہلت دیتا ہوں اور بے شک میری تدبیر بہت ہی مضبوط ہے ۲۶ کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ (اس)

مُّثۡقَلُوۡنَ ﴿۴۶﴾ؕ اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ

تاوان سے دبے جاتے ہیں ۲۷ کیا ان کے پاس علم غیب ہے

کی تعمیل سے دانستہ گریز کرتے رہے، اب وہ کیفیت گریز وانکار ان پر قدرتاً کس دی گئی ہے اور طبعاً مسلط کردی گئی ہے، اب یہ اگر چاہیں گے جب بھی سجدہ نہ کرسکیں گے ـــــــ آخرت میں کسی ایسی صفت کا ظہور نہ ہوگا جو سرے سے بالکل نئی اور غیر مسبوق ہو، انسان نے اس دار العمل میں اپنی جن صفات کو تیار کرلیا ہے بس اُنھیں کا ظہور کامل دار الجزا میں ہوگا۔

۲۶ (اور عذاب وگرفت میں جو توقف ہو رہا ہے اُس کی آپ کچھ فکر نہ کیجیے)

فذرنی......الحدیث۔ آپ ہمارے ہی اوپر ہر طرح اعتماد وتوکل رکھیے، ان سارے مجرموں اور منکروں سے نپٹ لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔

سنستدرجھم۔ ہماری مشیتِ تکوینی انھیں آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لیے جارہی ہے۔

من حیث لایعلمون۔ منکروں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، اُنھیں احساس ہی نہیں کہ حکمتِ الٰہی انھیں چپکے چپکے کدھر لیے جارہی ہے۔

وأملی لھم۔ یعنی ہمارا قانون تو اُنھیں مہلت دینے کا ہے۔ یہ قاعدہ ہمارا نہیں کہ اُن پر گرفت فی الفور اسی دُنیا میں کرلی جائے اور عذاب نازل کردیا جائے۔

کید کے معنی خفیہ تدبیر کے ہیں، یہاں قہر بصورتِ مہر ـــــــ اور ضرر بصورتِ نفع کو کید سے تعبیر فرمایا ہے، اور متین یہ کہ اس کا توڑ نہ ہوسکے۔

۲۷ اور اس لیے آپ کی اطاعت اور قبولِ دعوت سے گریز کر رہے ہیں۔

فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۘ

کہ یہ (اسے) لکھ لیا کرتے ہیں ۲۸ تو آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے اور مچھلی والے (پیمبر) کی طرح نہ ہو جائیے

إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ

جب کہ انھوں نے (ہم کو) پکارا اس حال میں کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے ۲۹ اگر ان کے پروردگار کا فضل ان کی دستگیری نہ کرتا

قرآن مجید کا جتنا حصہ مدنی سورتوں کی شکل میں ہے، ان میں زیادہ تر احکام، قوانین، مسائل وقصص کا سادہ بیان ہے۔ اس حصے میں قدرۃً سوال وجواب کی گنجایش کم تھی لیکن قرآن مجید کا یہ آخری حصہ جو زیادہ تر مکّی سورتوں پر مشتمل ہے، اس میں عموماً دعوت اصلاحِ عقائد کی ملتی ہے اور منکرین کو توحید، رسالت اور آخرت کی طرف بلایا جاتا ہے، اور اس لیے قدرۃً ان سورتوں کا اسلوبِ بیان زیادہ خطیبانہ، پُر جوش، پُر شوکت ہے اور اس لیے خطباتِ عرب (بلکہ تنہا عرب کیوں ساری دُنیا) کے دستورِ خطابت کے مطابق سوالات واستفہامات بھی زائد ہیں۔

۲۸ (اور اس طرح غیب سے براہِ راست رابطہ پیدا کر کے آپ کی اطاعت سے بے نیاز ہو گئے ہیں) ملاحظہ ہو اُوپر کا مفصل حاشیہ۔

۲۹ صاحب الحوت سے مراد سرزمین نینوا کے پیغمبر حضرت یونس بن متّیٰ علیہ السلام ہیں جن پر حاشیے سورۂ یونس وہود میں مفصل گزر چکے ہیں۔

فاصبر۔ آپ صبر سے کام لیتے رہیے، اور ان لوگوں پر فوری خدائی عذاب نہ آنے سے بددل نہ ہو جائیے۔

إذ نادیٰ۔ ندا سے یہاں مراد ہے مناجات کرنا یا اپنے پروردگار کو توبہ واستغفار کی راہ سے پکارنا۔

ولا تکن کصاحب الحوت۔ یعنی ان پیمبر کی طرح کہیں نہ ہو جائیے گا، جو وقت پر عذابِ موعود کے ٹل جانے سے بددل وملولِ خاطر ہو کر بلا اجازت صریح کہیں اور چلے گئے تھے۔

وھو مکظوم۔ آپؑ کو غم اور صدمے کئی کئی طرح کے تھے، اور وہ سب اکٹھے ہو گئے تھے: ایک رنج تو قوم کے ایمان نہ لانے کا۔ دوسرا آتے ہوئے عذاب کے ٹل جانے کا۔ تیسرا بلا اذنِ صریح اپنے مقام سے چل کھڑے ہونے کا۔ اور چوتھا شکم ماہی میں محبوس ہو جانے کا۔

لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیے جاتے بدحالی کے ساتھ ۳۰؎ پھر انھیں ان کے پروردگار نے (اور) برگزیدہ کر دیا اور انھیں صالحین میں داخل کرلیا ۳۱؎

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ

اور یہ کافر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی نظروں سے پھسلا کر گرادیں گے جب کہ یہ قرآن سنتے ہیں

وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہیں، حالانکہ یہ (قرآن) نصیحت ہی نصیحت ہے دنیا جہاں والوں کے لیے ۳۲؎

الرکوع ۲

ولاتکن کصاحب الحوت۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ صاحبِ حال کا فعل صاحبِ مقام کے لیے، اور صاحبِ مقام کا فعل صاحبِ مقامِ اعلیٰ کے لیے کبھی کبھی نقص کا حکم رکھتا ہے اور اس لیے اس سے روکا جاتا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۶۹۰)

۳۰؎ یعنی اگر اُن کی توبہ قبول نہ ہو جاتی اور ملامت خطائے اجتہادی پر بدستور جاری رہتی تو وہ دریا سے نکال کر چٹیل میدان میں بہ حالت مذموم ڈال دیے جاتے۔

ومعنی مذموم فی قول ابن عباس مُلیم. (قرطبی، ج ۱۸/ص:۲۵٤)

۳۱؎ (اور زیادہ)

لیکن اُن کی توبہ قبول ہوگئی، درجۂ مقبولیت کمال ہوگیا، ملامت کا شائبہ نہ رہا اور حالت بجائے مذموم ہونے کے محمود ہوگئی۔

من الکاملین فی الصلاح. (روح، ج ۲۹/ص:۳۷)

مقامِ اجتباء وصالحیت پر تو آپ پہلے ہی سے تھے، اب ان مقامات میں اور زیادہ ترقی ہوگی۔

مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ شاید اس تمیم قصہ سے مقصود یہ ہو کہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا اُن پیمبر کو کیسا مضر ہوا اور توکل کیسا نافع، اس طرح عذاب کے بارے میں بھی آپ اپنی رائے سے عجلت نہ کیجیے، بلکہ اللہ ہی پر توکل رکھیے تو انجام بہتر ہوگا۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۶۹۲)

۳۲؎ یہ کافروں اور منکروں کے انتہائی سفاہت وحمق کا بیان ہے کہ اللہ اللہ! جو کلام ایک ہی ملک وقوم کے لیے نہیں، ساری دُنیا کی ہدایت واصلاح کے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے اور

جس کے قانون اور ضابطے اور ہدایتیں دُنیا کی انفرادی واجتماعی، اخلاقی وسیاسی، معاشری، خانگی، ہر قسم کی صلاح واصلاح کی ضامن ہیں، اُلٹا اسی کو یہ لوگ مجنون کا کلام بتارہے ہیں! ـــــ یہ خود اُن کا جنون نہیں تو اور کیا ہے!

وما ھو۔ ضمیر ھو سے مراد پیمبرؐ کا لایا ہوا کلام یا قرآن ہے۔

القرآن. (مدارك، ص: ١٢٧٢)

لیزلقونك بأبصارھم۔ زلق بالأبصار محاورۂ عرب میں کنایہ شدتِ غضب سے ہے، جیسے اُردو میں کہتے ہیں کہ تم تو ایسی بُری آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ جیسے کھا ہی جاؤ گے۔

والزّلق أیضاً السریع الغضب فی ما یقال. (قاموس، ص: ٨٢١، تاج، ج١٣/ص: ١٩٨)

کما تقول کاد یَصرَعُنی. (لسان، ج٦/ص: ٧١، تاج، ج١٣/ص: ١٩٨)

شدة نظره وقال أبو اسحاق مذهب أهل اللغة فی مثل هذا أن الكفار من شدة إبغاضهم لك وعداوتهم؛ یكادون بنظرهم إلیك نظر البغضاء أن یَصرعُوك. (تاج، ج١٣/ص: ١٩٨)

اور مفسرین نے بھی یہی پہلو اختیار کیا ہے۔

والمعنی أنهم لشدة عداوتهم ینظرون إلیك شزراً بحیث یكادون یزلون قدمك أو یهلكونك. (بیضاوی، ج٥/١٤٦-١٤٧، روح، ج٢٩/ص: ٣٨)

أنهم ینظرونك بالعداوة حتی كادوا یسقطونك. (قرطبی، ج١٨/ص: ٢٥٦)

للعالمین ۔ ایک اور صراحت کہ قرآن مجید کل عالم کے لیے ہے، محض ملکِ عرب کے لیے نہیں۔

مرشد تھانویؒ نے آیت کے تحت میں لفظی معنی کو پیش نظر رکھ کر ایک نکتہ کی بات یہ بتائی ہے کہ تصرفاتِ تکوینی اہل باطل بھی کر سکتے ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تاثیراتِ طبعیہ میں وہ اہل حق پر غالب آجائیں۔ ان تصرفاتِ نفسانی کو دلیل ولایت ومقبولیت سمجھنا ہی جہل ہے۔ (تھانوی، ج٢/ص: ٦٩٠)

(٦٩)

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ

سورۃ الحاقۃ مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَآقَّةُ ﴿١﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿٢﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿٣﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ

وہ ناگزیر، اور کیسی کچھ چیز ہے وہ ناگزیر، اور آپ کو کیا خبر کہ کیسی کچھ چیز ہے وہ ناگزیر[1] ثمود اور عاد نے تکذیب کی

[1] سورت کا آغاز استفہامی فقروں سے اور سوالیہ طرزِ خطابت عین اسلوبِ بلاغت وخطابت کے اسلوب کے مطابق ہے، خصوصاً عرب اسلوبِ بلاغت وخطابت کے اور ابتدائی مکی سورتوں میں جن کا موضوع جزئیاتِ اعمال کے بجائے بنیادی عقائد ہیں، یہ اسلوب عام ہے۔

الحاقۃ۔ حاقۃ کے معنی اس چیز کے ہیں جو بہر حال مذکور ہے، جس کا ہونا ٹل نہ سکے۔

الساعة الواجبة، لوقوع الثابتة المجيئ التي هي آتية لاريب فيها. (كشاف، ج٤/ص:٥٨٦)

التي يحق وقوعها. (بيضاوى، ج٥/ص:١٤٧)

التي يحق ويجب وقوعها. (روح، ج٢٩/ص:٣٩)

قيل سميت حاقة لأنها تكون من عير شك. (قرطبى، ج١٨/ص:٢٥٧)

اُردو محاورے میں اسی کو ''شُدنی'' بھی کہتے ہیں۔

مُراد حشر کا ہولناک دن ہے، جس میں جزا وسزا ہو کر رہے گی۔

إشارة إلى القيامة لأنه يُحقّ فيه الجزاء. (راغب، ص:١٤١)

وقيل سميت بذلك لأن فيها يصير كل إنسان حقيقاً بجزاء عمله. (قرطبى، ج١٨/ص:٢٥٧)

ما الحاقۃ۔ استفہام اہوالِ قیامت کی تعظیم وتاکید کے لیے ہے۔

كما تقول زيد ما زيد ما على التعظيم لشأنه. (قرطبى، ج١٨/ص:٢٥٧)

بِالْقَارِعَةِ ﴿٤﴾ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ﴿٥﴾ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا

اُس کھڑ کھڑانے والے واقعہ کی، سوثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کردیے گئے اور رہے عاد تو وہ ہلاک کردیے گئے

بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا

ایک تیز وتند ہوا سے ۲ (اللہ نے) اسے ان پر مسلط کردیا تھا سات راتوں اور آٹھ دنوں تک لگاتار

تأكيد لهولها وفظاعتها. (روح،ج۲۹/ص:۴۰)

۲ یہ قوم ثمود عرب کے شمالی ومغربی حصے میں اور قوم عاد عرب کے جنوبی ومشرقی حصے میں اپنے اپنے زمانے کی مہذب ترین ومتمدن ترین قومیں تھیں، جن کی عظمت وجبروت اور پھر اُن کے زوال وحیرت ناک انجام سے اہل عرب واقف تھے۔ یہاں یاد دلایا گیا کہ ان کا اصل جرم انکارِ آخرت تھا، جو حق تعالیٰ کے ضابطۂ تعزیرات میں انکارِ توحید کے بعد شدید ترین جرم ہے۔ ان دونوں کا اس بنیادی جرم کی پاداش میں دُنیا میں جو حشر ہوا کہ ان کے سارے ساز وسامان کو، ان کی حکومت وقوت کو، ان کی مضبوط ومستحکم قلعہ بندیوں کو، ان کے عشرت کدوں اور راحت کدوں کو مٹا کر رکھ دیا گیا ـــــ اور آج کی جن مہذب ترین قوموں کے صحیفۂ ترقی کا آغاز ہی آخرت فراموشی سے ہوتا ہے، کیا اُن کا حشر کچھ اُن سے مختلف ہوتا ہے!

ثمود وعاد دونوں قوموں پر حاشیے بار بار گزر چکے ہیں۔

القارعة۔ قرع اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی سخت چیز پر ضرب لگنے سے پیدا ہوتی ہے اور قارعة سخت قسم کی کھڑ کھڑاہٹ ہے۔

القرع ضرب شيئ على شيئ. (راغب،ص:۴۴۸)

القارعة هي التي تقرع الناس بالإفزاع والأهوال. (كبير،ج۳۰/ص:۹۱)

مُراد متفقہ طور پر قیامت ہی ہے۔

أجمعوا على أن الحاقة هي القيامة. (كبير،ج۳۰/ص:۹۰)

الطاغية۔ طاغية اپنے مفہوم میں بڑی وسعت رکھتی ہے۔ یہ بجلی کو بھی کہہ سکتے ہیں اور ہر نعرۂ عذاب کو بھی۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى ۙ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۞ فَهَلْ تَرٰى

تو تُو وہاں ان لوگوں کو یوں گرا ہوا دیکھتا ہے کہ جیسے وہ گری ہوئی کھجور کے تنے پڑے ہیں، سو کیا تجھ کو

لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۞ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۞

ان میں کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے؟ ۳؎ اور فرعون اور اس کے قبل والوں نے اور اُلٹی ہوئی بستیوں والوں نے (بڑے بڑے) قصور کیے تھے ۴؎

الطاغية الصاعقة وقوله تعالىٰ...... بالطاغية يعنى صيحة العذاب. (جوهرى، ج٦/ص:٢٤١٣)

الصاعقة. (قاموس، ص:١٢٠٠)

ان معانی کی سند صحابہ وتابعین کے ہاں بھی مل جاتی ہے۔

عن ابن عباس الصاعقة وعن قتادة بعث الله عليهم صيحة. (كشاف، ج٤/ص:٥٨٧)

وقال الكلبى بالصاعقة. (قرطبى، ج١٨/ص:٢٥٨)

۳؎ یہ منظر اس قوم کی تباہی وہلاکت کے بعد اس کی مُردہ لاشوں کا دکھایا ہے۔

قومِ عاد کی جسمانی تنومندی اور قد آوری کے لحاظ سے ان کے پڑے ہوئے مُردوں کی یہ تشبیہ کٹے ہوئے درختوں کے ساتھ نہایت موزوں اور برمحل ہے اور مذاقِ عربیت کے عین مطابق۔

فیھا۔ ضمیر ھا اس مدت کی جانب بھی سمجھی گئی ہے اور ہوائے تند کی جانب بھی۔

أى فى تلك الليالى والأيام. (قرطبى) وقيل فى الريح. (قرطبى، ج١٨/ص:٢٦١)

۴؎ (اور سب سے بڑھ کر ان کا انکارِ آخرت)

فرعونِ مصری کا ذکر بار بار آچکا ہے۔

ومن قبلہ۔ اس میں بڑی گنجائش ہے اور فرعونِ مصر سے قبل کی ساری آخرت فراموش اور گردن کش قومیں اس میں آجاتی ہیں۔

من تقدمه من القرون الخالية والأمم الماضية. (قرطبى، ج١٨/ص:٢٦٢)

وفيه تعميم بعد التخصيص. (روح، ج٢٩/ص:٤٢)

المؤتفکات۔ یہ اُلٹی ہوئی بستیاں قومِ لوط کی تھیں، اور بستی سے مراد بستی والے ہوتے ہیں۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ

انھوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی تھی سو (اللہ نے) ان کو بہت سخت پکڑ لیا، ہم ہی نے جب کہ پانی میں طغیانی ہوئی تھیں

حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

کشتی میں سوار کیا تا کہ اس (واقعہ) کو ہم تمھارے لیے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں ۵

المراد أهلها مجازاً بإطلاق المحل على الحال. (روح، ج۲۹/ص:۴۲)

قومِ لوط اور اس کی ہلاکت پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔

۵ یعنی سننے والوں کو چاہیے کہ عبرت کے کانوں سے اس واقعہ کو سنیں اور اسے یاد رکھ کر موجباتِ غضب و ہلاکت سے بچیں۔

فعصوا رسول ربهم۔ ماحصل ساری سزا یافتہ قوموں کے جرائم کا یہی نکلتا ہے کہ انھوں نے نبیِ وقت کی نافرمانی کی۔

اور مقصود ان تاریخی حکایتوں کے سنانے سے یہی ہے، تاکہ مخاطبینِ قرآن نافرمانی سے بچیں اور اطاعت رسولؐ کی جانب آئیں۔

والمقصود من قصص هذه الأمم و ذكر ما حلّ بهم من العذاب زجر هذه الأمة عن الاقتداء بهم في معصية الرسول. (قرطبی، ج۱۸/ص:۲۶۳)

أخذة رابية۔ بعض اور گرفتوں سے بڑھ کر گرفت، عذابوں سے شدید تر عذاب۔

أي عالية زائدة على الأخذات. (قرطبی، ج۱۸/ص:۲۶۲)

أي زائدة في الشدة. (روح، ج۲۹/ص:۴۲)

إنا...... الجارية۔ اشارہ واقعہ طوفانِ نوحؑ کی جانب ہے۔

إنا...... حملنكم لاکر صاف بتلا دیا کہ نجات کا سبب ظاہری صوری کشتی نوحؑ تھی، ورنہ نجات کا مسبّبِ حقیقی تو اللہ اور اس کا فضل و کرم ہی تھا۔

الجارية۔ جارية کشتی کے معنی میں ہے۔

السفينة التي تجري في البحر. (راغب، ص:۱۰۴)

حملنا كم۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد موجودہ نسل مخاطبین کے اسلاف و اجداد ہیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ

غرض جب صور اکبارگی پھونک دیا جائے گا، اور زمین اور پہاڑ اُٹھائے جائیں گے

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ

پھر دونوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز ہو پڑے گی، اور آسمان پھٹ پڑے گا اور اس

يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ

روز وہ (بالکل) بودا ہوگا، اور فرشتے اس کے کنارے پر ہوں گے ٦ اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اپنے اوپر

أی حملنا آباء کم...... وکأنهم هم المحمولون، لأن نجاتهم سبب ولادتهم. (کشاف، ج٤/ص:٥٨٨)

أی فی أصلاب آبائکم. (روح، ج٢٩/ص:٤٢)

لنجعلها۔ ضمیر ھا راجع اس واقعۂ غرقابی منکرین اور نجاتِ مومنین کی طرف ہے، جو مخاطبین کے علم میں اچھی طرح تھا، گو یہاں اس کی صراحت نہیں۔

قال الزجاج إنه عائد إلی الواقعة التی هی معلومة، وإن کانت ههنا غیر مذکورة. (کبیر، ج٣٠/ص:٩٤)

وهی نجاة المؤمنین وإغراق الکفرة. (کشاف، ج٤/ص:٥٨٨)

فیها۔ اس میں بھی ضمیر ھا غرقِ منکرین ونجاتِ مومنین کی جانب ہے۔

ایک معلوم ومعروف واقعہ کا ذکر بجائے تصریح کے ساتھ لانے کے محض ضمیر لاکر اس کی طرف اشارہ کردینا بلاغتِ عرب کے عین مطابق ہے۔

أذن۔ نکرہ کا صیغہ غالباً اس لیے کہ ایسے کان کم ہی ہوتے ہیں۔

التنکیر للدلالة علی قلتها. (روح، ج٢٩/ص:٤٣)

٦ (یہ وہ وقت ہوگا جب آسمان پھٹنا شروع ہوگا)

یہاں ذکر اُن فرشتوں کا ہے جو آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں۔

نفخة واحدة۔ ذکر حشر کے نفخۂ اوّل کا چل رہا ہے، اُس وقت یہ سارا نظامِ فلکی درہم برہم ہوجائے گا۔

يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَاَمَّا مَنْ

اس روز آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوں گے ۔ جس روز تم پیش کیے جاؤ گے تمھاری کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی، تو جس شخص کا

والمراد بالنفخة الواحدة النفخة الأولى...... كما قال ابن عباس.

(روح، ج۲۹/ص:۴۳)

وحملت الأرض والجبال۔ یعنی زمین اور پہاڑ اپنے اپنے مقام وحیّز سے ہٹا دیے جائیں گے۔

أى رفعت من أماكنها. (معالم، ج۵/ص:۱۴۵)

زمین کے ہٹ جانے سے پہاڑ تو خود بخود ہٹ جائیں گے، ذکر خصوصی ان کا شاید اس لیے کر دیا گیا کہ اِس وقت ان کی صلابت و جمود ہی معروف ومتعارف ہے۔

نفخ کا صیغۂ مذکر جائز ہے، اس لیے کہ نفخۃ کی تانیث غیر حقیقی ہے۔

جاز تذكير نفخ لأن تانيث النفخة غير حقيقي. (قرطبى، ج۱۸/ص:۲۶۴)

یومئذ۔ یوم سے مراد اس سیاق میں تو دُنیا کا متعارف دن نہیں، بلکہ مطلق وقت ہے۔

أى فحينئذٍ علىٰ أن المراد باليوم مطلق الوقت. (روح، ج۲۹/ص:۴۴)

والملك۔ ملك یا فرشتہ یہاں بطور اسم جنس آیا ہے۔ صورۃً مفرد ومعناً جمع۔

للجنس بمعنى الجمع. (مدارك، ص:۱۲۷۴)

لم يرد به ملكاً واحداً، بل أراد الجنس والجمع. (كبير، ج۳۰/ص:۹۶)

انشقت...... واهية۔ جو آسمان ہماری آنکھوں کو کہ آج اتنا ٹھوس اور قطعاً بے شگاف نظر آرہا ہے، اس روز قدرتِ حق کے سامنے بالکل ہی بودا و کمزور نکلے گا۔

إذا وقعت الواقعة۔ یعنی جس کا وقوع یقینی ہے اور جو واقع ہو کر رہے۔

ے (جیسا کہ اس وقت چار اُٹھائے ہوئے ہیں۔ حسب تصریح حدیثِ نبوی جو تفسیروں میں نقل ہوئی ہیں)

أرجائها۔ ضمیر ها، سماء کی جانب ہے۔

أُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ⑲ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ

نامۂ عمل اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا تو میرا نامۂ اعمال پڑھ لو، میں تو جانے ہوئے تھا کہ

مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ⑳ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ㉑ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ㉒

مجھے ضرور میرا حساب پیش آنے والا ہے ۸ تو وہ شخص خوب مزے کے عیش میں ہوگا، بہشت بریں میں ہوگا

والضمير للسماء، والمراد بجوانبها وأطرافها التي لم تنبشق. (روح، ج۲۹/ص:۴۵)

أرجاء جمع رجی کی ہے بمعنی جانب۔

عرش ربك۔ عرشِ الٰہی کی ماہیت وکیفیت اور اس کی تفصیلات سب انسان کی موجودہ سطح علم وشعور سے بالاتر ہیں۔

ثمانية۔ محققین نے لکھا ہے کہ عرشِ الٰہی کو اس وقت جو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، یہ محض سطوت وعظمت شہنشاہی کے اظہار کے لیے ہے، ورنہ عرش شکل مادّی تو سرے سے رکھتا ہی نہیں، البتہ ایک لطیف قسم کا بار نورانیت وہیبتِ الٰہی کا رکھتا ہے۔ آخرت میں چونکہ شانِ جبروتی کا ظہور بھی کامل تر ہوگا، اس لیے چار چار حاملِ عرش اور بڑھ جائیں گے۔

یہ کہنا کہ فرشتوں کا حاملِ عرش ہونا شانِ قیومیت کے منافی ہے ایک عجیب طرح کی سطحیت ہے۔ اگر قیومیت ایک لازمۂ اسقاطِ وسائط سمجھ لیا جائے تو ایک اس مسئلہ پر کیا موقوف ہے، ملائکہ کو کسی بھی محل پر واسطہ بنا کر اُن سے کام لیتے رہنے کا سارا نظام ہی باطل ہوا جاتا ہے!

یومئذٍ۔ سے مراد مجموعی وقت قیامت ہے، اس کے نصف اوّل وقت نفخۂ اول کا بیان ہو چکا، اب ذکر نصف ثانی کا ہو رہا ہے، جب نفخۂ ثانی ہوگا۔

۸ یعنی میں تو دُنیا میں آخرت پر ایمان رکھتا تھا اور اس کی تصدیق کرتا تھا اور یوم جزا کا شروع ہی سے قائل ومعتقد تھا ـــــ عقیدۂ آخرت کا بنیادِ نجات ہونا آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔

ظننت۔ ظن یہاں یقین وایمان کے معنی میں ہے۔

المراد منه اليقين الاستدلالي. (کبیر، ۳۰/ص:۹۸)

اور احکام وعبادات میں بھی ''ظن'' غالب علم ویقین کے قائم مقام ہوتا ہے۔

أی علمت و إنما أجری الظن مجری العلم، لأن الظن الغالب یقام مقام العلم فی العبادات و الأحکام. (کشاف، ج٤/ص:٥٩١)

وقد یجیئ الظّن بمعنی العلم. (نهایة، ج٣/ص:١٤٨)

الاعتقاد الراجح مع احتمال النقیض ویستعمل فی الیقین والشك. (تاج، ج١٨/ص:٣٦٣)

رُبما یکون یقیناً ویطلق الظن علیه بالمعنی الأعم. (فراهی، مفردات القرآن، ص:٢٩٧)

جوہری نے کہا ہے کہ ظن اپنے معروف معنی کے علاوہ علم کے بھی مرادف آتا ہے۔

الظن معروف، وقد یوضع موضع العلم. (جوهری، ج٦/ص:٢١٦٠)

اور آگے ایک شعر سند میں نقل کیا ہے جس میں ظنوا، استیقنوا کے معنی میں آیا ہے اور لکھا ہے کہ شاعر دشمن کو ڈرا رہا ہے، شک کے نہیں، یقین کے لہجہ میں۔

یخوف عدوّہ بالیقین لا بالشك. (جوهری، ج٦/ص:٢١٦٠)

بعض ائمۂ لغت نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ فعل ظن کے بعد جب أنّ یا إنّ آتا ہے تو ظن میں زور پیدا ہوکر وہ علم کے مرادف ہوجاتا ہے، ورنہ کمزور ہوکر اس کا درجہ وہم سے آگے نہیں بڑھتا۔

ومتی قویت أدّت إلی العلم...... ومتی قوی أو تصوّر تصوُّر القوی استعمل معه أن المشددة وأن المخففة منها. (راغب، ص:٣٥٤)

یہاں بہرحال ظن کے معنی علم الیقین کے صحابیوں سے بھی مروی ہیں۔

أی أیقنت وعلمت، عن ابن عباس وغیره. (قرطبی، ج١٨/ص:٢٧٠)

لا...... خافیة۔ یعنی اے انسانو! حق تعالیٰ سے تمھارا کوئی راز اس وقت چھپا ہوا نہیں ہوگا۔

فأما...... بیمینه۔ نامۂ اعمال کا داہنے ہاتھ میں ملنا علامت ہوگی جنتی ہونے کی، جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی آچکا ہے۔

فیقول۔ وہ جنتی خوش ہوکر یہ اپنے آس پاس والوں سے کہے گا۔

هاؤم۔ ها کے معنی لو کے ہیں۔

کلمة فی معنی الأخذ. (راغب، ص:٥٦٧)

قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے، کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ اُن اعمال کے عوض جو تم گزرے ہوئے ایام میں کر چکے ہو ۹

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا

اور رہا وہ جس کا نامۂ عمل اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ کاش میرا نامۂ عمل مجھے ملا ہی نہ ہوتا اور مجھے کچھ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا

صوت يصوت به فيفهم به معنى خذ. (كبير، ج ۳۰/ص:۹۷)

هاؤم کا استعمال جمع کے موقع پر ہوتا ہے۔

هاؤما، وهاؤم. (كبير، ج ۳۰/ص:۹۸)

فيقول...... كتٰبيه۔ یہ جنتی نامۂ اعمال کو داہنے ہاتھ میں پا کر فرطِ مسرت سے پکار کر کہے گا، جیسا آج بھی دنیا میں غلبۂ سرور کے وقت انسان دوسروں کو پکار پکار کر اپنی مسرت میں شریک کرتا ہے۔

دل ذلك على أنه بلغ الغاية في السرور. (كبير، ج ۳۰/ص:۹۸)

۹ (یعنی دُنیا میں)

قطوفها دانية۔ جنت میں میوہ دار درختوں کی ڈالیاں پھلوں سے ایسی لدی ہوئی ہوں گی کہ اہل جنت انھیں کھڑے، بیٹھے، لیٹے، جس حال میں چاہیں گے بآسانی لے سکیں گے۔

في عيشة راضية۔ جنت کی زندگی ہر قسم کے فکر و تردد، مرض و مصیبت، زوال و موت، عیب و نقص سے قطعاً خالی ہوگی۔ اس ساری کیفیت کا نقشہ مختصر سے فقرے في عيشة راضية میں کھینچ دیا ہے۔

بما أسلفتم۔ اس تصریح سے ثابت ہو گیا کہ اعمالِ طاعت موجبِ صلہ و اجر ہوتے ہیں اور اہل جنت کو جو صلہ ملے گا وہ اس کے مستحق ہوں گے۔

يدل على أنهم إنما استحقوا ذلك الثواب بسبب عملهم، وذلك يدل على أن العمل موجب للثواب. (كبير، ج ۳۰/ص:۱۰۰)

الأيام الخالية۔ یعنی دنیا میں گزارے ہوئے ایام گزشتہ۔

الماضية من أيام الدنيا. (كشاف، ج ٤/ص:٥٩١)

حِسَابِيَهْ ۝۲۶ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝۲۷ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝۲۸ هَلَكَ عَنِّيْ

حساب وکتاب کیا ہے؟ کاش موت میرا خاتمہ کر چکی ہوتی ١٠ میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، میرا جاہ (بھی) مجھ سے

سُلْطٰنِيَهْ ۝۲۹ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝۳۰ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝۳۱ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا

گیا گزرا ہوا ١١ پکڑو اُسے اور اس کے طوق ڈالو، پھر اسے دوزخ میں داخل کرو، پھر اُسے جکڑ و ایسی زنجیروں میں

١٠ (ہمیشہ ہمیش کے لیے۔ اور آج اس پکڑ دھکڑ کی نوبت ہی نہ آتی؟)

یہ کلمات اہل دوزخ کی زبان سے انتہائی حسرت ویاس کے ساتھ ادا ہوں گے۔

وأما من ...... بشماله۔ نامۂ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا علامت ہوگا دوزخی ہونے کی۔

يٰليتها۔ ضمیر ھا موت کی جانب راجع ہے، اگرچہ لفظ موت مذکور نہیں ــــــــ اور شدتِ ظہور کے باعث ضرورت بھی اس کے ذکر کی نہ تھی۔

الضمير للموتة. (کشاف، ج٤/ص:٥٩١)

وإن لم تكن مذكورة إلا أنها لظهورها كانت كالمذكور. (کبیر، ج٣٠/ص: ١٠٠)

عائد إلى الموتة الأولى يدل عليها سياق الكلام. (نیشاپوری، ج٦/ص:٣٤٩)

١١ یعنی دُنیا کا مال وجاہ جن میں پڑ کر آخرت کو بالکل فراموش کر چکا تھا، ان کی بے حقیقتی تو آج عیاں ہو کر رہی ــــــــ آخرت سے غافل کر دینے والی یہی دو چیزیں عام طور پر ہوتی ہیں: ایک مال، دوسرے جاہ۔ صراحت کے ساتھ انھیں دونوں کا ذکر اسی لیے کیا گیا۔

سلطانيه کا ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''پادشاہی'' کیا ہے اور ابن عباس نے یہاں اس کی تفسیر حجة سے کی ہے۔

تفسير ابن عباس: هلكت عن حجتي وهو قول مجاهد وعكرمة والسدّي والضحاك. (قرطبی، ج١٨/ص:٢٧٢)

هلك......سلطانية۔ مولوی نذیر احمد مرحوم کا ترجمہ ''میری بادشاہت ہی لٹ گئی''۔ اُردو محاورے کے عین موافق ہے۔

سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُکُوۡہُ ﴿۳۲﴾ اِنَّہٗ کَانَ لَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۳۳﴾ وَ لَا یَحُضُّ

جس کی ناپ ستر گز ہے ۱۲ اس کا نہ ایمان ہی خدائے بزرگ پر تھا اور نہ یہ کسی غریب کو کھلانے کی

عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ﴿۳۴﴾ فَلَیۡسَ لَہُ الۡیَوۡمَ ہٰہُنَا حَمِیۡمٌ ﴿۳۵﴾ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا

ترغیب دیتا تھا ۱۳ سو آج اس کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ اُسے کوئی کھانا نصیب ہوگا بجز

۱۲ دوزخی ابھی حسرت وندامت میں مبتلا ہی ہوگا کہ فرشتوں کو یہ احکام صادر ہو جائیں گے۔

الجحیم صلوہ ۔ اُردو محاورے ہیں ''ڈھکیل دو اسے دوزخ میں''۔

سبعون ذراعاً۔ یہ گز عالم آخرت کے ہوں گے جن کی پیمائش کا اس دنیا میں کون اندازہ کر سکتا ہے!

سبعون سے یہ لازم نہیں آتا کہ متعین عدد ستر کا مراد ہو بلکہ مقصود محض کمالِ طول بھی ہو سکتا ہے۔

کلامِ عرب میں سبعین سے مراد محض تکثیر سے ہوئی ہے۔

وجعلها سبعين ذراعاً إرادة الوصف بالطول: (كشاف،ج٤/ص:٥٩٢)

ليس الغرض التقدير بهذا المقدار بل الوصف بالطول. (كبير،ج٣٠/ص:١٠١)

يجوز أن يراد به التكثير. (روح،ج٢٩/ص:٥٠)

يجوز أن يراد بالمبالغة على عادة العرب. (نيشاپوری،ج٦/ص:٣٥١)

ذراعاً ۔ کلمہ نکرہ تنوین کے ساتھ بُرائی کے اظہار کے لیے ہے۔

تنوينها للتفخيم. (روح،ج٢٩/ص:٥٠)

۱۳ (رُتبہ واجب میں)

إنـه ......الـعـظيم۔ یہ اللہ کی ذات وصفات پر اس طرح ایمان نہ لایا، جس طرح کی تعلیم حضراتِ انبیاء ومرسلین دے گئے تھے ـــــ ایمان وہی معتبر ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق ہو۔

ولا ......المسكين۔ یعنی یہ خود تو غریبوں، مسکینوں کی خدمت کیا کرتا، دوسروں کو بھی اس کی صلاح وترغیب نہ دیتا، جس حد تک واجب تھا ـــــ خلاصہ یہ کہ اللہ کے حق اور بندوں کے حق دونوں کو بھولا ہوا تھا۔

ایمان باللہ کے ساتھ محتاجوں، مسکینوں کی حق تلفی کا ذکر لانا اسے ظاہر کرتا ہے کہ اسلام میں بندوں کے حقوق کا کیا درجہ ومرتبہ ہے!

ع

مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾

زخموں کے دھوؤں کے جسے کوئی بھی نہ کھائے گا بجز سخت گنہگاروں کے ۱۴ پھر میں قسم کھاتا ہوں ان کی جنھیں تم دیکھتے ہو

وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۳۹﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ

اور جنھیں تم نہیں دیکھتے ہو کہ یہ قرآن کلام ہے ایک مقدس قاصد کا لایا ہوا ۱۵ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں

۱۴ یعنی ان کافروں مجرموں کو دوزخ میں غذائیں بھی ملیں گی تو اتنی گندی اور نفرت انگیز کہ کوئی اور انسان تو ادھر رُخ بھی نہیں کر سکتا۔

الخاطئون۔ مراد خطا پیشہ ہیں، یعنی منکرین و کافرین۔

وهم المشركون. (کبیر، ج ۳۰/ص:۱۰۳)

الكافرون. (مدارک، ص:۱۲۷۶، معالم، ج ۵/ص:۱۴۹)

۱۵ یعنی موجودات مرئی وغیر مرئی سب اس پر شاہد ہیں کہ قرآن جو لے کر آیا وہ حق تعالیٰ کا قاصد ہے ــــــ قسم کے متعلق بار بار بیان ہو چکا ہے کہ عربی اسلوبِ بیان میں مراد اس سے تاکیدِ کلام ہوتی ہے اور جس کی قسم کھائی جاتی ہے اُسے شہادت میں پیش کرنا۔

بما...... لا تبصرون۔ موجودات کی قسمیں دو ہی ہیں: مرئی اور غیر مرئی۔ قرآن مجید کے سلسلے میں اہم ترین واسطے دو ہی تھے:۔

ایک اسے لامکاں سے ناسوت میں لانے والا ــــــ ایک غیر مرئی مخلوق یعنی فرشتہ۔

دوسرا اسے دُنیا کے سامنے پیش کرنے والا ــــــ ایک مرئی مخلوق یعنی پیمبرؐ۔ حقانیتِ قرآن کے سیاق میں موجوداتِ کائنات ان دو قسموں کی طرف توجہ دلانا بہت ہی پُر معنی ہے۔

إنه ۔ ضمیرہ قرآن کریم کی جانب ہے۔

قول۔ ائمۂ لسان نے تصریح کی ہے کہ قول کا انتساب پیام لانے والے کی جانب اسی طرح دُرست و جائز ہے جس طرح پیام بھیجنے والے کی جانب۔

يصحّ أن تنسبه تارةً إلى الرسول وتارةً إلى المرسل، و كلاهما صحيح.

(راغب، ص:۴۶۴)

قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِيْلٌ

تم برائے نام اس پر ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے، برائے نام ہی تم سمجھ سے کام لیتے ہو ۱۶ یہ (کلام) تو اُتارا ہوا ہے

أی یقوله ویتکلم به علیٰ وجه الرسالة. (کشاف، ج٤/ص:٥٩٤)

قول رسول۔ رسول کے تو معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہے، صرف "پیام" پہنچا رہا ہے۔

یبلغه عن رسول الله تعالیٰ، فإن الرسول لایقول عن نفسه. (روح، ج۲۹/ص:٥٢)

قولُ رسول کریم۔ یہ بات ہے ایک معزز قاصد کی زبان سے نکلی ہوئی۔

رسول کریم۔ اس سیاق میں اشارہ حضرت جبریئل علیہ السلام کی جانب ہے۔

علی أن المراد منه...... جبریل علیه السلام. (کبیر، ج۳۰/ص:١٠٣)

یرید جبریل، قاله للحسن والکلبیّ ومقاتل. (قرطبی، ج۱۸/ص:٢٧٤)

قال ابن السائب ومقاتل وابن قتیبة هو جبریل علیه السلام. (روح، ج۲۹/ص:٥٢)

نعوذ باللہ اگر کوئی بلید الذہن اسے فرشتے ہی کا کلام کہنے لگے تو فرشتے کا وصفِ اسمی رسول بیکار بلکہ باطل ہی ٹھہر جاتی ہے۔

کریم۔ اس وصف سے ممتاز کر کے اُس قاصدِ رسول کے اعتبار و استناد کو اور بڑھا دیا ہے۔

۱۶ (کہ ایسے پُر حکمت، پُر عظمت کلام کو شعر و کہانت کی جانب منسوب کر رہے ہو۔ اس بیہودہ رائے زنی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم عقل و ایمان دونوں سے کورے ہو)

قلیلاً۔ قلیلاً دونوں جگہ عدم کے معنی میں ہے، انگریزی کے Little کی طرح۔

یعبر به عن النفی. (راغب، ص:٤٥٨)

القلة فی معنی العدم (کشاف، ج٤/ص:٥٩٤)

والعرب یقولون قلما یأتینا یریدون لا یأتینا. (کبیر، ج۳۰/ص:١٠٤)

وهذا اللفظ یُستعمل فی نفی أصل الشیئ. (نهایة، ج٤/ص:٦٢٨)

ما رجلٌ یقوله إلا هو، فالقلّة فیه بمعنی النفی المحض. (تاج۱۵/ص:٦٢٨)

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ

پروردگار کی طرف سے ہے۔ ۱۷ اور اگر (یہ پیغمبر) کوئی بات گڑھ کر ہم پر لگادیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ

بِالْیَمِیْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ﴿۴۷﴾

پکڑ لیتے (پھر) ہم ان کی رگ دل کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی اُن کا اس (انجام) سے بچانے والا نہ ہوتا ۱۸

وما ھو بقول شاعر سے تردید ہو رہی ہے مشرکین مکہ کے ''روشن خیال'' گروہ کی تشخیص کی۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ ساری شاعرانہ خیال آرائیاں ہیں۔

وما...... کاھن۔ یہ تردید ہو رہی ہے مشرکین مکہ کے ایک دوسرے ''روشن خیال'' گروہ کی تشخیص کی۔ ''کاہن'' ان کے عقیدے میں وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے کشف واشراقیت کے زور سے کچھ پیش خبریاں، پیش گوئیاں کر دیتا تھا اور اپنے کلام کو مُسجّع وقافیہ کی رعایت سے ادا کرتا تھا۔

قرآن مجید کی معجزانہ تاثیر سے تو مشرکین عرب کو بھی مجالِ انکار نہ تھی، جیسے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ شخصیت سے آج بھی منکروں کو انکار نہیں، البتہ جس طرح آج کے فرنگی سیرت محمدیؐ کی بے نظیر کامیابی کے لیے توجیہیں ساری دُنیا کی ڈھونڈ نکالتے ہیں، بجز اس ایک کھلی ہوئی توجیہ کے کہ آپ کے ساتھ نصرتِ خداوندی تھی، اس طرح قریش کے ''روشن خیال'' بھی عاجز ومجبور ہو کر اسی تاویل پر اُتر آتے تھے کہ قرآن کو یا تو شاعر کا کلام قرار دیں یا کاہن کا!۔۔۔ ادب وروحانیت کے انھیں دو موثر و پُر زور پیرایوں سے وہ واقف تھے۔

۱۷ تنزیل من رب العالمین میں یہ اشارہ بھی آگیا کہ قرآن سے مقصود سارے خلق کی ہدایت واصلاح ہے۔

۱۸ یعنی ان کا دعویٰ کسی طرح سرسبز نہ ہونے دیتے اور اسے یہیں سزا دے دیتے۔

ولو...... الأقاویل۔ جو کلام حق تعالیٰ کا نہیں اسے یہ حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر کے جھوٹا دعویٰ نبوت کا کر دیتے۔۔۔ ٹھیٹھ اُردو میں یہ مفہوم یوں ادا ہوگا: ''اگر یہ ہم پر کچھ گڑھنت گڑھ لیتے''۔

تقول۔ یعنی جو کلام بہ تکلف وتصنع پیدا کیا جائے، گڑھ لیا جائے۔

أی تکلف وأتی بقول من قبل نفسه. (قرطبی، ج۱۸/ص:۲۷۵)

وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنكُم مُّكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ

اور یہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے متقیوں کے لیے ۱۹ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تمھارے درمیان تکذیب کرنے والے بھی ہیں، اور یہ (قرآن)

عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٥٢﴾

کافروں کے حق میں موجبِ حسرت ہے ۲۰ اور یہ (قرآن) تحقیقی ویقینی بات ہے ۲۱ سو آپ پروردگارِ عظیم کے نام کی تسبیح کیجیے ۲۲

ع ۲ ۱۵

التقول الافتراء. (روح،ج۲۹/ص:٥٤)

الأقاويل۔قول کی جمع، گڑھی ہوئی باتوں کے لیے اعاجیب واضاحیك کے وزن پر ذم وتحقیر کے لیے لائی گئی ہے۔ ٹھیٹھ اردو میں ''گڑھنت''۔

سمى الأقوال المنقولة "أقاويل" تصغيراً بها وتحقيراً، كقولك الأعاجيب والأضاحيك. (كشاف،ج٤/ص:٥٩٤، كبير،ج٣٠/ص:١٠٤)

لقطعنا منه الوتين۔قطع وتین سے مراد ہلاک کردینا ہے۔

أى لأهلكناه. (قرطبى،ج١٨/ص:٢٧٦)

یہ چاروں آیتیں دل کو تھرا دینے کے لیے بالکل کافی ہیں، بطور بعید ترین احتمال کے، لیکن بہرحال فرض رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حق میں کرلی گئی ہیں، ایسا بے دھڑک کلام، کلام الٰہی ہی کا ہوسکتا ہے۔

۱۹ یعنی اس نصیحت نامہ، ہدایت نامہ سے فائدہ وہی لوگ اُٹھائیں گے، جن کے دلوں میں خوفِ خدا شروع سے موجود ہے، ملاحظہ ہو ھدی للمتقین کی تفسیر پارہ اوّل کے رکوع اوّل میں۔

إنه ۔ ضمیر، قرآن مجید کی طرف ہے۔

۲۰ (اس معنی میں کہ وہ اس کی تکذیب کریں گے، اور اس طرح وہ ان کے حق میں بالواسطہ سببِ تعذیب بن جائے گا)

اور اسی معنی میں یضل به کثیراً کے قبیل کی دوسری آیتیں بھی ہیں۔

۲۱ قرآن مجید کا وصف کمالی اضافی ابھی ابھی بیان ہوا ہے یعنی وہ خدا ترسوں کے حق میں موجبِ نصیحت وہدایت ہے، وصفِ کمالِ ذاتی اب بیان ہو رہا ہے یعنی وہ بجائے خود ایک متحقق وصادق کتاب ہے۔

۲۲ یعنی جس پروردگارِ عظیم کا یہ کلام ہے، بس اس کے نام کی تسبیح میں لگے رہیے اور منکرین مکذبین کی پروا مطلق نہ کیجیے۔

(٧٠)

سُوْرَۃُ الْمَعَارِجِ مَکِّیَّۃٌ

سورۃ معارج مکّی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ ﴿١﴾ لِّلْکٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ ۙ ﴿٢﴾ مِّنَ اللّٰہِ

مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب کو جو واقع ہونے والا ہے کافروں پر [1] جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں (اور جو) ہونے والا ہے

[1] (کہ آخر وہ کیوں نہیں آچکتا جس کا وعدہ اتنی مدت سے کیا جا رہا ہے)

سال سائل۔ سوال و مطالبہ تضحیک و تعریض کی راہ سے تھا جیسا کہ ظاہر ہے ــــــــ روایتوں میں نام نضر بن الحارث مکّی کا آتا ہے۔ بعض میں ابو جہل کا نام بھی آیا ہے۔

بعض روایتوں میں سوال یوں نکل رہا ہے کہ عذاب کس پر نازل ہوگا اور کون نازل کرے گا؟

علیٰ من ینزل و بمن یقع؟ (کشاف، ج٤/ص:٥٩٦)

سألوا بمن یقع العذاب ولمن یکون. (قرطبی، ج١٨/ص:٢٧٩)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سوال یہاں طلب کے معنی میں ہے۔

ھو السؤال بمعنی الدعاء أی دعا داع بعذاب، عن ابن عباس و غیرہ. (قرطبی، ج١٨/ص:٢٧٨)

بعذاب۔ ب یہاں عن کے مرادف ہے۔

یجوز أن تکون بمعنی عن. (قرطبی، ج١٨/ص:٢٧٩)

قیل فالباء بمعنی عن. (بحر، ج٨/ص:٣٣٢)

للکافرین۔ ل علت کا ہے یعنی یہ ظاہر کرنے کو کہ اس عذاب کا سبب کافروں کا کفر ہی ہوگا نہ کہ کچھ اور۔

ذِی الۡمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡهِ فِیۡ یَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ

اللہ کی طرف سے جو موجوں کا مالک ہے ۲ فرشتے اور رُوحیں اس کے پاس چڑھ کر جائیں گی ایسے دن میں جس کی مقدار

خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾

پچاس ہزار سال کی ہوگی ۳

اللام للعلة أی نازل لهم لأجلهم أی لأجل کفرهم. (بحر، ج۸/ص:۳۳۲)

۲ (یعنی آسمانوں کا مالک)

معارج کا واحد معرج ہے جس کے لفظی معنی آلۂ عروج یا منبر کے ہیں اور مراد آسمانوں سے لی گئی ہے۔

معارج کی ایک تفسیر فضائل کی بلندیوں اور نعمتوں کے مراتب سے بھی منقول ہے۔

مراتب إنعامه علی الخلق. (قرطبی، ج۱۸/ص:۲۸۱)

یعنی ذی العلوّ والدرجات والفواضل والنعم. (ابن جریر، ج۲۳/ص:۲۵۰)

عبداللہ بن عباسؓ صحابی اور قتادہ تابعی سے بھی یہی تفسیر آئی ہے۔ (ابن جریر، ج۲۳/ص:۲۵۰)

اس صورت میں ترجمہ ہوگا، اس بزرگیوں والے سے، مراتب والے سے جو اللہ سے ہر تعلق پیدا کرنے والے کو بڑے بڑے درجے اور مرتبے عطا کرے گا۔

من اللّٰہ کا تعلق لفظ متصل واقع سے بھی سمجھا گیا ہے یعنی اس عذاب کا اللہ کی طرف سے کوئی روکنے والا نہیں اور آیت ماقبل کے لفظ واقع سے بھی لیا گیا ہے یعنی عذاب کافروں پر اللہ کی طرف سے واقع ہوگا ـــــ اور ماحصل دونوں ترکیبوں کا ایک ہی ہے۔

مشائخ صوفیہ واہل لطائف نے لکھا ہے کہ اللہ کی صفت ذی المعارج لانے میں دو نکتے ہیں: ایک تو یہ کہ اس میں طالب سالک کے لیے تسکین وتسلی ہے کہ وہ اپنی سعی واستعداد کے مطابق جس مقام پر بھی قدم رکھے گا، ذات کبریائی اس کی پذیرائی کرتی رہے گی۔ دوسرے یہ کہ اس میں طالب سالک کی شوق افزائی بھی ہے کہ وہ جس منزل پر بھی پہنچ چکا ہو، اس پر قناعت نہ کرے، بلکہ آگے بڑھتے رہنے کی کوشش کرے۔

۳ (اس دُنیا کی مقدار مدت کے حساب سے)

یوم سے مراد لازمی طور پر یہ دُنیا کا متعین دن نہیں بلکہ مطلق وقت بھی مراد ہو سکتا ہے۔

والیوم بمعنی الوقت. (روح، ج۲۹/ص:۵۷)

خمسین ألف سنة۔ عدد سے مراد ضروری نہیں کہ یہی متعین عدد ہو بلکہ مطلق مدتِ طویل بھی ہو سکتی ہے اور یہ عدد محض اس مدت کے امتداد و اشتداد کے اظہار کے لیے ہو۔

قیل معنی ذکر خمسین ألف سنة تمثیل، وھو تعریف طول مدّة القیامة فی الموقف. (قرطبی، ج۱۸/ص:۲۸۳)

والإشارة إلی استطالة ذلك الیوم لشدته لا أنه بھذا المقدار من العدد حقیقة وروی ھذا عن ابن عباس. (روح، ج۲۹/ص:۵۷)

ایک بات اس سلسلے میں اور بھی سمجھ لینے کی ہے، اب جدید اور سائنسی طریقہ دو فاصلوں کے بُعد مکان کے حساب سے میلوں بلکہ کلو میٹروں میں بیان کرنے کا ہے۔ قدیم اور مذہبی طریقہ ان فاصلوں کو بُعد زمانی کے حساب سے مہینوں اور سالوں میں بیان کرنے کا تھا ــــــ مثلاً اگر آج یہ کہا جاتا ہے کہ زمین سے آفتاب کا فاصلہ اتنے کروڑ اور اتنے لاکھ میل کا ہے اور چاند کا فاصلہ اتنے لاکھ اور اتنے ہزار میل کا، تو کل اسی کو اس طریقے سے ادا کیا جاتا تھا کہ فلاں کرہ سے فلاں کرہ تک کی مسافت پانچ سو سال کی ہے ــــــ حقیقت دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے، صرف اظہار و تعبیر کے طریقے دو ہیں۔

اگر اس یوم سے اشارہ یوم حشر کی طرف ہو تو اتنی طویل مدت صرف کافروں کو محسوس ہوگی اور یہ بجائے خود ایک عذابِ الیم کا حکم رکھتی ہے۔ رہے مومن تو ان کے حق میں راحتیں اس کے برعکس کی بار بار وارد ہو چکی ہیں، مثلاً لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون اور لا یحزنھم الفزع الأکبر اور وھم من فزع یومئذ آمنون وغیرہا، اور احادیثِ نبوی میں تو اس سے بھی بڑی صراحت موجود ہے کہ وہ دن مومنین کے لیے بہت ہلکا پھلکا ہوگا۔

تعرج......الروح۔ یہ فرشتے اور رُوحیں اُنھیں آسمانی نورانی زینوں سے چڑھتی اُترتی رہتی ہیں۔

الروح۔ روح بطور اسم جنس کے آیا ہے اور مراد اہل ایمان کی رُوحیں معلوم ہوتی ہیں۔

قال قبیصة بن ذؤیب روح المیت حین یقبض. (بحر، ج۸/ص:۳۳۳)

رُوح میت سے مراد میت مومن ہی ہوگی۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ۝٥ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝٦ وَنَرٰىهُ

سو آپ صبر کیجیے اور صبر بھی جمیل ؎ یہ لوگ اس دن کو دور دیکھ رہے ہیں اور ہم اسے قریب ہی

ولعله أراد الميت المؤمن. (روح، ج۲۹/ص:۵٦)

مفسر تھانویؒ اس طرف گئے ہیں اور اہل مکاشفہ کا قول تفسیر کبیر میں نقل ہوا ہے کہ رُوح کا نور عظیم اپنی نورانیت میں حق تعالیٰ کے انوار سے قریب ترین ہوتا ہے۔

وعند هذا قال بعض المكاشفين إن الروح نور عظيم هو أقرب الأنوار إلى جلال الله. (کبیر، ج۳۰/ص:۱۰۹)

لیکن قول جمہور میں الروح سے مراد جبرئیل سے لی گئی ہے۔

أى جبريل عليه السلام كما ذهب إليه الجمهور. (روح، ج۲۹/ص:۵٦)

إليه۔ مراد عالم بالا کا وہ مقام ہے جو فرشتوں اور رُوحوں کے عروج کا منتہیٰ اور مستقر ہے۔

أى إلىٰ عرشه. (مدارك، ص:۱۲۷۸)

أى إلى المكان الذى هو محلهم. (قرطبی، ج۱۸/ص:۲۸۱)

إلى سے استدلال حق تعالیٰ کی تجسیم اور مکانیت پر لغو و باطل ہے۔ إلى کا منسوب إليه جب کوئی غیر مادّی و غیر مکانی ہوتا ہے تو إلـى کے مفہوم میں صرف تو وہ التفات شامل ہوتا ہے، مثلاً: إلـى الخير، إلـى الإيمان، إلى الكفر وغیرہ میں اور خود قرآن مجید میں اس قسم کی آیتیں متعدد ملتی ہیں مثلاً: وإليه يرجع الأمر، وإلى الله ترجع الأمور وغیرہ۔

فليس المراد منه المكان بل المراد انتهاء الأمور إلى مراده. (کبیر، ج۳۰/ص:۱۰۹)

اس سے بھی لطیف تر توجیہ یہ ہے کہ عروجِ ملائکہ و ارواح سے ان کا صرف اپنے مقصد و غایت کی طرف لوٹنا مراد لیا جائے اور قرآن مجید سے نظیر اس معنی کی بھی مل جاتی ہے، مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے اس قول میں: إنى ذاهب إلى ربى.

أى إلىٰ حيث أمرنى عز وجل به. (روح، ج۲۹/ص:۵٦-۵۷)

؎ (کہ اس میں شکوہ و شکایت کا نام بھی نہیں)

قَرِيبًا ۝٧ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۝٨ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝٩

دیکھ رہے ہیں ۵ جس دن کہ آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے

وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝١٠

اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا ٦

فاصبر۔ یعنی آپ معاندین کے طنز و استہزا پر صبر کرتے رہیے۔

۵ اور انھیں اس کے قرب سے آگاہ بھی کرتے جاتے ہیں۔

نراہ قریباً۔ اور چونکہ حق تعالیٰ کا دیکھنا ہمیشہ مطابق واقع ہی ہوتا ہے، اس لیے گویا یہ بتا دیا کہ وہ دن واقعۃً بہت ہی قریب آ لگا ہے۔

إنهم...... بعیداً۔ منکروں کا اس دن کو دُور سمجھنا تمام تر ان کی ارادی و مجرمانہ غفلت کا نتیجہ ہے۔

بعیداً ۔قریباً۔ بعید سے مراد بعید از قدرت اور قریب سے مراد اندرونِ قدرت لی گئی ہے۔

فالمراد بالبعيد البعيد من الإمكان و بالقريب القريب منه. (کبیر، ج ۳۰/ص: ۱۱۱)

٦ یعنی ایسی نفسا نفسی اس وقت پڑی ہوگی کہ غیر تو کیا کام آئیں گے خود اپنے قریبی بھی بات تک نہ پوچھیں گے۔

یوم ۔ یعنی کافروں پر یہ عذاب اُس دن واقع ہوگا، جس کی کیفیت اب بیان ہو رہی ہے ——— اس دن کی مدت ابھی بیان ہو چکی ہے، اُس دن کی شدتِ عذاب اب بیان ہو رہی ہے۔

کالمهل۔ یعنی تیل کی تلچھٹ کی طرح سیاہ ——— گہری سرخی کے ڈانڈے سیاہی سے مل جاتے ہیں، اس لیے اس بیان اور کانت السماء وردة کالدهان میں کوئی تناقض نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دو رنگتیں دو مختلف حالتوں کی ہوں۔

والسمآء کالمهل۔ الجبال کالعهن۔ جب آسمان اور پہاڑ کی سی بھاری بھرکم اور محکم و مستحکم چیزیں یوں نکمی و ناکارہ نکل جائیں گی تو دوسری موجودات کا کیا ذکر!

کالعهن۔ پہاڑوں کی تشبیہ رنگین اُون سے شاید اس لیے دی گئی کہ پہاڑ بھی مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔

يُبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾

حالانکہ وہ انھیں دکھا بھی دیے جائیں گے، مجرم تو (بس) اس روز اس کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنے بدلے میں اپنے بیٹوں کو

وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ

اور اپنی بی بی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو جس میں وہ بسر کرتا ہے اور تمام اہل زمین کو پھر (بطور فدیہ) اسے

يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾

عذاب سے بچالے ے یہ نہیں ہونے کا، وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے کہ کھال تک اُتار دے گی، یہ اس شخص کو بلا وا دے گی جس نے پیٹھ پھیر لی تھی اور روگردانی کی تھی

وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾

اور مال جمع کیا ہوگا اور اُسے اُٹھا اُٹھا کر رکھا ہوگا ۸ بے شک انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے کہ جب اسے دُکھ پہنچتا ہے تو ہائے وائے کرنے لگتا ہے

ے بیان حشر میں مجرم انسان کی بے بسی کا ہو رہا ہے۔

المجرم۔ مجرم سے مراد کافر و مشرک ہے۔

أی المشرك. (معالم، ج ٥/ص:١٥٢)

يعنی المجرم هو الكافر. (كبير، ج ٣٠/ص:١١٢)

کافروں کی حالت اُس دن یہ ہوگی کہ دُنیا میں جس جس پر جان فدا کرتے تھے، اُن تک کو اپنی جان بچانے کے لیے عذاب الٰہی کے حوالے کرتے جائیں گے۔

دُنیا میں جو فدیہ و معاوضہ کا قانون چلتا رہتا ہے، نادان انسان اُس پر حشر کو قیاس کرے گا کہ وہاں بھی اپنے عزیزوں، قریبوں کو اپنے بجائے پیش کر کے چھٹکارا پا جائے۔

۸ (دوسروں کا حق کاٹ کاٹ کر)

تدعوا۔ کنایہ ہے دوزخ کے کمالِ قرب سے۔ دوزخ ان لوگوں کے اتنی قریب لے آئی جائے گی کہ گویا اُن لوگوں کو اپنی طرف بلا رہی ہے۔

کلا......لظیٰ۔ ذکر دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ کا ہے کہ وہ کسی کی رُو رعایت کرنا کیا جانے اور اس کے سامنے ذکر کسی عوض و فدیہ کا کیسا!

وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ

اور جب اُسے خوش حالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ۹ ہاں البتہ وہ نمازی (اس حکم میں داخل نہیں) جو اپنی نماز میں

شوی کے معنی سر کی کھال کے ہیں اور اطراف جسم مثلاً ہاتھ پاؤں کی۔

الأطراف كاليد و الرجل. (راغب، ص:٣٠٤)

یعنی وہ دوزخ اتنی قریب آلگے گی کہ اس کی ایک ایک لپٹ ان کی کھال جھلس دے گی۔

أوعى۔ کنایہ ہے کمالِ بخل سے، یعنی ان لوگوں نے حقوق واجب ادا نہ کیے۔ یہ لازمی نہیں کہ کوئی شخص واقعۃً اپنے نقد و مال کو اُٹھا اُٹھا کر الماریوں اور تجوریوں میں سمیٹ کر رکھے۔

منع حق اللّٰه تعالىٰ فلم يزكّ، ولم ينفق فى ما أوجب عليه بإنفاقه فيه. (ابن جرير، ج٢٣/ص:٢٦٥)

كنزه فلم يود حقوق الله فيه أصلاً. (نيشاپوری، ج٦/ص:٣٥٨)

من أدبر و تولىٰ۔ یعنی جب دُنیا میں ایمان و طاعت کی طرف بلائے جاتے تھے تو بلانے والے کی طرف سے اعراض و نفرت کرتے ہوئے بھاگتے تھے۔

مطلب دونوں آیتوں کو ملا کر یہ ہوا کہ کافر نے حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کو دُنیا میں ضائع کر دیا۔ اور اس سے اشارہ فساد عقائد اور فساد اعمال دونوں کی جانب ہو گیا۔

نفس عذاب جہنم کے لیے تو کفر ہی کافی تھا، اس میں مزید اشتداد ان فروع کی بنا پر ہوگا۔

۹ (ادائے حقوق ضروری میں بھی)

الإنســـان۔ انسان سے اس سیاق میں مراد کافر انسان ہے، جیسا کہ معاً بعد اہل ایمان کے استثنا سے ظاہر ہو رہا ہے۔

يعنى الكافر. (قرطبی، ج١٨/ص:٢٨٩)

هلوعاً۔ اس بدہمتی یا تھڑدلے پن سے طبعی یا جبلی کمزوری مراد نہیں کہ اس پر تو انسان معذور ہے بلکہ مراد اس کے اختیاری و اکتسابی آثار مادی ہیں۔

جــزوعــاً۔ یعنی جزع و فزع اور واویلا کرنے میں قدم حدّ اباحت سے آگے بڑھا رہتا ہے اور تمام تر بے صبری اور ناشکری کا اظہار کرنے لگتا ہے۔

دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾

برابر لگے رہتے ہیں اور جو اپنے مال میں حق رکھتے ہوں جانا ہوا، سوالی اور بے سوالی (سب) کا

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ

اور جو جزا کے دن کی تصدیق کرتے رہتے ہیں ۱۰ اور جو لوگ اپنے پروردگار کے عذاب سے

منوعاً۔ یعنی ادائے حقوق ضروری میں بھی بخل کرنے لگتا ہے۔

الشر۔ الخیر۔ شر و خیر سے مراد اس سیاق میں مادّی و مالی خوش حالی و بدحالی ہے۔

مسّه الشر أی قل ماله و ناله الفقر و العدم. (ابن جریر، ج۲۳/ص:۲۶۷)

مسّه الخير أی كثر ماله و نال الغنى. (ابن جریر، ج۲۳/ص:۲۶۷)

الشر الفقر و المرض و نحوها...... الخير المال و الغنى و الصحة. (روح، ج۲۹/ص:۵۷)

۱۰ اور اس بنیادی عقیدۂ تصدیق آخرت سے اہل ایمان کے سارے اعمال طاعت کی شاخیں پھوٹتی رہتی ہیں۔

الذین...... دائمون۔ یعنی اپنی نمازوں کی پوری حفاظت و مداومت رکھتے ہیں، یہ نہیں کہ کبھی کبھار ان کی پابندی کر لی۔

عن عائشةؓ قالت كان أحب الصلاة إلىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ديم عليه. (جصاص، ج۳/ص:۴۶۸)

قيل المراد بذٰلك الذين إذا عملوا عملاً داوموا عليه وأثبتوه. (ابن کثیر، ج۴/ص:۳۸۱)

معنى دوامهم عليها أن لا يتركوها في شيئ من الأوقات. (کبیر، ج۴/ص:۱۱۴)

اور اگر دائمون کے مفہوم میں توسیع پیدا کر کے عبادتِ الٰہی یا عمل خیر مراد لی جائے تو اہل اللہ کے لیے یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت نظر آئے گی کہ وہ ہمہ وقت کسی نہ کسی طرح کی عبادت یا عمل خیر ہی میں لگے رہتے ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نمازیوں کا ھلوع یا بد ہمت نہ ہونا دلیل ہے اس کی کہ قوتِ قلب و تحمل شدائد میں نماز کو دخل عظیم ہے اور اس اثر کا مشاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۶۹۷)

مُّشۡفِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمۡ غَيۡرُ مَاۡمُوۡنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ

ڈرتے رہنے والے ہیں، بے شک ان کے پروردگار کا عذاب بے خوف رہنے والی چیز ہے بھی نہیں، اور جو لوگ کہ اپنی شرمگاہوں کو

حٰفِظُوۡنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ

محفوظ رکھنے والے ہیں، ہاں اگر اپنی بیویوں اور باندیوں سے حفاظت نہ کریں تو ان پر کوئی

مَلُوۡمِيۡنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيۡنَ

ملامت نہیں، البتہ جو اس کے علاوہ (شہوت رانی کا) طلبگار ہوا تو یہ لوگ حد (شرعی) سے نکل جانے والے ہیں [۱۱] اور جو

هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِشَهٰدٰتِهِمۡ

لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کو نگاہ میں رکھنے والے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں کے

فی......المحروم۔ طاعاتِ بدنی کا اجمالی ذکر ابھی نماز کے ضمن میں آچکا، طاعاتِ مالی کا ذکر اب آرہا ہے۔

حق معلوم۔ یعنی وہ حق جو شرعاً متعین ہے یا عقلاً مسلّم ہے۔

بندوں کے حق ادا کرنے شریعت نے واجب کردیے ہیں، کسی فرد کی محض مرضی پر نہیں چھوڑ دیے گئے ہیں۔

للسائل والمحروم۔ یعنی جس کا جو درجہ شریعت نے مقرر کردیا ہے بس اس کے مطابق وماتحت۔

محروم کی شرح میں کہا گیا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو کوئی ذریعۂ معاش نہ رکھتا ہو۔

[۱۱] ان سب آیتوں کے لیے ملاحظہ ہوں سورۂ مومنون کے ابتدائی حاشیے۔

لفروجھم حافظون۔ حافظون سے یہ اشارہ بھی نکل آیا کہ علاوہ زنا کے اس کے مبادی ومقدمات اور ان کی مماثل سب چیزیں بیویوں اور شرعی کنیزوں کے سوا کسی سے جائز نہیں۔

فمن......العادون۔ اس آیت نے یہ مسئلہ بھی صاف کردیا کہ بیویوں اور شرعی کنیزوں سے صحبت کے سوا اور جتنی صورتیں بھی شہوت رانی کی غیر شرعی اور غیر طبعی رائج ہیں، سب ہی ناجائز اور داخلِ عدوان ہیں۔

قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ

ادا کرنے والے ہیں ۱۲ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی پابندی رکھنے والے ہیں، تو یہی لوگ بہشتوں میں

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ

معزز ہوں گے ۱۳ تو (ان) کافروں کو کیا ہوا ہے کہ آپ پر دوڑے چلے آرہے ہیں داہنے سے اور

الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾

بائیں سے ٹولیاں بن کر ۱۴ کیا ان میں سے ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ آسایش کی جنت میں داخل کرلیا جائے گا؟

وهذه الآية تدل على حرمة المتعة ووطء الذكران والبهائم والاستمناء بالكف. (مدارك، ص: ١٢٨٠)

۱۲ (ٹھیک ٹھیک، بغیر کمی بیشی کے، بغیر کسی کی رُو رعایت کے، بغیر کسی دباؤ یا لالچ کا اثر لیے ہوئے)

لأماناتهم۔ یعنی ان امانتوں کا خیال رکھنے والے جو انھوں نے اپنی سپردگی میں لی ہیں ـــــ امانت کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، ہر قسم کی ذمہ داری اور ضمانتیں اس میں داخل ہیں۔

وعهدهم راعون۔ یعنی اُن عہدوں کو پورا کرنے والے جو وہ دوسروں سے کر چکے ہیں۔

حاصل یہ کہ اللہ کے نیک بندے یا مومنین عارفین وہ ہیں جو حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کی رعایتیں ملحوظ رکھتے ہیں اور عبادات ہی کی طرح اخلاق و معاملات کو جزو طاعات بنائے ہوئے ہیں۔

۱۳ محققین نے کہا ہے کہ اعمالِ حسنہ کی فہرست کو نماز کے ذکر سے شروع کرنا اور نماز ہی پر ختم کرنا دلیل ہے اس کی کہ اعمالِ طاعت میں نماز ہی کو مرتبہ خصوصی اور عظیم ترین اہمیت حاصل ہے۔

فافتتح الكلام بذكر الصلاة واختتمه بذكرها فدلّ على الاعتناء بها والتنويه بشرفها. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٣٨١)

مکرمون۔ اہل جنت کے لیے اس قسم کے اور بھی اوصاف کی تصریح قرآن مجید میں بار بار آئی ہے، اس نے اس حقیقت کو واضح اور مؤکد کر دیا ہے کہ اہل جنت کو ہر طرح کی راحت و لذت ہی نہیں حاصل ہے بلکہ وہ بڑے صاحب عزت بھی ہوں گے اور ان کا اعزاز و اکرام قدم قدم پر ہوتا رہے گا۔

۱۴ (ان مضامین و تعلیمات کی تصدیق کے لیے نہیں بلکہ اُلٹی ان کی تکذیب و تضحیک کے لیے)

كَلَّا ؕ إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

ہرگز نہیں، ہم نے انھیں پیدا کیا ہے اس چیز سے جس سے کہ وہ واقف ہی ہیں ۱۵؎ تو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی ۱۶؎

فمال الذین کفروا سے اشارہ اس طرف ہوگیا کہ کافر یہی حرکتیں موجباتِ سعادت وشقاوت کی پوری تحقیق ہونے کے بعد بھی کردے گا۔

۱۵؎ پھر بھی امکانِ بعث میں شک ہی کیے جاتے ہیں، اور ہماری قوت، قدرت وعظمت کو خیال میں نہیں لاتے۔

أیطمع۔ اس سے ادھر اشارہ ہوگیا کہ اپنی حماقت وسفاہت سے بیا پنے ہی کو حق پر سمجھے ہوئے اس خیالِ خام میں ہیں کہ مرنے کے بعد ان کے لیے چین ہی چین ہے۔

کلا۔ موجباتِ قہر وعذاب کے تحقق کے ساتھ عیش بعد الموت کیسے جمع ہوسکتا ہے!

ممایعلمون۔ یعنی منی یا نطفہ جیسی حقیر چیز سے۔

من منی. (ابن جریر، ج۲۳/ص:۲۸۲)

من نطفة. (کشاف، ج٤/ص:٦٠٢)

لیکن یہ ترکیب بھی جائز ہے کہ ما میں من غرض وغایت کے لیے ہو، اور وہ غرض ومقصد ہے نفس کی تکمیل ایمان واطاعت سے۔

والمعنى إنا خلقناهم من أجل ما يعلمون وهو تكميل النفس بالإيمان والطاعة. (روح، ج۲۹/ص:٦٥)

۱۶؎ (یعنی خود اپنی قسم)

اور قسم جیسا کہ اس تفسیر میں کئی بار آچکا ہے قرآن میں اظہارِ شہادت کے موقع پر آتی ہے — آگے ذکر قدرتِ کاملہ کا ہے، اس مناسبت سے یہاں اپنا ایک اسم وصفی لاکر یہ گویا اس وصف کو بطورِ شہادت پیش کیا ہے۔

المشارق جمع ہے المشرق کی اور المغارب جمع ہے المغرب کی۔

آفتاب کے طلوع وغروب کے نقطے جامد نہیں بلکہ سال بھر برابر بدلتے رہتے ہیں جیسا کہ

إِنَّا لَقَٰدِرُونَ ۝٤٠ عَلَىٰٓ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝٤١

کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اُن کی جگہ اُن سے بہتر لوگ لے آئیں گے اور ہم کچھ عاجز تو ہیں نہیں ۱۷

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا۟ وَيَلْعَبُوا۟ حَتَّىٰ يُلَٰقُوا۟ يَوْمَهُمُ ٱلَّذِى يُوعَدُونَ ۝٤٢

تو آپ ان کو (پڑا) رہنے دیجئے اس شغل و تفریح میں یہاں تک کہ اس دن سے سابقہ ہوجائے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ ٱلْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ۝٤٣

(یعنی) وہ دن جب وہ قبروں سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے کہ گویا وہ پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں

خَٰشِعَةً أَبْصَٰرُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذَٰلِكَ ٱلْيَوْمُ ٱلَّذِى كَانُوا۟ يُوعَدُونَ ۝٤٤

ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی، اُن پر ذلت چھارہی ہوگی، یہی ہے وہ دن جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا تھا ۱۸

ع ۸

فلکیات کے ہر ابجد شناس پر بھی واضح ہے۔ قرآن مجید نے صیغۂ جمع لاکر گویا یہ بتادیا کہ ہر ہر نقطۂ طلوع ایک مشرق اور ہر ہر نقطۂ غروب ایک مغرب ہے اور اس طرح اشارہ ایک فلکیاتی حقیقت کی طرف کردیا۔

دُنیا کی مختلف مشرک جاہلی قوموں نے مختلف سمتوں کے الگ الگ یا ملا ملا کر جو مختلف دیوتا یا ''لوک پال'' مشرق ومغرب کے یا شمال مشرق وجنوب مغرب وغیرہ کے تجویز کر رکھے ہیں، قرآن مجید نے بس ایک نام پروردگارِ عالم کے لیے رب المشارق والمغارب لاکران سارے خرافات ومہملات کی تردید کردی اور بتلادیا کہ ہر سمت وجہت کا مالک وہی ایک پروردگارِ برحق ہے۔

۱۷ خلاصۂ استدلال یہ ہے کہ جب ہم بالکل نئی مخلوق کے پیدا کردینے پر قادر ہیں جس میں صفاتِ کمال بھی تم سے زائد ہوں، تو تم کو دوبارہ پیدا کردینے میں کیا دشواری ہے؟

انا...... منھم۔ یعنی اس دُنیا میں ان سے بہتر مخلوق لادکھائیں۔

۱۸ (اور دُنیا میں یہ اس کی ہمیشہ تکذیب ہی کرتے رہے تھے)

فذرھم یخوضوا ویلعبوا۔ یعنی آپؐ ان بدمستوں اور غفلت میں پڑے رہنے والوں کے حق میں زیادہ غم وتردد میں نہ پڑیئے، یہ مراد نہیں کہ آپؐ ان پر تبلیغ بھی ترک کردیجئے۔

خوض ولعب۔ یہ دو فعل قرآن مجید میں بار بار ایک ساتھ آئے ہیں، اس سے دونوں کا

باہمی تعلق ظاہر ہے۔ عربی کا خوض اُردو کا خوض نہیں جو غور کے ساتھ عطف ہو کر آتا ہے بلکہ یہ وہ خوض ہے جس کے مفہوم میں بیہودگی بھی شامل ہے۔

وأكثر ما ورد فی القرآن ورد فی ما يُذمّ الشروع فيه. (راغب، ص:۱۷۹)

کأنهم ...... یوفضون۔ یعنی جس طرح دُنیا میں پجاری اپنے استھانوں کی طرف لپکتے ہوئے جاتے ہیں۔

نُصب کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ المائدۃ کے رکوع اول میں ذبح علی النصب کے ماتحت۔

خاشعة أبصارهم۔ یہ آنکھوں کا جھکا ہونا افراطِ خوف وندامت سے ہوگا۔

ترهقهم ذلة۔ اُردو محاورے میں ''ان کے چہروں پر پھٹکار برس رہی ہوگی''۔

(۷۱)

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ

سورۂ نوح مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ

ہم نے نوح کو بھیجا اُن کی قوم کے پاس کہ ڈراؤ اپنی قوم کو قبل اس کے کہ اُن پر عذاب

اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ

دردناک آپہنچے [1] انھوں نے کہا اے میری قوم! میں تمھارے لیے صاف صاف ڈرانے والا ہوں، (یہ پیام لاکر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو

[1] (اُن کے کفر وطغیان کی پاداش میں)

یہ عذاب الیم دُنیا میں بھی آسکتا ہے اور آخرت میں اس کا وقوع تو ظاہر ہی ہے۔

نوحؑ اور قوم نوح پر مفصل حاشیے سورۂ ہود (رکوع ۳، ۴) وغیرہ میں گزر چکے۔

نسل انسانی کا مستقل اور غیر منقطع سلسلہ حضرت نوحؑ ہی کے وقت سے چلا ہے، اور اس لیے آپؑ کی شخصیت تاریخ انبیاء میں ایک خاص اہمیت ومرکزیت رکھتی ہے۔

أن أنذر قومك۔ یعنی کفر وطغیان کے وبال وپاداش سے ڈرایئے۔

قومِ نوح ملک عراق میں آباد تھی اور اس وقت دُنیا کی آبادی کُل اتنی ہی تھی، اس لیے گو صراحۃً حکم آپ کو اہل عراق پر تبلیغ کامل رہا ہے لیکن معناً یہ حکم ساری آباد دُنیا پر تبلیغ کا ہے۔

من قبل ...... أليم۔ یعنی یہ لوگ اگر تمھارے انذار وتنبیہ کو قبول کرلیں اور اس سے متاثر ہوجائیں تو عذاب سے بچ جائیں گے۔

من قبل سے یہ مراد نہیں کہ پہلے انذار ہولے گا اور اس کے بعد عذاب نہیں آئے گا۔ قبل کے اس محل استعمال ومفہوم کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف کی آیت: قال فرعون آمنتم به قبل أن

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۳﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ

اور میرا کہنا مانو، وہ تمھارے گناہ معاف کردے گا اور تمھیں وقت مقرر تک مہلت دے گا

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ

بے شک اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجائے گا تو ٹلے گا نہیں، کاش تم جان لیتے! ۲ پھر نوح نے دُعا کی کہ پروردگار میں نے

آذن لکم، اور سورۃ الکہف کی آیت لنفد البحر قبل أن تنفد کلمات ربی۔

۲ یعنی جو حقائق میں بیان کررہا ہوں، کاش تم پر بھی روشن ہوگئے ہوتے!

أن اعبدوا اللّٰہ۔ یعنی پرستش صرف حق تعالیٰ کی کرو، اپنے سارے جھوٹے معبودوں ٹھاکروں اور مورتیوں کو ٹھکرا کر۔

واتقوہ۔ یعنی خوف اپنے دلوں میں صرف اس خدائے واحد کا جماؤ نہ کہ اپنے گڑھے ہوئے معبودوں کا۔

وأطیعون۔ پیمبر کی اطاعت عین اطاعتِ الٰہی ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار اور متعدد پیمبروں کی زبان سے ادا کرکے اُسے خوب مؤکد اور اس کی اہمیت کو خوب روشن کردیا ہے۔

أن......یؤخر۔ یعنی موتِ طبعی جو کفر وعدمِ ایمان کا ثمرہ ذرا سا بھی نہیں، وہ تو اپنے وقتِ مقرر پر بہر حال آکر رہے گی، لیکن عذاب جو ثمرہ ہے کفر اور عدمِ ایمان کا، اس سے البتہ ایمان لاکر تم محفوظ ہوجاؤ گے۔

أجل اللّٰہ۔ یا مطلق اجل وہ مقررہ گھڑی ہے جب بندے کی رُوح سفر ناسوتی طے کرکے اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوتی ہے اور وہ گھڑی اس بندے کے حق میں بہترین ہی ہوتی ہے۔ عین مقتضیاتِ رحمت وحکمت کے مطابق اور یہ وطن اصلی کی طرف واپسی کا قانون مطیع وسرکش، مسلم وکافر کے لیے یکساں اور قطعی ہے۔

من ذنوبکم میں من اگر بیانیہ ہے جیسا کہ متقدمین سدّی وغیرہ کا قول ہے جب تو آگے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، لیکن اگر تبعیضیہ ہے جیسا کہ اکثر نحوبین کا خیال ہے اور مراد صرف بعض کی مغفرت ہے تو اس پر مفصل بحث صاحب روح المعانی نے کی ہے، اہل علم وہیں ملاحظہ فرمالیں۔ (روح، ج۲۹/ص:۶۹-۷۰) عزالدین بن عبدالسلام نے بھی اپنی کتاب الفوائد من مشکل القرآن

دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّنَہَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّیۡ

اپنی قوم کو رات اور دن دعوت دی، سو میرے بلاوے نے ان کا گریز اور بڑھا ہی دیا ۳ اور ما میں نے

کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَاسۡتَغۡشَوۡا

جب بھی اُنھیں بلایا تاکہ آپ اُنھیں بخش دیں تو اُنھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور (اپنے اوپر) پُرانے

ثِیَابَہُمۡ وَاَصَرُّوۡا وَاسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُہُمۡ جِہَارًا ۙ﴿۸﴾

کپڑے لپیٹ لیے اور اَڑے رہے اور نہایت درجہ کا تکبر کیا ۴ پھر (بھی) میں نے ان کو باوازِ بلند بلایا

میں اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔

لو یہاں اِن کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔

لو بمعنی (إن) أی إن کنتم تعلمون. (قرطبی، ج ۱۸/ص: ۳۰۰)

۳ یہ سب عرض ومعروض آپؑ نے اس وقت کی ہے جب آپؑ ہر ممکن تبلیغ ودعوت اور صدہا سال کے تجربے کے بعد اپنی قوم کی طرف سے بالکل مایوس ہوچکے ہیں اور برابر یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ جتنی بھی کوشش آپؑ کی جانب سے اصلاح کی ہوتی رہی، اُدھر سے اور ضد، انکار واستکبار ہی بڑھتا گیا۔

۴ (قبولِ حق سے اور میری تعلیمات کی پذیرائی سے)

کلما دعوتھم ۔ یعنی جب جب اُنھیں مسلکِ توحید وراہِ ایمان کی دعوت دی۔

لتغفر لھم۔ یعنی تاکہ یہ ایمان لے آئیں اور مغفرت اس پر قدرۃً مرتب ہوجائے۔

جعلوا...... ثیابھم۔ یہ سب اُنھوں نے غایت نفرت وکراہت سے کیا۔ یعنی تاکہ نہ داعی حق کی آواز تک ان کے کانوں میں پڑے اور داعی حق کو نہ یہ خود دیکھیں اور نہ وہ ان کو دیکھ سکے!

واستغشوا ثیابھم۔ قدیم قوموں کا لباس، کوٹ، پینٹ، واسکٹ وغیرہ نہ تھا، خوب ڈھیلا ڈھالا ہوتا تھا، مثلاً: تہ بند، دھوتی، چادر وغیرہ کی قسم کا ـــــ ہند، یونان، رومہ وغیرہ کی قدیم قوموں کے لباس کی تصویریں آج بھی عجائب خانے وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں، اور قومِ نوح (اہل عراق) کا زمانہ تو ان بھی سے قدیم تر ہوا ہے۔

ثُمَّ إِنِّيٓ أَعۡلَنتُ لَهُمۡ وَأَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ إِسۡرَارٗا ﴿٩﴾ فَقُلۡتُ ٱسۡتَغۡفِرُواْ رَبَّكُمۡ

پھر میں نے ان کو علانیہ بھی سمجھایا اور بالکل خفیہ بھی سمجھایا ۵ پھر میں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو

إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارٗا ﴿١٠﴾ يُرۡسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيۡكُم مِّدۡرَارٗا ﴿١١﴾ وَيُمۡدِدۡكُم بِأَمۡوَٰلٖ

بے شک وہ ہے بھی بڑا مغفرت کرنے والا، وہ بارش تم پر کثرت سے بھیجے گا، اور تمھارے مال

وَبَنِينَ وَيَجۡعَل لَّكُمۡ جَنَّٰتٖ وَيَجۡعَل لَّكُمۡ أَنۡهَٰرٗا ﴿١٢﴾ مَّا لَكُمۡ لَا تَرۡجُونَ لِلَّهِ

واولاد میں ترقی دے گا، اور تمھارے لیے باغ لگا دے گا اور تمھارے لیے ندیاں بہا دے گا ۶ تمھیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کے

۵ (غرض یہ کہ تبلیغ ودعوت کے سارے ہی طریقے استعمال کر دیکھے)

إنّي دعوتهم جهاراً۔ یعنی میں نے پبلک تقریریں کیں، اور وعظ وخطابِ عام سے کام لیا۔

إني أعلنت لهم۔ یعنی میں نے خطابِ خاص سے کام لے کر افراد سے الگ الگ بھی کھلم کھلا گفتگو کی۔

وأسررت لهم إسراراً۔ یعنی بالکل نج اور تخلیہ کی صحبتوں میں بھی تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ اللہ کے برگزیدہ پیمبروں کا یہی حال اُمت کی شفقت میں رہتا ہے!

۶ یعنی میں نے یہ بھی کہہ کہہ کے دیکھ لیا کہ علاوہ نجاتِ اُخروی کے کہ وہ مقصودِ اصلی ہے، تمھیں دُنیوی فائدے بھی ایمان واستغفار سے حاصل ہو کر رہیں گے۔

استغفروا ربكم۔ یہ استغفار ظاہر ہے کہ ایمان کے بعد ہی اور ایمان کے ذریعے ہی سے حاصل ہو سکتا تھا۔

يرسل......أنهاراً۔ یہ آیت ایمان کی مادّی اور دُنیوی برکتوں کے بارے میں نص ہے۔

في هذه الآية دليل على أن الاستغفار يستنزل به الرزق والأمطار. (قرطبی، ج۱۸/ص:۳۰۲)

يرسل السمآء۔ السماء یہاں بارش کے معنی میں ہے۔

يُراد بالسحاب المطر. (کبیر، ج۳۰/ص:۱۲۳)

السماء السحاب أو المطر. (روح، ج۲۹/ص:۷۳)

مدراراً۔ لگا تار، موسلا دھار۔

وَّقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ

قائل نہیں ہو! حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا ہے ۱۷ کیا تم نے اس پر نظر نہیں کی اللہ نے کس طرح سات آسمان

متتابعاً. (ابن جرير، ج۲۳/ص:۲۹۳)

كثير الدر. (روح، ج۲۹/ص:۷۳)

إنّـه كان غفاراً۔ یعنی یہ نہیں کہ وہ تمھارے گناہ ابھی ہی بخش دے گا، بلکہ مغفرت و بخشش تو اس کی عادت وصفت ہی ہے اور کچھ آج سے نہیں، ہمیشہ ہی سے رہی ہے۔

كأنه يقول لا تظنوا أن غفاريته إنما حدثت الآن، بل هو أبداً هكذا كان، فكان هذا هو حرفته وصنعته. (كبير، ج۳۰/ص:۱۲۲)

دائم المغفرة. (روح، ج۲۹/ص:۷۲)

يـرسـل......مـدراراً۔ اس جز سے اس پر بھی روشنی پڑ گئی کہ ملکِ عراق اس وقت اصلاً ایک زرعی ملک تھا۔

ويمدد كم......أنهاراً۔ یہ نص ہے اس باب میں کہ دُنیوی فلاح و اقبال مندی (مال و اولاد کی کثرت، زمین کی شادابی اور زرخیزی) ہرگز کسی خدا پرستانہ نظامِ زندگی کے منافی نہیں۔

۱۷ (اور تمھیں تخلیق کی مختلف منزلوں سے گزار کے اس مقام تک پہنچایا)

مـالـكـم......وقـاراً۔ تم اگر اللہ کی عظمت کے قائل ہوتے تو اس کی توحید بھی تسلیم کر لیتے اور شرک و بت پرستی سے نفرت کرنے لگتے۔

وقار کے معنی عظمت ہی کے سمجھے گئے ہیں۔

والوقار......بمعنى العظمة. (روح، ج۲۹/ص:۷۳)

قد......أطواراً۔ طور کے معنی وہ مختلف حال اور دَور ہیں جن سے گزر کر انسان وجود میں آتا ہے۔

طوراً بعد طور أي تارة بعد تارة. (راغب، ص:۳۴۵)

الطورة التارة يعني حال بعد حال. (كبير، ج۳۰/ص:۱۲۴)

الطور التارة......يقال طوراً بعد طور، أي تارة بعد تارة. (تاج، ج۷/ص:۱۴۷)

أطوار سے مراد عام طور پر خلقتِ انسانی کے مختلف دور لیے گئے ہیں جو ہر فرد پر استقرارِ حمل

طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾

تہ بہ تہ پیدا کیے، اور ان میں چاند کو روشنی کی چیز بنایا، اور آفتاب کو چراغ (کی طرح روشن) بنایا ۸

وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ

اور اللہ نے تم کو زمین ہی سے ایک (خاص) طور پر اُگایا، پھر وہ تم کو اسی میں لے جائے گا اور (اسی سے) تمھیں

کے وقت اور حالت جنین سے لے کر اور پھر سنِ کہولت تک برابر گزرتے رہتے، اور ہر ایک کے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں۔ انسان کو توجہ دلائی گئی ہے کہ اس پر کیسے کیسے دَور ضعف و بے چارگی کے گزر چکے ہیں اور اس کے بعد اسے حالتِ کمال تک پہنچایا گیا ہے تو پھر کیوں نہ وہ خدائے حکیم اس کے انجام کو اس کے آغاز سے بہتر کرے گا!

اگر کوئی یہاں بجائے فرد کے ذکر نسل انسانی کا سمجھتا ہے تو پھر آیت کے تحت میں وہ دوسرے درجے اور مرحلے بھی آسکتے ہیں جن سے گزر کر بقول علمائے سائنس کے منزلِ انسانیت تک پہنچتی ہے تو لفظ أطواراً میں اس کی بھی گنجایش موجود ہے۔

۸ ان مخلوقات کا اعظم موجودات میں سے ہونا تو گویا ظاہر ہی ہے اور اُس سے اللہ کی قدرتِ کامل اور خلاقی پر استدلال بالکل صریح ہے۔ ضمناً یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ سماوات اور قمر اور شمس سب کے سب اللہ کے مخلوق اور محکوم ہی ہیں، اُن میں نہ کوئی دیوی ہے نہ دیوتا ہے اور نہ کوئی خود افریدہ ——— قوم نوح علاوہ دوسری مخلوق پرستیوں کے فلک پرستی، ماہتاب پرستی اور آفتاب پرستی میں بھی مبتلا تھی۔

جعل...... سراجاً۔ سورج بہ ذاتِ خود روشن ہے اور چاند اس کے عکس سے منور۔ اس فلکیاتی حقیقت کے اظہار کے لیے قرآن دو لفظ الگ الگ لایا ہے۔

ولعل فی تشبیهها بالسراج القائم ضیاء ه لا بطریق الانعكاس رمزاً إلى أن ضیاء ها لیس منعكساً إلیها من كوكب آخر كما أن نور القمر منعكس علیه من الشمس.

(روح، ج۲۹/ص:۷۵)

سراجاً۔ لفظ کی تنوین چراغ کی بڑائی کے اظہار کے لیے ہے۔

وتنوینه للتعظیم. (روح، ج۲۹/ص:۷۵)

إِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا

باہر لائے گا اور اللہ نے زمین کو تمھارے لیے فرش بنادیا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں

فِجَاجًا ﴿٢٠﴾ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ

چلو پھرو ۹ نوح نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور پیروی ایسوں کی کی جن کے مال

سبع سماوات۔ سبع اور سماوات دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔

طباق۔ طباق میں علاوہ تہ بہ تہ ہونے کے ایک مفہوم موافقت یا یکسانی کا بھی پایا جاتا ہے۔

يستعمل الطباق في الشيئ الذي يكون فوق الآخر تارة فيما يوافق. (راغب، ص:۳۳۸)

۹ یہاں گویا یہ ارشاد ہے کہ نہ شجر پرستی کوئی مغز و معنی رکھتی ہے اور نہ دھرتی مائی کوئی دیوی ہیں۔ زمین اور جو کچھ زمین پر ہے وہ سب تو خود ہی انسان اور اس کی ضروریات میں صرف ہونے کے لیے خلق ہوا ہے۔

أنبتكم۔ انبات کا اطلاق نباتات، حیوانات، انسان سب ہی کی آفرینش پر ہوتا ہے۔

النبات يستعمل في كل نام نباتاً كان أو حيواناً أو إنساناً، والإنبات يستعمل في كل ذلك. (راغب، ص:۵۳۵)

انسان کے لیے لفظ انبات لانے سے اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی ہوگیا کہ افرادِ انسانی بھی مٹی ہی سے نباتات کی طرح پیدا ہوئے ہیں، گو اس میں اوصاف زائد ہوں۔

أن الإنسان هو من وجهٍ نباتٌ من حيث أن بدأه ونشأه من التراب. (راغب، ص:۵۳۵)

لغت کی تصریحات ابھی گزر چکیں، مفسرین کی زبان میں انبات اس لیے لایا گیا ہے کہ انسان کی ترکیب میں غالب عنصر اجزائے ارض ہی کے ہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ فعل انبات کا انتساب آدم و بنی آدم کے لیے بطور مجاز و استعارہ ہے۔

استعير الإنبات للإنشاء. (كشاف، ج٤/ص:٦٠٦)

استعير الانبات للإنشاء لكونه أدل على الحدوث والتكون من الأرض لكونه محسوساً. (روح، ج٢٩/ص:٧٥)

ع ۱/۹

ایک مسلمان سائنس داں نے کہا ہے کہ لفظ نبات سے اشارہ اس طرف نکل رہا ہے کہ نوعِ انسانی تدریجاً اور درجہ بہ درجہ ظہور میں آئی ہے اور یک بیک نہیں نکل پڑی ہے۔ اور ایک راسخ الایمان سائنس داں نے کہا ہے کہ دونوں آیتوں میں لفظ کم سے مراد نوعِ انسانی ہے اور اس کے لیے مختلف مرحلوں سے گزرنے اور پیدا ہونے (أطواراً) اور بڑھتے رہنے (نشو) اور اُگنے (نبت) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

اصل اور بڑی بات یہ ہے کہ آیت میں جو تین فعل آئے ہیں یعنی انبات (روئیدگی) اور اعادہ (واپسی) اور ازسرنوظہور (اخراج) ان تینوں کا انتساب اللہ ہی کی جانب کیا گیا ہے ــــــ ارادۂ انسانی کو دخل ان میں کسی مرتبہ میں بھی نہیں۔

جعل لکم الأرض بساطاً۔ انسان کے حق میں زمین کے فرش ہونے کا ذکر جواب تک بار بار قرآن مجید میں آچکا ہے اس سے مراد وہی ہے جو شروع قرآن میں الذی جعل لکم الأرض فراشاً کے تحت میں بیان ہو چکا ہے۔ زمین کی ہیئت جغرافیائی یعنی اس کی کرویت سے استدلال فراش یا بساط سے کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

رُوح المعانی نے جو آج سے تقریباً سوا سو برس قبل کے ایک مشہور عراقی فاضل کی تصنیف ہے، اس کے مصنف کا بیان ہے۔

......ولیس فیہ دلالة علی أن الأرض مبسوطة غیر کریة. (روح، ج۲۹/ص:۷۶)

اور پھر اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے کہ یہ تو ایک علمی و سائنسی مسئلہ ہے، اس کو شریعت سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔

اور ایسے ہر موقع پر جعل لکم کی جو قید لگی رہتی ہے یہ بھی معنی خیز ہے، زمین کی بجائے خود کنہ وحقیقت کیا ہے اور اس کے وجود کی غرض وغایت کیا؟ ان جھمیلوں میں انسان کو ڈالا ہی نہیں گیا ہے۔ اس کے کام کی بات صرف اتنی بتادی ہے کہ وہ اس کے لیے ایک فرش ہے۔

یعید کم۔ یعنی بعد موت جسم انسانی کے اجزائے ارض پر اسی زمین میں مل جائیں گے ــــــ انسان اگر اپنے جسم کا یہ انجام مستحضر رکھے تو اس کی تزئین وآرائش پر اتنا غیر معمولی اہتمام ہی کیوں رکھے!

وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ

واولاد نے انھیں نقصان ہی زیادہ پہنچایا ۱۰ اور بڑی ہی چالیں انھوں نے چل ڈالیں ۱۱ اور انھوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا

لتسلکوا...... فجاجاً۔ زمین پر چلنا پھرنا، اس پر سفر کرنا، اس پر راستے سڑکیں بنانا موقوف ہی ہے زمین کے فرش ہونے پر، اور قرآن مجید نے بار بار اس کا تعارف اس کی فرشیت ہی کے لحاظ سے کرایا ہے، جب وہ چپٹی مانی جاتی تھی تب اور جب اس کا گول ہونا مسلّم ہو چکا ہے، اس کی فرشیت ہر حال میں مُسلّم ہے۔

۱۰ یعنی بجائے میری پیروی کے اپنی قوم کے امیروں، سرداروں ہی کی پیروی کرتے رہے، اور ان کی کثرتِ مال ودولت، جاہ وثروت سب ان کے حق میں وبال رہی اور ان کی مزید غفلت وطغیان ہی کا سبب بنی رہی۔

محققین نے کہا ہے کہ کوئی نعمت کافر کے حق میں نعمت ہی نہیں، ہر نعمت اس کے لیے ایک سببِ عذاب ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔

واستدل بهذه الآية من قال إنه ليس لله على الكافر نعمة لأن هذه النعم استدراجات ووسائل إلى العذاب الأبدى فكانت كالعدم. (كبير، ج ۳۰/ص: ۱۲٦)

۱۱ یعنی دینِ توحید کو مٹانے اور اس سے مقابلے کے خوب خوب منصوبے باندھے، اور شرک وجاہلیت کی حمایت ونصرت کے لیے خوب خوب اسکیمیں بنائیں اور اُن پر عمل بھی جی بھر کر، کر دیکھا۔

ومکروا۔ یہ جوڑ توڑ کرنے والے وہی سردارانِ قوم تھے، جن کی پیروی عوام کرتے تھے۔

والماكرون هم الرؤساء. (مدارك، ص: ۱۲۸٤)

مکراً کباراً۔ کبّار تو مبالغہ کے لیے ہے ہی، خود مکراً کا صیغۂ نکرہ زیادتی کے معنی دیتا ہے اور اس طرح مفہوم عظیم ترین مکر کا پیدا ہو گیا۔

والتنوين فى مكراً للتفخيم، زاد أمر المبالغة فى مكرهم أى كبيراً فى الغاية.

(روح، ج ۲۹/ص: ۷٦)

اور یہ عظیم ترین مکر، توحید کی مخالفت اور شرک کی حمایت میں تھا۔

وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾

اور نہ وَدّ کو چھوڑنا اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر (غرض کسی کو بھی) نہ چھوڑنا [۱۲]

یہیں سے متکلمین نے یہ نکالا ہے کہ حمایتِ توحید ورد شرک کا جو علم، علم کلام کے نام سے ہے وہ افضل ترین علوم میں سے ہے۔

واستدل بهذا من فضل علم الكلام على سائر العلوم. (كبير، ج ۳۰/۱۲٦)

۱۲ یہ سب نام قوم نوحؑ کے اہم ترین دیوتاؤں کے ہیں، اور انھیں کی مورتیں ملک میں پُجتی رہتی تھیں، ان کے ناموں کی تصریح کی ضرورت شاید اس لحاظ سے بھی تھی کہ عین نزولِ قرآن کے زمانے تک ان کی پرستش عرب واطرافِ عرب میں جاری تھی۔

قالوا۔ یعنی سرداران قوم نے یہ اپنی پیروی کرنے والوں اور عوام سے کہا۔

أى الرؤساء لسفلتهم. (مدارك، ص: ۱۲۸۵)

ودّا۔ یہ دیوتا قوتِ مردانہ اور محبت وعشق کا تھا، اس کی مورتی قوی ہیکل مرد کی شکل میں تھی، اہل عرب اس سے خوب مانوس تھے اور اس کی پوجا شمال عرب میں جاری تھی ـــــ کثرت سے لوگوں کا نام عرب میں عبد ودہوا ہے۔

کلبی کی کتاب الاصنام میں ہے:۔

واتخذت كلب وداً بدومة الجندل. (الأصنام، ص: ۱۰)

"بنی کلب نے وَدّ کی پوجا دومۃ الجندل میں شروع کی۔"

سُواعاً۔ یہ دیوتا حسن ومحبوبی کا تھا، اس کی مورتی حسین عورت کی شکل میں تھی، اس کی پوجا قبیلۂ ہذیل میں ہوتی تھی۔

کلبی کی کتاب الاصنام میں ہے:

وكان أوّل من اتخذ تلك الأصنام هذيل بن مدركة، اتخذوا سواعاً وكانت سدنته بنولحيان. (الأصنام، ص: ۹-۱۰)

"جس نے اس بت پرستی کی ابتدا کی وہ ہذیل بن مدرکہ تھا۔ ان لوگوں نے سواع کی پرستش شروع کی اور اس کے مجاور بنی لحیان تھے۔"

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝۲۴ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا

اوران لوگوں نے بہتوں کوگمراہ کیا ہےتوتوان ظالموں کی گمراہی کواور بڑھادے ۱۳۱ چنانچہ اپنے انھیں گناہوں کے باعث وہ غرق کردیے گئے

یغوث۔ یہ دیوتا جسمانی قوت وطاقت کا تھا، اس کی مورتی شیر اور بیل کی شکل میں تھی۔ اس کی پوجا کا رواج جنوب یعنی یمن میں تھا، اور یہ نام عبد یغوث شمالی ومشرقی عرب میں پایا جاتا تھا۔

کلبی کی کتاب الاصنام میں ہے:۔

اتخذت يغوث بني مذحج وأهل جُرَش. (الأصنام، ص: ۱۰)

مذحج اور اہل جُرَش نے یغوث کا بُت اختیار کیا۔

یعوق۔ یہ دیوتا تیز رفتاری، دوڑ بھاگ کا تھا، اس کی مورتی گھوڑے کی شکل کی ہوتی تھی اور اس کی پوجا بھی یمن میں پائی گئی ہے۔

کلبی کی کتاب الاصنام میں ہے:۔

واتخذت خَيْوان يَعُوق، فكان بقرية لهم يقال لها خَيْوان من صنعاء على ليلتين. (الأصنام، ص: ۱۰)

"خیوان والوں نے یعوق کی پرستش اختیار کی اور خیوان ایک مقام ہے صنعاء سے دو راتوں کی مسافت پر۔"

نسراً۔ یہ دُور بینی اور حدت نظر کا دیوتا تھا، اس کی مورتی باز یا عقاب کی شکل کی تھی (ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی) اس کی پرستش قبیلۂ حمیر میں رائج تھی۔

کلبی کی کتاب الاصنام میں ہے:۔

اتخذت حميراً نسراً. (الأصنام، ص: ۱۰)

"حمیر والوں نے نسر کی پوجا اختیار کی۔"

۱۳۱ (تاکہ یہ لوگ مستحق ہلاکت ہوجائیں)

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مقصود ضلال میں زیادتی نہیں، بلکہ استحقاق ہلاکت تھا۔

(تھانوی، ج۲/ص: ۷۰۳)

فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ

پھر وہ آگ میں پہنچ گئے اور اللہ کے مقابل انھیں کوئی بھی حمایتی میسر نہ ہوا ۱۴ اور نوح نے یہ بھی عرض کی

وقد أضلوا كثيراً۔ یعنی یہ لوگ خود ہی گمراہ نہیں ہیں، بلکہ بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کر چکے ہیں۔

حضرت نوحؑ نے یہ دُعا ان کی عذاب و ہلاکت کی اس وقت فرمائی، جب آپ کو خود وحی الٰہی ان کافروں کے عدم قبولِ ایمان سے مطلع کر چکی تھی ——— ملاحظہ ہو سورۂ ہود، رکوع ۴ کی آیت لن يؤمن من قومك إلا من قد آمن.

الظلمين۔ ظالمین کا یہاں کافرین کے معنی میں ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۱۴ قوم نوح کی غرقابی اور طوفانِ نوح پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ سورۂ یونس رکوع ۸، سورۂ ہود رکوع ۴ میں۔

فأدخلوا ناراً۔ یعنی غرق ہوتے ہی عذابِ قبر میں جھونک دیے گئے ——— آیت سے استدلال کیا گیا ہے عذابِ قبر کے وقوع پر اور عالمِ برزخ کے وجود پر۔

تمسك أصحابنا في إثبات عذاب القبر. (کبیر، ج ۳۰/ص:۱۲۹)

عذبوا بالإحراق عقيب الإغراق فيكون دليلاً على إثبات عذاب القبر. (مدارك، ص:۱۲۸۵)

هي نار البرزخ والمراد عذاب القبر. (روح، ج ۲۹/ص:۷۹)

ناراً۔ ناراً کا صیغۂ نکرہ ممکن ہے کہ نار کی شدت وحدت کے اظہار کے لیے ہو۔

وتنكير النار إما لتعظيمها وتهويلها. (روح، ج ۲۹/ص:۷۹)

مما صلۂ تاکید یہ ہے۔

صلة مؤكدة. (قرطبی، ج ۱۸/ص:۳۱۰)

من۔ من یہاں سببیہ ہے۔

أي من أجلها وبسببها. (کبیر، ج ۳۰/ص:۳۱۰)

قال الفراء المعنى من أجل خطاياهم. (قرطبی، ج ۱۸/ص:۳۱۰)

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ

کہ اے میرے پروردگار زمین پر کافروں میں سے ایک ایک باشندہ بھی جیتا نہ چھوڑیئے، اگر تو انھیں رہنے دے گا

يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ ہی کرتے رہیں گے ۱۵ ان کی محض کافر و فاجر ہی اولاد پیدا ہوتی رہے گی ۱۶

فلم...... أنصاراً۔ ان کے دیوتا، ان کی دیویاں، ان کی مورتیاں کوئی بھی انھیں عذابِ الٰہی سے پناہ نہ دے سکیں گی۔

۱۵ کہ ان سب پر آپ کی حجت پوری ہو چکی ہے، اور یہ سب کے سب آپ کے مکذب ہیں۔

علی الأرض۔ أرض سے مراد ارضِ عراق ہے ـــــ زمین پر انسانی آبادی اس وقت کل اسی علاقے میں تھی۔

اس لیے جس نے یہ کہا کہ طوفانِ نوح سے صرف قوم نوح غرق ہوئی، اس نے بھی ٹھیک کہا اور جس نے یہ کہا کہ اس میں ساری انسانی آبادی (بجز چند نفوس کے جو کشتی نوح میں تھے) غرق ہو گئے، اُس نے بھی ٹھیک ہی کہا۔

۱۶ (جیسا کہ آپ کا تجربہ و مشاہدہ ثابت کر رہا ہے)

حضرت نوحؑ کو اپنی طویل العمری کی بنا پر خوب تجربہ اپنی قوم و وطن والوں کی سرشت و اُفتادِ مزاج کا ہو چکا تھا۔ اُن کے سے صاحبِ بصیرت و معرفت کی زبان سے ایسے حکم کا نکلنا یوں بھی کچھ زیادہ عجیب نہیں اور پھر آپؑ تو صاحبِ وحی تھے، اس بارے میں آپؑ کو تو عین وحی الٰہی سے علم ہو گیا تھا کہ اب ان لوگوں میں سے کسی کے نصیب میں ایمان لانا نہیں۔

وأوحي إلى نوح أنه لن يؤمن من قومك إلا من قد آمن. (روح، ج۲۹/ص:۸۰)

وقد علم كل ذلك بوحي. (روح، ج۲۹/ص:۸۰)

فإن قيل كيف عرف النوح عليه السلام ذلك؟ قلنا للنص والاستقراء. (كبير، ج۳۰/ص:۱۳۰)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس طرح کی دُعا غیر صاحبِ وحی کے لیے جائز نہیں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۱۰۷)

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ

اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو کوئی میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہو اور کل ایمان والوں

وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

اور ایمان والیوں کو، اور ان ظالموں کی ہلاکت تو بڑھاتا ہی رہے ۱۷

۱۷ (کہ ان کی نجات کی کوئی صورت ہی نہیں، اور عذاب کا پورا تحقق ان پر ہو جائے)

رب اغفرلی۔ یہ پیمبر برحق، دعائے مغفرت خود اپنے حق تک میں کر رہے ہیں۔ اللہ اللہ ان کے بعد اب کون بندہ طلب مغفرت سے بے نیاز ہو سکتا ہے!

رب......المؤمنات۔ اس دعائے نوحؑ میں ترتیبِ دُعا قابل غور و سبق آموز ہے۔ سب سے پہلے ذرا اپنے حق (اغفرلی) میں، اس کے بعد اپنے والدین کے لیے (ولوالدیّ)، پھر اپنے متعلقین ومومنین کے لیے (ولمن دخل بیتی مومناً) اور پھر سارے اہل ایمان کے لیے (وللمؤمنین وللمؤمنات)۔

حق تعالیٰ اپنے اس پیمبرِ مقبول کی دعا کی برکت سے ہم سب کو بھی مغفورین میں شامل کر لے۔

(۷۲)

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ

سورۂ جن مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا

آپ کہیے کہ میرے پاس وحی آئی اس بات کی کہ جنات میں سے ایک ٹولی نے قرآن سنا، پھر انھوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب

عَجَبًا ۞ يَّهْدِيْٓ إِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ أَحَدًا ۞

قرآن سنا ہے[۱] جو راہِ راست بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کا شریک کسی کو نہ بنائیں گے

[۱] (اور ایسا عجیب کہ مخلوق کے کلام میں تو اس کی نظیر ملتی نہیں)

فقالوا۔ یعنی یہ ان جنات نے واپس آ کر اپنی قوم والوں سے ذکر کیا۔

قرآناً میں تنوین اظہارِ عظمت کے لیے ہے، یعنی ایسا عظیم الشان۔

والتنوين للتفخيم أي قرآناً جليل الشأن. (روح، ج۲۹/ص:۸۳)

عجباً۔ مصدر ہے جو یہاں بجائے عجیب کے استعمال ہوا ہے اور اس سے کہیں زیادہ زوردار ہے یعنی ایسا قرآن جس کا کوئی مثیل و نظیر موجود نہیں۔

وهو مصدر وصف به للمبالغة. (بيضاوى، ج٥/ص:١٥٤)

أى مبالغة. (كشاف، ج٤/ص:٦١٠)

مصدر يوضع موضع العجيب ولاشك أنه أبلغ من العجيب. (كبير، ج٣٠/ص:١٣٦)

نفر من الجن ۔ نفر ایک چھوٹی سی جماعت یا ٹولی کو کہتے ہیں جس کے افراد کی تعداد تین اور دس کے درمیان ہو۔

أى جماعة منهم بين الثلاثة إلى العشر. (كشاف، ج٤/ص:٦١٠)

النفر في المشهور ما بين الثلاثة و العشر. (روح، ج٢٩/ص:٨٢)

من الجن ـ اُنیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں وجودِ جنات پر جو سرگرم بحثیں ہوئی ہیں اوران کے وجودِ خارجی سے جوانکار کیا گیا ہے، اس سے قطع نظر قدماء میں بھی ان کے وجود کے اثباتِ زمینی پر بڑی قیل قال ہوئی ہے اورابن سینا کی طرح اکثر فلاسفہ نے انکار ہی کا پہلو اختیار کیا ہے، چنانچہ تفسیر کبیر میں اس پر بڑی لمبی بحث دیکھی جاسکتی ہے اوروہ شروع اس فقرے سے ہوتی ہے۔

اختلف الناس قديماً وحديثاً في ثبوت الجن ونفيه...... الظاهر عن أكثر الفلاسفة إنكاره. (كبير، ج٣٠/ص:١٣١)

”زمانۂ قدیم وحال دونوں میں اس پر بڑا اختلاف رہا ہے کہ جنات کا وجود ہے بھی یا نہیں؟ سو اکثر فلاسفہ سے قول انکار ہی نقل ہوا ہے۔“

لیکن بہرحال جمہور اوردینی طبقے میں ان کا وجود تسلیم ہی کیا گیا ہے۔

......والمصدقين للأنبياء فقد اعترفوا بوجود الجن. (كبير، ج٣٠/ص:١٣١)

اوراس تفسیر کے بھی سورۂ احقاف کے رکوع ۴ میں اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو آچکی ہے۔

أوحي إليّ أنه۔ ان الفاظ سے استنباط یہ کیا گیا ہے کہ جب تک وحی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع نہیں کیا گیا، آپ کو خود بھی کوئی علم جنات کے سماعِ قرآن کا نہ تھا۔

وما كان عليه السلام عالماً به قبل أن أوحي إليه، هكذا قال ابن عباس وغيره (قرطبی، ج١٩/ص:١)

أنه استمع ـ ان الفاظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ان جنات کو دیکھا نہ تھا، جنات نے محض قرآن پڑھتے آپ کو سن لیا تھا۔

واختلف هل رآهم النبى صلى الله عليه وسلم أم لا؟ فظاهر القرآن يدل على أنه لم يرهم. (قرطبی، ج١٩/ص:١)

صحیح مسلم وترمذی میں ایک لمبی روایت ابن عباس سے نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابیوں کے ساتھ ایک بار سفر میں تھے، سوقِ عکاظ کے راستے میں ایک رات درختوں کے نیچے نماز پڑھ

وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ

اور ہمارے پروردگار کی شان بڑی ہے، اس نے کسی کو نہ بی بی بنایا نہ بیٹا ۲ اور ہم میں جو

رہے تھے کہ جنوں کو آسمانی خبریں پہنچنا بند ہوگئی، اس پر انھوں نے ساری دُنیا کا گشت لگا ڈالا کہ کہیں کوئی نئی بات ہوئی ضرور ہے جس نے ہمارے آسمانی راستے میں روک پیدا کر دی ہے، یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گئے اور نماز میں آپ کو قرآن پڑھتے ہوئے سن لیا ـــــ اس حدیث میں جو صحیح درجہ کی ہے یہ نکلتا ہے کہ جنات بھی اس ہوائی سفر میں شیطانوں کے ساتھ تھے اور آپ کی نظر اُن پر نہیں پڑی تھی۔

......على أنه عليه السلام لم ير الجنّ لكنهم حضروه، وسمعوا قراء ته. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲)

اور ابن عباسؓ کی روایت یہی ہے کہ آپ نے جنات کو نہیں دیکھا۔

اختلف الروايات في أنه عليه الصلاة والسلام هل رأى الجن أم لا؟ فالقول الأول هو مذهب ابن عباس أنه عليه السلام ما رآهم. (كبير، ج۳۰/ص:۱۳٤)

یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا، اس کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الاحقاف کی آیت ۲۹ کا حاشیہ۔

۲ (جیسا کہ مشرک جاہلی قوموں نے فرض کر رکھا ہے)

ولن......أحداً۔ یہ اس ایمان لانے کی تفسیر و تتمیم ہے۔

آیت سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کا ایمان کا جوہر یا جزءِ اعظم بھی عقیدۂ توحید ہے۔

يهدي إلى الرشد۔ یہ اس عجباً کی تشریح ہے جسے وہ ابھی کہہ چکے ہیں ــــــ یعنی وہ عجیب و غریب کتاب کوئی قصہ کہانی، لطائف و ظرائف، تاریخ و ریاضی، فلسفہ و سائنس کی نہیں، راہِ ہدایت دکھانے والی اور اس کی تاثیر کے لحاظ سے عجیب و غریب ہے۔

ما اتّخذ ......ولداً۔ جو لوگ اپنی خوش قسمتی سے مسلمان کے گھر میں پیدا ہو گئے ہیں اُنھیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہوسکتا ہے، دیوتاؤں کے ساتھ ان کی بیبیوں، بیٹیوں، بیٹوں کا دُم چھلا عملاً ساری ہی مہذب جاہلی قوموں میں رہا کیا ہے۔ مصر، عراق، ہند، یونان، رومہ، وغیرہ سب اپنے اپنے زمانے میں علوم و فنون، تہذیب و ثقافت کی خزانہ دار رہ چکی ہیں، اور ساتھ ہی دیو مالائی افسانے کس شدت کے ساتھ ان کے دماغی سرمایے کے جزء لاینفک رہ چکے ہیں، اور جس دین نے الوہیت کو زوج و ولد کے تصور سے بالکل الگ رکھا وہ اس حد تک شرک کی آمیزش سے بھی پاک تھا۔

سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ

احمق ہوئے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے ہیں، اور ہمارا خیال تو یہ تھا کہ انسان اور جنات

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ

کبھی اللہ کی شان میں جھوٹ بات نہ کہیں گے [۳] اور انسانوں میں (بہت سے) لوگ ایسے ہیں جو جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ

مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ

لیا کرتے ہیں سو انھوں نے ان (جنات) کی نخوت اور بڑھا دی [۴] اور اُنھوں (انسانوں) نے بھی گمان کر رکھا تھا جیسا کہ تم نے گمان کر رکھا

[۳] چہ جائے کہ جھوٹ بھی ایسا بے باکانہ یعنی شرک، جس سے بڑھ کر کوئی اور بدتر جھوٹ خیال میں بھی نہیں آسکتا۔

شططاً۔ سب سے بڑھ کر سفاہت یہ کہ توحید کے سے صاف اور صریح مسئلے کے بھی منکر ہو گئے۔

شطط کے لفظی معنی غایتِ بُعد کے ہیں۔

الإفراط فی البُعد. (راغبؔ، ص:۲۹۲)

یہاں مراد حق سے غایت بُعد ہے۔

أی قولاً بعیداً عن الحق. (راغب، ص:۲۹۳)

لفرط بعده من الحق. (روح، ج۲۹/ص:۸۵)

یقول سفیهنا۔ یعنی ایسی نامعقول بات کوئی سفیہ (بے وقوف) ہی اپنی زبان سے نکال سکتا ہے۔ سفیہ بطور اسم جنس کے آیا ہے یعنی سفیہ لوگ۔

والإضافة للجنس والمراد سفهاؤنا. (روح، ج۲۹/ص:۸۵)

[۴] (اور یہ جنات اپنے دل میں کمالِ حماقت سے یہ خیال کرنے لگے کہ ہم بھی کوئی چیز ہیں جبھی تو انسان ہماری اتنی قدر و عظمت کرتا ہے)

رجال......الجن۔ دیو، پری، بھوت پریت، چڑیل وغیرہ کے عقیدے ایران و ہندوستان کے دفتر خرافات بھرے پڑے ہوئے ہیں، جنات کے قصے اسی طرح عرب میں گھر گھر پھیلے ہوئے تھے اور عرب جاہلیت کی ایک عام عادت یہ تھی کہ مسافر یا سیاح کسی نئے مقام پر پہنچتا تو اپنے آپ کو

اَنۡ لَّنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا ۝۷ وَّ اَنَّا لَمَسۡنَا السَّمَآءَ فَوَجَدۡنٰہَا مُلِئَتۡ حَرَسًا

کہ اللہ کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا اور ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہی تو ہم نے اسے شدید پہرے

شَدِیۡدًا وَّ شُہُبًا ۝۸ وَّ اَنَّا کُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡہَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ یَّسۡتَمِعِ

اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا، اور ہم آسمان کے موقعوں پر جا بیٹھا کرتے تھے (خبریں) سننے کے لیے، سو کوئی جواب سننا

وہاں کے سردار جنات کی حفاظت میں سونپ دیتا تھا۔

وکان الرجل من العرب إذا نزل بمخوف من الأرض قال أعوذ بسيّد هذا الوادی من سفهاء قومه، یرید کبیر الجن. (مدارك،ص:۱۲۸۸)

کان الرجل من العرب إذا أمسى فی واد قفر، وخاف علىٰ نفسه نادىٰ بأعلىٰ صوته: یا عزیز هذا الوادی أعوذبك من السفهاء الذین فی طاعتك یرید الجن و کبیرهم. (روح،ج۲۹/ص:۸۵)

اور انسانوں کی اسی عادت نے جنات کے زعم و پندار میں اور اضافہ کر دیا تھا۔

فإذا سمعوا بذلك واستكبروا وقالوا سدنا الجن والإنس. (روح،ج۲۹/ص:۸۵)

رجال من الجن ۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ رجل کا اطلاق انس ہی پر ہوتا ہے جن پر نہیں ہوتا۔

الرجل اسم الإنس لااسم الجن. (کبیر،ج۳۰/ص:۱۳۸)

لیکن صاحب کبیر نے اس قول کی تضعیف کر دی ہے اور کہا ہے کہ یہ قول بلا دلیل ہے۔

وهذا ضعیف فإنه لم یقم دلیل علىٰ أن الذکر من الجن لا یسمىٰ رجلاً. (کبیر،ج۳۰/ص:۱۳۸)

فزادوهم رهقاً ۔ یعنی ان پناہ مانگنے والے انسانوں نے جنات کا غرور اور بڑھا دیا۔

أی تکبراً وعتواً. (روح،ج۲۹/ص:۸۵)

قال أبو عبیدة أی سفهاً وطغیاناً. (جوهری،ج٤/ص:۱٤۸۷)

ہماری ملت کے "عامل" حضرات، عمل حاضرات کے عامل و شاغل جو اپنے نقش گنڈے، فلیتے وغیرہ میں اب بھی جنات اور مؤکلوں سے استمداد کرتے رہتے ہیں، ذرا اس قسم کی آیتوں کو توجہ سے پڑھ لیں!

الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ

چاہتا ہے اپنے لیے ایک تیار شعلہ پاتا ہے ۵ اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے

۵ فضائے آسمانی کے آتشیں تیروں اور گرزوں اور شہاب ثاقب پر حاشیے گزر چکے ہیں، سورۂ صافات (رکوع:۱) کے ذیل میں۔

الآن۔ اب یعنی نزولِ قرآن اور ظہورِ محمدیؐ کے بعد۔

فوجدناھا......شھباً۔ یعنی اب دفع التباس کے لیے باب کہانت بالکل بند ہوگیا ہے۔

وجدناھا۔ فعل وجد یاد رہے کہ افعالِ قلوب سے ہے جس کا تعلق نفس واقعہ سے ہونا لازمی نہیں، صرف اپنے متکلم کے وجدان سے ہونا ضروری ہے۔

لمسنا السماء۔لمس کا مفہوم صرف ہاتھ سے چھونے تک محدود نہیں، کبھی وہاں تک پہنچنے، وہاں والوں کی گفتگو سننے یا وہاں کی خبریں حاصل کرنے سے ہوتا ہے۔

يعبّر به عن الطلب. (راغب، ص:۵۰۹)

اور یہاں یہی مقصود ہے۔

والمعنى طلبنا بلوغ السماء واستماع كلام أهلها. (كشاف، ج٤/ص:٦١٢، مدارك، ص:١٢٨٨)

طلبنا بلوغ السماء أو خبرها. (بيضاوى، ج٥/ص:١٥٤)

أى طلبنا خبرها. (قرطبى، ج١٩/ص:١١)

ابن درید لغوی نے کہا ہے کہ لمس کے اصل معنی تو ہاتھ سے چھونے کے ہیں، لیکن کثرتِ استعمال سے اس کے معنی عام ہوگئے ہیں، لمس، طلب کے معنی میں ہوگیا۔

قال ابن دريد أصل اللمس باليد ليعرف مسّ الشيئ، ثم كثر ذلك حتى صار اللمس لكل طالب، ولمس الشيئ طلب الشيئ. (أقرب، ج١/ص:١١٦٠)

أن ......أحداً ایک معنی تو یہی ہیں جو متنِ ترجمہ میں اختیار کیے گئے، یعنی انکارِ بعث، انکارِ حشر، انکارِ حیات بعد الموت۔

اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ⑩ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ

یا ان کے پروردگار نے انھیں ہدایت دینے کا قصد کیا ہے ۶ اور ہم میں سے بعض نیک بھی ہوئے ہیں اور ہم میں سے بعض اور طرح کے،

كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ⑪ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِى الْاَرْضِ

غرض ہم مختلف طریقوں کے تھے ۷ اور ہم نے تو سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین پر (کہیں بھی) اللہ کو ہرا نہیں سکتے

أی لن یبعث سبحانه أحداً بعد الموت. (روح، ج۲۹/ص:۸۶)

ففیهم من ینكر البعث. (كبیر، ج۳۰/ص:۱۳۸)

اور دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اللہ کسی انسان کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا۔ اور جس کا خلاصہ یہ ہے انکارِ نبوت ورسالت۔

ویحتمل أن یكون المراد أنه لایبعث أحداً للرسالة. (كبیر، ج۳۰/ص:۱۳۸)

نقعد منها مقاعد۔ مقاعد السماء سے مراد موقع فضائے آسمانی یا فضائے آسمانی کے ہیں، نفس سماء یا آسمان کا جسم ہونا اس سے لازم نہیں آتا ـــــ جنات ناری مخلوق ہیں، انھیں اپنی لطافت اور عدم ثقل کے باعث فضائے آسمانی میں مستقر بنالینا خاکی مخلوق (انسان) کے مقابلے میں کہیں زیادہ آسان ہے، جیسے پرندوں کا بمقابلہ درندوں اور چرندوں کے۔

۶ (اپنے ان رسول کی بعثت اور قرآن کے نزول سے)

یعنی اس جدید رسالت کے مقصودِ تکوینی کا ہمیں کوئی علم نہیں، خدا معلوم لوگوں کو ہدایت ہی ہوجائے گی، یا انکار واعراض کر کے لوگ اپنی سزا بھگتیں گے۔

إنا لا ندری۔ عرب جاہلی، جنات کی غیب دانی کے معتقد تھے ـــــ اس غیب دانی کی تردید یہاں خود جنات کی زبان سے کرائی جارہی ہے ـــــ بےعلمی اور بےبسی میں جہاں انسان وہیں جنات۔

۷ اس سے معلوم ہوگیا کہ انسانوں ہی کی طرح ایک مکلف مخلوق جنات بھی ہیں، اور شریعتِ الٰہی کے ماننے والے اور انکار کرنے والے فرقے سب طرح کے ان کے ہاں بھی موجود ہیں ـــــ اس کے آگے مزید تفصیلات کا علم جنات سے متعلق انسان کو دینا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝۱۲ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ

اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں ٨ اور ہم نے جب ہدایت کی بات سن لی تو اس پر ایمان لے آئے اور جو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا

فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝۱۳ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ ؕ

اُسے اندیشہ نہ کمی کا رہے گا نہ زیادتی کا ٩ اور ہم میں سے بعض فرماں بردار ہیں اور بعض ہم میں سے بے راہ (بھی) ہیں

فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝۱۴ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ

تو جس نے فرماں برداری کر لی اس نے بھلائی کے لیے راستہ ڈھونڈھ نکالا، اب رہے وہ جو بے راہ ہیں تو وہ دوزخ کے

حَطَبًا ۝۱۵ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝۱۶

کندے ہیں، اور اگر یہ لوگ راستے پر قائم ہو جاتے تو ہم انھیں فراغت کے پانی سے سیراب کرتے ١٠

٨ یعنی نہ روئے زمین پر، نہ زمین سے کہیں بھاگ کر، غرض کہیں بھی اُسے ہرا نہیں سکتے۔

أنا ظننا۔ ظن یہاں گمان کے معنی میں نہیں، علم و یقین کے مرادف ہے، مطلق ظن میں گنجایش شک و یقین دونوں کی ہے۔

الظن هنا بمعنى العلم اليقين. (قرطبي، ج١٩/ص:١٦)

الظن يكون يقيناً ويكون شكاً. (أبو البقاء، ص:٩٣٦)

الظن بمعنى اليقين. (كبير، ج٣٠/ص:١٤١)

یہاں بھی تردید ان جاہلی قوموں کی ہو رہی ہے جو یہ سمجھتی ہے کہ خداؤں، دیوتاؤں کی نظر سے بچ کر کہیں جا چھپنا بھی ممکن ہے۔

أنا۔ ضمیر جمع متکلم سے مراد مومن قسم کے جنات ہیں۔

٩ یعنی نہ اس کا اندیشہ کہ کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے اور نہ اس کا کہ کوئی بدی زیادہ لکھ لی جائے ـــــــ بھول چوک، سہو و نسیان، ظلم و زیادتی کا خدائے اسلام کے ہاں کوئی امکان ہی نہیں، بخلاف جاہلی قوموں کے جہاں یہ برابر واقع ہوتا رہتا ہے۔

١٠ اس مقام پر جنات کا قول ختم ہو گیا جو آیت اول میں إنا سمعنا سے شروع ہوا تھا۔

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾

تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں اور جو کوئی اپنے پروردگار کی یاد سے منھ موڑے گا تو (اللہ) اُسے عذاب سخت میں داخل کرے گا ١١

ههنا آخر كلام الجن. (كبير، ج ٣٠/ص:١٤٢)

تحروا کا صیغۂ جمع، من أسلم کے لیے معنی کے اعتبار سے ہے۔

والجمع باعتبار المعني. (روح، ج٢٩/ص:٨٩)

١١ اب ذکر معاصر مشرکین مکہ کا ہو رہا ہے، جو اس وقت قحط کے عذاب میں مبتلا تھے۔

وهذه الآية إنما نزلت بعد ما حبس الله المطر عن أهل مكة سنين. (كبير، ج٢٩/ص:١٤٢)

اب پھر براہِ راست قول حق تعالیٰ شروع ہوتا ہے۔

هذا من قول الله تعالى. (قرطبي، ج١٩/ص:١٧)

ابن حجر نے کہا ہے کہ اس سورہ میں جتنے فقرے إن مکسور سے شروع ہوئے ہیں وہ جنات کے ہیں، اور جو أنّ مفتوح سے شروع ہوئے ہیں، وہ سب براہِ راست کلام الٰہی ہے۔

ذكر قال ابن حجر كل ما في هذه السورة من (إن) المكسورة المثقلة فهي حكاية لقول الجن الذين استمعوا القرآن...... وكل فيها من أنّ المفتوحة المخففة فهي وحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. (قرطبي، ج١٩/ص:١٨)

على الطريقة۔ ال عہد کا ہے یعنی طریق معروف پر، مسلک مشروع پر۔

طريقة الحق والإيمان والهدى. (معالم، ج٥/ص:١٦١)

لأسقيناهم......غدقاً۔ یعنی تمھیں وافر بارش سے سیراب کر دیتے۔

روایتوں میں ہے کہ یہ قحط سات سال تک رہا تھا۔

یہاں عام امتحانِ الٰہی کی غرض بھی بیان کروں کہ یہ تو اسی لیے ہوئے ہیں کہ نافرمان اور فرماں بردار کی جانچ عملاً اور مشاہدۃً ہو جائے ـــــ کوئی سا بھی واقعۂ تکوینی بے مقصد اور لا حاصل نہیں ہوتا۔

ذكر ربه۔ ذکر کی تفسیر وحی الٰہی سے بھی کی گئی ہے اور طہارت سے بھی، مقصود ہر صورت میں ایمان و اطاعت ہے۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ

اور جتنے سجدے ہیں (سب) اللہ کا حق ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی (اور) کو مت پکارو ١٢ اور جب اللہ کا بندۂ (خاص) کھڑا ہوتا ہے

يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ

اس کی عبادت کرنے کو تو یہ لوگ اس پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں ١٣ آپ کہہ دیجیے میں تو بس اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو

ع ١١ ١٩

آیت سے روشنی اس پر بھی پڑگئی ہے کہ راہِ ایمان واطاعت ہی اپنے اندر دُنیوی فلاح وخوش حالی کا بھی سامان رکھتی ہے۔

١٢ یعنی یہ جائز نہیں کہ عبادت کا کچھ حصہ اللہ کے لیے ہو اور کچھ کسی اور کے لیے۔

المسٰجد۔ مساجد سے یہاں مراد اعضائے سجود سے لی گئی ہے اور حکم کے معنی یہ ہوئے کہ سجدہ وعبادت غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔

عن سعيد بن جبير قال أن المراد بالمساجد الأعضاء التي يسجد عليها الإنسان. (معالم ج٥/ص:١٦٢)

قال سعيد بن جبير نزلت في أعضاء السجود أي هي لله، فلاتسجدوا بها لغيره (ابن كثير، ج٤/ص:٣٩٠)

اور ابن انباری نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔

لیکن اگر مساجد کے لفظی معنی سجدے کی جگہوں کے لیا جائے جب بھی حکم عام رہے گا، ہر موقع سجود، مخصوص عبادتی عمارتوں اور اصطلاحی مسجدوں تک محدود نہ رہے گا، سجدہ جس نطۂ زمین پر بھی کیا جائے، وہ بس اللہ ہی کے لیے ہو۔

حسن بصری تابعی سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔

وقال الحسن كل موضع مسجدٌ فيه فهو مسجد، كان مخصوصاً لذلك أو لم يكن. (بحر، ج٨/ص:٣٥٢)

١٣ بیان مشرکینِ مکہ کی شدتِ عداوت ونفرت کا ہو رہا ہے۔

قال الحسن وقتادة الضمير في كادوا لكفار قريش والعرب في اجتماعهم علىٰ ردّ أمره. (بحر، ج٨/ص:٣٥٣)

اَحَدًا ⑳ قُلۡ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِكُ لَكُمۡ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ㉑ قُلۡ اِنِّیۡ لَنۡ یُّجِیۡرَنِیۡ

شریک نہیں کرتا، آپ کہہ دیجیے کہ میں نہ تمھارے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ (تمھاری کسی) ہدایت کا ۱۴ آپ کہہ دیجیے کہ مجھے

مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ㉒ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

اللہ سے کوئی بھی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ پا سکتا ہوں ۱۵ البتہ اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیاموں کو ادا کرنا (میرا کام ہے)

ہجرتِ مدینہ سے قبل اپنے قیامِ مکہ کے زمانے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکینِ قریش کی طرف سے مایوس ہو کر مکہ کی تفریح گاہ شہر طائف کو تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ آپؐ کے ساتھ بڑی ہی بدتمیزی سے پیش آئے۔ یہاں اشارہ اسی کی طرف ہے۔

عبداللہ۔ اللہ کا خاص الخاص بندہ "عبدِ کامل"۔ مراد ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اعلم أن عبد الله هو النبي صلى الله عليه وسلم يقول الجمع. (کبیر، ج ۳۰/ص: ۱۴۴)

موقع تخصیص سے لفظ "عبد" آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن مجید میں پہلی بار نہیں آیا ہے، بار بار آ چکا ہے، مثلاً وإن كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا (سورۃ البقرہ: آیت ۲۳)

۱۴ پہلی آیت میں توحیدِ کامل کا اثبات ہے اور ہر طرح کے رَدِّ شرک کا۔

دوسری آیت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ کہلاتا ہے کہ کہیں مجھی کو مقصود اور پھر اسی طرح مسجود و معبود نہ سمجھ لینا۔ میرا اختیار تو اتنا بھی نہیں کہ تم پر عذاب لے آؤں، یا ایمان پر تمھیں مجبور کر دوں۔

"یاروں نے بُت شکن کو بُت ہی بنا کے چھوڑا" کا معاملہ رہبرانِ عالم کی تاریخ میں بارہا دہرایا جاتا رہا ہے، قرآن مجید اسی فتنے کے خطرے میں بار بار تصریح و تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عبدِ محض ہونے کی کرتا جاتا ہے۔

ضرّاً۔ آیت میں ضر کی تعبیر کفر سے بھی کی گئی ہے۔

قيل ضرّاً أي كفراً. (قرطبی، ج ۱۹/ص: ۲۵)

اس طرح رشداً کی تعبیر نفع سے بھی کی گئی ہے۔

۱۵ ایک بار پھر توضیح و تصریح منصبِ رسالت کی ہو رہی ہے۔ رسول کا کام تو اللہ کی طرف سے محض اس کی پیام رسانی اور اس کی توضیح و تشریح ہے نہ اس پیام کا جبری نفاذ۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

اور جو کوئی اللہ اور اس کے پیمبر کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً ایسوں کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ

(یہ باز نہیں آنے کے) یہاں تک کہ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اس وقت جان لیں گے کہ حمایتی کس کے بودے اور تعداد کس کی

عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾

کم تر ہے ۱۶ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب آ گئی ہے یا اُسے میرے پروردگار نے کسی مدت دراز تک ملتوی کر رکھا ہے

بندہ بڑے سے بڑا ہو اور بشر خیر البشر ہو، جب بھی بہر حال بندہ بشر ہی تو ہے، جلالِ توحید کے سامنے محض بے بس و بے حقیقت۔ قرآن مجید نے اس کے پہلو کو کتنے مختلف طریقوں سے دوہرایا ہے، اُدھر ہماری رگِ شرک پرستی ہے کہ شاعری میں اور اہل بدعت حلقوں میں کیسی کیسی نکتہ سنجیاں کر ڈالی ہیں!

إنی......ملتحداً۔ یہ سب چیزیں محض اس مفروضہ پر مبنی و مشروط ہیں کہ رسولؐ اگر خدانخواستہ خود ہی احکام الٰہی سے سرتابی کرنے لگیں ــــــ قرآن مجید نے ایسے بعید ترین احتمالات کو جابجا فرض کر لیا ہے۔

خالدین۔ صیغہ جمع بلحاظ معنی ہیں۔

وجمع خالدین باعتبار معنی. (روح، ج۲۹/ص:۹۵)

اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں کثرت سے ہیں۔

۱۶ مطلب یہ ہے کہ آج یہ کافر غفلت و استکبار میں پڑے ہوئے فخر و ناز کر رہے ہیں کہ ''دیکھو ہمارا جتھا، ہمارا گروہ کتنا بڑا ہے، اور قوت و جاہ ہمیں کیسی حاصل ہے''۔ اور کوئی دلیل عقلی و نقلی اُنھیں اس سفاہت سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو رہی ہے۔ یہ مرتے ہی اُن پر کھل جائے گا کہ خود وہی ایسے تھے، جن کے کام کوئی نہ آسکا۔

من أضعف ناصراً۔ اس میں نفی ہو گئی، نفع اعلیٰ کی یا نصرت کی بلحاظ نوعیت و کیفیت۔

وأقل عدداً۔ اس میں نفی ہو گئی نفع ادنیٰ کی یا نصرت کی بلحاظ عدد و کمیت۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

(وہی) غیب کا جاننے والا ہے سو وہ (ایسے) غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ۔ ہاں البتہ جب کسی برگزیدہ پیمبر کو

۔ (مجھے بھی مطلع نہیں کیا ہے)

ما یوعدون۔ یعنی یوم حشر اور اس کا عذاب۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کی نفس آمد تو یقینی ہے اور ہر شک وشبہ سے بالاتر، رہیں اس کے وقتِ آمد وغیرہ کی تفصیلات تو اس کا تعلق غیب سے ہے، اُس کا علم مجھے حاصل نہیں، اور نہ علومِ نبوت سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

عٰلم الغیب۔ یعنی علم غیب ذاتی تو صفت خاصہ حق تعالیٰ کی ہے۔

الغیب میں ال استغراق کا ہے، یعنی حقیقی واضافی جمیع اقسامِ غیب ــــــ بندوں سے غیب کی نفی اسی کلی معنی میں کی گئی ہے، ورنہ کسی نہ کسی معنی میں تو ہر شخص عالم الغیب ہوتا ہے، یعنی زید کا غیب عمرو کے علم وشہود میں ہوتا ہے اور عامی کا غیب عالم سے کہیں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

فلا یظھر۔ سلب کا مفہوم عمومی ہے، یعنی غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا۔

قـل......أمـداً۔ عوام میں جو یہ موضوع حدیث چل گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تربت میں ہزار سال بھی نہ گزرنے پائیں گے کہ قیامت برپا ہو جائے گی، اس کی تردید وتکذیب کے لیے یہ آیت بالکل کافی ہے، جیسا کہ آٹھویں صدی ہجری ہی کے مفسرین، محققین لکھ گئے ہیں۔

علیٰ أن الحدیث الذی یتداوله کثیر من الجهلة من أنهٗ علیه الصلاة والسلام لا یؤلف تحت الأرض، کذب لا أصل له، ولم نره فی شیئ من الکتب. (ابن کثیر، ج٤/ص:٣٩١)

إن أدری۔ إن یہاں نافیہ ہے۔

أن بمعنی (ما) أو لا. (قرطبی، ج١٩/ص:٢٧)

أمداً اس سے مراد زمانِ طویل ہے۔

المراد بالأمد الزمان البعید. (روح، ج٢٩/ص:٩٥)

فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًاۙ۝۲۷ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا

(کسی غیب سے مطلع کرنا چاہتا ہے) تو آگے اور پیچھے نگہبان بھیج دیتا ہے ۱۸؎ تاکہ اسے معلوم ہوجائے کہ اُنھوں نے اپنے پروردگار

۱۸؎ حاصل یہ کہ حق تعالیٰ جو حقیقی عالم الغیب ہے، وہ اپنے غیوب کا صرف اتنا حصہ جس کا تعلق علومِ نبوت سے ہوتا ہے اپنے مقبول انبیاء و مرسلین پر منکشف کردیتا ہے، وہ بھی حفاظت کے اس پورے اہتمام و احتیاط کے ساتھ کہ وحی الٰہی بغیر کسی ادنیٰ خارجی دخل اندازی و تصرف کے بندوں تک تمام کی تمام پہنچ جائے۔

من ارتضیٰ من رسول۔ اس قید سے ظاہر ہوگیا کہ یہاں غیب سے مراد اسرارِ شرعی ہیں، ورنہ اسرارِ کونی، کائناتی کا اہل اشراق اور اہل جوتش (نجوم) پر اور قدیم کہانت والوں پر، اور جدید مسمریزم و ہپناٹزم اور عمل حاضرات (اسپر یچولزم) پر، غرض ہر قسم کے غیر مقبولین پر مشقتوں اور ریاضتوں سے منکشف ہوتے رہنا تو روزمرہ کا مشاہدہ ہی ہے۔

محققین نے کہا ہے کہ اولیائے امت جو حضراتِ انبیاء کے اَظلال و اتباع ہوتے ہیں، انھیں بھی جو اسرارِ شرعی منکشف ہوتے ہیں وہ انھیں انبیاء کے واسطے سے ہوتے ہیں۔

من رسول۔ یہ دونوں لفظی فقرہ بے کار نہیں ہے، من ارتضیٰ کی تبیین کے لیے یعنی اس شخص کا محض مرتضیٰ و مقبول ہونا کافی نہیں، اُسے رسول بھی ہونا چاہیے۔

بیان لمن ارتضیٰ. (مدارک، ص: ۱۲۹۱)

یعنی أنه لایطلع علی الغیب إلّا المرتضی الذی هو مصطفی للنبوة خاصة، لا کل مرتضیٰ. (کشاف، ج۳۰/ص:۱٤۸)

تبیین لمن ارتضیٰ یعنی أنه لا یطلع علی الغیب إلا المرتضیٰ الذی یکون رسولاً (کبیر، ج ۳۰/ص:۱٤۸)

من بین یدیه و من خلفه۔ یعنی تمام جہات میں نزولِ وحی کے وقت یہ سارا اہتمام رہتا ہے۔

من ...... رصداً۔ یہ انتظام و اہتمام سب اس لیے ہوتا ہے کہ وحی الٰہی ہر خلطِ نفسانی اور خباثتِ شیطانی سے کامل طور پر محفوظ رہے۔

رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ

کے پیامات پہنچادیے ۱۹ اور اللہ ان (پیام برداروں) کے احوال کا احاطہ کیے ہوئے ہے

جس غیب کا یہاں ذکر ہے اس کا تعلق کسی نہ کسی طرح منصب نبوت سے ہوتا ہے اور جو غیب کہ کسی علم وفن میں مہارت سے حاصل ہو جائے، اس پر اطلاق ہی اس قرآنی غیب کا نہ ہوگا، وہ تو وہبی نہیں، ایک اکتسابی چیز ہوئی۔

رصداً۔ لفظی معنی نگہبانی کے ہیں۔

الرصد الاستعداد للترقب. (راغب، ص:۲۲۱)

یہاں مراد نگہبان یا محافظ فرشتہ یا فرشتوں سے ہے۔

أی حفظه من الملائكة. (ابن كثير، ج٤/ص:۳۹۱)

يعنى ملائكة يحفظونه. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۹)

اور اس کا اطلاق واحد وجمع، مذکر ومؤنث کے لیے یکساں ہے۔

يستوى فيه الواحد والجمع والمذكر والمؤنث. (قرطبی، ج۱۹/ص:۳۰)

يستوى فيه الواحد والجمع والمؤنث. (جوهری، ج۲/ص:٤٧٤)

۱۹ (بحفاظت تمام بغیر کسی طرح کے دخل وتصرف کے)

لیعلم۔ یعنی اللہ ظاہری طور پر اور وقوع کے بعد بھی جان لے، ورنہ اپنے علم ازلی کے لحاظ سے تو وہ جانتا ہی تھا۔۔۔۔۔۔لیعلم کی ضمیر فاعلی کس کی جانب ہے؟ اس پر بڑی قیل وقال ہوئی ہے، لیکن اس کم علم کو بعض اکابر کے اتباع میں وہی ترکیب مناسب معلوم ہوئی جو یہاں ترجمہ میں اختیار کی گئی۔

أی ليعلم الله. (مدارك، ص:۱۲۹۱)

وهو اختيار أكثر المحققين. (كبير، ج۳۰/ص:۱۵۰)

وهو قول حكاه ابن الجوزی فی زاد المسير. (ابن كثير، ج٤/ص:۳۹۲)

وذهب كثير إلى أن ضمير ليعلم لله تعالى. (روح، ج۲۹/ص:۹۹)

يعلم الله. (كشاف، ج٤/ص:٦٢٠)

وَاَحۡصٰی کُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

اور ہر شے کو وہ شمار میں لیے ہوئے ہے ۲۰

أبلغوا۔ صیغۂ ماضی جمع غائب سے مراد وہی حضرات انبیاء ہیں۔

أی الرسل. (معالم، ج٥/ ص ١٦٤، مدارك، ص:١٢٩١)

۲۰ (چنانچہ وحی کے بھی سب اجزا ایک ایک کر کے اس کے شمار میں ہیں)

أحصی: میں حفاظت نسیان سے بھی آگئی، گویا اول سے آخر تک سب حفاظتوں کا انتظام ہو گیا۔

حاصلِ کلام ایک بار پھر نظر کے سامنے لے آیئے۔

قیامت کے وقت کا علم، علومِ نبوت میں سے نہیں، اس لیے رسول کو اس کا علم نہ ہونا ان کے دعوائے نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں، اور دعوائے وقوعِ قیامت کو تو اس سے ضرر ذرا بھی نہیں پہنچتا۔

پھر رسول کو وہی غیوب عطا ہوتے ہیں، نبوت جن کا تعلق علومِ نبوت سے ہوتا ہے، اور ان میں احتمال خطا و لغزش کسی حیثیت سے بھی نہیں پہنچتا۔

وأحاط بما لدیهم۔ ایک طرف پیمبروں کی دیانت و امانت دوسری طرف حاملینِ وحی فرشتوں کی قوت ہر اعتبار سے غیر مشتبہ ہے، اور اللہ تعالیٰ ان حقائق کا علم خود ہی رکھے ہوئے ہے۔

وأحصی...... عددا۔ یعنی ایک اسی مسئلہ پر کیا موقوف ہے، حق تعالیٰ کا علم کامل و محیط تو مسائلِ کائنات کے ایک ایک جزئیہ پر حاوی ہے ـــــ جزئیات سے کلیات اور فروع سے اُصول تک پہنچ جانا تو قرآن مجید کا عام اسلوبِ بیان ہے۔

مشرک قوموں نے بھول چوک کے امکانات خدا تک کے لیے مانے ہیں اور ان کی دیو مالا میں برابر اس طرح کے قصے آتے ہیں کہ فلاں چیز خدا کی گنتی میں بھی آنے سے رہ گئی۔

(۷۳)

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ مزّمّل مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ ② نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ ③

اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کیجئے ! مگر ہاں تھوڑی رات یعنی آدھی رات یا اس سے کچھ کم رکھئے

! (آپ ان معاندین کے ہفوات کا خیال نہ کیجئے، اور اپنی توجہ حق تعالیٰ ہی کے ذکر وعبادت کی طرف بدستور رکھئے)

حدیث کی مستند روایتوں میں (جو تاریخ کی ہر روایت سے مستند تر ہیں) آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تبلیغ ودعوت کا کام شروع کیا تو قوم کے بڑے بڑے عاقلوں اور دانشوروں نے (ٹھیک فرنگی عاقلوں اور دانشوروں کی طرح) اس پر طبع آزمائی شروع کی کہ آپ کے دعوے وحی ونبوت کے صحیح تو بہر حال نہیں ہوسکتے، پھر آپ کا (نعوذ باللہ) اصل مرض ہے کیا؟ اپنے کمیٹی گھر (دارالندوہ) میں جمع ہوئے اور کسی نے کہا کہ ''یہ کاہن ہوگئے ہیں''، غیب کی خبریں دینا اور پیش گوئیاں کرنا یہ کہانت ہی کا ایک حصہ ہے۔ بعض نے کہا: ''نہیں یہ تو دماغی عارضہ معلوم ہوتا ہے جس وقت اس کا دورہ پڑتا ہے، ایسا پُرزور وپُرجوش کلام اندر سے اُبلنے لگتا ہے''۔ ایک تیسرے دانشور بولے کہ ''نہیں، یہ کچھ نہیں، اصل میں یہ ساحر ہیں، اور یہ اثر سحر ہی کا ہے کہ اپنے کلام سے بھائی بھائی میں جدائی ڈلوادی اور باپ بیٹے میں لڑائی کرادی''۔ وقس علیٰ ہذا۔ آپ کو جب یہ خبریں پہنچیں تو قدرتاً آپ بہت ملول اور منقبض ہوئے، اس پر یہ آیتیں تسکین کی نازل ہوئیں۔

یٰأیھا المزمّل۔ یہ خطاب رسول اللہؐ سے ہے۔ آپ حالتِ غم وافسردگی میں کپڑے اوڑھ لپیٹ، لیٹ رہے تھے، ملاطفت خاص کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بھی اسی نام سے کیا گیا۔

أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝

یا اس سے کچھ بڑھا دیجئے اور قرآن صاف صاف پڑھیے ؏

اُردو محاورے کی رعایت اگر بہت زیادہ کرلی جائے تو ترجمہ یوں ہوسکتا ہے: ''اور اوڑھ لپیٹ کر پڑ جانے والے''۔ بعض نے ترجمہ ''اور چادروں میں لپٹ رہنے والے'' سے کیا ہے۔

بعض صوفیوں نے اپنے ہاں کی خرقہ پوشی کی سند بھی اسی لفظ سے حاصل کرنا چاہی ہے۔

شب بیداری جو صوفیہ محققین کا معمول ہے، اسے بھی انھوں نے انھیں آیتوں سے نکالا ہے۔

قم اللیل۔ اس پر فقہائے امت کا اتفاق ہے کہ قیام اللیل (رات کو سو اُٹھ کر کی نماز) فرض نہیں ہے، البتہ اس کا اجر و مرتبہ بہت زائد ہے اور حدیثیں اس کے فضائل سے لبریز ہیں۔

لا خلاف بين المسلمين في نسخ فرض قيام الليل وإنه مندوب إليه ترغب فيه، وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم آثار كثيرة في الحث عليه والترغيب فيه. (جصاص، ج۳/ص:۴۶۸)

قیام اللیل کے معنی اب محاورے میں کثرتِ استعمال کی بنا پر صلاۃ اللیل کے ہوگئے ہیں۔

وقد قيل إن قم هنا معناه صلِّ عبّر به واستعير له حتى صار عرفاً بكثرة الاستعمال. (قرطبی، ج۱۹/ص:۳۴)

؏ (کہ سامعین کو ایک ایک لفظ صاف سنائی دے اور سمجھ میں آجائے)

قال ابن عباس بيّنه تبييناً. (جصاص، ج۳/ص:۴۶۸)

قال طاؤس بيّنه حتى تفهمهٔ. (جصاص، ج۳/ص:۴۶۸)

نصفه......قلیلاً۔ یہ سب قلیلاً اول کی تشریح ہے۔ کل کے مقابلے میں نصف کو قلیل ہی کہا جائے گا ــــــ مطلب یہ ہوا کہ کم و بیش نصف حصۂ شب میں آرام کیجئے، باقی نصف میں ذکر و عبادت۔

منه......علیه۔ ضمیر دونوں جگہ نصف کی جانب ہے۔ یعنی من النصف أو علی النصف۔

والضمير في منه وعليه للنصف. (بحر، ج۸/ص:۳۶۱)

ورتّل القرآن ترتيلاً۔ ترتیل کے معنی لفظ کو منہ سے صاف طور سے ادا کرنے کے ہیں۔

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا

ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام ڈالنے والے ہیں ۳ بے شک رات کو اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے

وَّأَقْوَمُ قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ

اور بات بھی (اس وقت) خوب دل سے نکلتی ہے ۴ بے شک دن میں آپ کے لیے

الترتيل إرسال الكلمة من الفم بسهولة واستقامة. (راغب، ص:۲۱۱)

اور قرآن کی ترتیل یہی ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ و حرف ٹھہر ٹھہر کر اس طرح ادا کیا جائے کہ کوئی گنجلک یا اشتباہ نہ پیدا ہو، اور مفہوم سمجھ میں آتا چلا جائے۔

۳ یعنی قرآن کی سی عظیم کتاب نازل کرنے کو ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کو شروع ہوئے ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے، یہ آیتیں اسی وقت کی ہیں۔

قولاً ثقیلاً۔ قول ثقیل سے مراد اس کلام کا صاحب جلالت و عظمت ہونا ہے۔ قول ثقیل کے معنی اور بھی بہت سے ٹھہرائے گئے ہیں، مثلاً کلمۂ توحید یا نماز تہجد وغیرہا، لیکن لفظ کی بہترین شرح خود قرآن مجید ہے۔

وهو القرآن العظيم. (روح، ج۲۹/ص:۱۰۴)

يعني بالقول الثقيل القرآن العظيم. (كشاف، ج۴/ص:۶۲۵)

صحابی ابن عباسؓ سے یہی معنی منقول ہیں۔

قال ابن عباس كلاماً عظيماً. (بحر، ج۸/ص:۳۶۲)

نزولِ وحی، مادی و جسمانی اعتبار سے بھی ثقیل تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ نزولِ وحی کے وقت سردی کے موسم میں بھی آپ کو پسینہ آجاتا، اور اگر آپ اونٹنی پر ہوتے تو وہ کانپنے لگتی۔

۴ رات کے سناٹے میں ذکر و عبادت میں جی کا لگنا، اس وقت نماز و تلاوت میں حلاوت کا زیادہ محسوس ہونا، طبیعت میں نشاط و انشراح کا پیدا ہونا، یہ سب چیزیں مشاہدے اور تجربے سے تعلق رکھتی ہیں، جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے!

سَبْحًا طَوِيْلًا ۝٧ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝٨

بڑی مشغولی ہے ۵ اور آپ اپنے پروردگار کا نام یاد کرتے رہیے اور سب سے ٹوٹ کر بس اسی کی لو لگائے رہیے ٦

ناشئة اللیل۔ یعنی رات میں سونے کے بعد پھر عبادت کے لیے کھڑے ہو جانا۔

وطأ۔ وطأ کے لفظی معنی کچلنے کے ہیں، یعنی یہ شب خیزی اور شب بیداری نفس کو روند ڈالتی، کچل ڈالتی ہے، اور نفس اس سے شکستہ و منکسر ہو جاتا ہے اور اس سے انسان کے ظاہر و باطن میں، قول وعمل میں، زبان اور دل کے درمیان موافقت خوب پیدا ہو جاتی ہے۔

عن الحسن أشد موافقة بين السر والعلانية. (مدارك، ص:١٢٩٣)

والمقصود أن قيام الليل هو أشد مواطأة بين القلب واللسان. (ابن كثير، ج٤/ص:٣٩٣)

۵ محمدؐ بن عبداللہ المکی المدنی سے بڑھ کر مشغول پروگرام آج تک دُنیا میں کسی کا نہیں ہوا ہے ــــــ ہر لحہ طاعتِ الٰہی وخدمتِ خلق ہی کی نذر رہتا تھا۔ ضائع آپؐ نے اپنی عمر گرامی کا ایک منٹ بھی نہیں ہونے دیا۔

سبحاً طویلاً۔ سبح کے لفظی معنی تیرنے اور تیز چلنے کے ہیں، اور اس کے تحت میں آپؐ کی دُنیاوی ودینی ہر ہر مشغولی آ گئی ــــــ حقیقتاً آپؐ کی ہر دُنیوی مشغولی بھی دینی ہی مشغولی تھی، اور ضروری آرام وتفریح بھی عین طاعت ہی تھے۔

٦ یعنی اللہ کے ساتھ تعلق ہر دوسرے تعلق پر غالب وحاکم رہے۔

اذکر وتبتّل۔ یہ دونوں حکم بلا قید وقت کے ہیں۔

صوفیہ نے یہیں سے دوامِ ذکر کا مسئلہ مستنبط کیا ہے، لیکن محققین صوفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ تعمیلِ احکام کی حد تک ذکر وتبتل کا درجۂ ادنیٰ بھی کافی ہے۔

واذکر اسم ربك۔ اس ذکر کے عموم میں نماز وتلاوت کے علاوہ علومِ دین کا درس بھی آ گیا۔

التسبيح والتهليل والتكبير والصلاة وتلاوة القرآن ودراسة العلم. (مدارك، ص:١٢٩٣)

وهي دراسة العلم وغير ذلك. (كشاف، ج٤/ص:٦٢٦)

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۞ وَاصْبِرْ

وہ پروردگار ہے مشرق ومغرب کا، کوئی خدا نہیں ہے اس کے سوا، بس اسی کو اپنا کارساز بنائے رکھئے ۷ اور ان باتوں پر صبر کیجئے

عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۞ وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ

جو یہ لوگ کرتے رہتے ہیں اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ الگ ہو جائیے ۸ اور مجھے اور ان صاحب نعمت اہل تکذیب کو

۷ اس آیت پر پہنچ کر ذرا ملک کی اس فضا کا نقشہ ذہن کے سامنے لے آئیے، جس میں توحید کی یہ آواز اوّل اوّل بلند ہوئی تھی، ایک تجارت پیشہ قوم جو اپنی آزادی، خودمختاری، اپنی اقبال مندی، اور اپنی عالی نسبی پر نازاں تھی، اور اپنے جاہلی دین واخلاق اور مشرکانہ تہذیب وتمدن میں مست اور توحید اور پاک بازی کے نام سے نا آشنا، اس مغرور قوم کے آگے اُس کا ایک فرد، جو اس وقت تک نہ ثروت ووجاہت میں ممتاز تھا، نہ ملک گیری وفوج کشی ہی میں، تن تنہا کھڑے ہو کر صدا یہ بلند کر رہا ہے کہ جن دیوتاؤں دیویوں کی پرستش تم پشتہا پشت سے کرتے چلے آرہے ہو، سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف ایک کو مانو، اپنا فیشن بدلو، اپنے اخلاقی تصورات بدلو، چھوڑو اپنی شرابیں، چھوڑو اپنی بے حیائیاں، چھوڑو اپنی خونخواریاں، چھوڑو اپنی قمار بازیاں، چھوڑو اپنی سودزاریاں، غرض دین کے ساتھ ساتھ اپنی دُنیا بھی بدل ڈالو ــــــ خیال تو کیجئے کہ ایسے داعی کو کس دل وجگر، کس ہمت وعزم کا ہونا چاہیے تھا!

رب المشرق والمغرب۔ ان الفاظ نے شرک کے ان تمام پہلوؤں کی جڑ کاٹ دی جو مشرک جاہلی قوموں نے آفتاب وماہتاب، زمین وآسمان، طلوع وغروب، دن رات اور مختلف سمتوں کے تقدس کو اپنے دماغوں میں جما رکھے تھے۔

۸ (یعنی اُن سے شکایت وانتقام کی فکر میں بھی نہ پڑیئے)

ھجراً جمیلاً۔ ھجر جمیل یہ ہے کہ ترکِ تعلق تو تمام تر کرلیا جائے، لیکن تلخی وترشی، نفرت وبغاوت کے ساتھ نہیں بلکہ خیر خواہی کے ساتھ اور نفس کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے۔

اس بیسویں صدی عیسوی میں یعنی غیر مسلم سیاسی مفکرین نے مقاومتِ شائستہ civil Disobidence میں Civil پر جو اتنا زور دیا ہے، عجب نہیں کہ یہ خیال اسی تعلیمِ قرآنی سے اُڑایا ہو!

صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ اہل دُنیا سے احتراز تو کیا جائے لیکن ساتھ ہی ان کی ہوا خواہی میں لگا رہا جائے۔

أُولِی النَّعۡمَةِ وَمَهِّلۡهُمۡ قَلِیۡلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّجَحِیۡمًا ﴿۱۲﴾

چھوڑے رکھئے اور ان لوگوں کو تھوڑی مہلت اور دیے رہیے ۹ بے شک ہمارے ہاں تو بیڑیاں بھی ہیں اور دوزخ ہے

وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۳﴾ یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ

اور گلے میں پھنس جانے والی غذا ہے اور عذاب دردناک ہے، (یہ اس روز) جس روز ہلنے لگیں گے زمین اور پہاڑ

وَکَانَتِ الۡجِبَالُ کَثِیۡبًا مَّهِیۡلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ

اور پہاڑ ریگ رواں ہو جائیں گے ۱۰ بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا ہے تم پر گواہ بنا کر

کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ﴿ؕ۱۵﴾ فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰهُ

جیسا کہ فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا ۱۱ تو فرعون نے اپنے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو

۹ (میں خود ہی وقت مناسب پر ان سے نپٹ لوں گا)

یعنی ان مکذبین کے بارے میں صبر و انتظار سے کام لیجیے۔

أولی النعمة۔ قریش ایک متمدن تجارت پیشہ، مرفہ حال قوم تھی، اشارہ اُنھیں کی طرف ہے۔ ان کی تجارت دُور دُور پھیلی ہوئی تھی اور یہ بین الاقوامی تجارت بھی کرتے رہتے تھے۔

۱۰ (اور وہ اُڑتے پھریں گے)

یہاں ایک بار پھر ذہن کے سامنے اس قوم کو لے آیئے، جو قیامت اور روز جزا کے یکسر منکر تھی، اور حشر و نشر کے تخیل ہی کو مضحکہ خیز اور اپنی روشن خیالی کے منافی سمجھ رہی تھی۔

زمین کے پھٹنے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ وغیرہ آثار قیامت کا بیان کئی بار پہلے تفصیل سے آچکا ہے۔

۱۱ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو۔

فرعون اور قوم فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے ہیں۔

أرسلنا إلیکم۔ یہ تخاطب کس سے ہے؟ یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کس کی طرف ہوئی ہے؟ براہ راست قوم قریش و عرب کی جانب، لیکن بالواسطہ ساری نوعِ انسانی کی جانب۔

اَخۡذًا وَّبِیۡلًا ﴿۱۶﴾ فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَا ﴿ۖ۱۷﴾

سخت پکڑ میں لیا ۱۲ سو تم اس دن کی جو بچوں کو بوڑھا کردے گا کی مصیبت (طبعی) سے کیوں کر بچو گے؟

ۣالسَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِہٖ ؕ کَانَ وَعۡدُہٗ مَفۡعُوۡلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ ہٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ

(اور) جس سے آسمان پھٹ جائے گا، بے شک اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا ۱۳ یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے، سو جو

یعنی لکفار قریش والمراد سائر الناس. (ابن کثیر، ج ٤/ص:٣٩٥)

ذهب جمع إلىٰ أن الخطاب عام للأسود والأحمر. (روح، ج۲۹/ص:۱۰۹)

شاھداً علیکم۔ یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حشر میں آکر یہ گواہی دیں گے کہ ان کی تبلیغ ودعوت سے کس کس نے کیا کیا اثر قبول کیا؟

کما أرسلنا۔ وجہ شبہ نفس رسالت ہے یعنی اللہ کی طرف سے بھیجا جانا۔

إلی فرعون۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا اصل مخاطب فرعون شاہِ مصر ہی تھا۔

۱۲ (سو اگر تم نے اصلاحِ حال نہ کرلی تو انھیں کا انجام تمھارا بھی ہونے والا ہے)

فرعون اور قوم کے انجام کا حال قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے، یہاں محض اس کا حوالہ کافی ہوگیا، اس لیے کہ قریش یہودِ عرب کے واسطے سے اس سارے حصے سے خوب واقف ہوچکے تھے۔

الرسول۔ رسولاً ابھی نکرہ میں آچکا ہے، جب اس رسول کا تعارف ہوچکا، اس لیے دوبارہ جب آیا تو ال کے ساتھ معرفہ میں۔

قال المھدوی دخلت الألف واللام فی الرسول لتقدم ذکره. (قرطبی، ج۱۹/ص:٤٨)

تفسیر کبیر میں آیت کے ذیل میں دلیل قائم کی ہے کہ آیا قیاس کا حجت ہونا اس آیت سے نکل آتا ہے؟ اور پھر جواب دیا ہے کہ ہاں۔ (کبیر، ج۳۰/ص:۱۶۱)

۱۳ عرب کا اصل روگ ٹھیک آج کے فرنگستان کی طرح آخرت فراموشی بلکہ انکارِ آخرت ہی تھا، قرآن مجید اسی لیے ابتدائی سورتوں میں اس حقیقت کو بار بار اور بڑے مؤثر انداز میں پیش کررہا ہے ——— یوں بھی سوچیے تو معلوم ہوگا کہ بلحاظِ اہمیت ومعنویت آخرت کا موضوع توحیدِ باری کے موضوع سے کم نہیں، اگر اسی عقیدۂ مسؤلیت وبازپرس سے قطع نظر کرلی جائے تو مجرد عقیدۂ توحید وردِّ شرک کا عملی اثر ان کی زندگی پر کتنا ہلکا ہوجائے گا!

شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ

چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرے ۱۴؎ آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ آپ اور

یجعل الولدان شیبًا۔ عربی اسلوب بیان میں یہاں بھی کنایہ ہے غایت شدت وہیبت سے۔

وھو كناية عن شدة ذلك اليوم. (بحر، ج۸/ص:۳۶۵)

مثل فی الشدة يقال فی اليوم الشديد يوم يشيب نواصی الأطفال. (كشاف، ج٤/ص:٢٨، كبير، ج٣٠/ص:١٦٢)

یعنی آسمان یوم حشر کی سختی سے پھٹ جائے گا۔

ب سببیہ ہے۔

يعنی أنها تنفطر لشدة ذلك اليوم. (مدارك، ص:١٢٩٤)

أی بسببه من شدته وھوله. (ابن كثير، ج٤/ص:٣٩٦)

وعده۔ ضمیرِ فاعل یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔

أی الفاعل وھو الله عز وجل. (مدارك، ص:١٢٩٤)

یہ بھی جائز ہے کہ مفعول کی جانب سمجھی جائے اور معنی یہ لیے جائیں گے کہ وہ یوم ضرور واقع ہوگا۔

المصدر مضاف إلی المفعول وھو اليوم. (مدارك، ص:١٢٩٤)

یجعل۔ ضمیر اللہ کی جانب بھی جائز رکھی گئی ہے اور یوم کی جانب بھی۔

والضمير فی (يجعل) يجوز أن يكون لله عز وجل، ويجوز لليوم. (قرطبی، ج١٩/ص:٤٩)

۱۴؎ یعنی یہ قرآن ہدایت نامہ ہے تو سب ہی کے لیے، لیکن اس سے فائدہ وہی اُٹھائیں گے، جو فائدہ اٹھانے کا ارادہ کرلیں گے۔

ھذہ۔ اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے۔

تذکرۃ۔ یعنی ہدایت نامہ اور وہ بھی کیسا جامع، بلیغ، مؤثر و دل نشیں!

فمن......سبیلاً۔ متکلمین نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ بندہ کسب افعال (خلق افعال نہیں) پر قادر ہے۔

ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ

آپ کے کچھ ساتھی رات کی دو تہائی اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) ایک تہائی رات کھڑے رہتے ہیں اور رات و دن کا پورا اندازہ اللہ ہی

وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ

کر سکتا ہے ۱۵ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اسے پورے احاطے میں نہیں لا سکتے، سو اس نے تمھارے اُوپر توجہ کی سو تم لوگ جتنا

مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ

قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو ۱۶ اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض لوگ بیمار ہوں گے اور بعض

فمن شاء۔ یعنی بندے کے اس ارادے پر، عمل پر، نتیجۂ عمل یعنی ہدایت قطعی طور سے مرتب ہو جائے گا۔

وليست المشيئة هنا على معنى الإباحة، بل يتضمن معنى الوعد والوعيد.

(بحر، ج۸/ص:۳۶۶)

مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ طالب سالک محروم نہیں رکھا جاتا۔

۱۵ (جو تم نہیں کر سکتے)

إن ......معك۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آپ کے رفیقوں صحابیوں کے بھی ایک گروہ کی بھی شب بیداری کی یہ شہادت خود قرآن مجید دے رہا ہے، مستند روایتوں میں آیا ہے کہ یہ حضرات اتنی دیر تک رات میں کھڑے رہتے کہ ان کے پیروں پر ورم آ جاتا تھا۔

إنهم قاموا حتى انتفخت أقدامهم. (مدارك، ص:۱۲۹۵)

إن ربك يعلم۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ ان الفاظ میں نظر رحمت اور توجہ خاص چھپی ہوئی ہے، یعنی جو شب بیداری کرتے ہیں اُن پر نظر خاص ہے۔

۱۶ یعنی تمھارے اخلاصِ نیت کو جانتا ہے اور اس کی قدر کرتا ہے، لیکن تمھاری عملی دشواریوں کو دیکھ کر تمھارے اوپر نمازِ تہجد فرض نہیں قرار دیتا۔ بطور استحباب اور بغرض اجر مزید جتنا چاہو قرآن اس میں پڑھ لیا کرو۔

علم أن لن تحصوه۔ یعنی حق تعالیٰ نے خوب دیکھ لیا کہ تم لوگ اتنی مدت تک قیام بڑی مشقت اور تعب کے بعد ہی کر سکتے ہو۔

يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ

سفر کریں گے ملک میں اللہ کی روزی کی تلاش میں اور بعض لوگ اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

قتال کریں گے سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو ۱۷ اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو

أی لن تطیقوا قیامه علیٰ هذه المقادیر إلا بشدة ومشقة. (مدارك، ص:١٢٩٥)

فتاب علیکم۔ یعنی جب تمھارے رسوخ فی الدین کی خوب آزمائش ہوگئی، تو اب تہجد گزاری کی فرضیت تم سے ساقط کی جاتی ہے۔

فخفف علیکم وأسقط عنکم فرض قیام اللیل. (مدارك، ص:١٢٩٥)

فاقرأوا......من القرآن۔ قرآن کو یہاں صلاۃ کے معنی میں لے کر مراد یہ لی گئی ہے کہ جتنی نماز آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔

وقیل أراد بالقرآن الصلاة......أی فصلوا ما تیسر علیکم. (مدارك، ص:١٢٩٥)

أی فصلوا ما تیسر لکم من صلاة اللیل، عبر عن الصلاة بالقراءة. (روح، ج۲۹/ص:۱۱۱)

وعبر عن الصلاة بالقراءة. (کشاف، ج٤/ص:٦٣)

المراد من هذه القراءة الصلاة. (کبیر، ج٣٠/ص:١٦٥)

۱۷ یہاں دشواری اور تعب کی بنیادیں دوسری تھیں، اس لیے حکم تیسیر بھی یہاں ازسرنو ارشاد ہوا۔

آیت میں تین قسم کے لوگ بیان ہوئے، جن پر تہجد کی پابندی دشوار تھی:

سیکون......مرضیٰ۔ پہلی قسم کے معذور یہ لوگ ارشاد ہوئے ہیں یعنی مریض۔ اس حکم کی علت ضعفِ معذوری میں بچوں اور زیادہ بوڑھوں کو بھی شامل رکھتی ہے۔

شریعتِ اسلامی نے ہر حکم کی طرح یہاں بھی عذر جسمانی کو تخفیف عبادت کے لیے ایک صحیح و معقول بنیاد قرار دیا ہے۔

آخـرو ن......فضل لله۔ معذوروں کی یہ دوسری قسم مسافروں کی ارشاد ہوئی، اس کے تحت میں وہ سارے لوگ آگئے جو وطن سے باہر خواہ تجارت کے لیے نکلے ہوئے ہوں، خواہ طلب علم کے لیے، یا کسی اور جائز غرض سے۔

یعنی السافرین للتجارة یطالبون من رزق الله. (معالم، ج٥/ص:١٧٢)

مسـافـريـن فـي الأرض يبتـغـون مـن فـضـل الله فی المكاسب والمتاجر. (ابن کثیر، ج٤/ص:٣٩٦)

أی یسـافـرون فيهـا للتجارة وهو الربح وقد عمم ابتغاء الفضل لتحصيل العلم. (روح، ج٢٩/ص:١١٤)

وآخرون فی......سبیل الله اس کے تحت میں سارے غازی اور مجاہد آگئے۔

فقہائے مفسرین نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ قرآن مجید نے یہاں تاجروں کو غازیوں اور مجاہدوں کے مساوی درجہ میں رکھا ہے، اور کیوں نہ رکھتا جب کہ حلال ذریعۂ معاش کی تلاش بھی تو جہاد ہی میں داخل ہے!

سوّی بين المجاهد والمكتسب، لأن كسب الحلال جهاد. (مدارك، ص:١٢٩٥)

ومـن لـطـائف هذه الآية أنه تعالى سوّىٰ بين المجاهدين والمسافرين للكسب الحلال. (كبير، ج٣٠/ص:١٦٥)

فكان هذا دليل علىٰ أن كسب المال بمنزلة الجهاد، لأنه جمعه مع الجهاد فی سبيل الله. (قرطبی، ج١٩/ص:٥٥)

اور یہ بعض مفسرین کا اجتہاد و استنباط نہیں، صحابیوں کے اقوال بھی اسی مفہوم سے ملتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی چیز مسلمانوں کے شہر میں لائے اور اُس دن کے نرخ کے حساب سے تجارت کرے تو اس کا شمار اللہ کے یہاں شہیدوں میں ہوگا۔

عن ابن مسعود أيما رجل جلب شيئاً إلى مدينة من مدائن المسلمين صابراً محتسباً فباعه بسعر يومهن كان عند الله من الشهداء. (كبير، ج٣٠/ص:١٦٥، معالم، ج٥/ص:١٧٢)

وَاَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ

اور اللہ کو اچھی طرح قرض دیتے رہو ۱۸ اور جو بھی نیک عمل آگے بھیج دو گے

اور خلیفہ جلیل حضرت عمرؓ کا بھی یہ قول نقل ہوا ہے کہ قتال و غزائی سبیل اللہ کے بعد جو موت مجھ کو سب سے زیادہ عزیز ہے وہ اس حال میں ہے کہ میں اس وقت تجارت میں مشغول ہوں۔

أخرج سعيد بن منصور والبيهقي في شعب الإيمان وغيرهما عن عمر رضى الله تعالى عنه قال ما من حال يأتيني عليه الموت بعد الجهاد في سبيل الله أحب إلى من أن يأتيني وأنا بين شعبتي جبل، ألتمس من فضل الله. (روح، ج۲۹/ص:۱۱٤)

يقاتلون في سبيل الله۔ مفسر اور محدث ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ یہ سورت تو مکی ہے اور جہاد و قتال اس وقت تک کہاں شروع ہوا تھا؟ اس میں قتال کا ذکر آجانا خود اس کی دلیل ہے کہ یہ کلام عالم الغیب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ (ابن کثیر، ج۴/ص:۳۹۷)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ طالبین سالکین کے ساتھ مجاہدات و اوراد میں مرشدین جو رعایت و سہولت کا برتاؤ کرتے ہیں اس کی ماخذ یہی آیتیں ہیں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۷۰۹)

فاقرء وا......القرآن۔ قرأتِ قرآن سے یہاں یہی ادائے صلاۃ مراد ہے۔

أى فصلوا ما تيسر عليكم والصلاة تسمى قرآناً، كقوله تعالى (وقرآن الفجر) أى صلاة الفجر. (قرطبى، ج۱۹/ص:٥٤)

۱۸ اور اللہ کو اچھا قرض دینا یہی ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت کا ارادہ کیا جائے اور اس کے دین کی اشاعت و استحکام میں اخلاص، حسن نیت اور خوش دلی کے ساتھ خرچ کیا جائے۔

قرضاً حسناً پر حاشیے پہلے بھی گزر چکے ہیں۔

قرض حسن کی ایک تفسیر اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے سے بھی آئی ہے۔

وقال زيد بن أسلم القرض الحسن النفقة على الأهل. (قرطبى، ج۱۹/ص:٥٨)

اور یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ جو بھی کارِ خیر نفس و مال سے متعلق ہو، سب اس کے تحت میں داخل ہے۔

يريد كل شيئ يفعل من الخير مما يتعلق بالنفس و المال. (كبير، ج۳۰/ ص:۱٦٦، كشاف، ج٤/ص:٦٣٠-٦٣١)

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ

اُسے اللہ کے پاس پہنچ کر پاؤ گے اس سے اچھا اور اجر میں بڑھا ہوا، اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۱۹

واقیموا الصلاۃ و آتوا الزکاۃ۔ عبادتِ بدنی و مالی کے یہ احکام مفروض ان کا زمانہ نزول جو بھی رہا ہو، اب مستقل اور ہر ملک و زمانے کے لیے ہیں۔

۱۹ (تو جب یہ صفاتِ غفر و رحمت اس کی صفاتِ ذاتی میں داخل ہیں تو وہ تمھارے طلب مغفرت پر کیوں نہ تمھارے ساتھ معاملہ مغفرت و رحمت کا کرے گا)

اور اس میں منفی و مثبت دونوں پہلو آ گئے ـــــــ اپنی صفتِ غفر سے تمھاری لغزشیں نظر انداز اور خطائیں معاف کرے گا اور اپنی صفتِ رحمت سے مزید لطف و کرم سے تمھیں نوازے گا۔

من خیر۔ اس کے عموم میں ہر قسم کی نیکی آ گئی۔

ھو......خیر۔ اتنا ٹکڑا زور و تاکید بیان کے لیے ہے۔

أنه قال ھو خیر للتأکید والمبالغۃ. (کبیر، ج ۳۰/ص: ۱۶۶)

وما تقدموا...... اللہ۔ یہاں یاد دلا دیا گیا کہ کوئی خفیف سا خفیف عملِ خیر بھی اللہ کے ہاں ضائع جانے والا نہیں۔

ھو خیراً و أعظم أجراً۔ یعنی دُنیوی اغراض میں خرچ کرنے سے جو عوض و نفع مرتب ہوتا ہے، اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر یہ پائیدار اور دائمی اجر ملے گا۔

(٧٤)

سُوۡرَةُ الۡمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ مدثر مکی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۙ﴿۳﴾

اے کپڑوں میں لپٹنے والے، اُٹھئے پھر (کافروں کو) ڈرایئے [1] اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے

[1] ان آیتوں کا پس منظر یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے سورۃ العلق کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں، اس کے بعد کوئی اور وحی ایک عرصہ تک نہ آئی، اس کے بعد جب آپؐ اپنی مدتِ اعتکاف پوری کر کے غارِ حرا سے نکل کر کاشانۂ مبارک آ رہے تھے کہ دفعۃً میدان میں ایک زور کی آواز سنائی دی، آنکھ اُوپر اُٹھائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی شکل و ہیئت میں بصد جاہ وجلال ایک نورانی تخت پر خلائے آسمانی میں جلوہ افروز ہیں۔ بشر (سید البشر سہی) پر یہ پہلی بار تجلی ملکوتی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ ہوئی تو اور بشریت کے طبعی تقاضوں کا بھی ظہور ہوا، آپؐ بکمالِ عجلت و اضطراب کاشانۂ مبارک میں آ گئے اور جیسے جسم میں سردی لگ جانے کے وقت ہوتا ہے، آپؐ اپنے کپڑے اوڑھ کر لیٹ رہے، اس پر یہ آیتیں سورۃ المدثر کی نازل ہوئیں ——— یہ خلاصہ ہے شانِ نزول کی حدیثی روایتوں کا۔

یٰـأیها المدثر۔ المزمل کی طرح المدثر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صفاتی نام ہے۔ اور نزولِ آیت کے وقت کی آپ کی وضع و ہیئت کو ظاہر کرتا ہے، اور حق تعالیٰ کی طرف سے کمالِ لطف و التفات کا مظہر ہے۔

مدثر اصلاً متدثر تھا، "ت" تجانس کی بنا پر "د" سے مدغم کر دی گئی۔

سورتوں میں سے جو سب سے اوّل نازل ہوئی، کہا جاتا ہے کہ یہی سورۃ المدثر ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶

اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے ۲ اور بتوں سے الگ رہیے اور کسی پر احسان نہ رکھئے کہ زیادہ معاوضہ ملے

قیل هی أول سورة نزلت. (کشاف، ج٤/ص:٦٣٢)

آیت سے ظاہر ہوگیا کہ آثارِ بشری کا صدور وظہور کسی ولی سے تو کیا، کسی نبی بلکہ سید الانبیاءؑ سے بھی ممنوع ومرفوع نہیں۔

قم فأنذر۔ یعنی فرائضِ رسالت کی ادائی میں سرگرمی اور تندہی سے مستعد ہوجائیے۔ قم کے مفہوم میں کمالِ اہتمام وآمادگی داخل ہے۔

قم قیام عزم و تصمیم. (کشاف، ج٤/ص:٦٣٣، کبیر، ج٣٠/ص:١٦٨)

فانذر۔ امر وجوبی ہے، اور اس سے مراد ساری ہی تعلیم وہدایت ہے۔

تبشیر پر انذار کے مقدم ہونے میں محققین نے لکھا ہے کہ فرائضِ تبلیغ میں عذابِ دوزخ سے بچانا ترتیباً بشارتِ جنت پر مقدم ہے۔

۲ یعنی طہارتِ ظاہری کا اہتمام رکھئے، تابعین میں ابن سیرین، وابن زید اور ائمۂ فقہ میں امام شافعی وغیرہ سے یہی منقول ہے۔

یدل علیٰ وجوب تطهیر الثیاب من النجاسات للصلاة. (جصاص، ج٣/ص:٤٧٠)

وهذا القول الذی قاله ابن سیرین وابن زید فی ذلك أظهر معانیه. (ابن جریر، ج٢٣/ص:٤٠٩)

والقول بأنها الثیاب حقیقة هو قول ابن سیرین وابن زید والشافعی، ومن هذه الآیة ذهب الشافعی إلی وجوب غسل النجاسة من ثیاب المصلی. (بحر، ج٨/ص:٧٣١)

دوسرے معنی محاورۂ عرب کے مطابق یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اپنے دامن کو ہر خطا ومعصیت کی آلودگی سے پاک وصاف رکھئے۔

قال ابن عباس لاتلبسها علیٰ معصیة ولا علیٰ غدرة. (ابن کثیر، ج٤/ص: ٣٩٨)

والعرب تقول فی وصف الرجل بالصدق والوفاء إنه طاهر الثیاب. (معالم، عن ابن عباس، ج٥/ص:١٧٤)

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝۸

اور اپنے پروردگار (کی رضا) کے لیے صبر کیجئے ۳ پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا

وهو قول أكثر المفسرين وقلبك فطهر عن الصفات المذمومة. (كبير،ج۳۰/ص:۱۷۰)
تطهير الثياب كناية عن تطهير النفس عما تذم بها من الأفعال. (روح،ج۲۹/ص:۱۱۷)
اور ائمہ لغت نے بھی اس مفہوم کی گنجائش نکالی ہے۔
وثيابك قيل: قلبك. (قاموس،ص:۷۳)
والعرب تكني بالثياب عن النفس لاشتمالها عليها. (تاج،ج۱/ص:۳٤٤)
قيل معناه نفسك فنقها من المعايب. (راغب،ص:۳٤٥)
أى طهّر نفسك من الذنوب. (ابن قتيبة، تفسير غريب القرآن،ص:٤٢٣)
وربك فكبر۔ یعنی اللہ ہی کی بڑائی کا اثبات کیجئے، بخلاف ان مشرکوں کے جو اپنے دیوتاؤں کے ساتھ ہی اس کا نام لے کر اس کی توہین کیا کرتے ہیں۔ ساری تبلیغ کا اصل اصول تو یہی مسئلہ توحید ہے۔

۳ (ان سختیوں پر جو راہِ تبلیغ میں آپ کو پیش آئیں گی)
بنیادی عقائد کے بعد اب تعلیم فضائل اخلاق کی مل رہی ہے۔
ولا تمنن تستكثر۔ اپنے عملِ قلیل کو کثیر جاننا، اس کے عوض میں مدحِ خلق یا صلۂ مالی کی توقع رکھنا، یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ناجائز ہے ـــــــــ دوسرے سے معاوضۂ کثیر کی توقع رکھنا اور اس پر احسان رکھنا یہ جبھی ہوگا جب انسان اپنے عمل کو بڑا جانے گا۔
ضحاک تابعی اور مجاہد تابعی نے کہا ہے کہ پیمبر چونکہ اخلاق کی بلند ترین سطح پر ہوتا ہے، اس کے لیے اتنا بھی جائز نہیں۔
قال الضحاك هذا حرمة على رسول الله صلى الله عليه وسلم، لأنه مأمور بأشرف الآداب وأعلى الأخلاق، وأباحه لأمته وقاله مجاهد. (قرطبى،ج۱۹/ص:۶۷)
قال الضحاك ومجاهد كان هذا للنبى صلى الله عليه وسلم خاصة. (معالم،ج٤/ص:۱۷٤)
اور تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ تحریم ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، شرف و تکریم نبوت کی بنا پر۔ اور یہ حکم عام نہیں ہے۔

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝١٠ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝١١

تو وہ دن سخت ہوگا کافروں پر نہ کہ آسان ؎

ظاهر اللفظ لايفيد العموم وقرينة الحال لا تقتضي العموم لأنه الصلاة والسلام إنما نهي عن ذلك تنزيهاً لمنصب النبوة، وهذا المعنى غير موجود في الأمة. (كبير،ج٣٠/ص:١٧٢)

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ نہی تنزیہی سب کے لیے ہے۔

وقيل هو نهي تنزيه للكل. (روح،ج٢٩/ص:١٠٩)

والرجز فاهجر۔ رجز کے معنی علاوہ نجاست وگندگی کے شرک وبت پرستی کے بھی ہیں۔

الرجز عبادة الأوثان. (قاموس،ص:٤٧٤، لسان،ج٥/ص:١٤٦)

وقيل هو الشرك. (لسان،ج٥/ص:١٤٦)

اور خود بت یا صنم بھی اس کے معنی کیے گئے ہیں۔

وقيل هو صنم. (لسان،ج٥/ص:١٤٦، راغب،ص:٢١٢)

قال أبو العالية و الربيع والكسائي الرجز بالضم الصنم. (قرطبي،ج١٩/ص:٦٧)

ابن عباس صحابی اور متعدد تابعین سے یہی معنی اصنام (بتوں) کے مروی ہیں۔

قال ابن عباس والرجز وهو الأصنام فاهجر، وكذا قال مجاهد وعكرمة وقتادة و الزهري وابن زيد إنها الأوثان. (ابن كثير،ج٤/ص:٣٩٩)

فاهجر کے معنی اس سیاق میں یہی ہوں گے کہ ترک شرک پر قائم رہیے، جیسا کہ اب تک بھی قائم رہے ہیں۔

والمعنى الثبات على هجره. (كشاف،ج٤/ص:٦٣٣)

والمراد منه الأمر بالمداومة على ذلك الهجران. (كبير،ج٣٠/ص:١٧١)

؎ آیت ابتدائی عہد مکی کی ہے اور اس دور کی آیتوں میں عقیدۂ توحید ہی کے بعد سب سے زیادہ زور عقیدۂ آخرت پر ہے۔

على الكافرين۔ اس قید نے یہ صاف کر دیا کہ یوم حشر کے شدائد عام و مطلق صورت میں

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾

چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ۵ اور جسے میں نے کثرت سے مال دیا

نہیں، بلکہ کافروں، منکروں کے لیے مخصوص ہوں گے، اور مومنین انشاء اللہ حور وقصور، بلکہ سارے لذائذ قرب ولقاء سے محظوظ ہوں گے۔

كأنه قيل كما هو يسير علىٰ أضدادهم المؤمنين، ففيه جمع بين وعيد الكافرين وزيادة غبطتهم وبشارة المؤمنين وتسليتهم. (روح، ج ۲۹/ص: ۱۲۱)

الناقور۔ ناقور کا مرادف عربی میں صُور ہے، اُردو میں اس کے لیے بگل کا لفظ آئے گا اور انگریزی آمیز اردو میں جدید لفظ سائرن۔ اس غیبی یا ندائی سائرن کی آواز ساری فضائے کائنات میں گونج کر رہے گی۔

۵ (اور کوئی بھی اس میں دخل نہ دے، میں اکیلا اس سے نپٹ لینے کے لیے کافی ہوں)

مختصر سی آیت حشر کی ہولناکیوں اور انسان کی بیکسی کی تصویر کشی کے لیے کافی ہے۔ ''بس میں ہوں گا اور میرا بندہ''، اس کے اندر سب ہی کچھ آگیا، جو کچھ پڑھایا جائے اسی کی شرح وتوضیح ہی ہوگی۔

ومن خلقت۔ مراد یہاں ہر کافر انسان ہے، گو ظاہر ہے کہ اللہ نے پیدا کافر ومومن سب ہی کو کیا ہے۔ کفرانِ نعمت اور نافرمانی کی اشدیت کے اظہار کے لیے اپنی نسبتِ خالقیت کو یاد دلایا ہے۔

ذرنی۔ ذر تہدید وتخویف کے موقع پر لایا گیا ہے۔

كلمة وعيد وتهديد. (قرطبی، ج ۱۹/ص: ۷۰)

وحیداً کا تعلق رب سے ہے اور اس کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں: یا تو یہ ذرنی کی یائے متکلم کا حال ہو، اور مفہوم یہ ہو کہ میں اکیلا اس کے لیے کافی ہوں، کسی اور کی ضرورت نہیں۔

حال من الياء أي ذرني وحدي معه فإني أكفيكه. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۱۵۹)

وهو المروي عن مجاهد. (روح، ج ۲۹/ص: ۱۲۱)

اور یا یہ حال ہو خلقت کی تائے متکلم کا، یعنی یہ کہ میں نے جس کو اکیلے ہی پیدا کیا، بلا کسی کی شرکت کے۔

وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ

اور جسے کثرت سے پاس رہنے والے بیٹے دیے اور سب طرح کا سامان میں نے اس کے لیے خوب مہیا کر دیا پھر بھی وہ اس کی طمع رکھتا ہے کہ

اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾

میں اور زیادہ دوں ۶ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے، میں اسے عنقریب دوزخ کے پہاڑ پر چڑھا دوں گا ۷

أو حال من التاء أى خلقت وحدى ولم يشرك فى خلقه أحداً. (بيضاوى، ج٥/١٥٩. كشاف، ج٤/ص:٦٣٤. كبير، ج٣٠/ص:١٧٥)

یا یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق وحید سے ہو، یعنی میں نے اس کو تن تنہا پیدا کیا بغیر مال و اولاد کے۔

أى من خلقته فريداً لامال له ولا ولد. (بيضاوى، ج٥/ص:١٥٩. بحر، ج٨/ص:٣٧٣. روح، ج٢٩/ص:١٢٢. كبير، ج٣٠/ص:١٧٥)

۶ یعنی ساری موجود نعمتوں کو کفران اور بے قدری کی راہ سے حقیر سمجھتا ہے اور ناسپاسی کے ساتھ مزید حرص و ہوس میں مبتلا رہتا ہے۔

آیت عام ہے سارے ناشکرے کافروں کے حق میں، لیکن تلمیح مخصوص ہے ولید بن مغیرہ کے لیے، جو مکہ میں ایک بڑا ذی اثر شخص تھا، اور مال دار اور کثیر العیال بھی۔ عرب کے اس تمدن و معاشرت میں کثیر العیال بھی ایک بہت بڑی نعمت تھی۔

وبنين شهوداً۔ لڑکے یہی نہیں کہ کئی کئی موجود ہیں، بلکہ یہ بھی نہیں کہ نظروں سے غائب ہوں، سامنے ہی رہتے ہیں، جس سے وہ مزید لطف و انبساط حاصل کرتا ہے۔

ومهّدت له تمهيداً۔ یعنی جاہ و مال دونوں سے اسے سرفراز کیا۔

إى أتممت عليه نعمتى المال والجاه واجتماعهما، هو الكمال عند أهل الدنيا. (كبير، ج٣٠/ص:١٧٦. مدارك، ص:١٢٩٧)

۷ (جب اسے اپنی سرکشی و نافرمانی کا مزہ معلوم ہوگا)

صعوداً۔ روایاتِ حدیث میں آیا ہے کہ صعود دوزخ کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ دوزخی اس پر چڑھے گا اور پھر گرے گا، گرے گا اور پھر چڑھے گا، اور عذاب کی یہ صورت مسلسل اور دائمی

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾

اس شخص نے سوچا، پھر اس نے ایک بات ٹھہرائی، سو وہ غارت ہو، کیا بات اس نے ٹھہرائی، پھر غارت ہو، کیا بات اس نے ٹھہرائی ۸

رہے گی، اور یہ سزا اس کے اُس عناد کی ہوگی جو اسے حق کے ساتھ دُنیا میں رہا کرتا تھا ـــــــ ترمذی میں صحابی ابوسعید خدریؓ کے حوالے سے ایک روایت اسی مضمون کی آئی ہے، لیکن محدث ترمذی نے اسے خود ''غریب'' کہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلسل وغیر منقطع عذاب میں مبتلا رہے گا اور یہ بیان ابن عباس صحابی اور حسن اور دوسرے تابعین کا ہے۔

وقال ابن عباس المعنى سأكلفه مشقّة من العذاب لا راحة فيه. (قرطبی، ج۱۹/ص:۷۴)

اور جہنم کی اس پہاڑی کا نام عذاب صعب کے لیے بطورِ استعارہ تمثیلی آیا ہے۔

وأطلق لفظه عليه على سبيل الاستعارة التمثيلية. (روح، ج۲۹/ص:۱۲۳)

کلّا۔ یعنی وہ ہرگز اس قابل نہیں۔

لآیتنا۔ آیات سے مراد کلامِ الٰہی ہے۔

۸ (جو صحت کا کوئی امکان بھی نہیں رکھتی)

کلماتِ حیرت وتعجب کی یہ تکرار غایتِ ذم واستبعاد کے لیے ہے، جیسے اُردو میں طنزیہ موقع پر آتا ہے، کیا خوب ارشاد ہوا۔ ''ذرا مکرر تو ارشاد ہو''۔

تكرير للمبالغة. (روح، ج۲۹/ص:۱۲۳)

والمقصود من كلمة ثم ههنا الدلالة على أن الدعاء عليه فى الكرة الثانية أبلغ من الأولى. (كبير، ج۳۰/ص:۱۷۷)

زرکشی نے برہان میں لکھا ہے کہ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔ (برہان، ج۳/ص:۱۷)

إنه فكر وقدر۔ اور سوچتا رہا کہ قرآن مجید کے متعلق آخر نظریہ کیا قائم کیا جائے، جیسا کہ اب بھی بہت سے ہندی اور فرنگی جاہلی مستشرقین سوچتے ہیں، اور آخر میں ایسا ہی کوئی مضحک نظریہ قائم کرتے اور اپنی ''روشن خیالی'' کی تشہیر کرتے ہیں۔

ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

پھر اس نے سوجھ دوڑائی پھر اُس نے تیوری چڑھائی اور منہ تھوتھیایا ۹ پھر اُلٹا پھرا اور ہیکڑی میں آگیا ۱۰ پھر بولا ہونہ ہو کہ یہ تو

سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾

بولتا جادو ہے، ہونہ ہو یہ تو بشر ہی کا کلام ہے ۱۱ میں اس کو عنقریب دوزخ رسید کروں گا

آج کے ''روشن خیالوں'' کی طرح جاہلیت قدیم کے بھی بعض روشن خیال قرآن کی محض تکذیب ہی کافی سمجھتے تھے، بلکہ اپنی تکذیب وانکار کے عقب میں کوئی نظریہ بھی پیش کرنا چاہتے تھے، چاہے یہ نظریہ حقیقت سے کس درجہ بعید، باطل و بے بنیاد ہو۔ فکر و قدر اس ذہنیت کی پوری تصویرکشی کر دیتا ہے۔

فقتل۔ عربی زبان کا ایک محاورہ غایت ذم وتحقیر کے موقع کے لیے قاتلھم اللہ کی طرح۔

۹ یہ بہترین اُردو ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ہے۔

یہ اس ''روشن خیال'' جاہلی نے قرآن مجید سے غایت کراہت وانقباض ظاہر کرنے کو کہا۔

ثم نظر۔ اکثر ایسے موقع پر یہ بھی ہوتا ہے کہ مقرر یا خطیب اِدھر اُدھر حاضرین کی طرف دادطلب نظروں سے دیکھتا جاتا ہے۔

۱۰ انسان پبلک میں نفرت وکراہت کے اظہار کے وقت منہ ہی نہیں بناتا، بلکہ گردن بھی پھیر لیتا ہے، اور جس چیز کی تحقیر کرنا ہوتا ہے اس کے مقابلے میں اپنی بڑائی اور شیخی کا بھی اشارہ کرتا جاتا ہے ــــــ قرآن مجید کے منظر کشی کے ایک ایک جزیئے کی داد دیجیے!

۱۱ (جو کلامِ الٰہی ہو ہی نہیں سکتا)

سحر یؤثر۔ یعنی اس کلام کے موثر ہونے میں شک نہیں، لیکن قوتِ تاثیر نتیجہ ہے سحر کا یا کمالِ بلاغت کا، نہ کہ رُوحانیت کا۔

یؤثر۔ ایسا سحر جو اہل بابل وغیرہ قدیم اہل سحر سے مأخوذ ومنقول ہے۔

أی یروی ویتعلم من سحرة بابل ونحوھم. (روح، ج۲۹/ص:۱۲٤)

آج بھی قرآن مجید سے متعلق روشن خیال منکروں کا منتہائے تحقیق کیا ہے؟ یہی نہ کہ یہ کلام موثر ضرور ہے بلکہ یہ قدیم نوشتوں سے اخذ ونقل کیا ہوا، اور کسی بڑے ہوشیار دماغ کا ڈھالا ہوا۔

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبۡقِىۡ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَـوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿۲۹﴾

اور اے سننے والے تجھے کچھ خبر ہے کہ دوزخ ہے کیا چیز؟ وہ نہ باقی رکھے گی (جلانے سے) اور نہ کسی کو چھوڑے گی (اپنے اندر لینے سے) تن بدن کو جھلس کر رکھ دینے والی ۱۲

عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلۡنَاۤ اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

اس پر انیس (موکل) ہوں گے ۱۳ اور ہم نے دوزخ کے موکل صرف فرشتے ہی بنائے ہیں

۱۲ ذکر اس یومِ آخرت کے سلسلے میں جہنم کی شدتِ عذاب وہولنا کیوں کا چل رہا ہے۔

وما أدرٰك ماسقر۔ دوسری زبانوں کی طرح عربی میں جوش، اثر، زور وتاکید کے موقع پر اکثر کام سوالات سے لیا جاتا ہے۔

لا تبقی۔ کوئی ایسا کافر دوزخی نہ ہوگا جسے دوزخ اپنے جلانے سے باقی رکھے۔

ولا تذر۔ کوئی ایسا کافر دوزخی نہ ہوگا جسے دوزخ اپنے اندر لینے سے چھوڑ دے۔

لوّاحة۔ چہرے کا مسخ ہو جانا، جھلس کر بالکل کالا پڑ جانا، سب لواحة کے تحت میں آجاتا ہے۔ مجاہد تابعی اور ابورزین سے یہی منقول ہے۔

وقال أبو رزين تلفح وجوهم لفحة تدعها أشد سواداً من الليل. (قرطبی، ج۱۹/ص:۷۷)

گرمی سردی کی شدت، بیماری وغم، کسی چیز سے بھی جلد بگڑ جائے تو عربی میں لفظ لاح آتا ہے۔

والعرب تقول لاحه البرد والحرّ والسُّقم والحُزن إذا غيّره. (قرطبی، ج۱۹/ص:۷۸)

للبشر۔ قتادہ اور مجاہد وغیرہ تابعین کا قول ہے کہ یہ بشر، بشرة کی جمع ہے جس کے معنی چمڑی یا جلد کے ہیں۔

أنه جمع بَشرة، وهي جلدة الإنسان الظاهرة، قاله مجاهد وقتادة. (قرطبی، ج۱۹/ص:۷۸)

۱۳ (جو دوزخیوں کو طرح طرح کے عذاب دیتے رہیں گے)

عجب نہیں کہ عذابِ دوزخ کے انیس صیغے ہوں اور یہاں مراد ہر صیغے کے افسر یا کمانڈر فرشتے سے ہوں۔

عدد انیس (۱۹) کی تفسیر میں قول بہت سے نقل ہوئے ہیں، لیکن سب ظن وتخمین ہی کے درجے کے ہیں ــــ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ عدد متعین جو بھی ارشاد ہوگا، اہل انکار واعتراض واستہزاء کی طرف سے اس پر سوال یہی پیدا ہوگا کہ آخر یہی عدد متعین کیوں؟

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا

اور ہم نے ان کی تعداد کافروں کی آزمائش ہی کے لیے رکھی ہے ۱۴ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اہل کتاب تو یقین

الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا إِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ

کرلیں گے اور اہل ایمان کا ایمان بڑھ جائے گا اور اہل کتاب ومومنین شک۔ وشبہ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ لا وَلِيَقُوْلَ الَّذِينَ فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ

نہ کریں گے ۱۵ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے، اور کافر لوگ کہیں گے کہ آخر

۱۴ (کہ وہ اس تعدادِ متعین کو سن کر اُس پر طرح طرح سے مضحکہ کریں گے)

ومـا جعلنـا...... ملئكة۔ یعنی یہ دوزخ کے کارندے یا موکل انسان وغیرہ نہیں، فرشتے ہی ہوں گے، جو ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے پاک ہیں، اور امرِالٰہی کی تعمیل کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہیں۔

أصحـاب النـار۔ اصحاب کا ترجمہ یہاں موکلوں، سپاہیوں، پیادوں، یا پرانی اردو میں سرہنگوں سے ہوسکتا ہے۔

أی المو کّلین بها. (راغب، ص:۳۰۸)

خزنة النار. (ابن جریر، ج۲۳/۴۳۷)

الجمهور علىٰ أن المراد بهم النقباء. (روح، ج۲۹/ص:۱۲۶)

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ عقائد قطعی، اللہ پر ایمان، انبیاء پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، حدوثِ عالم پر اعتقاد وغیرہا تعداد میں انیس ہی ہوتے ہیں، اور عذابِ کفار کی اصل چونکہ انھیں عقائدِ اساسی کی مخالفت ہے، اس لیے ممکن ہے کہ ایک ایک فرشتہ انھیں انیس (۱۹) عقائد اصلی میں سے ایک ایک کے مقابلے میں ہو، یا یہ کہا جائے کہ انسان کے نفس میں عذابِ دوزخ کی بھڑکانے والے اُنیس رنگ کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ (تھانوی، ج۲/ص:۷۱۵)

"فتنة" کے صیغۂ نکرہ سے بعض مفسرین نے نکالا ہے کہ مراد کسی بہت بڑی آزمائش سے ہے۔

لا يبعد أن يكون في التنوين إشعار إلى عظم أمرهم. (روح، ج۲۹/ص:۱۲۶)

۱۵ یہ آیت قرآن مجید کے ان چند مشکل ترین مقامات میں سے ہے، جن کے متعلق علوم

أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًاؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُؕ

اللہ کا مقصود اس بیان سے کیا ہے ١٦١ اور اللہ اس طرح جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے

کا باب انشاء اللہ کسی آیندہ خوش نصیب مفسر کے ہاتھوں کھلے گا۔

ولا یرتاب الذین اُوتوا الکتاب سے اشارہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تعداد انیس سے متعلق کچھ پیش خبریاں اہل کتاب کے یہاں موجود چلی آرہی ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس اور بعض تابعین سے منقول ہے۔

أن عدة خزنة جهنم موافقة لما عندهم، قال ابن عباس وقتادة والضحاك ومجاهد وغيرهم. (قرطبی، ج۲۹/ص:۱۲۸)

لیستیقن اور لیقول میں ل عاقبت کا ہے۔

هذه اللام وكذا الأولىٰ كونها للعاقبة. (روح، ج۲۹/ص:۱۲۸)

بعض نے لام کو لام علت کا کہا ہے۔

أفادت اللام معنى العلة والسبب. (کشاف، ٤/ص:٦٣٩)

لا یرتاب۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ اہل کتاب کی نفی ریب اہل کتاب کی لغوی معنی میں ہے اور مومنین کی شرعی معنی میں (تھانوی، ج۲/ص:۱۶۷) ــــــ اور روح المعانی میں بھی اس پر ایسی گفتگو ہے۔

١٦١ (اور ان لوگوں کا یہ سوال طنز و تعریض کی راہ سے ہوگا)

مرض شک میں مبتلا منافقین اور مرض انکار میں مبتلا کافر۔

من أهل النفاق والكفر. (کشاف، ج٤/ص:٦٣٩)

يجوز أن يراد بالمرض الشك والإرتياب، لأن أهل مكة كان أكثرهم شاكين، وبعضهم قاطعين بالكذب. (قرطبی، ج۱۹/ص:۸۲. کبیر، ج۳۰/ص:۱۸۲. کشاف، ج٤/٦٣٩)

بعض مفسرین نے یہاں یہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ مرض سے مراد نفاق کیوں کر ہو سکتا ہے، اس لیے کہ منافقین تو مدینہ میں تھے، یہ سورت تو ان کے زمانے سے بہت قبل کی ہے ــــــ حالانکہ مدینہ میں تو صرف اصطلاحی گروہ منافقین پیدا ہوا تھا، اور نفس شک و انکار دونوں چیزیں تو مکہ میں تھیں، بعض قرآن کو صریحاً غلط قرار دے رہے تھے اور بعض اس کی حقانیت سے متعلق شک و تردد میں پڑے ہوئے تھے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ كَلَّا

اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کی تعداد تو بس وہی جانتا ہے اور یہ (دوزخ کا بیان) انسان کو صرف نصیحت ہی کے لیے ہے ۱۷ سچ یہ ہے

وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾

کہ قسم ہے چاند کی، اور رات کی جب وہ جانے لگے اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے کہ دوزخ ایک بہت ہی بھاری چیز ہے

نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍ

بڑا ڈراوا انسان کے لیے، یعنی تم میں سے اس کے لیے جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہے ۱۸ ہر شخص

۱۷ (کہ اسے سن کر ان کے دلوں میں خوف وخشیت پیدا ہو اور وہ ایمان لائیں)

ھی۔ یہ ضمیر مؤنث غائب کی جانب ہے، بہتر ہے کہ اس سے حالاتِ دوزخ مراد لیے جائیں۔

الآيات الناطقة بأحوال سقر. (روح، ج۲۹/ص:۱۳۰)

عام قرآنی بیانات بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

يعنى الدلائل والحجج والقرآن. (قرطبی، ج۱۹/ص:۸۳)

اور بعض نے صرف دوزخ (سقر) مراد لی ہے۔

أى سقر كما يقتضيه كلام مجاهد. (روح، ج۲۹/ص:۱۲۹)

جنود۔ جند کی جمع ہے، عموماً لشکروں ہی کے لیے آتا ہے، لیکن اس کا اطلاق ہر مجمع اور ہجوم پر جائز ہے۔

يقال لكل مجتمع جندٌ. (راغب، ص:۱۱۴)

ومــا......ھـو۔ یعنی یہاں جو دوزخ کے موکلوں کی تعداد بتا دی گئی ہے، وہ کسی مصلحت و حکمت ہی سے ہوگی، ورنہ تعداد مخلوقاتِ الٰہی کے لشکروں کی جان ہی کون سکتا ہے سوا اللہ تعالیٰ کے!

کـذلك......من یشاء۔ یعنی لوگوں کی گمراہی و راہ یابی یوں ہی اٹکل پچو نہیں ہو جایا کرتی، بلکہ اللہ کے قانونِ مشیتِ تکوینی کے ماتحت انجام پایا کرتی ہے۔

۱۸ یعنی اس کے لیے بھی جو خیر وفلاح کی طرف قدم بڑھانا چاہے اور اس کے لیے بھی جو خیر وفلاح سے پیچھے ہٹنا چاہے، غرض یہ کہ جملہ مکلفین کے لیے۔

والقمر......أسفر۔ موقع قسم پر یہاں اظہارِ شہادت کے لیے نام تین چیزوں کا لیا گیا ہے:
ایک چاند، دوسرے رخصت ہوتی ہوئی رات، تیسرے روشن ہوتی ہوئی صبح ۔اور یہ تینوں چیزیں خاص مناسبت واقعۂ قیامت سے رکھتی ہیں، اس لیے بطورِ شہادت اُنھیں پیش کیا گیا ہے۔

(۱) چاند کا اول بڑھنا اور پھر گھٹنا، یہاں تک کہ نظروں سے معدوم ہو جانا، ایک نمونہ ہے اس کائنات کے وجود وحدوث ونشونما کا اور پھر اضمحلال اور انحطاط یہاں تک کہ فنا کا۔

(۲) اسی طرح اس عالم کو آخرت کے ساتھ انکشافِ حقائق میں بھی وہی نسبت ہے جو رات کو دن کے ساتھ ہوتی ہے، اس عالم کا ختم ہو جانا مشابہ ہے رات کے گزر جانے سے۔

(۳) اور آخرت کے ظہور کے مشابہ ہونا طلوعِ صبح سے ظاہر ہے۔ (مستفاد از حضرت تھانویؒ، ج ۲/ص: ٦١٧)

کلاّ۔ مشرکین کے انکارِ حشر کے رد کے بعد ہے، تحققھا کے معنی میں یعنی حقیقت میں، اصل میں۔

قيل المعنى حقاً. (قرطبی، ج ۱۹/ص: ۸٤)

إنها ضمیر دوزخ کی جانب ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کافروں کی تکذیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

أي أن تكذيبهم بمحمد صلى الله عليه وسلم لكبيرة من الكبائر. (قرطبی، ج ۱۹/ص: ۸۵)

إحدى الكبر۔ ایک ہی غضب کی چیز ہے۔ ''ایک'' یعنی جس کی کوئی نظیر نہیں، جب اُردو محاورے میں آتا ہے ''وہ ایک ہی ہے''۔ تو اس کے معنی بےنظیر و بےمثال کے ہوتے ہیں۔

أي لا نظير لها كما تقول هو أحد الرجال وهي إحدى النساء. (بحر، ج ۸/ص: ۳۷۸)

نذيراً للبشر۔ بالعموم اشارہ دوزخ کی طرف سمجھا گیا ہے مگر بعض نے مراد اللہ تعالیٰ سے لی ہے۔ (روح) اور بعض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔ (روح عن ابن زید، ج ۲۹/ص: ۱۳۱)

لمن شآء۔ معتزلہ نے آیت کے اس جزء سے نکالا ہے کہ بندہ اپنے اختیار ضلالت وہدایت پر آزاد ہے، لیکن اہل سنت نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس سے اجازتِ الٰہی کا پہلو کہاں سے نکل رہا ہے، کہ یہاں تو صرف ارادۂ عبد کا ہو رہا ہے اور اہل سنت ارادۂ عبد کی نفی کہاں کرتے ہیں، اس کا تو عین اثبات کرتے ہیں، نفی صرف اس عقیدے کی کرتے ہیں کہ بندہ اپنے ارادے کا خالق بھی

بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾

اپنے اعمال میں محبوس ہوگا، مگر ہاں داہنے ہاتھ والے نہیں کہ وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے اور پوچھ پاچھ رہے ہوں گے

عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾

مجرموں کی بابت ۱۹ کہ تمھیں کون سی چیز دوزخ میں لائی ہے؟ وہ کہیں گے ہم تو نہ نماز پڑھتے تھے

ہے کہ ارادہ بہرحال مشیتِ الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔

أن هذه الآية دلت على أن فعل العبد معلق على مشيته العبد معلقة على مشية الله تعالى وحينئذٍ تصير هذه الآية حجة لنا عليهم. (كبير، ج٣٠/ص:١٨٤-١٨٥)

۱۹ (خود انھیں کفار مجرمین سے)

سوال سے محض استفسارِ حال مقصود نہ ہوگا، اہل دوزخ کی سرزنش اور تذلیل بھی مقصود ہوگی۔

• وسؤالهم سؤال توبيخ لهم وتحقير. (بحر، ج٨/ص:٣٨٠)

یہ سوال ان دوزخیوں سے انھیں کے حالات کے لحاظ سے ہوگا اور تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے:۔

والتقدير يتساءلون المجرمين عنهم أي يسألون المجرمين عن أحوالهم.

(روح، ج٢٩/ص:١٣٢)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ صلہ عن بطور کلمہ زائدہ کے ہے۔

قرآن کے پڑھنے والوں کو چاہیے کہ ایسی آیتوں کے تلاوت کے وقت اس منظر کو بھی نظر کے سامنے لے آیا کریں ـــــ کتنے زیردست، محکوم، غلام و خدمت گار اس وقت جنت میں ہوں گے اور کتنے ان کے افسر، حاکم، سردار اور آقا دوزخ میں پڑے ہوں گے!

یہ محبوسی دوزخ کی ہوگی، ہر شخص اپنی پاداشِ عمل میں گرفتار و ماخوذ ہوگا ـــــ یہ الگ بات ہے کہ عفوِ خداوندی کسی کے جرائم ہی کو نظر انداز کر دے ـــــ آیت کے مرادف ایک دوسری آیت بھی ہے: "کل امرء بما کسب رهين"۔

إلا أصحب اليمين۔ یعنی اہل جنت جنھیں نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں ملے گا، وہ اس حبس سے ہر طرح محفوظ و مستثنیٰ ہوں گے۔

المجرمين۔ مراد کفار اہل دوزخ ہیں۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے، اور مشغلہ میں پڑے رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں پڑے رہتے تھے

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

اور ہم روز جزا کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آ گئی ۲۰ ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کچھ

۲۰ (اور ہم انھیں غفلتوں اور سرشاریوں میں پڑے رہ گئے)

نخوض مع الخائضین۔ خوض سے مطلق مشغلہ نہیں، بلکہ ایسا مشغلہ مراد ہے جو دین اور واجباتِ دین سے غافل کردے۔

الخوض الشروع فی الباطل وما لا ینبغی. (کشاف، ج۴/ص:۶۴۲)

المراد منه بالأباطیل. (کبیر، ج۳۰/ص:۱۸۶)

کافروں کی تقریر کا حاصل یہ ہوگا کہ ہم نے نہ حقوق اللہ ہی ادا کیے، نہ حقوق العباد، اور ادائے حقوق تو کیا کرتے، سرے سے روزِ حشر کی آمد ہی سے انکار کرتے رہے۔ اور ابطالِ دین کو ایک مشغلہ سا بنا کر اسی میں لگے رہے، توبہ و انابت کی توفیق کبھی نہ ہوئی اور موت اسی حالت میں آ گئی۔

حتی آتنا الیقین۔ الیقین کے معنی یہاں سورۃ الحجر کی آیت واعبد ربك حتیٰ یأتیك الیقین کی طرح موت ہی کے لیے گئے ہیں۔

وقال المفسرون الیقین الموت. (بحر، ج۸/ص:۳۸۰)

أی الموت ومقدماته كما ذهب إليه جل المفسرين. (روح، ج۲۹/ص:۱۳۳)

عذابِ قیامت بھی مراد لیا گیا ہے، اس لیے کہ یہی شے ہے جس پر یقین لانے سے یہ لوگ زندگی بھر گریز کرتے رہے اور بعد موت مشاہدہ کر کے یقین کیا، ورنہ نفس موت کا یقین تو کافروں کو بھی اپنی زندگی میں رہتا ہے۔

وإنما الیقین الذی عنوا فی هذه الآیة الشیئ الذی كانوا یكذبون به وهم أحیاء فی الدنیا فتیقنوه بعد الموت. (بحر، ج۸/ص:۳۸۰)

الیقین کے لفظی معنی ملاحظہ ہو سورۃ الحجر آیت ۹۹ کا حاشیہ واعبد ربك حتی یأتیك الیقین.

الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ

کام نہ دے گی ۲۱ تو اُنھیں کیا ہوگیا ہے کہ نصیحت سے رُوگردانی کررہے ہیں، گویا وہ وحشی

مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ

گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جارہے ہیں ۲۲ اصل یہ ہے کہ اُن میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ

آیت سے یہ مراد نہیں کہ فلاں فلاں بداعمالیاں، خلود فی النار کا سبب بنیں گی، بلکہ ان کا مجموعہ مراد ہے، جو تمام تر تکذیب و انکار ہی کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ خلود فی النار سزا صرف کفر کی ہے اور آیت میں ذکر صرف کافروں کا ہے۔

الآية فی الكفار لا فی أعم منهم. (روح، ج۲۹/ص:۱۳۳)

۲۱ (بلکہ جب ایسوں کی شفاعت جب سرے سے ہوگی ہی نہیں تو ان کے کام کیا آسکتی ہے!)

والمعنى.لا شفاعة لهم. (جلالين، ص:۷۷۸)

أي لا شفاعة شافعين لهم فتنفعهم. (بحر، ج۸/ص:۳۸۰)

ما تنفعهم۔ لفظ نفع منع عذاب و تخفیفِ عذاب دونوں کو عام ہے، اس کی نفی کے معنی یہ ہوئے کہ یہ نہ عذاب ہی سے بچ سکیں گے اور نہ کوئی رعایت ہی حاصل کرسکیں گے۔

آیت سے یہ بھی نکل آیا کہ مومنین کے لیے مقبولین کی شفاعت کام دے گی۔

وفيه دليل على أن الشفاعة تنفع يومئذ، لأنها تزيد في درجات المرتضين. (كشاف، ج٤/ص:٦٤٢)

۲۲ (بالکل اندھا دھن منہ اٹھائے ہوئے)

عن التذكرة۔ تذکرہ سے مراد قرآن کا ہونا ظاہر ہے۔

گدھے اور پھر وحشی جنگلی گدھے اپنی غباوت اور گاودی پن کے لیے ضرب المثل ہیں، معمولی اور بالکل بے ضرر چیزوں سے بھی بدکتے اور بھاگتے ہیں ـــــــ اور پھر جب شیر سے بھاگیں گے تو ان کی وحشت اور بدحواسی کا کیا ٹھکانا!

تشبیہ سے مقصود قرآن مجید سے ان لوگوں کے انتہائی بعد و تنفر کا اظہار ہے اور تشبیہ صرف فرار اور عدم فرار میں ہے اور دوسرے آثار میں نہیں۔

يُؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ

اُسے لپٹے ہوئے صحیفے دے دیے جائیں ۲۳ ہرگز نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف ہی نہیں رکھتے ۲۴ نہیں بلکہ یہ قرآن ہی (کافی)

تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ

نصیحت ہے سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے، اور نصیحت تو یہ اس صورت میں حاصل کریں گے جب اللہ کی مشیت ہوگی

قسورۃ کے معنی اور بھی کیے گئے ہیں، لیکن صحابہ و محققین تفسیر نے شیر ہی کے معنی لیے ہیں۔

وقال أبوهريرةؓ هي الأسد، وهو قول عطاء والكلبي. (معالم، ج٥/ص: ١٨٠)

قاله أبوهريرة وابن عباس في رواية عنه وزيد بن أسلم وابنه عبدالرحمن. (ابن كثير، ج٤/ص: ٤٠٤)

اور یہی ماہرینِ لغت سے بھی منقول ہے۔

وجمهور اللغويين على أنه الأسد. (روح، ج٢٩/ص: ١٣٤)

القسورة: الأسد. (جوهری، ج٣/ص: ٧٩١)

۲۳ (آسمان سے اُترے ہوئے)

قرآن مجید اپنے مخاطبین کو دعوت غور و فکر ایک خاص قسم کی دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کے پیش کیے ہوئے دلائل و حقائق پر غور کر کے ایمان تک پہنچیں۔ احمق اور سنجیدگی، فکر سے محروم اور سطحی نظر رکھنے والے منکرین اس قوتِ فکری کا استعمال بھی اپنے لیے بار سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ شہادتیں جو بھی ملیں کھلی ہوئی مادّی و حسّی ہی ہوں، خوارق و معجزات کی قسم کی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ آیت سے مذمت اس طالب کی نکل رہی ہے جو کاملین کے اتباع سے عار محسوس کرتا ہے، اور خود اپنے واردات و احوال کی توقع و طلب میں لگا رہتا ہے۔ (تھانوی، ج٢/ص: ١٤-٧)

۲۴ قرآن مجید ان منکرین کی نفسیت کی تشخیص یہ کرتا ہے کہ ان کے اعراض و انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں سرے سے اندیشۂ آخرت اور طلب حق ہے ہی نہیں۔

کلّا۔ یعنی ایسا ہرگز نہ کیا جائے گا کہ ان کے ہوائے نفس کے پورا ہونے کا موقع انھیں ہرگز نہ دیا جائے گا۔

هُوَ اَهۡلُ التَّقۡوٰى وَاَهۡلُ الۡمَغۡفِرَةِ ﴿۵۶﴾

وہی ہے ڈرنے کے قابل اور (وہی) ہے مغفرت والا ۲۵

۲۵ تقویٰ بھی صرف اسی سے اختیار کرنا چاہیے اور مغفرت بھی صرف وہی کر سکتا ہے، دوسروں سے خوف یا طمع دونوں لاحاصل ہیں۔

حدیث نبویؐ میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر یوں ہی آئی ہے:

قال ربکم عز وجل أنا أهل أن اتقى فلا يشرك بي شيئ، فإذا اتقاني عبد فأنا أهل أن أغفر له.

(حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہی اس قابل ہوں کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کام میں کسی کو شریک نہ کرے تو جب بندہ مجھ سے ڈرا، اور میری شان یہ ہے کہ اس کی مغفرت کردوں)

كلا إنه تذكرة۔ اسی قرآن ہی پر غور، تامل وتدبر سے پورا ایمان وایقان حاصل ہو سکتا ہے۔

فمن شاء ذكره۔ جو شخص طلب وقصد رکھے، قرآن مجید سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے ـــــ اس فقرے میں ارادۂ عبد کسب واختیار فعل کا اثبات ہو گیا۔

وما......الله۔ اس فقرے سے مذہب اہل سنت کے اس عقیدے کا بھی اثبات ہو گیا کہ مشیت عبد و مشیت شخصی تابع وماتحت رہتی ہے مشیت ازلی الٰہی کے۔ اور یہیں سے معتزلہ کا بھی رد نکل آیا۔

هو أهل التقوى۔ وہی اس قابل ہے کہ اس سے خوف وتقویٰ اختیار کیا جائے۔

أي أهل أن يتقى ويخاف. (بحر، ج۸/ص:۳۸۱)

وأهل المغفرة۔ وہ اس قابل ہے کہ مغفرت کرے۔

وأهل أن يغفر. (بحر، ج۸/ص:۳۸۱)

(۷۵)

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّة

سورۂ قیامت مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ① وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ② اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی ۱ کیا انسان یہ خیال کر رہا ہے

۱ (جو اپنے اوپر ملامت کرتا رہتا ہے)

لا أقسم۔ اقسامِ قرآنی کی حقیقت کے لیے ملاحظہ ہو ضمیمہ سورۃ الحجر (آیت: ۷۲)۔

لا ۔ قسم کے ساتھ تاکید معنی کے لیے آتا ہے، اور اس کا یہ استعمال کلامِ عرب میں عام ہے۔

إدخال لا النافية على فعل القسم مستفيض في كلامهم وأشعارهم......

وفائدتها توكيد القسم. (كشاف، ج٤/ص:٦٤٥)

لا قبل القسم لتأكيد النفي. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٠٤)

بالنفس اللوامة۔ نفسِ لوامہ یہ ہے کہ بندے سے جب عمل خیر صادر ہو تو یہ اس پر جرح کر کر کے اُس میں عیب نکالا کرے کہ اس میں اخلاص شامل نہ تھا، عمل میں فلاں جز کی کمی رہ گئی، وقس علیٰ ہٰذا۔ اور جب معصیت سرزد ہو جائے تو اس پر بہت ہی نادم و سرنگوں ہو۔

الأشبه بظاهر التنزيل أنها التي تلوم صاحبها على الخير والشر وتندم علىٰ مافات. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٠٥)

قرآن مجید میں نفس کے تین اوصاف بیان ہوئے ہیں:۔

(ا) نفسِ امّارہ: إنّ النفس لأمّارة بالسوء. یہ نفس سرکشوں، خودسروں، مجرموں کا ہوتا ہے۔

أَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهُ ﴿٣﴾ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ ﴿٤﴾

کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے، ضرور جمع کریں گے، ہم تو اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پوروں تک کو دُرست کر دیں ۲

بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ﴿٥﴾ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ﴿٦﴾

اصل یہ ہے کہ انسان تو یہی چاہتا ہے کہ آیندہ بھی فسق و فجور ہی کرتا رہے ۳ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟

(۲) نفس لوامہ: وہی جس کا یہاں ذکر ہے، ادھر غفلت اور شامت سے کوئی لغزش ہوئی اور ادھر نفس کو توبہ و ندامت کی بھی توفیق ہوگئی۔ یہ شان مؤمنین صالحین کی ہوتی ہے۔

(۳) نفس مطمئنہ: یہ نہ تخیلاتِ شیطانی سے متزلزل ہوتا ہے، نہ تحریکاتِ نفسانی سے منتشر۔ یہ حضراتِ انبیاء کے ساتھ اور اولیاء میں اخص خواص کے ساتھ مخصوص ہے۔

۲ (تو جو اس تک پر قادر ہے، اس کے لیے ہڈیوں کا اٹھا کھڑا کرنا اور ان میں جان ڈالنا کیا مشکل ہے!)

الإنسان۔ اس سیاق میں انسان سے مراد ملحد و کافر و منکرِ قیامت انسان ہے۔

أي الكافر المنكر للبعث. (مدارك، ص:۱۳۰۲)

يعني الكافر. (معالم، ج۵/ص:۱۸۲)

نسوّي بنانه۔ پور پور کو ترکیب دے دینے سے مراد جسم کی آخری اور نازک ترین ترکیبوں کا اعادہ ہے۔ ملحدوں کے انکارِ قیامت کی بنیاد اور کچھ نہیں، صرف اس حقیقت کا استبعاد تھا۔ آج کل کے مادیین اور کسی حد تک "نیچریوں" کی طرح اس سطحی عقل والوں کے نزدیک جو چیز بھی معمول عام سے ہٹی ہو، بس محال تھی! قرآن نے اسی لیے جواب میں بار بار یہی پہلو اللہ کی قدرتِ کاملہ کے استحضار کا اختیار کیا ہے۔

۳ (اور اس کی لذت پرستیوں میں کبھی فرق نہ پڑنے پائے)

یعنی وہ چونکہ اپنے کو باز پرس سے دُور رکھنا اور دیکھنا چاہتا ہے، اس لیے قائل بھی ایسے عقیدے کا نہیں ہوتا جس سے لذتوں سے دستبرداری لازم آتی ہو ــــــ یہی ایک ذہنیت قدیم و جدید ساری مادہ پرست قوموں میں مشترک رہی ہے۔

ليفجر۔ فجور سے یہاں مراد کافرانہ اعمال ہیں۔

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿٧﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿٨﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿٩﴾

سو جس روز آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی، اور چاند بے نور ہو جائے گا، اور چاند اور سورج ایک حالت کے کر دیے جائیں گے

يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ

اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں؟ ؎ ہرگز نہیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں، اس وقت ٹھکانہ صرف آپ کے

يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾ بَلِ

پروردگار کے پاس ہوگا، اس روز انسان کو سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلا دیا جائے گا ۵ (بلکہ) اصل یہ ہے کہ

وأصل الفجور الميل وسمى الفاسق والكافر فاجراً لميله عن الحق.

(معالم، ج۵/ص:۱۸۳)

اور اس سوال سے اُس کی غرض جستجوئے حق اور استفسارِ محض نہیں ہوتی، بلکہ سوال طنز و تعریض کے ساتھ کرتا ہے۔

۴ (اور یہ کلمہ انسان کی زبان پر کمالِ اضطراب و سراسیمگی کے عالم میں آئے گا)

قرآن مجید نے بکمالِ حکمت و بلاغت ادھر توجہ ہی نہیں کی کہ وقوعِ قیامت کی صدی اور وقت و تاریخ کی تعیین کی جائے، بلکہ عین اس وقت کی کیفیات کی تصویر پیش کر دی کہ قیامت اس وقت آئے گی جب نظامِ کائنات یوں اور یوں درہم برہم ہو جائے گا اور انسان ہر طرف یوں بلبلایا ہوا بدحواس بھاگتا پھرے گا۔

فإذا برق البصر۔ آنکھوں پر چکاچوندھ کی یہ کیفیت اس وقت کے انتہائی ہیبت ناک منظروں سے طاری ہو جائے گی۔

وخسف القمر۔ چاند کی اس بے نوری کی تصریح میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ عرب جاہلیت میں چاند دیوتا بہت بڑا دیوتا تھا، جس طرح مصر اور بعض دوسری جاہلی قوموں میں معبودِ اعظم سورج رہا ہے۔

وجمع الشمس والقمر۔ یہ آج کا نظامِ تکوینی اس وقت بالکل اُلٹ جائے گا، یہاں تک کہ جو چیزیں آج محال اور غیر ممکن معلوم ہو رہی ہیں اس وقت واقع ہو ہو کر رہیں گی۔

۵ یہ جتلانا اس معنی میں نہ ہوگا کہ ایک بے خبر اور ناواقف کو باخبر اور واقف کیا جا رہا ہے

الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهِ

انسان خود ہی اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا گو وہ اپنے حیلے پیش لائے ۶ آپ اس کو (یعنی قرآن کو) جلدی جلدی لینے کے لیے اس پر

بلکہ یہ جتلانا بطور اتمام حجت وقطع جواب کے ہوگا۔

بما قدّم۔ اس سے مراد وہ عمل خیر ہے جو انسان دُنیا میں کر گزرا ہے۔

و أخّر۔ اس سے مراد اس عمل سے لی گئی ہے جو انسان نہ کر پایا۔

۶ (محض اپنے مقتضائے طبیعت سے)

مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان تو اپنی حالت پر خود گواہ ہوگا، اور بغیر جتلائے ہوئے بھی اسے اپنا حال خوب معلوم ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ حیلے اور حجت بھی اپنے بچاؤ کے تراشتا رہے۔

یہ ماجرا تو روزِ حشر کا بیان ہورہا ہے، لیکن یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے کہ آج اور اس وقت بھی انسان حیلے حوالے کتنے ہی پیش کرتا رہے، اپنے دل میں حقیقتِ حال کو خوب سمجھے رہتا ہے اور اس کا ضمیر خود اس کے جرائم پر گواہ رہتا ہے۔

بصيرة۔ یا تو حجت کے مفہوم میں ہے:

أى هو حجة علىٰ نفسه. (مدارك، ص:۱۳۰۳)

أى حجة بينة واضحة علىٰ نفسه. (روح، ج۲۹/ص:۱۴۰)

علىٰ نفسه بصيرة۔ لفظ علىٰ سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ اعمالِ سوء ہی پر مطلع ہونا یہاں مراد ہے۔

شاهدة بما صدر عنه من الأعمال السيئة كما يؤذن به كلمة على. (روح، ج۲۹/ص:۱۴۰)

اور یا پھر اس میں "ہ" مبالغہ کی ہے جیسے علّامہ میں۔

قال أبو عبيدة هذه الهاء لأجل المبالغة. (كبير، ج۳۰/ص:۱۹۶)

التأنيث للمبالغة. (روح، ج۲۹/ص:۱۴۱)

محققین عارفین نے کہا ہے کہ معرفتِ حق ہر انسان میں ودیعت کردی گئی ہے، کوئی عارف بالفعل ہوتا ہے کوئی بالقوۃ، اور قیامت میں یہی استعداد عرفان اس پر حجت ہوگی۔

لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾

اس پر زبان نہ ہلایا کیجئے ے یہ تو ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوانا ۸

ے نزولِ وحی کے دوران میں آپ اس خیال سے کہ کہیں یہ الفاظ ذہن سے نکل نہ جائیں، خود بھی جلدی جلدی اُنھیں کو دہرانے لگتے تھے۔ یہاں یہ حکم مل رہا ہے کہ آپ نزولِ وحی کے وقت بس سکون و خاموشی سے سنتے ہی رہا کیجئے اور یہ اندیشہ بھی دل میں نہ لائیے کہ وحی کا کوئی خفیف سا جز بھی قلب سے نکل جائے گا، اس کی محفوظیت کے ذمہ دار تو ہم خود ہیں۔

بہ۔ بہ دونوں جگہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہوتی ہے۔

جمعہ۔ یعنی قرآن کا آپ کے سینے میں جمع کر دینا۔

معناه علينا جمعه فى صدرك وحفظك. (كبير،ج ٣٠/ص:١٩٨)

وقرآنہ۔ یعنی پورے کے پورے قرآن کا آپ کی زبان سے پڑھوا دینا۔

إنّا سنقرئك يا محمدٌ إلىٰ أن تصير بحيث لا تنساه. (كبير،ج ٣٠/ص:١٩٨)

- إثبات قراء ته فى لسانك. (مدارك،ص:١٣٠٣)

أى قراء تك إياه. (بحر،ج٨/ص:٣٨٧)

۸ یعنی اُدھر ہی متوجہ ہو جایئے اور اس کے دُہرانے کی فکر میں نہ رہیے۔

فإذا قرأناه۔ یعنی جب ہمارا فرشتۂ وحی اُسے سنایا کرے ——— حق تعالیٰ نے یہاں فرشتۂ وحی کے سنانے کو اپنے ہی سنانے سے تعبیر فرمایا ہے۔

أى أتممنا قراء ته عليك بلسان جبريل عليه السلام المبلغ عنا فالإسناد مجازى. (روح،ج٢٩/ص:١٤٢)

محفوظیت و جامعیت متن قرآنی پر یہ آیت ایک مستقل نص کا کام دے رہی ہے، اشارۃً اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نزولِ وحی میں فرشتۂ جبرئیلؑ کا مقام تعلیم و افادہ کا نہیں، صرف تبلیغ و اعادے کا ہے۔ جیسے جمعہ یا عیدین کی نماز میں مکبّرین، امام کی تکبیر و تسبیح کو صرف دہرا دیتے ہیں، کسی اور حیثیت سے نائب امام نہیں ہوتے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾

پھر اس کا بیان کرادینا بھی ہمارے ذمہ ہے ۹ ہرگز ایسا نہیں ۱۰ اصل یہ ہے کہ تم دُنیا سے تو محبت رکھتے ہو

وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾

اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو ۱۱ اور (کتنے ہی) چہرے اس روز بشاش ہوں گے

فاتبع قرآنه۔ یعنی فرشتۂ وحی کی قراءت کا اتباع کرتے رہیے۔

فاتبع قراءته أی لا ینبغی أن تكون قراءتك مقارنة لقراءة جبريل. (کبیر، ج ۳۰/ص:۱۹۸)

۹ (اور یہ رسول کے ذریعے سے ہوگا)

قرآن کو رسول تک بجنسہٖ پوری حفاظت کے ساتھ پہنچادینا جو حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا تھا، اس کا انصرام تو فرشتے کی وساطت سے ہوا۔ اب رہا دوسرا وعدۂ الٰہی یعنی قرآن کی تبیین وتشریح یہ کس کے ذریعہ سے ہوگی؟ یہ رسولؐ کے ذریعہ سے ـــــــ گویا حق تعالیٰ سے رسول تک متنِ قرآن پہنچانے کا ذمہ دار تو فرشتۂ وحی ٹھہرا، اور رسول سے امت تک متنِ قرآن وشرحِ قرآن پہنچانے کے ذمہ دار رسولِ کریم قرار پائے۔

أی ثم إن علينا أن نبينه بلسانك. (روح، ج ۲۹/ص:۱۴۲)

أی بعد حفظه وتلاوته نبينه لك ونوضحه ونلهمك معناه علىٰ ما أردنا وشرعنا. (ابن كثير، ج ٤/ص:٤٠٦)

آج جس نو پیدا گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صرف ایک خطوط رساں یا ڈاکیہ کی تسلیم کر رکھی ہے، کاش اس آیت سے اس کی آنکھیں کھلتیں!

۱۰ (کہ قیامت نہ آئے گی جیسا کہ یہ احمق منکرین اپنے زعم فاسد میں سمجھے ہوئے ہیں)

کلّا کو حقّا کے بھی مرادف سمجھا گیا ہے اور معنی یقیناً کے کیے گئے ہیں۔

قال سائر المفسرين (كلّا) معناه حقاً تحبون العاجلة وتذرون الآخرة.

(کبیر، ج ۳۰/ص:۱۹۹)

۱۱ (اسی محبتِ دُنیا کے انہماک میں)

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝٢٣ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۝٢٤

اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ۱۲ اور (کتنے ہی) چہرے اُس روز بے رونق ہوں گے

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝٢٥

اور سمجھ رہے ہوں گے کہ اب ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ۱۳

یہاں یہ بتادیا کہ انکارِ آخرت کی بنیاد بھی یہی دُنیوی زندگی میں انہماک وغفلت ہے۔

۱۲ مسئلہ رویت باری و دیدارِ الٰہی اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے اور اس آیت سے بخوبی ثابت ہے۔

اعلم أن جمهور أهل السنة يتمسكون بهذه الآية فى إثبات أن المؤمنين يرون الله تعالىٰ يوم القيٰمة. (كبير، ج ٣٠/ص: ٢٠٠)

مسئلة النظر ورؤية الله تعالىٰ مذكورة في أصول الدين. (بحر، ج٨/ص: ٣٨٩)

قال ابن عباس وأكثر الناس تنظر إلىٰ ربّها عياناً بلاحجاب. (معالم، ج٥/ص: ١٨٥)

وقد ثبتت رؤية المؤمنين لله عزوجل في الدار الآخرة في الأحاديث الصحاح من طرق متواترة عند أئمة الحديث لايمكن دفعها ولامنعها. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٤٠٦)

وجوه يومئذ ناضرة۔ جملۂ اسمیہ ہے اور جملہ کی ترکیب دلالت حدوث وزوال پر نہیں کرتی بلکہ اس پر کہ یہ بشاشت وشگفتگی دائمی ہوگی۔ اس بشاشت وسرور کی وجہ بھی معاً بعد مذکور ہے، یعنی یہ کیفیت، اضطراری اور خود بہ خود طاری نہ ہوگی، بلکہ یہ تلذذ ونشہ، ثمرۂ رویت ہوگا۔

إلىٰ سے بعض عارفین نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ کمالِ قرب وکثرتِ انوار کے باوجود نظارہ کرنے والے میں احساسِ تشخص ودرک باقی رہے گا۔ تلذذ وتکیف پوری طرح ہوسکے گا، فنائے محض کی کیفیت طاری نہ ہوگی۔

إلىٰ ربها ناظرة۔ فعل نظر کا صلہ جب إلیٰ کے ساتھ آتا ہے، تو اس کے معنی رؤیت ہی کے ہوتے ہیں۔

ولا يعدى بإلىٰ إلا بمعنى الرؤية. (مدارك، ص: ١٣٠٣)

۱۳ یعنی نہایت شدت کا معاملہ۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِىَ ۝٢٦ وَقِيْلَ مَنْ سكتة رَاقٍ ۝٢٧

(دُنیا محبوب بننے اور آخرت متروک ہونے کے قابل) ہرگز نہیں ۱۴ جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور پکارا جانے لگتا ہے کہ اب کوئی جھاڑنے والا بھی ہے؟ ۱۵ .

وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝٢٨ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ

اور (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ اب مفارقت (کا وقت) ہے اور پنڈلی پنڈلی سے

فاقرۃٌ۔ فقر ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔ اس کو توڑ دینے والی چیز سے کنایہ ہوتا ہے انواعِ عذاب وغایت مصیبت سے۔

وجوہ کے صیغۂ نکرہ ہونے سے یہ مستفاد ہوا ہے کہ کچھ ہی بدقسمت اس میں گرفتار ہوں گے، سب نہ ہوں گے۔

۱۴ اس تردید کا تعلق آیت ۲۰، ۲۱، بل تحبون العاجلة وتذرون الآخرة سے ہے۔

۱۵ (جواب آکر اچھا کرے)

راقی کے معنی جھاڑنے پھونکنے والے کے ہیں۔ قرآن مجید کے مخاطب اول یاد کرلیجئے کہ عرب تھے، اور پھر یہ سورت تو نزول میں بھی بہت ابتدائی ہے۔ اس وقت ان سے وہی بات اس زبان میں کہی گئی، جس سے وہ مانوس اور جس کے وہ خوگر تھے، دوسری مشرک قوموں کی طرح ان میں بھی بڑا زور جھاڑ پھونک کا تھا، اور مرتے ہوئے شخص کو بچانے کی آخری اور انتہائی تدبیریں ان کے درمیان اسی قسم کی ہوتی تھیں۔ اس وقت اگر ان کے سامنے انجکشن دینے یا مصنوعی تنفس کے سامان کا ذکر کیا جاتا تو بجز اس کے کہ وہ حیرت سے بھوچکے رہ جاتے اور کوئی حاصل بھی نہ تھا۔۔۔ یہاں مراد مطلق معالج سے ہے۔

طبيباً يشفيه، وراقياً يرقيه. (كبير، ج ٣٠/ص: ٢٠٤)

لعلة أريد به مطلق الطبيب. (روح، ج ٢٩/ص: ١٤٦)

أى من يرقي ويطب ويشفي وغيرذلك مما يتمناه له أهله. (بحر، ج ٨/ ص: ٣٨٩)

أى من طبيب شاف، وكذا قال قتادة والضحاك وابن زيد. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٤٠٨)

أى هل من طبيب يرقيه ويداويه فيشفيه برقيته أودوائه، وقال قتادة التمسوا له الأطباء. (معالم، ج ٥/ص: ١٨٦)

بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾

لپٹنے لگتی ہے ۱۶؎ اس روز تیرے پروردگار ہی کی طرف جانا ہوتا ہے، اس (کافر) نے نہ تو تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی ۱۷؎

وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى لَكَ

بلکہ تکذیب کی تھی اور منہ موڑا تھا، پھر فخر کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا ۱۸؎ تیری کم بختی پر

فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾

آنے والی ہے، پھر تیری کم بختی پر آنے والی ہے ۱۹؎

۱۶؎ (سکراتِ موت کی شدت سے)

ظن أنه الفراق۔ظن۔یہاں یقین کے معنی میں ہے۔

وأكثر المفسرين علىٰ تفسيره باليقين. (روح، ج۲۹/ص:۱۴۷)

وتظن بمعنىٰ توقن. (بحر، ج۸/ص:۳۸۹)

۱۷؎ یعنی نہ ایمان لایا تھا، نہ اعمال کی پروا کی تھی۔

فلا صدّق۔ تصدیق سے مراد توحید و رسالت کی تصدیق ہونا ظاہر ہے۔ الفاظِ آیت کی ترکیب سے ایک اشارہ پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح نماز بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتی، اسی طرح ایمان بغیر نماز کے کامل نہیں ہوتا۔

علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ ایمان کے بعد نماز سے بڑھ کر کوئی عمل اہم و مؤکد نہیں۔ یہ مسئلہ بھی نکالا گیا ہے کہ مستحق زجر و ملامت جس طرح عدم ایمان ہے، اسی طرح ترکِ نماز بھی۔

اعلم أن الآية دالة علىٰ أن الكافر يستحق الذم والعقاب بترك الصلاة كما يستحقهما بترك الإيمان. (كبير، ج۳۰/ص:۲۰۵)

۱۸؎ یعنی اپنے کفر و عصیان پر فخر کرتا ہوا اپنے خدم و حشم میں جا کر اور زیادہ غافل و مغرور ہو جاتا تھا۔

۱۹؎ یہ تکرار اور تاکید پر تاکید، دوسری زبانوں کی طرح عربی اسلوبِ بیان میں بھی کمال غضب اور وعید شدید کے اظہار کے لیے ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا، أولىٰ لك فاولىٰ، ثم أولىٰ لك فاولىٰ، اس نے ہاتھ چھڑا لیا

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی ﴿۳۶﴾ اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَۃً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ﴿۳۷﴾

کیا انسان اس خیال میں ہے کہ اُسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا ۲۰ کیا یہ شخص (محض) ایک قطرۂ منی نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا ۲۱

ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنۡہُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ

پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر (اللہ نے اسے انسان) بنایا، پھر اعضاء ٹھیک کیے، پھر اس کی دو قسمیں کر دیں، مرد

وَالۡاُنۡثٰی ﴿۳۹﴾ اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ﴿۴۰﴾

اور عورت ۲۲ تو کیا ایسی (ذات) اس پر قدرت نہیں رکھتی کہ مردوں کو زندہ کر دے ۲۳

اور یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ نہ تم میرا کچھ کر سکتے ہو نہ تمھارا خدا، حق تعالیٰ نے بجنسہٖ اس فقرے کو قرآن میں نازل فرما دیا۔

۲۰ (بلا حساب و کتاب اور بغیر جزا و سزا کے)

الإنسان۔ انسان سے یہاں مراد کافر، ناسپاس، منکرِ حشر انسان ہے۔

۲۱ (عورت کے رحم میں)

اشارہ ہے انسان کی اصل حقیر کی طرف ــــــــ دُنیا میں مشرک جاہلی قومیں ایسی بھی گزری ہیں جو منی کے تقدس اور نطفہ کے احترام کی قائل ہوئی ہیں، قرآن مجید کی اس مضمون کی آیتیں ضمناً اس جاہلانہ عقیدے کی بھی تردید کرتی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۲۲ (تو جس کی محض پیدائش میں یہ اہتمام وانضباط ہو اور جس کی خلقت، ترکیب وارتقا میں اتنی صنعت صرف ہو، کیا اس کے انجام کار کی طرف سے غفلت اور اسے محض بختِ واتفاق پر چھوڑے رہنا عقل سلیم کسی طرح بھی قبول کرتی ہے؟)

والمقصود هنا إثبات المعاد والرد علىٰ من أنكره من أهل الزيغ والجهل والعناد. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٤٠٨)

۲۳ یعنی جو قادر مطلق وصانعِ برحق ابتداءً محض اپنی قدرت سے یہ سب کچھ کر سکتا اور نیست کو ہست کر سکتا ہے وہ اب صرف اعادے پر بھی قدرت نہیں رکھتا؟

(٧٦)

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ

سورۂ دھر مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ①

بے شک انسان پر زمانے میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ تھا ١

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ②

بے شک ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا مخلوط نطفہ سے کہ ہم اسے آزمائیں، سو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا ٢

١ یعنی انسان اپنی پیدائش سے قبل جب کہ بحیثیتِ انسان معدوم تھا۔

ھل یہاں بالاتفاق قد کے معنی میں ہے یعنی ضرور یا یقیناً۔

هل بمعنى قد. (كشاف، ج٤/ص:٦٥٣)

هل أتىٰ بمعنى قد ...... وبذلك فسرقوله تعالىٰ: "هل أتىٰ على الإنسان"

(مغنی، عن ابن عباس والكسائي والفراء)

وعند سيبويه أن هل بمعنى قد. (مغنی، ص:٤٦٠)

٢ یعنی صاحبِ عقل بنایا اور ایسی ہیئت وصفات کے ساتھ پیدا کیا کہ اس میں احکام کا مکلف بننے کی قابلیت ہو۔

نطفة أمشاج۔ یہ اختلاط وامتزاج ممکن ہے کہ مرد وعورت کے مادّوں کی ترکیب کے لحاظ سے ہو اور ہوسکتا ہے کہ خود منی ہی کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے ہو۔

فالأكثرون علىٰ أنه اختلاط نطفة الرجل بنطفة المرأة. (كبير، ج٣٠/ص:٢٠٩)

إِنَّا هَدَيْنَٰهُ ٱلسَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ۝٣ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ

ہم ہی نے اس کو راستہ بتایا (پھر) یا تو وہ شکر گزار (ہوا) اور یا کافر ہو گیا ۳ ہم ہی نے کافروں کے لیے

سَلَٰسِلَا۟ وَأَغْلَٰلًا وَسَعِيرًا ۝٤ إِنَّ ٱلْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ

زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، بے شک نیک لوگ ایسے جام پئیں گے جس میں

مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝٥ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ ٱللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝٦

کافور کی آمیزش ہوگی، یعنی ایسے چشمے سے جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے جسے وہ بہائے ہوئے لے جائیں گے ۴

ذلك عبارة عمّا جعله الله تعالیٰ بالنطفة من القویٰ المختلفة. (راغب، ص:۵۲۳)

یہ بیان عام خلقتِ انسانی کا ہوا، اور اس طرح کے بیانات قرآن مجید میں ہمیشہ صرف عمومی حیثیت رکھتے ہیں، اس سے یہ استدلال کرنا کہ کسی انسان کی بھی خلقت بجز معروف ومتعارف طریقہ کے ہو ہی نہیں سکتی، تمام تر سطحیت و بے مغزی ہے۔

سمیعاً بصیراً۔ علم ومعرفت کے لیے حواس میں بڑا دخل آنکھ اور کان ہی کو ہے، اس لیے صراحت سے نام انھیں دو قوتوں کا لیا گیا۔

۳ یعنی وہ اس بتائے ہوئے راستے پر یا تو چلا، یا نہ چلا۔ اگر چلا تو مومن وشکر گزار ٹھہرا، نہ چلا تو کافر اور ناشکرا نکلا۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ اسباب وحالات اور قوتیں اللہ نے خلق فرمائیں اور اختیار وصرفِ ہمت انسان کی رائے پر چھوڑا۔

إنّا هدینه السبیل۔ یعنی ہم نے اُسے احکام کا مکلف بنایا۔

۴ (جہاں چاہیں گے)

اسے اہل جنت کی ایک کرامت سمجھیے یا جنت کی خصوصیت مقامی کہ جنت کی نہریں، ندیاں سب اُن کے تابع اور ان کے حکم کی مسخر ہوں گی۔

کافوراً۔ کافور کے بے انتہا فوائد اس دُنیا میں بھی اطباء کو مسلم ہیں، اور پھر وہ کافور تو جنت کا کافور ہوگا، اس کی خوبیوں کا کیا پوچھنا! یہاں یہ خوب خیال رہے کہ دُنیا کی جس چیز سے بھی جنت کی

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ⑦ وَيُطْعِمُونَ

یہ لوگ واجبات کو پورا کرتے رہتے اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی اور کھانا کھلاتے

الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ⑧ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ

رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے ۵ ہم تو بس اللہ ہی کی خوشنودی کے لیے کھانا کھلاتے ہیں

کسی نعمت کو تشبیہ دی جاتی ہے وہ تشبیہ اس چیز کی صرف حسن وخوبی کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ کسی ضرر یا قبح کے لحاظ سے دُنیا کے کافور میں اگر کچھ مضرتیں ہوں بھی تو جنت کے کافور پر اُن کا کیا اثر! ٹھیک اس طرح جیسے دُنیا کی شراب کے سکر وفتورِ عقل کا مطلق کوئی اثر شرابِ جنت کی لذت وسرور پر نہیں۔

عباد اللّٰہ۔ اضافت تشریفی یا تخصیصی ہے اور مراد اہل بہشت ہیں۔

المقربون من عباد اللّٰه. (ابن كثير، ج٤/ص:٤١٠)

قال ابن عباس أولياء اللّٰه. (معالم، ج٥/ص:١٩٠)

۵ (غرض یہ کہ مالی عبادتوں میں بھی اخلاصِ کامل ملحوظ رکھتے ہیں)

یوفون بالنذر۔ نذر ہر وہ عبادت ہے جو اپنے اوپر واجب کر لی جائے خواہ بالکل اپنی طرف سے خواہ اس لیے کہ اس کا حکم ہی ہو۔

المراد بالنذر ههنا كل ما وجب عليه سواء وجب بإيجاب اللّٰه تعالىٰ ابتداء أو بأن أوجبه المكلف علىٰ نفسه فيدخل فيه الإيمان و جميع الطاعات. (كبير، ج٣٠/ص:٢١٤)

یوفون......مستطیراً۔ یعنی عبادتوں کی ادائی میں پورا اخلاص برتتے ہیں، اور اپنی ذمہ داری اور پرسشِ آخرت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔

مستطیراً۔ وہ چیز ہے جو خوب پھیلے ہوئے اور خوب گھیرے ہوئے ہو۔

علیٰ حبہ۔ ضمیر ہ بھی اللہ کی جانب ہے یعنی حق تعالیٰ کی محبت میں، حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے۔

اطعاماً كائناً علىٰ حبه تعالىٰ ولوجهه سبحانه وابتغاء مرضاته عز وجل، وإليه ذهب الفضيل بن عياض وأبو سليمان الداراني. (روح، ج٢٩/ص:١٥٥)

لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ⑨ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا

اور نہ تم سے (اس کا) عوض چاہیں اور نہ شکریہ، ہم تو اپنے پروردگار کی طرف سے اندیشہ رکھتے ہیں

أسیراً۔ مسکین و یتیم تو اس وقت مسلمانوں میں بھی تھے لیکن "اسیر" تو نزولِ آیت کے وقت بہر حال مشرکین ہی تھے۔

قال قتادة كان أسيرهم يومئذن المشرك. (جصاص، ج۳/ص:۴۷۱)

وعن الحسن قال كانوا مشركين. (جصاص، ج۳/ص:۴۷۱)

الأظهر الأسير المشرك لأن المسلم المسجون لايسمى أسيراً على الإطلاق. (جصاص، ج۳/ص:۴۷۱)

قال ابن عباس والحسن وقتادة إنه الأسير من المشركين. (كبير، ج۳۰/ص:۲۱۷)

يعني أسراء الكفار. (بيضاوى، ج٥/ص:١٦٤)

اور اس سے یہ نکلا کہ غیر مسلم اسیروں کی بھی امداد و اعانت موجبِ اجرِ آخرت ہے گو بعض فقہاء نے اس میں قیدیں لگا دی ہیں۔

ففيه دليل على أن اطعام الأسارىٰ وإن كانوا من أهل الشرك حسن ويرجى ثوابه. (معالم، ج٥/ص:۱۹۲، روح، ج۲۹/ص:۱۵۵)

ويطعمون الطعام۔ محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ خلقت کے ساتھ حسن سلوک کی ساری ہی صورتیں آیت میں شامل ہیں، جس کی ایک اہم فرد کھانا کھلانا بھی ہے۔

وإطعام الطعام كناية عن الإحسان إلى المحتاجين والمواساة معهم بأى وجهٍ كان، وإن لم يكن ذلك بالطعام بعينه. (كبير، ج۳۰/ص:۲۱٦)

أقول وهذا يدل على أن المراد من قوله (إنما نطعمكم) ليس هو الإطعام فقط بل جميع أنواع المواساة من الطعام والكسوة. (كبير، ج۳۰/ص:۲۱۹)

فكأنه ينفعون بوجوه المنافع. (روح، ج۲۹/ص:۱۵۵)

يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً

ایک سخت اور تلخ دن کا ۶ سو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اوران کو تازگی

وَّسُرُورًا ﴿١١﴾ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَّحَرِيرًا ﴿١٢﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيهَا عَلَى

اورخوشی عطا کرے گا، اوران کے صبر (وثبات) کے صلہ میں انھیں جنت اور ریشمی لباس دے گا، اس حال میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر

الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا

تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی، اور درختوں کے سایے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے

وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ

اوران کے میوے ان کے بالکل اختیار میں ہوں گے ۷ اوران کے پاس لائے جائیں گے چاندی کے برتن اور گلاس

كَانَتْ قَوَارِيرَا۠ ﴿١٥﴾ قَوَارِيرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾

جو شیشے کے ہوں گے (اور وہ) شیشے چاندی کے ہوں گے جنھیں بھرنے والوں نے مناسب اندازہ سے بھرا ہوگا ۸

۶ اور ہم یہ اعمال اس لیے بجالاتے ہیں کہ اس دن کی سختیوں سے محفوظ رہیں)

یہ آیتیں مسلسل اسی تاکید اخلاص کے لیے چلی آتی ہیں، اس قسم کی آیتیں اُن تمامی غیر محقق صوفیہ کی تردید کے لیے کافی ہیں، جنھوں نے خوفِ آخرت سے کسی عمل کے کرنے کو خلافِ اخلاص سمجھا ہے۔

۷ (کہ ہر وقت ہر طرح بلا مشقت حاصل ہوسکیں گے)

قرآن کے مخاطبینِ اول یادرہے کہ عرب تھے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس کی ضرورت تھی کہ جنت کی نعمتوں، لذتوں، راحتوں کی ایک ایک تفصیل ان کے مذاق کے مطابق بیان کی جائے، کلام اس سے ان کے لیے خاص طور پر موثر ہوگیا تھا۔ مخاطبینِ اول کے فہم ومذاق کی رعایت خصوصیت کے ساتھ رکھنا بلاغتِ کلام اور فن خطابت دونوں کے اصولِ اعلیٰ میں داخل ہے۔

۸ یعنی پینے والوں کی ٹھیک خواہش کے مطابق۔

قواریر من فضة۔ چاندی کے شیشے کے معنی یہ ہیں کہ سفیدی چاندی کی سی ہوگی اور شفافی شیشے کی سی۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيهَا

اوران میں انھیں ایسا جام (شراب) پلایا جائے گا جس میں آمیزش زنجبیل کی ہوگی ۹ یعنی ایسے چشمے سے جو وہاں ہوگا

تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ

اوراس کا نام سلسبیل ہوگا، اوران کے پاس ہمیشہ لڑکے رہنے والے لڑکے آمد ورفت رکھیں گے، اگر تو انھیں دیکھے

حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿۱۹﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿۲۰﴾

تو سمجھے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں ۱۰ اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھے بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے ۱۱

عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ ۚ

ان (جنتیوں) پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی اور انھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿۲۱﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً

اوران کا پروردگار ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا ۱۲ یہ تمھارا صلہ ہے

۹ زنجبیل کے طبی فوائد آج بھی کافور ہی کے منافع کی طرح دُنیا کی ہر طب میں مسلّم و مشہور ہیں اور پھر وہ تو دُنیا کی نہیں، جنت کی زنجبیل ہوگی۔

یسقون۔ میں اکرام و تعظیم کا پہلو اہل جنت کے لیے یشربون سے بھی زیادہ ہے۔

۱۰ (موتی تو رنگ کی صفائی کے لحاظ سے اور بکھرے ہوئے یوں کہ ہر وقت چلتے پھرتے رہیں گے)

یطوف...... مخلّدون۔ یہ بطورِ خادم کے چیزیں لے لے کر ہر وقت آتے جاتے رہیں گے۔

۱۱ یعنی وہاں کا ہر ہر سامان اسی افراط، اسی ریل پیل کے ساتھ ہوگا۔

۱۲ ایسا پاکیزہ و لطیف مشروب، جو دوسروں کو بھی پاک و لطیف بنادے گا۔

سندس خضر و استبرق۔ ہر دو قسم کے لباس ریشمین الگ الگ لطف و لذت دیں گے۔

ثیاب...... فضۃ۔ ہر موطن کا مقتضا جداگانہ ہوتا ہے، ریشم اور زیور اس دُنیا میں مردوں کے لیے بعض مفاسد کی بنا پر ممنوع و معیوب ہیں۔ جنت کی فضا میں وہ سارے مفاسد غیر موجود ہوں گے۔

وسقاھم ربھم۔ اہل جنت کے اعزاز و اکرام کی ترتیب اس سورت میں دیکھتے آیئے۔

وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا ﴿٢٣﴾

اور تمھاری کوشش مقبول ہوئی ۱۳ ہم ہی نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کرکے اتارا ہے

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ

سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر مستقل رہیے اور ان میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے ۱۴ اور اپنے پروردگار کا نام

بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾

صبح و شام لیتے رہیے، اور رات کے بھی کسی حصے میں اسے سجدہ کیا کیجئے اور اس کی تسبیح رات کے بڑے حصے میں کیا کیجئے ۱۵

پہلے ارشاد ہوا یشربون، یعنی وہ خود وہاں پئیں گے، پھر وارد ہوا یسقون (بصیغۂ مجہول) یعنی انھیں پلایا جائے گا۔ پلانے والے مجہول رہے، چاہے فرشتے ہوں یا جنت کے کوئی دوسرے خدام ہوں، اب کی ارشاد ہو رہا ہے کہ وسقھم ربھم ساقی براہِ راست ذات باری تعالیٰ ہوگی ——— کیا ٹھکانا ہے اس اعزاز و اکرام کا!

شراباً۔ شراب عربی میں ہر مشروب (پینے والی چیز) کو کہتے ہیں۔

كل مائع ماءً كان أو غيره. (راغب، ص: ۲۸۹)

اس سے ذہن اُردو کے لفظ شراب اور اس کے گندے و نشیلے مفہوم کی طرف کہیں منتقل نہ ہو جائے۔

طہوراً۔ صیغۂ مبالغہ ہے یعنی ایسا مشروب جو نہ صرف نہایت پاک و پاکیزہ ہے بلکہ پاکیزہ گر بھی ہے۔

۱۳ (جو تم دُنیا میں طاعاتِ الٰہی میں کرتے رہتے تھے)

یہ اہل جنت سے ان کے مزید اکرام و اعزاز کے طور پر کہا جائے گا۔

۱۴ (کہ ان میں سے کسی کی ترغیب یا فرمائش پر دعوت و تبلیغ ہی چھوڑ بیٹھیے)

مشرکین کی انتہائی تمنا یہی تھی کہ آپ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ کسی طرح بند کر دیں۔

إنّا...... تنزیلاً۔ اور اس تدریجی تنزیل میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ آپ اسے تھوڑا ہی تھوڑا کرکے اُمت تک بسہولت پہنچاتے رہیے۔ اور انھیں بھی قبول کرنے میں آسانی رہے۔

فاصبر لحکم ربك۔ اور انھیں احکامِ الٰہی میں ایک بڑا فریضہ تبلیغ و دعوت کا ہے۔

۱۵ یعنی شروع رات میں نماز فرض اور آخر میں تہجد کا اہتمام رکھیے۔

اِنَّ هٰٓـؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

یہ لوگ تو بس دُنیا سے دل لگائے ہوئے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو (بالکل) چھوڑے ہوئے ہیں ۱۶

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾

ہم ہی نے انھیں پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کیے اور ہم ہی جب چاہیں انھیں جیسے لوگ ان کی جگہ بدل دیں ۱۷

وسبحه ليلاً طويلاً۔ یعنی رات میں دیر تک تہجد میں لگے رہیے۔

وتهجد له تعالى قطعاً من الليل طويلاً. (روح، ج۲۹/ص:۱۶۶)

فاسجد له۔ سجود سے یہاں کنایہ اصل صلاۃ کی طرف ہے۔

فاسجد أی فصلّ. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۶۶، روح، ج۲۹/ص:۱۶۶)

السجود مجاز عن الصلاة بذكر الجزء وإرادة الكل. (روح، ج۲۹/ص:۱۶۶)

۱۶ یہاں تمام لامذہبوں کی اصلی ذہنیت (سائیکالوجی) بے نقاب کردی ہے کہ عمق اور دُور بینی سے یہ کورے ہوتے ہیں، صرف حاضر پرست یا ''آج'' پرست ہوتے ہیں، ان کی عقلیں سطحی اور ان کے فیصلے تمام تر سرسری ہوتے ہیں، یہ محض حواس پرست اور ہوا پرست ہوتے ہیں، عقل ودُور اندیشی سے انھیں دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

یوماً ثقیلاً۔ وہ دن جو کافروں اور منکروں پر بہت ہی بھاری ہوگا۔

العاجلة سے مراد دُنیا اور اس کی ساری آنی فانی لذتیں ہیں۔

۱۷ یعنی ان کی خلقت اور ان کی ترکیب حکیمانہ دونوں سے قدرتِ الٰہی بالکل ظاہر ہے، پھر بعث میں کون امر ایسا دشوار ہے کہ اس پر قدرت نہ ہو؟

وإذا شئنا ......الخ سے مراد یہ بھی لی گئی ہے کہ ہم جب چاہیں گے ان کے امثال واَشباہ بدل دیں گے، انھیں مار کر پھر سے جلائیں گے اور عالم برزخ وآخرت میں لے جائیں گے، جہاں ان کی صورتیں ان کے اعمال ہی کی مماثل ہوں گی۔ اہل جہنم حسب اعمالِ قبیحہ اور اہل جنت حسب مقدار اعمالِ حسنہ، قبح اور حسن کے درجہ پر ظاہر کردیے جائیں گے۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا

یہ (بیان) نصیحت ہے، سو جو کوئی چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرے، اور تم چاہ بھی تو بس

أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ

وہی سکتے ہو جو اللہ چاہے، بے شک اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۸ وہ جسے چاہے

فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾

اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لیے اس نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے ۱۹

ع ۲ ۹ ۲۰

۱۸ (اس لیے اس کی مشیت بھی ہمیشہ علم و حکمت ہی پر مبنی ہوتی ہے)

فمن شآء اتخذ إلیٰ ربه سبیلاً۔ اور اس راہِ ہدایت کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے ارادے واختیار سے صحیح کام لے۔

وما......اللّٰہ۔ یعنی یہ بشری ارادہ بھی حق تعالیٰ کی مشیتِ تکوینی کے ماتحت ہی ہوتا ہے، اس سے الگ اور بے نیاز نہیں۔

۱۹ الظّٰلمین۔ ظالم سے مراد سیاق میں حسب محاورۂ قرآنی کافر ہی ہیں، جنھوں نے اپنے ارادے واختیار سے صحیح کام ہی نہ لیا۔

أی الکافرین. (مدارك، ص:۱۳۰۹)

أی المشرکین. (معالم، ج٥/ص:١٩٥)

وهم الکافرون. (جلالین، ص:۷۸۳)

یدخل......رحمته۔ اور رحمت میں داخل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا سینہ ایمان واسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

(۷۷)

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ مرسلت مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾

قسم ہے اُن ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں، پھر اُن کی جو تندی سے چلتی ہیں اور اُن ہواؤں کی جو (بادلوں کو) پھیلاتی ہیں

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ

پھر ان کی جو (انھیں) متفرق کر دیتی ہیں، پھر ان کی جو یاد (الٰہی) کا القاء کرتی رہتی ہیں، توبہ سے یا ڈرانے سے، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے

لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾

وہ ضرور واقع ہو کر رہے گی[1]۔ سو جس وقت کہ ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جس وقت آسمان پھٹ جائے گا

[1] یعنی یہ سارا نظامِ کائنات خود ہی گواہی دے رہا ہے وقوعِ قیامت کی۔

قرآنی قسموں کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الحجر، آیت ۷۲ کا ضمیمہ، زیرِ عنوان ''قرآنی قسمیں''۔

والمرسلٰت عُرفاً۔ یعنی وہ ہوائیں جو نفع پہنچانے ہی کے لیے بھیجی جاتی ہیں۔

فالعٰصفٰت عصفاً۔ یہ تند و تیز ہوائیں، یا آندھیاں ہر قسم کے خطرات کا اِمکان لیے ہوتی ہیں۔

والنّٰشرٰت نشراً۔ یعنی برساتی ہوائیں یا مانسون۔

فالفٰرقٰت فرقاً۔ یعنی وہی برساتی ہوائیں جو پانی لاتی تھیں، بادلوں کو منتشر کر دیتی ہیں۔

عذراً اَو نذراً۔ توجہ اِلی اللہ کے ذریعے دو مختلف ہیں: ایک ترغیب، دوسرا ترہیب

ہوائیں اگر خوش گوار و نفع بخش ہوئیں تو اللہ کی نعمت ہیں اور ان کا اثر بندے پر یہ پڑنا چاہیے کہ وہ اداۓ شکر و عذرِ تقصیر کی جانب آئے، اور اگر اس کے برعکس دہشت اور وحشت پیدا کرنے والی ہوئیں

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾

اور جس وقت پہاڑ اُڑتے پھریں گے ۲ اور جب (سب) پیمبر وقت (معین) پر جمع کیے جائیں گے (وہ وقت فیصلہ کا ہوگا) ۳ کس دن کے لیے یہ ملتوی رکھا گیا ہے؟

لِیَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۵﴾

فیصلہ کا دن کے لیے، آپ کو معلوم ہے کہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے ۴ بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶﴾

کیا ہم اگلوں کو ہلاک نہیں کر چکے ہیں؟

تو ان کا طبعی اثر بندے پر یہ ہونا چاہیے کہ وہ معاصی سے توبہ پر متوجہ ہو۔

اِنَّمَا تُوعَدُوْنَ ۔وہ موعود شے روز حشر ہے۔ حشر کے نفخۂ اول کا حاصل کیا ہے؟ ہر موجود شے کا فنا ہو جانا ـــــ اس کے کتنے متناسب اور مشابہ اس دُنیا میں عاصفت، فارقت ہوتی ہیں۔ حشر کے نفخۂ ثانی کا خلاصہ کیا ہے؟ ہر فنا شدہ چیز میں از سر نو جان پڑ جانا ـــــ اس کے کتنے متناسب اور مشابہ آثار اس دُنیا میں مرسلات و ناشرات کے ہوتے ہیں۔

حشر کے دونوں اجزا پر سلسلۂ تکوینیات کے ان دونوں اجزا کو بطورِ گواہ پیش کرنا کتنا مناسب وموزوں رہا، خصوصاً مذاقِ عرب کا لحاظ کر کے۔

۲ خلاصہ یہ کہ اس گھڑی یہ سارا معلوم ومعروف نظامِ کائنات تمام تر درہم برہم ہو کر رہے گا، اور اس کی ایک سے ایک بڑھ کر ثابت اور ٹھوس چیز اپنی جگہ پر باقی نہ رہنے پائے گی ـــ ستارے، آسمان، پہاڑ، یہ سب عام فہم مثالیں زیادہ سے زیادہ ثابت اور ٹھوس موجودات کی ہیں۔

۳ پیمبروں کا یہ جمع ہونا اپنی اپنی امت کے متعلق اظہار دینے اور ان پر شہادت پیش کرنے کے لیے ہوگا۔

وهو یوم القیامة لیشهدوا علی الأمم. (معالم، ج۵/ص:۱۹۶)

۴ سوال مزید تہویل وتخویف کے لیے ہے یعنی وہ دن کتنا ہولناک، کیسا ہیبت ناک ہوگا! جوش واثر کے موقع پر تقریر میں خطیبانہ سوالات، خطباتِ عرب ہی میں نہیں، یونانی، انگریزی، اردو، کہنا چاہیے کہ سب ہی زبانوں میں مسلّم ومتعارف ہیں۔

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

پھر ہم پچھلوں کو بھی ان کے ساتھ کر دیں گے ۵ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی (معاملہ) کرتے ہیں، بڑی خرابی ہے اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ

جھٹلانے والوں کے لیے ٦ کیا ہم نے تمھیں ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا ہے پھر ہم نے اسے ایک وقت مقرر تک ایک

مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾

محفوظ جگہ میں رکھا، غرض ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا اور ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں ۷

۵ (ان کے عذاب میں)

الأولين۔ یعنی پرانی سرکش قومیں جو عذاب سے ہلاک ہو چکی ہیں۔ قوم عاد، قوم ثمود وقوم فرعون وغیرہ۔

الآخرين۔ یعنی خود مشرکین قریش اور ان کے بعد کی نسلیں جو کفر و تکذیب کے لحاظ سے انھی الأولين کے نقشِ قدم پر تھیں۔

أي ممن أشبههم. (ابن كثير، ج٤/ص:٤١٦)

أي السالكين سبيلهم في الكفر والتكذيب. (معالم، ج٥/ص:١٩٦)

٦ (جو ہمارے اس نظامِ آخرت اور سارے سلسلۂ جزا و سزا سے انکار کرتے رہتے ہیں)

۷ (تو ممکن نہیں کہ ہمارے اندازے میں کہیں خطا و غلطی یا بھول چوک کی گنجایش ہو)

من ماء مهين۔ یعنی نطفۂ منی سے ــــ باغی و سرکش انسان کی تحقیر تو اس بیان سے ظاہر ہی ہے، باقی یہ بھی مستحضر رہے کہ دُنیا میں بعض مشرک قومیں نطفۂ منی کے تقدس و احترام کی بھی قائل رہی ہیں، اور قرآن مجید ضمناً اس جہل کی بھی تردید کرتا جا رہا ہے۔

في قرارٍ مكين۔ یعنی رحمِ مادر میں۔

إلىٰ قدر معلوم۔ یعنی وقت کی ایک مقدار معلوم تک۔

فنعم القٰدرون۔ قادرون یہاں مقدرون کے معنی میں ہے۔

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا ﴿۲۶﴾

بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۸ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟

وَّجَعَلۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ

اور ہم نے اُس میں اونچے اونچے پہاڑ ٹھہرائے اور ہم نے تمھیں میٹھا پانی پلایا، بڑی خرابی ہے اس روز

لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۹﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى

جھٹلانے والوں کے لیے ۹ چلو تم اس (عذاب) کی طرف جسے تم جھٹلایا کرتے تھے، چلو تم

ظِلٍّ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيۡلٍ وَّلَا يُغۡنِىۡ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾

تین شاخوں والے سائبان کی طرف، جس میں نہ سایہ ہے اور نہ وہ سوزش سے بچاتا ہے ۱۰

۸ (جو ہمارے آئینِ حکمت اور عمومِ قدرت سے انکار کرتے رہتے ہیں)

۹ (جو ہمارے سارے سلسلۂ ربوبیت کا انکار کر رہے ہیں)

كفاتاً، أحياء و امواتاً۔ زمین کا زندوں کی سمیٹنے والی ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ انسان زندگی بھر اسی پر چلتا پھرتا، اُٹھتا بیٹھتا، رہتا بستا ہے، اور مُردوں کی سمیٹنے والی یوں کہ موت کے بعد بھی اسی میں دفن ہوتا ہے، اور جو مردے نہیں بھی دفن ہوتے ان کے بھی اجزائے ارضی آگ سے جلنے یا پانی میں ڈوبنے کے بعد، بہر حال کسی نہ کسی واسطے سے اس زمین ہی میں جذب ہوتے ہیں۔

رواسی شمخت۔ پہاڑوں اور پہاڑیوں کے بھی منافع و مصالح انسانی زندگی کے لیے ظاہر ہیں۔

وأسقينكم مآء فراتاً۔ ان ساری نعمتوں کے استحضار سے مقصود و مدعا یہی کہ تم اپنی توجہ اپنے اس واحد مالک و مربی کی جانب رکھو۔

بعض فقہاء نے أرض کے سلسلے میں أمواتا کے آجانے سے میت کے زمین میں دفن ہونے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔

وهذا يدل على وجوب مواراة الميت ودفنه ودفن شعره وسائر مايزايله. (جصاص، ج۳/ص:۴۷۱)

۱۰ اب ذکر ظاہر ہے کہ میدانِ حشر کا ہو رہا ہے اور یہ اہل دوزخ سے کہا جائے گا۔

اِنَّهَا تَرۡمِىۡ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ‌ۚ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ

وہ انگارے برسائے گا جیسے بڑے بڑے محل، گویا وہ زرد زرد اُونٹ ہیں ۱۱ بڑی خرابی ہے اس روز

لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَۙ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾

جھٹلانے والوں کے لیے ۱۲ آج وہ دن ہے کہ اس میں یہ لوگ بول ہی نہ سکیں گے اور نہ اُنھیں اس کی اجازت ہوگی کہ عذر معذرت کرسکیں

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ‌ۚ جَمَعۡنٰكُمۡ وَالۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۸﴾

بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۱۳ یہ ہے فیصلہ کا دن، ہم نے جمع کرلیا تم کو اور اگلوں کو

إلىٰ ظلّ۔ ظل یا سائبان سے یہاں مراد ایک دھواں ہے جو دوزخ سے نکلے گا، اور شدت وکثرت سے نکلے گا کہ اُوپر جاکر کئی ٹکڑوں میں پھٹ جائے گا، اور حساب چک جانے کے وقت تک کافر اسی دھوئیں کے احاطے میں گھرے رہیں گے، جیسے کہ مقبولین سایۂ عرش میں ہوں گے۔

ذی ثلث شعب۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ علم صحیح کی راہ میں حجابات تین ہوتے ہیں: (۱) حس، (۲) خیال اور (۳) وہم، اور عمل صحیح کی راہ میں بھی تین حجابات ہوتے ہیں: (۱) قوتِ وہمیہ، (۲) قوتِ غضبیہ، (۳) قوتِ شہویہ۔

جدید نفسیات کی اصطلاح میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسان کو عذاب کی طرف لے جانے والی تین ہی قوتوں کے غلط استعمال ہیں: (۱) عقل وادراک کی گمراہیاں (۲) جذبات وشہوات کی لغزشیں (۳) قوتِ ارادی کی کجراہیاں۔

لاظليل......اللهب۔ مطلب یہ ہوا کہ دھوئیں کے بادل سے جو صورت سایہ کی پیدا ہوجاتی ہے، وہ بھی کام سایہ کا نہ دے گی، بلکہ اور اذیت رساں ہی ہوں گی۔

۱۱ دونوں تشبیہیں ایک دوسرے کی منافی نہیں، ایک ہی چیز کی دو تشبیہیں دو مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے ہیں۔

بشرر کالقصر۔ وہ جہنم کے انگارے اپنی بڑائی کے لحاظ سے بڑے بڑے محل جیسے ہوں گے۔

کأنه جمالة صفر۔ یہ تشبیہ رنگ کے لحاظ سے ہے۔

۱۲ (جو جہنم کے شدائد کو آج بھلائے ہوئے ہیں)

۱۳ (جو یومِ حشر اور اس کی ہولناکیوں کی واقعیت سے اب تک انکار کررہے ہیں)

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

تو آج کوئی چال چلانا ہو تو میرے مقابلے میں چلاؤ، بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۱۴

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

پرہیزگار لوگ بے شک سایوں اور چشموں اور مرغوب میووں میں ہوں گے، خوب مزے سے کھاؤ پیو

هَنِيْٓــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ

اپنے اعمال کے صلہ میں، ہم نیک کاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ۱۵ بڑی خرابی ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۱۶ کھالو اور برت لو تھوڑے ہی دن کے لیے کہ تم بے شک مجرم ہو

ولا ...... یعتذرون۔ بولنے کی اجازت بھی اسی لیے نہ ہوگی کہ کوئی عذر ہی موجود نہ ہوگا جسے پیش کرسکیں۔

۱۴ (جو اس یقینی طور پر واقع ہونے والے دن کے وقوع کو آج محض وہم وخیال سمجھ رہے ہیں)

ھذا یوم الفصل۔ یہی تو ہے وہ فیصلے کا دن جس کی تکذیب میں تم لگے رہتے تھے۔

جمعنکم والأولین۔ اب وہ تمھارے انکاری وتکذیبی سارے دلائلِ وہمیہ وخرافیہ کیا ہوگئے، کدھر چلے گئے؟ آج تو تمھارا ''ناممکن''، ممکن کیا معنی واقع ہوکر رہ گیا! اور تم اور تمھارے اگلے سب کے سب فیصلے کے لیے اکٹھے کرلیے گئے۔

فإن ...... فکیدون۔ دُنیا میں تمھیں اپنی تدبیروں اور چالاکیوں پر بڑا غرہ رہتا تھا، اب آج ممکن ہو تو ہماری گرفت سے بچنے کے لیے کوئی تیر اپنے ترکش سے چلاؤ نا!

جمعنکم والأولین۔ مراد اس اُمت کے بھی مکذبین ہیں، اور پچھلی اُمتوں کے مکذبین بھی۔

یعنی مکذّبی ھذہ الامۃ، والأولین الذین کذبوا أنبیاء ھم. (معالم، ج ۵/ص: ۱۹۸)

۱۵ یہ سب مومنین، متقین کو مخاطب کرکے کہا جائے گا۔

إنّا ...... المحسنین۔ اس میں مخاطبین کو ترغیب ہے محسن (نیک کار) بن جانے کی، جو بھی محسن ہوگا اس مرتبے ومنزلت کا حق دار ہوجائے گا۔

۱۶ (جو جنت کی نعمتوں اور اہل جنت کی بشارتوں سے بھی انکار پر اڑے ہوئے ہیں)

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ ارۡكَعُوۡا لَا يَرۡكَعُوۡنَ ﴿۴۸﴾

بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۱۷؎ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو تو نہیں جھکتے

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾

بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۱۸؎ آخر یہ اس (قرآن) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟۱۹؎

۱۷؎ (جو آج دُنیا میں بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے بعد بھی انکار واعراض سے باز نہیں آتے)

قلیلاً۔ یعنی اس دُنیوی زندگی کی چندروزہ مدت میں۔

کلوا...... مجرمون۔ یہ دُنیا میں کافروں سے خطاب ہو رہا ہے۔

۱۸؎ (جو کسی دعوت وتبلیغ حق کا اثر نہیں قبول کرتے، بلکہ ہر ربانی صداقت سے انکار ہی پر مصر ہیں اور اپنے جرم کو جرم ہی نہیں سمجھتے)

واذا قیل لھم ارکعوا۔ یعنی جب انھیں یہ پیام ملتا ہے کہ ایمان اور عبدیت کی راہ اختیار کرو۔

رکوع ہمیشہ اپنے اصطلاحی معنی یعنی ایک رکن نماز ہی کے معنی میں نہیں، بلکہ کبھی اپنے لغوی مفہوم یعنی خشوع وتواضع کے معنی میں بھی آتا ہے۔

الركوع يستعمل تارةً فى التواضع و التذلّل. (راغب،ص:۲۲۸)

اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

أى اخشعوا للّٰه و تواضعوا له بقبول وحيه واتباع دينه. (كشاف،ج٤/ص:٦٦٩، مدارك،ص:١٣١٢)

صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ قبولِ حق کا مقدمہ خشوع وتواضع ہی ہے اور بڑا مانع راہِ نخوت ہے۔

۱۹؎ (تو اب اے پیمبر! آپ ان کے قبولِ حق کی کوئی امید ہی نہ رکھئے کہ جب اس بلیغ ترین، موثر ترین کلام سے بھی ان کے دل نہیں پگھلتے تو پھر یہ آخر کس چیز سے متاثر ہوں گے؟)

بعدہ۔ ضمیرہٗ قرآن مجید کی جانب ہے۔

أى بعد القرآن. (كشاف،ج٤/ص:٦٦٩، مدارك،ص:١٣١٢)

(۷۸)

سُوْرَةُ النَّبَا مَكِّيَّة

سورۂ نبا مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۞ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۞ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۞

یہ لوگ کس چیز کی بابت سوال کر رہے ہیں ۱ اس امرِ عظیم کی بابت جس کی بابت یہ جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں ۲

۱ جیسا کہ اور زبانوں میں بھی دستور ہے، عربوں کے خطبے بعض اہم ترین موقعوں پر سوالوں اور سوالیہ فقروں سے شروع ہوتے تھے اور قرآن مجید خطابتِ عرب کے بھی معیار سے بلند ترین سطح پر ہے۔

سورۃ مکی سورتوں میں ہے اور وہ بھی اس کے ابتدائی دور کی۔ اس عہد کی اکثر سورتوں کی طرح اس میں عقیدۂ حشر و آخرت کی زبردست تلقین ہے۔ توحید کے بعد جس عقیدے سے مشرکینِ عرب کو شدید اور بنیادی انکار تھا، وہ یہی عقیدۂ آخرت تھا۔ اور یہ لوگ شرک کے ساتھ ساتھ ایک طرح کی مادّیت کے بھی شکار تھے۔ آغازِ اسلام میں سَر کرنے کے لیے خصوصی مورچے یہی دو تھے۔

۲ (تم اہلِ حق اور پیروانِ وحی سے)

الاستفهام لتفخيمه. (جلالين، ص:۷۸٦)

جاہلی منکرین معاد، و مادیین کا یہ سوال کچھ دریافت حقیقت کی راہ پر نہ تھا۔

النبأ العظيم۔ خبرِ عظیم و واقعۂ عظیم الشان۔

بيان للشأن المفخم. (مدارك، ص:۱۳۱۳)

ظاہر ہے کہ نسل انسان کے لیے قیامت سے بڑھ کر اہم اور عظیم واقعہ ہو کیا سکتا ہے؟ اس کی طرف سے غفلت و بے فکری ہمیشہ دُنیا والوں پر چھائی رہی اور آج بھی چھائی ہوئی ہے!

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦

یقیناً ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے ۳ ہاں ان کو یقیناً ابھی معلوم ہوا جاتا ہے ۴ کیا ہم نے زمین کو نہیں بنا دیا تمھارے لیے فرش ۵

۳ (اپنی آنکھ بند ہوتے ہی)

سوال کرنے والوں کی موت میں دیر ہی کہاں؟ اور ظاہر ہے کہ آنکھ بند ہوتے ہی اُنھیں کشف حقیقت ہو جائے گا ——— جاہلیتِ جدید ہی کی طرح جاہلیت عرب کی بھی اصلی اور بنیادی بیماری یہی آخرت فراموشی تھی۔ انسان کو ہر طرح کی بدعملی اور ہر بدکرداری پر جری کر دینے والی یہی مواخذۂ آخرت کی طرف سے بے خوفی ہی ہوتی ہے۔

۴ اُردو روزمرّہ میں زور و تاکید کے موقع پر ہر فقرے کو مکرر لاتے ہیں، جیسے ''اجی یہ دیکھیں اور پھر دیکھیں''۔ عربی انشاء و بلاغت میں یہ حسنِ اسلوب کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

کلّا۔ یہاں یقیناً کے مرادف ہے۔

يجوز أن يكون بمعنى حقًا. (قرطبی، ج۱۹/ص: ۱۷۰)

كلّا ثم كلّا۔ عربی اسلوبِ بیان میں اس سے مقصود تاکید و شدید تاکید ہے۔

ثمّ۔ اس اظہار کے لیے ہے کہ یہ دوسری وعید پہلی وعید سے بڑھ کر اور شدید ترین ہے۔

بأن الوعيد الثاني أشد من الأول. (جلالین، ص: ۷۸۶)

۵ یہی وہ فرشِ اعظم ہے جس پر ہم آپ سب چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے دوڑتے بھاگتے ہیں اور اسی پر ہماری ساری ریلیں، موٹریں، بسیں، ٹرک اور ٹریکٹر دوڑتے پھرتے ہیں۔ زمین کے فرش ہونے کا ذکر قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے، اور اس پر حاشیے متعدد بار گزر چکے ہیں۔ رہی زمین کی جغرافیائی و فلکیاتی ہیئت و وضع تو اس پر گفتگو قرآن مجید کے موضوع سے خارج ہے۔

منکرینِ معاد کے پاس کوئی دلیلِ عقلی انکار کی تھی ہی نہیں، بس لے دے کے استبعاد ہی کو پیش کیا کرتے تھے۔ سو قرآن مجید نے اس ذہنیت کے جواب میں اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام عظیم مخلوقات کو پیش کر کے دکھایا ہے کہ جس نے ان سب کی تخلیق اول کی ہے اور جو ان کو عدمِ مطلق سے وجود میں لے آیا، اس کے لیے ان کا اعادہ یا خلق ثانی دشوار ہی کیا ہو سکتا ہے؟

وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۙ﴿۷﴾ وَّخَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ۙ﴿۸﴾ وَّجَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾

اور پہاڑوں کو میخیں ۶ اور ہم ہی نے پیدا کیا تم کو جوڑا جوڑا ۷ اور ہم نے تمھاری نیند کو راحت کا ذریعہ بنایا ۸

۶ (جو اپنے ثقل سے از خود استحکام پیدا کیے ہوئے ہیں اور زمین کو گردش میں ڈانواڈول ہونے سے روکے ہوئے ہیں)

پہاڑوں کا ذکر زمین سے اس حیثیت سے بار بار آچکا ہے۔

پہاڑوں کی سائنسی حیثیت ارضیات میں کیا ہے؟ کیوں کر بنتے ہیں؟ کن کن ماڈوں سے ترکیب پاتے ہیں؟ بارش اور دریاؤں سے ان کا کیا تعلق ہے؟ اس قسم کی فنی بحثوں سے اِس کتابِ الٰہی کو کوئی تعلق نہیں، وہ ایک سیدھی سادی سی بات، فہم عامہ کی، ہر عالم اور عامی، گورے و کالے، مشرقی و مغربی کی سمجھ میں آجانے والی بتا دیتا ہے۔

۷ (اے انسانو!)

أزواج جمع ہے زوج کی، اس کا مفہوم عربی میں بڑا وسیع ہے۔ نر اور مادہ، مرد و عورت کا جوڑا ہونا تو ظاہر ہی ہے، باقی دُنیا میں جتنی بھی جوڑے کی چیزیں ہیں، ایک دوسرے کے مقابل کی، خواہ وہ رُوحانی ہوں یا مادّی، نیک و بد، سیاہ و سفید، تلخ و شیریں، نور و ظلمت، کثیر و قلیل، ضعیف و قوی، کبیر و صغیر، زندہ و مُردہ، فوق و تحت، جفت و طاق، شاہ و گدا، سب ہی ازواج کے شمار میں آسکتے ہیں۔

يقال لكل ما يقترن بآخر مماثلاً له أو مضادّ زوج. (راغب، ص: ۲۴۱)

قيل يدخل فى هذا كل زوج من قبيح وحسن، وطويل وقصير. (قرطبی، ج۱۹/ص: ۱۷۱)

قيل أصنافاً فى اللون والصورة واللسان. (روح، ج ۳۰/ص: ۷)

۸ (جو بقائے حیات کے لیے ضروری ہے)

ذکر یہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور شان بندہ پروری کا ہو رہا ہے اور خیال کرلیا جائے کہ نیند کا نام اس سلسلے میں آیا ہے، انسان کے حق میں نیند کا طبی و جسمانی حیثیت سے ایک نعمت ہونا تو مسلم ہی ہے، یہاں قرآن مجید کی صراحت سے روشنی اس حقیقت پر بھی پڑگئی کہ نیند کو عمومی حیثیت سے بُرا سمجھ لینا اور کم خوابی یا بے خوابی کو مطلق صورت میں دلیلِ فضیلت سمجھ لینا، دینی و رُوحانی نقطۂ نظر سے بھی صحیح

وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾

اور ہم نے تمھارے لیے رات کو پردہ (کی چیز) بنادیا، اور ہم نے تمھارے لیے دن کو معاش (کا وقت) بنادیا 9

نہیں ــــ افراطِ نوم ایک الگ شے ہے کہ اس کو شریعت نے اسی طرح روکا ہے جس طرح پُرخوری کو، بجائے خود نینداسی طرح کی ایک نعمت ہے جیسے بھوک اور پیاس ہیں۔

آیت سے ضمناً اس حیاتیاتی حقیقت پر بھی روشنی پڑگئی کہ نیندایک ایجابی اور مثبت شے ہے، محض سلبی کیفیت یا عدم بیداری کا نام نہیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی)

9 حیات کی ابتدائی صورتوں یعنی نباتات اور ادنیٰ درجہ کے حیوانات میں وقت معاش یا طلبِ رزق کا دن کی روشنی کے ساتھ مخصوص ہونا تو ظاہر ہی ہے، رہا انسان تو اس کے لیے بھی معاشی مشاغل کا عام وقت دن ہی کا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی)

باقی یہ خوب واضح رہے کہ قرآن مجید ایسے ہر موقع پر بیان صرف عام وعمومی حالت کا کرتا ہے۔ عام قاعدہ اور اس کے مستثنیات کے درمیان کوئی تضاد و تناقض نہیں۔

وجعلنا اللیل لباساً۔ یعنی رات کو ایسا بنایا کہ وہ ہر چیز کو اپنی تاریکی کے پردے کے اندر ڈھانپ لیتی ہے۔

لباساً۔ لباس کے ایک معنی آرام وتسکین خاطر کے بھی کیے گئے ہیں۔

لباساً أی ستراً لکم. (ابن قتیبة، تفسیر غریب القرآن، ص:٤٣٤)

قال ابن جبیر والسُّدی أی سکناً لکم. (قرطبی، ج١٩/ص:١٧٢)

رات کا وقت جو فاطر کائنات نے انسان کے تھکے ہوئے جسم اور دماغ کے لیے سکون وراحت کا اور عباداتِ خلوت کا وقت بنایا ہے، ''تہذیب'' کے شیطان نے عین اسی کو تعیشات اور نفس پرستیوں کے لیے مخصوص کرلیا ہے ــــ سنیما، تھیٹر، آپیرا، ڈانس، مے نوشی اور اس سے بھی بدتر اور گندے مشغلے رات ہی کی گھڑیوں میں انجام پاتے ہیں۔

وجعلنا النهار معاشاً سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ انسان کا دن میں اپنی جائز معاشی فکروں اور تدبیروں میں لگے رہنا جائز ہی نہیں بلکہ ایک حد تک مقاصدِ زندگی میں داخل ہے۔

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿١٣﴾ وَّأَنْزَلْنَا

اور ہم نے تمھارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنادیے ۱۰ اور ہم نے ایک روشن چراغ بنادیا ۱۱ اور ہم نے

مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿١٦﴾

بادلوں سے خوب زور کا پانی برسایا کہ اس کے ذریعے سے ہم اگائیں غلہ اور سبزی اور گنجان باغ ۱۲

وجعلنا النهار لكم ضياء؛ لتنتشروا فيه لمعاشكم وتتصرفوا لمصالح دُنياكم ابتغاء فضل الله إليها. (ابن جرير، ج ٢٤/ص:٩-١٠)

معاشاً بمعنی وقت معاش ہے۔

فيه اضمار أى وقت معاش. (قرطبي، ج١٩/ص:١٧٢)

اسلام کسب معیشت کا داعی ہے، ترکِ معاش کا حامی نہیں۔ اور نوم کا ذکر محل مدح میں ابھی آچکا ہے، گویا فکر معاش اور استراحت بقدر ضرورت خدارسی اور مقبولیت میں حائل و مانع نہیں بلکہ ممد و معاون ہیں۔

۱۰ سات کے عدد پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔

قرآن مجید نے یہاں تصریح آسمان کی نہیں کی ہے، اس لیے بعض مفسرینِ حال نے مراد سبعہ سیارہ سے لی ہے، اس کی بھی گنجایش نکل سکتی ہے۔ لفظ قرآنی عام ہے ہر سات مضبوط چیزوں کے لیے جو اوپر کی جہت میں نظر آئیں۔

۱۱ (اُسی فضائے آسمانی میں)

روشن چراغ سے مراد آفتاب کا ہونا بالکل ظاہر ہے ــــــ قرآن مجید کو نہ ہیئت بطلیموسی سے کوئی غرض، نہ فیثاغورث اور کپلر کی فلکیات سے کوئی واسطہ ــــــ انسان کے سامنے آفتاب کی جو واضح ترین و روشن ترین حیثیت ہے وہ چراغ عالم افروز ہی کی ہے۔

۱۲ (تو ایسا حکیم، ایسا صناع، ایسا قادر، کیا قیامت لانے پر قادر نہیں؟)

ماءً۔ مشرکین مکہ کو بڑی وحشت عقیدۂ حشر اجساد سے تھی، اُنھیں کے رفع استبعاد کو بتایا ہے کہ اس ساری صنعت گری سے ہمارا کمالِ قدرت بالکل عیاں ہے تو آخر حشر اجساد پر ہمارے قادر ہونے سے انکار کیوں ہے؟

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿١٨﴾

بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ گروہ در گروہ آؤ گے ۱۳

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾

اور آسمان کھول دیا جائے گا تو وہ دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے ۱۴ اور پہاڑ جگہ سے ہٹا دیے جائیں گے تو وہ ریت کی طرح ہو جائیں گے ۱۵

ماء ثجّاجاً۔ وہ تیز اور زور دار بارش ہے جو زراعت و باغبانی میں زمین کی آب پاشی کا کام دیتی ہے۔ نظام آبی کا یہ جز سمندری پانی کے ذخیرے سے الگ ہے۔

لنخرج به۔ ضمیرہ 'ماء یعنی پانی کی طرف ہے اور سلف سے یہی معنی منقول ہیں۔

أي بذلك الماء. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۷٤)

أي بذلك الماء، وهو على ظاهره عند السلف ومن اقتدیٰ بهم. (روح، ج۳۰/ص:۱۱)

یہ عالم اسباب نام ہی اس کا ہے کہ ایک چیز دوسری کا ذریعہ اور سبب بنی رہے۔

بعض نے بہ کو عندہ کے معنی میں لیا ہے۔

وقالت الأشاعرة أي عنده. (روح، ج۳۰/ص:۱۱)

۱۳ (اے انسانو!)

چنانچہ گروہ مشرکین الگ، گروہ موحدین الگ، گروہ منافقین الگ، وقس علی ہذا۔

ذکر دورِ قیامت کے نفخۂ اول کا ہو رہا ہے۔

صور پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ ایک کائناتی جسامت وقوت کا بگل ہوگا، جس کی آواز دُنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے گی۔

قيل هو مثل قرن ينفخ فيه فيجعل الله سبحانه سبباً لعود الصّور والأرواح إلى أجسامها. (راغب، ص:۳۲۳)

۱۴ یعنی آج یہ آسمان جیسا گنبد بے دَر نظر آ رہا ہے، اس انقلابِ کائناتی کے وقت تمام تر اس کے برعکس کھلا ہی کھلا نظر آئے گا۔ تفصیلی نوعیت اس کی جو کچھ بھی ہو، بہر حال انسانی آنکھ کو نظر ایسا ہی آئے گا۔

۱۵ (منتشر اور اُڑتے ہوئے)

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّـٰغِينَ مَـَٔابًا ﴿٢٢﴾ لَّـٰبِثِينَ فِيهَآ أَحْقَابًا ﴿٢٣﴾

بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے، سرکشوں کا ٹھکانا ہے جس میں وہ قرن پر قرن پڑے رہیں گے ۱۶

ذرّاتِ ریگ کا آوارہ ومنتشر اُڑتے رہنا، ایک عام مشاہدے کی چیز ہے، ضرب المثلی حیثیت رکھے ہوئے ــــ شکست وریخت کی یہ تفصیلات اس وقت کی بیان ہو رہی ہیں جب صور کے نفخۂ اول کے وقت یہ سارا نظامِ کائنات درہم برہم ہو کر رہے گا۔

۱۶ (جن کا کوئی شمار نہیں)

إن......مرصاداً۔ یعنی دوزخ کے فرشتے اسی انتظار اور تاک میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی مجرم آئے اور یہ اسے اپنی گرفت میں لیں۔

لـلطاغين مآباً۔ دوزخ اصلی ٹھکانا صرف طاغیوں یعنی اللہ سے باغیوں اور سرکشوں کا ہے، جیسا کہ اور بھی کئی جگہ قرآن مجید میں تصریح ہے۔ أعـدت لـلـكافرين وغیرہ۔ مسلمان عاصی اگر اس میں جائے گا بھی تو بالکل عارضی طور پر۔

أحقاباً۔ صیغۂ واحد حقب کے معنی زمانۂ مسلسل ومتواتر کے ہیں اور اُردو میں اس کے لیے کوئی لفظ مفرد موجود نہیں۔ اہلِ عرب زمانے کی طویل ترین مدت کو اس لفظ سے ادا کرتے ہیں۔

قال قُطرب: هو الدهر الطويل غير المحدود. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۷۹)

ذكر الأحقاب لأن الحُقُب كان أبعد شيئ عندهم، فتكلم بما تذهب إليه أوهامهم ويعرفونها. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۷۸)

عن قتادة هو ما لا انقطاع له. (ابن کثیر، ج۴/ص:۴۲۰)

وقال ابن كيسان... لاغاية لها ولا انتها، فكأنه قال أبداً. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۷۹)

أحـقـاب بصیغۂ جمع لانے سے معنی خلود وابدیت کے پیدا ہو گئے اور کوئی گنجایش عذابِ موقت کے قائلین کے لیے نہ رہ گئی، چنانچہ لغت ومحاورۂ عرب سے اس طرح سند مل جانے کے بعد ائمۂ تفسیر بھی اسی طرف گئے ہیں کہ عذابِ جہنم دائمی اور غیر مختتم ہوگا۔

وهی كناية عن التأبيد، أی يمكثون فيها أبداً. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۷۸)

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾

اس میں وہ نہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی مشروب کا سوا گرم پانی اور انتہائی سردی کے ۱۷

عن الحسن قال أما الاحقاب فليس لها عدة إلا الخلود في النار. (ابن جرير، ج٢٤/ص:٢٥)

والصحيح أنها لا انقضاء لها كما قال قتادة والربيع. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٢٠)

دهوراً لا نهاية لها. (جلالين، ص:٧٨٧)

فليس للأحقاب عدة إلا الخلود. (معالم، ج٥/ص:٢٠١)

فليس في الآية ما يدل على خروج الكفرة من النار وعدم خلودهم فيها. (روح، ج٣٠/ص:١٥)

۱۷ بیان مجرمین کے عذاب دوزخ کا ہو رہا ہے اور ان کے لیے ہر قسم کی راحت کی نفی ہو رہی ہے۔
بـرداً کے عام معنی خنکی یا ٹھنڈک کے ہیں لیکن ایک دوسرے معنی نیند کے ہیں۔ بہت سے اہل لغت واہل تفسیر اس سیاق میں اس طرف بھی گئے ہیں۔

برداً أي نوماً. (راغب، ص:٥٢)

النوم في قول أبي عبيدة وغيره. (قرطبي، ج١٩/ص:١٨٠)

وقال أبوعبيدة والكسائي والفضل بن خالد ومعاذ النحوي البرد النوم. (روح، ج٣٠/ص:١٦)

البرد ههنا النوم، وهو قول الأخفش والكسائي والفراء وقطرب والعتبي. (كبير، ج٣١/ص:١٤)

فيها۔ ضمیر ہاء جہنم کی طرف بھی ہوسکتی ہے۔

في جهنم. (مدارك، ص:١٣١٥)

مقيمين في جهنم. (روح، ج٣٠/ص:١٤)

اور أحقاب کی جانب بھی یعنی اس ابدالدہر میں بھی۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾

یہ مناسب حال بدلہ ہے ۱۸؎ یہ لوگ حساب (حشر) کا مطلق اندیشہ نہیں رکھتے تھے

أی فی الأحقاب. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۸۰)

غساقاً۔ غساق کے معنی اکثر مترجمین وشارحین کی رائے کے مطابق زخموں کی پیپ ہیں، لیکن اہل لغت نے ایک دوسرے معنی بھی انتہائی سردی کے دیے ہیں جو غایت درجہ کی گرمی کی طرح خود ایک شکل عذاب شدید کی ہے۔

أی البارد الشدید البرد. (لسان، ج۱۰/ص:۷۰)

البارد الشدید البرد الذی یُحرق من برده کإحراق الحمیم. (تاج، ج۱۳/ص:۳۷۸)

البارد الذی لایقدرون علی شربه کما لا یقدرون علی شرب الحمیم من حرارته. (ابن الانباری، ص:۱۳۸)

چنانچہ بعض ائمہ تفسیر نے بھی یہی پہلو اختیار کیا ہے۔

قال آخرون الغساق الزّمهریر. (ابن جریر، ج۲۴/ص:۳۰)

وهوالشیئ البارد الذی لایطاق، وهوالذی یسمیٰ بالزمهریر. (کبیر، ج۳۱/ص:۱۵)

وقیل الزمهریر. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۷۰)

اور حمیم کے تقابل کے لحاظ سے زیادہ چسپاں یہی معنی معلوم ہوتے ہیں۔ اس صورت میں تقدیر کلام یوں مانی گئی ہے:-

لایذوقون فیها برداً إلا غساقاً ولا شراباً إلا حمیماً. (کبیر، ج۳۱/ص:۱۵)

۱۸؎ یعنی ہر مجرم کی نوعیت جرم اور درجۂ جرم کے متناسب۔

وافقاً لأعمالهم، عن ابن عباس ومجاهد وغیرهما. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۸۱)

وعید کا مفہوم یہ ہوا کہ کسی کو کھولتا ہوا پانی ملے گا اور کسی کو غضب کی بے پناہ سردی۔ غرض اہل افراط واہل تفریط دونوں کو اپنے اپنے حسب حال اور متناسب سزا ملے گی۔

عذاب کچھ اٹکل پچو اور اندھا دھند نہ ہوگا، خوب حساب سے، کانٹے کی تول اور جچا تلا ہوا ہوگا۔ ملاحظہ ہو سورۂ ص، آیت:۵۷ کا حاشیہ۔

وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا

اور ہماری نشانیوں کو برابر جھٹلایا کرتے تھے ۱۹ اور ہم نے ہر شے کو لکھ کر منضبط کر رکھا ہے ۲۰ سو مزہ چکھو

فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾

کہ ہم تمہارے لیے عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے ۲۱ بے شک پرہیزگاروں کے لیے کامیابی ہے، یعنی باغ ہیں اور انگور

۱۹ بیان منکرین، مکذبین کے عذاب اور روز افزوں عذاب کا ہو رہا ہے۔

إنهم...... حساباً۔ بیان مجرموں کے اصلی و بنیادی جرم انکارِ آخرت کا ہے۔

و کذبوا...... کذاباً۔ عوامی اردو میں ترجمہ ہوگا: ''اور ہماری نشانیوں کو مار جھٹلا مارا''۔

کذّاباً کی قید واقعی ہے احترازی نہیں، یعنی ان کافروں کی صرف واقعی حالت کا بیان ہے کہ آخرت کے انکار کے ساتھ ساتھ وہ اور بھی طرح طرح کی تکذیبوں میں مبتلا تھے، یہ مراد نہیں کہ اتنی تکذیبوں کے بغیر وہ مجرم نہ قرار پاتے۔

۲۰ یعنی ہر ہر شے، تمہارے نامۂ اعمال میں درج رکھی گئی ہے۔ سو خود تمہارے معیار سے بھی عدل و تحقیق کا خاص اہتمام ہے اور کسی عمل کی کمی بیشی کا احتمال ہی نہیں۔

۲۱ اوپر سے صیغہ غائب کا چلا آ رہا تھا، یہاں یک بیک صیغۂ حاضر ہو گیا اور یہ عربی فن بلاغت کی مشہور صنعت التفات کے عین مطابق ہے اور اس سے مقصود شدتِ غضب کا اظہار ہے۔

الالتفات شاهداً على أن الغضب قد تبالغ . (كشاف، ج٤/ص:٦٧٦)

الالتفات شاهد على شدة الغضب. (مدارك، ص:١٣١٥)

حدیثی روایت میں آیا ہے کہ قرآن مجید کی شدید ترین آیت عذاب یہی ہے۔

فی الحديث هذه الآية أشد ما فی القرآن على أهل النار. (مدارك، ص:١٣١٥)

عن عبد الله بن عمرو قال لم ينزل على أهل النار آية أشد من هذه الآية. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٢٠)

قال أبو هريرة: سألت النبی صلى الله عليه وسلم عن أشد آية فی القرآن؟ فقال قوله تعالى: (فذوقوا فلن نزيدكم إلا عذاباً). (قرطبی، ج١٩/ص:١٨٢)

وَّ كَوَاعِبَ اَتۡرَابًا ۝٣٣ وَّ كَاۡسًا دِهَاقًا ۝٣٤ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝٣٥

اور نوخاستہ ہم عمر عورتیں، اور لبالب جام، وہ وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ

جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝٣٦ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا

یہ بدلہ ہوگا (کافی) انعام آپ کے پروردگار کی طرف سے ۲۲ پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے

۲۲ اہل جنت کے انعامات کا بیان ہو رہا ہے اور یہ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے۔ اہل جہنم کے عذاب معا بعد وہ عموماً اہل جنت کے صلہ کا بھی ذکر لے آتا ہے۔

اہل جنت کو وہاں وہ ساری ہی مادّی نعمتیں اور لذتیں حاصل رہیں گی جن سے وہ اس دُنیا میں لذت گیر ہوتے رہتے تھے، جنت میں جانے سے یہ نہ ہوگا کہ دُنیا کی کوئی مادّی نعمت سلب ہو جائے ——— مادّی نعمتیں اپنی مطلق صورت میں ہرگز کوئی ایسی شے نہیں کہ انسان اُن سے شرمائے یا اُنھیں جنت کی علوئیت کے منافی کسی درجے میں بھی سمجھے۔

حدائق۔ یا سرسبز باغ و گلشن۔

أعناباً۔ انگور۔

کواعب أتراباً۔ نوخاستہ ہم عمر عورتیں۔

کأساً دھاقاً۔ لبالب جام۔

یہ سب ایک کامل و مکمل مادّی عیش کا مرقع پیش کر رہے ہیں!

لا کـذابـاً۔ یہاں یہ جتا دیا کہ جنت کے پاکیزہ اور ستھرے پُرعیش ماحول کو دُنیا کی بیہودہ رنگ رلیوں پر قیاس نہ کیا جائے، وہاں کسی قسم کی رکاکت و ابتذال کا پرتو بھی نہ پڑنے پائے گا، خالص لطف و سرور ہی حاصل رہے گا۔

لا یسمعون فیھا۔ فیھا میں ضمیر جنت کی جانب ہے۔

أی فی الجنة. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۸۴)

جزاء۔ عطـاء۔ حسـاباً۔ ایک ہی آیت میں تین مختلف کلمے لا کر تین مختلف کیفیتوں کی طرف اشارہ کر دیا۔

الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

اس سب کا خدائے رحمٰن، کسی کی مجال اس سے عرض معروض کرنے کی نہیں ۴۳ اس دن جب کہ روحیں اور فرشتے

جزاء کا مفہوم مُزد یا اُجرت کا ہے، یعنی اس کے حصول کے لیے اپنی اپنی ہالی پوری کوشش کی جائے اور اس کا استحقاق عمل سے مہیا کیا جائے۔

عطاء کا اشارہ رحمت و بخشش پروردگار کی طرف ہے ــــــ یعنی اُمیدوار فضل وکرم کے رہیں اور سارا تکیہ اپنے عمل ہی پر نہ کر بیٹھیں۔

حساباً میں یہ پہلو بھی آ گیا کہ جو کچھ بھی ملے گا اندھا دُھند اور بے قاعدہ نہیں، امتیاز مراتب و درجات کے ساتھ ملے گا۔

عن مجاهد قال عطاء منه حساباً لما عملوا. (ابن جرير، ج ٢٤/ص:٤٤)

قيل على حسب أعمالهم، أي مقسطاً على قدرها، وروى ذلك عن مجاهد. (روح، ج: ٣/ص:١٩)

ایک اور معنی عطائے کثیر سے بھی کیے گئے ہیں۔

عن قتادة أي عطاءً كثيراً. (ابن جرير، ج ٢٤/ص:٤٤)

أي كافياً وافياً سالماً كثيراً. (ابن كثير، ج ٤/ص:٤٢١)

كثيراً، قاله قتادة. (قرطبی، ج ١٩/ص:١٨٤)

۴۳ (ازخود اور بلا اذن)

کسی کا مستقل اور بالذات شافع ہونا تو الگ رہا، اتنی بھی مجال کسی مقرب سے مقرب مخلوق کی نہیں کہ ازخود اور بلا اذن اس مالک الملوک کے حضور میں زبان بھی کھول سکے ــــــ دیوی، دیوتاؤں اور مستقل شافعوں کے عقیدے پر ایک ضرب اور حق تعالیٰ کی شان تنزیہہ کا مزید اثبات!

رب السمٰوٰت والأرض۔ آسمان اور زمین جن کی پرستش جاہلی قوموں نے دیوی دیوتا سمجھ کر کی ہے، حق تعالیٰ ان سب کا مالک و پروردگار ہے ــــــ اسلام کا خدا مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح کوئی جزوی خدا، کسی مخصوص شعبۂ کائنات کا دیوتا نہیں۔ خدائے مطلق ہے، رب الکائنات ہے۔

صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ

صف بستہ کھڑے ہوں گے تو کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے کہ جسے خدائے رحمان ہی اجازت دے اور وہ کہے بھی ٹھیک بات ۲۴ یہ

الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ

یقینی دن ہے بس جو چاہے اپنے پروردگار کے پاس اپنا

وما بینھما۔ یہ اضافہ بھی بڑا معنی خیز ہے، جاہلی قوموں نے آسمان وزمین کی درمیانی فضا کو بھی اپنے معبودوں سے بھر رکھا تھا (ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی) قرآن مجید نے اس جزئیہ کا ذکر کرکے اس عقیدے پر بھی ضرب لگادی۔

آیت کے الفاظ سے اشارہ یہ بھی نکل رہا ہے کہ انتہائی بلندیوں (السماوات) اور انتہائی پست سطح (الأرض) کے درمیان (ومابینھما) بھی مخلوق آباد ہے۔ خلائے محض یا عدم محض نہیں، آیندہ جتنی بھی مخلوق مابین السماوات والارض دریافت ہو، سب ومابینھما کے تحت میں آجائے گی۔

۲۴ (لوازمِ عبودیت وخشوع وادب کے ساتھ)

الروح سے مراد اس سیاق میں ذی روح مخلوق لی گئی ہے یا ارواح بنی آدم۔

وفی روایة البیھقی فی الأسماء والصفات عن ابن عباس أن المراد به أرواح الناس. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۰)

أنھم بنو آدم، قاله الحسن وقتادة. (قرطبی، ج ۱۹/ص: ۱۸۷)

لا......الرحمٰن۔ مسیحیوں کے ہاں اور بعض اور مذہبوں میں ایک مرکزی وبنیادی عقیدہ شافعیت کا ہے اور ''خدا کا بیٹا'' تو گویا مستقلاً فائز ہی الشافع والشفیع کے مرتبہ پر ہے۔ قرآن مجید اس باطل عقیدہ پر ضرب مختلف عنوانوں سے متعدد آیتوں میں لگاتا گیا ہے، یہاں بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے کہ مالک الملک کے اس دربار میں بلا اجازتِ خصوصی کسی کو بھی زبان کھولنے کی طاقت نہیں اور مخلوق میں بھی کوئی شافع مطلق نہیں جو وہاں اپنے حق واستحقاق کی بنا پر زبان کھول سکے۔

وقال صوابا۔ یعنی اجازت ملنے پر بھی جب وہ شافع کوئی بات منہ سے نکالے گا تو حدود وقیود کی پوری رعایت کے ساتھ۔ شفاعت مطلق ولامحدود کی گنجایش اجازت کے بعد بھی نہ ہوگی۔

مَاٰبًا ﴿٣٩﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ

ٹھکانا بنالے ۲۵ ہم نے تمھیں تنبیہ کردی ہے ایک نزدیک والے عذاب کی (جو) اس دن (واقع ہوگا) جب ہر شخص دیکھ لے گا اس چیز کو جسے

يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾

وہ آگے بھیج چکا ہے، اور کافر (اس دن) کہے گا کاش میں مٹی ہو گیا ہوتا! ۲۶

يعني حقاً. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۸۷)

۲۵ یعنی جو کوئی چاہے ایمان وتصدیق کی راہ اختیار کرکے اور عمل صالح کے ذریعے اپنا حق اچھے ٹھکانے کے لیے پیدا کرلے۔

ذلك۔ یعنی یوم قیامت ــــــ اشارۂ بعید مشار الیہ کے اظہارِ عظمت کے لیے ہے۔

للإيذان لعلو درجته وبعد منزلته في الهول والفخامة. (روح، ج۳۰/ص:۲۱)

اليوم الحق وہ دن جس کا پیش آنا قطعی اور یقینی تھا۔

والمراد بالحق الثابت المتحقق. (روح، ج۳۰/ص:۲۱)

أي الكائن الواقع. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۸۸)

اتخذ سے صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ جو کوئی اس راہ کی تلاش کرے گا اسے پا بھی لے گا۔

۲۶ (اور بے حس اور جامد ہو کر اس عذاب وعقاب سے بچ بھی گیا ہوتا)

کافروں کی زبان پر یہ کلمہ میدانِ حشر میں انتہائی حسرت کے موقع پر آئے گا۔

ينظر......يداه۔ یعنی اپنے اعمال خیر وشر اپنے سامنے حاضر وموجود پائے گا ــــــ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ایسی آیتوں میں مشاہدۂ اعمال سے مراد، مشاہدۂ نامۂ اعمال ہے جس میں چھوٹا بڑا ہر عمل لکھا ہوا ملے گا، لیکن اہل حق ہی میں سے ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ خود وہ اعمال ہی متشکل اور مجسم ہو کر سامنے آجائیں گے۔

ما قدمت يداه۔ لفظی معنی یہ ہوں گے کہ جو کچھ اس کے دونوں ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں۔ دونوں ہاتھ سے مراد خود اس شخص کی ذات ہے۔

الكافر۔ کافر یہاں بطور اسم جنس ہے یعنی جنس کفار وطبقۂ منکرین۔

الــمــرء۔ مرد مومن کے ساتھ مخصوص نہیں، عام ہے کافر و مومن کے لیے۔ مشاہدۂ اعمال بہر حال دونوں ہی کو ہوگا۔

والظاهر أن المراد عام للمؤمن والكافر. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۲)

عـذابـاً قريباً۔ مستقبل کی جس چیز کا وقوع قطعی و یقینی ہو، اُسے عربی میں قرب ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

وقربه لتحقق إتيانه. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۱)

لتأكد وقوعه صار قريباً. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٤٢١)

(۷۹)

آیاتہا ۴۶ — ۴۶ آیتیں

سُوْرَۃُ النّٰزِعٰتِ مَکِّیَّۃٌ

رکوعاتہا ۲ — ۲ رکوع

سورۂ نازعات مکی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾

قسم ہے جان سختی سے نکالنے والوں کی اور بند آسانی سے کھول دینے والوں کی ۱ اور تیرتے ہوئے چلنے والوں کی

۱ قسم کی حقیقت عربی اسلوبِ بلاغت میں صرف اس قدر ہے کہ جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے وہ فلاں حقیقت پر گواہ ہیں۔ اور قسم عربی ادب وانشاء میں زور وتاکید کے موقع پر آتی ہے۔

والنازعات...... نشطاً۔ النازعات اور الناشطات دونوں لفظوں سے مراد فرشتے ہیں، ایک وہ جو کافروں کی جان پور پور میں گھس کر اور رگ رگ میں ڈوب کر، انتہائی سختی کے ساتھ نکالتے ہیں۔ دوسرے وہ جو مومنوں کی روح اس آسانی سے قبض کرتے ہیں کہ گویا کوئی تکمہ یا گھنڈی ہے جسے ایک اشارے سے کھول دیا۔

النازعات قیل ھی الملائکۃ التی تنزع الأرواح عن الأشباح. (راغب، ص:۵۴۲)

الملائکۃ التی تنزع أرواح الکفار، قالہ علی رضی اللّٰہ عنہ، وکذا قال ابن مسعود وابن عباس ومسروق ومجاھد. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۹۰)

قیل ھی الملائکۃ التی تنزع الأرواح عن الأشباح. (راغب، ص:۵۴۲)

أی یخرجون أرواح المؤمنین برفق. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۷۱)

قال ابن عباس یعنی الملائکۃ تنشط نفس المؤمنین فتقبضھا. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۹۱)

اور ابن کثیر میں بھی یہی معنی صحابیوں جیسے حضرت ابن عباس وابن مسعود اور تابعین جیسے مسروق وسعید بن جبیر وابوصالح وابوالضحیٰ وسدی سے نقل کیے ہیں۔ (ابن کثیر، ج۴/ص:۴۲۲)

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾

پھر تیزی سے دوڑنے والوں کی، پھر ہر امر کی تدبیر کرنے والوں کی (کہ قیامت آ کر رہے گی) ۲ جس دن ہلا ڈالنے والی چیز ہلا ڈالے گی

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿۸﴾

جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجائے گی ۳ بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے

اور موت یعنی جسم سے انفکاکِ روح کا وقت کافروں، منکروں کے لیے انتہائی سختی واذیت کا اور مومنوں، مطیعوں کے لیے وہ انشاء اللہ انتہائی سہولت ونشاط کا، اور اس فرقِ عظیم کو قرآن مجید نے بار بار ظاہر کیا ہے ـــــ اور یہیں سے اس عقیدے کی تردید ہو جاتی ہے کہ موت ہر ذی روح کے لیے لازمی طور پر ایک عذابِ سخت ہے۔

۲ ان تینوں فقروں میں بھی اشارہ فرشتوں ہی کے تین گروہوں کی جانب ان کے صفاتی اعتبار سے ہے:-

(۱) ایک وہ جو روحوں کو لے کر آسمان کی طرف گویا ہوا میں تیرتے ہوئے جاتے ہیں۔

قال علي رضي الله عنه هي الملائكة التي تسبح بأرواح المؤمنين..

(۲) وہ جو ہر حکم کی تعمیل کے لیے تیزی سے دوڑتے ہیں، گویا ایک دوسرے سے آگے جائیں گے۔

قال علي رضي الله عنه هي الملائكة، تسبق الشياطين بالوحي إلى الأنبياء عليهم السلام.

(۳) وہ جو ثواب وعقاب ہر امر انتظامی وتکوینی کی تدبیر کرتے رہتے ہیں۔

قال القشيري أجمعوا على أن المراد الملائكة. (قرطبی، ج۱۹/ص:۱۹۳-۱۹۴)

ملائکہ محض بے جان قوائے مدبرہ کا نام نہیں، جیسا کہ بعض مسلمان فرقوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے بلکہ ذی شعور زندہ مخلوق ہیں۔

ملائکہ کا یہ سارا نظم وانتظام بجائے خود اس کا گواہ اور اس کی دلیل ہے کہ روزِ جزا واقع ہو کر رہے گا۔

۳ مخاطبت اصلاً منکرین یوم جزا سے ہو رہی ہے۔

الراجفہ نفخۂ اولیٰ ہے، اور الرادفہ نفخۂ ثانیہ۔

أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾

ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی ۴ یہ کہتے ہیں کہ بھلا کیا ہم پھر واپس ہوں گے پہلی حالت کی طرف

أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾

کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (تو پھر واپس ہوں گے) کہتے ہیں کہ اس صورت میں واپسی تو بڑے خسارے کی ہوگی ۵

عن مجاهد وابن عباس والحسن وقتادة......أي النفختان، أما الأولىٰ فتميت كل شيئ بإذن الله تعالىٰ، الثانية فتحيي كل شيئ بإذن الله تعالىٰ. (قرطبي، ج۱۹/ص:۱۹٤)

ترجف الراجفة۔ یعنی صور کا نفخۂ اول جو ہر زندہ مخلوق پر موت طاری کردے گا۔

الرادفة۔ یعنی صور کا نفخۂ ثانی جو ہر مردہ چیز کو از سرِنو زندہ کھڑا کردے گا۔

۴ حشر کی منظر کشی ہے۔ اہل حشر کی کیفیت بیان ہو رہی ہے۔

قلوب......واجفة۔ دل مارے خوف ودہشت کے دھڑک رہے ہوں گے۔

أي خائفة وجلة، قاله ابن عباس وعليه عامة المفسرين. (قرطبي، ج۱۹/ص:۱۹٦)

اور آنکھیں دہشت واضطراب سے پھٹی جاتی ہوں گی۔

منكسرة ذليلة عن هول ما ترى. (قرطبي، ج۱۹/ص:۱۹٦)

۵ ساری گفتگو انھیں منکرینِ آخرت کی نقل ہو رہی ہے۔

یقولون۔ قالوا۔ یہ سب اشارے اُنھیں منکرینِ آخرت کی جانب ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اور نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے۔ وہ یہ استفہامی فقرے انکار واستبعاد کے لہجے میں طنز وتعریض کی راہ سے کہتے ـــــ اور ان اقوال میں ترجمانی آج کے بھی بہت سے روشن خیال مادیین کی آگئی۔

ء إذا......نخرة۔ روح وروحانیت سے نا آشنا مادّہ پرست قوموں نے انسان کے فنا وبقا کو تمام تر اس کے جسمِ ظاہر کے فنا وبقا کے مرادف سمجھا ہے، ان کی سمجھ ہی میں یہ نہیں آتا کہ اس جسم کے ایک بار فنا ہوجانے کے بعد رُوح اس سے دوبارہ بھی متصل ہوسکتی ہے۔

قلوب......خاشعة۔ آیت میں قلوب وأبصار دونوں کی کیفیت بیان کرکے اضطرابِ باطنی وہولِ ظاہری دونوں کی پوری تصویر سامنے کردی ہے۔

فَاِنَّمَا هِیَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾ هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰی ﴿۱۵﴾

تو بس وہ تو ایک للکار ہی ہوگی جس سے لوگ فوراً میدان میں آ موجود ہوں گے ۶ آپ کو موسیٰ کا قصہ بھی پہنچا ہے؟ ۷

اِذۡ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ

جب کہ ان کے پروردگار نے انھیں پاک میدان طویٰ میں پکارا کہ آپ فرعون کے پاس جائیں

أبصارها۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے: أبصار أصحابها.

معناه أبصار أصحابها. (کشاف، ج ٤/ص: ٦٨٠)

أی أبصار أهلها. (روح، ج ٣٠/ص: ٢٦)

قالوا...... خاسرة۔ یہاں کا طنزیہ قول انکارِ آخرت کے مترادف تھا۔

أی رجعة خائبة، کاذبة باطلة، أی لیست کائنة، قاله الحسن وغیره.

(قرطبی، ج ١٩/ص: ١٩٨)

منکرینِ آخرت کا احتمالِ وقوعِ آخرت سے ہول زدہ ہونا بھی بالکل قدرتی تھا۔

۶ یعنی قادرِ مطلق ہے کہ کسی خاص اہتمام کی ضرورت ہی کیا ہے، اِدھر اس کے حکم سے بس ایک زور کا کڑاکا ہوا، اور اُدھر قیامت برپا ہوگئی۔

هم۔ یعنی لوگ سب کے سب، خلقت۔

أی الخلائق أجمعون. (قرطبی، ج ١٩/ص: ١٩٨)

الساهرة۔ کھلا ہوا چٹیل میدان۔

أی علی وجه الأرض، بعد ما کانوا فی بطنها. (قرطبی، ج ١٩/ص: ١٩٨)

ظلّ الساهرة، وهی وجه الأرض. (جوهری، ج ٢/ص: ٦٩١)

هی۔ ضمیر صور کے نفخۂ ثانیہ کی طرف ہے۔

هی النفخة الثانیة. (روح، ج ٣٠/ص: ٢٨)

۷ وہی موسیٰ جنھیں سابقہ فرعون اور فرعونیوں سے پڑا تھا ـــــ قصۂ موسوی کے یاد دلانے سے مقصود بظاہر دو معلوم ہوتے ہیں: ایک مکذبین کی تخویف، دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین۔

إِنَّهُ طَغٰى ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلٰٓى أَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَأَهْدِيَكَ إِلٰى رَبِّكَ

اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے ۸ سو اس سے کہئے کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تو درست ہو جائے اور میں تیری رہنمائی تیرے پروردگار کی طرف سے کر دوں

فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾ فَأَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ

جس سے تو خشیت اختیار کر لے ۹ پھر ہم نے اس کو بڑی نشانی دکھائی، لیکن اُس نے جھٹلایا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر گزر چکا ہے، مثلاً سورۃ الاعراف، سورۂ طٰہٰ وغیرہ، اور مفصل حاشیے بھی اپنے اپنے موقع پر گزر چکے۔

۸ (اور اُس پر دین حق کی تبلیغ کریں)

الواد المقدس طویٰ، فرعون۔ سب پر حاشیے گزر چکے ہیں۔

ھل یہاں قد کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔

أی قد جاء ك. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۰۰)

اور معنی اس صورت میں یہ ہوں گے: آپ کو یقیناً علم ہوگا قصہ موسیٰ علیہ السلام کا۔

۹ (اور پاک صاف بن جائے)

ھل لك۔ عربی محاورے میں ھل ترغب إليه اور ھل ترغب فيه کے مرادف ہے۔

اور ترکیب ھل میل لك بھی سمجھی گئی ہے۔

أی ھل لك میل إلیٰ أن تزکیٰ. (روح، ج۳۰/ص:۲۹)

ھل......تزکیٰ۔ موسیٰ بن عمران، قاہر مصر کی اسرائیلی رعایا کے ایک معمولی فرد تھے، حکم اُنھیں مل رہا ہے کہ شہنشاہِ مصر قاہر و جابر پر توحید کی تبلیغ کرو، لیکن حکمت و خوش عنوانی کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر۔ چنانچہ آپؑ اس کے پاس جا کر فرماتے ہیں کہ اپنی فلاح و عافیت سب ہی کو عزیز ہوتی ہے، آپ کو بھی ہوگی تو آپ ہی کی خیر خواہی میں فلاح و صلاح کی تدبیریں آپ کو بتانا چاہتا ہوں —— توریت کا بیان اس حکیمانہ تمہید سے خالی ہے۔

وأھدیك إلیٰ ربك۔ یعنی میں آپ کے پروردگار کی ذات و صفات کا صحیح بیان کر کے اس کی معرفت آپ کو کرائے دیتا ہوں۔

وَعَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾

اور کہنا نہ مانا ۱۰ پھر وہ جدا ہو کر لگا کوشش کرنے، پھر اس نے لوگوں کو جمع کیا اور تقریر کی اور بولا کہ میں ہی تو ہوں تمہارا رب اعلیٰ ۱۱

فتخشیٰ۔ صلاح وفلاح کی ساری عمارت اسی خشیت ہی کی بنیاد پر تعمیر ہوتی ہے۔

إلی یہاں اہل نحو نے فی کے معنی میں لیا ہے۔

۱۰ یعنی فرعون، موسیٰ رسولِ خدا اور آپ کے لائے ہوئے پیام کی تردید وتکذیب میں لگ گیا۔

الآیة الکبریٰ۔ یہ نشان یا نشانیاں جو کچھ بھی ہوں، ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیقِ نبوت ورسالت کی تھیں۔

يعني الدلالة الكبرى على أنه لله رسول أرسله الله. (ابن جرير، ج ٢٤/ص:٨٢)

الآیة الکبری کے صیغۂ واحد سے عموماً مراد معجزۂ عصا لی گئی ہے، لیکن زیادہ لگتی ہوئی چیز یہ ہے کہ الآیة کو اسم جنس قرار دے کر سارے معجزاتِ موسوی اس کے تحت میں داخل سمجھے جائیں —— اگلوں نے بھی اسے جائز رکھا ہے۔

وجوز أن يراد بها مجموع معجزاته عليه السلام. (روح، ج ٣٠/ص:٢٩)

وقيل الآية إشارة إلى جميع آياته ومعجزاته. (قرطبی، ج ٢٠/ص:٢٠٢)

۱۱ یعنی اصل کارساز اور سب سے بڑا دیوتا۔

مصری مذہب شرک وبت پرستی کا تھا، اور اس عہد کے مصری عقیدے میں سب سے بڑا دیوتا سورج تھا، اور فرماں روائے وقت فرعون کے لقب کے ساتھ اسی معبودِ اعظم کا مظہر یا اوتار ہوتا، اور اس طرح گویا خود بھی رب اعظم کا درجہ رکھتا —— یہ شاہ پرستی کا مذہب بابل (کلدانیا) میں بھی رہ چکا تھا، اور آج سے چند سال قبل تک جاپان بھی میں رائج تھا۔ میکاڈو گویا مترادف تھا فرعون کا۔ ملاحظہ ہو سورۃ الشعراء (آیت ۲۳) اور سورۂ قصص (آیت ۳۸) کے حاشیے، نیز تفسیر انگریزی۔

أنا ربکم الأعلیٰ سے اشارہ اس طرف ہو گیا کہ رعایا کی ربوبیت کے سارے سر رشتے اور شعبے اسی ذاتِ واحد کے ہاتھ میں تھے۔ اسٹیٹ یا حکومت کی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی Totalitarianism آج بھی ایک جاہلانہ سیاسی عقیدہ ہے۔

فحشر فنادیٰ نے اس منظر کی تصویر کھینچ دی کہ فرعون نے پبلک یا اُس کے نمایندوں کو جمع کیا

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ

اس پر اللہ نے اسے پکڑلیا آخرت اور دُنیا کے عذاب میں، اوراس میں بڑی عبرت ہے اُن کے لیے جو

يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا

خشیت رکھتے ہیں ۱۲ بھلاتمھارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا، جسے اسی نے بنایا ہے ۱۳ اس کی چھت کو بلند کیا

فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ

اوراُسے دُرست بنایا، اوراس کی رات کو ڈھانپا اور اس کے دن کو ظاہر کیا ۱۴ اور زمین کو اس کے بعد

اوراس مجمع کے سامنے تقریر کی۔

۱۲ یعنی جن کے دلوں میں خشیت ہے، وہی اس واقعہ سے عبرت ونصیحت کا پورا سبق لیں گے۔

نکال الآخرۃ ۔ جیسے جہنم کی آگ میں جلنا اُس عالم میں۔

والأولیٰ ۔ جیسے سمندر سے پانی میں ڈوبنا اِس عالم میں۔

فرعون کی غرقابی اور بربادی کا قصہ تاریخ اور روایتوں کے ذریعے اسلامی، یہودی، مسیحی دُنیا میں گھر گھر پھیل چکا ہے اور قرآن مجید میں بھی متعدد بار بیان ہو چکا ہے۔

۱۳ (اس کا جواب اپنی ہی عقل ومنطق کے معیار سے دو)

السمآء۔ آسمان کی حقیقت ازروئے ہیئت وفلکیات جو کچھ بھی ٹھہرے، بہرحال وہ انسان کو اعظم ترین مخلوقات نظر آتا ہے۔ زمین ہی کو نہیں، چاند، ستاروں، کہکشاں، سورج سب ہی کو گھیرے ہوئے، سب کو اپنے اندر لپیٹے اور سمیٹے ہوئے۔ اور قرآن مجید کو بحث تمام تر اس کے آفاقی اور عالمی پہلو ہی سے ہے ——— وہ مخلوق تمام تر اللہ ہی کی ہے اور اس کی ساخت، ترکیب، ترتیب، فعلیت جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی قدرت اور صنعت کا نمونہ ہے۔

۱۴ آسمان سے مراد قرآن کی اصطلاح میں وہی آسمان ہوتا ہے جو بلا دُوربینوں کی مدد اور رصد گاہوں کے واسطے سے عامی وعالم ہر ایک کو کھلی آنکھوں نظر آتا ہے۔

آیت سے اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ لیل ونہار، رات ودن کا دارومدار آفتاب ہی کے طلوع وغروب پر ہے اور آفتاب کا تعلق عالم سماوی سے ہے۔

دَحٰهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ

بچھادیا (اور) اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو قائم کردیا، (یہ سب) تمھیں

وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ

اور تمھارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کو ۱۵ سو جب وہ بڑا ہنگامہ آجائے گا (یعنی) جس دن انسان کو اس کا کیا یاد

فسوّاھا۔ آسمان کا انتظام اُس نے ایسا زبردست وکامل کر رکھا ہے کہ اس کے نظام میں کہیں کوئی رخنہ نہ مل سکے گا۔

۱۵ یعنی یہ سارے انتظاماتِ تکوینی، انسان ہی کے لیے ہیں بلکہ انسان سے بھی گزر کر اس کے خدمت گزار چوپایوں کی خدمت وسہولت کے لیے۔

دحاھا۔ دَحی کے اصل معنی کسی شے کو اس کے مقر ومقام سے ہٹا دینے کے ہیں۔

دَحاھا أی أزالھا عن مقرّھا. (راغب، ص:۱۸۶)

قرآن مجید کا موضوع جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہے کوئی طبیعاتی وفلکیاتی تحقیق نہیں، تاہم اس لفظ سے اشارہ اس طبیعاتی حقیقت کی طرف تو ہو ہی جاتا ہے کہ کرۂ ارض کسی اور بڑے جرم سماوی کا ٹکڑا ہے، جو اس سے کٹ کر ایک مستقل وجود بن گیا ـــــ اور بعض نے یہیں سے زمین کی کرویت بھی نکالی ہے۔

فیه دلالة أو إشارة -علی الأقل- إلیٰ أنھا کرة أو کالکرة فی الاستدارة. (المنار، ج۱/ص:۲۴۹)

وھو قول بکرویتھا الحقیقیة، وإلیه ذھب کثیر. (روح، ج۳۰/ص:۳۱)

بعد ذلك۔ خیال کرلیا جائے کہ آیت میں ذکر زمین کی آفرینش کا نہیں، اس کے بچھائے جانے کا ہو رہا ہے۔

اور پھر یہ بھی خیال میں رہے کہ لفظ بعد عربی میں ہمیشہ بعدیتِ زمانی ہی کے لیے نہیں آتا ہے بلکہ کبھی صرف بعدیتِ ذکر ہی مراد ہوتی ہے۔

وھی معروفة فی کلام العرب. (المنار، ج۱، ص:۲۴۸)

اور اہل لغت نے بعد کو لغاتِ اضداد میں لکھا ہے، اس لیے اس سے بعد کے معنی قبل کے بھی لیے جاسکتے ہیں۔

مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ

پڑ جائے گا، اور ہر دیکھنے والے پر دوزخ ظاہر کر دی جائے گی ۱۶؎ سو جس نے سرکشی کی ہوگی، اور دُنیوی زندگی کو

الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ

اختیار کیا ہوگا تو ایسے کا ٹھکانا بس دوزخ ہی ہوگا ۱۷؎ اور جو کوئی ڈرا ہوگا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے

وبعد حرف من الأضداد يكون بمعنى التأخير......ويكون بمعنى قبل. (ابن الأنباري، ص:۱۰۷-۱۰۸)

۱۶؎ (اس چشم ظاہری سے)

دیدۂ بصیرت سے تو آج بھی ہر غیب پر ایمان رکھنے والا دوزخ کو دیکھ رہا ہے، آخرت میں وہ مومن و کافر سب ہی کے مشاہدے میں انھیں ظاہری آنکھوں سے آجائے گی۔

الطامة الكبرىٰ۔ طامة ہر وہ شے ہے جو دوسری چیزوں پر غالب آجائے۔

الطامة الداهية التی تطم علی الدواهی، أی تعلو وتغلب. (كشاف، ج٤/ ص:٦٨٤)

الداهية التی تطم أی تعلو علی سائر الدواهی. (أبوالبقاء، ص:۹۲۷)

اور صفت الکبریٰ اس کے وصف کو اور زیادہ مؤکد کر رہی ہے۔

فوصفها بالكبرىٰ للتأكيد. (روح، ج۳۰/ص:۳۵)

قیامت چونکہ سارے موجودات کی حالت بدل دے گی اور سارے ممکنات پر غالب آجائے گی، اس لیے قدرتاً اس کا ایک لقب الطامة الکبریٰ قرار پایا۔

ما سعی۔ سعی یہاں عمل کے معنی میں ہے۔

وسعى بمعنى عمل. (روح، ج۳۰/ص:۳۵)

أی عمله الذی كان سعی فيه فی الدنيا. (بحر، ج۸/ص:۴۲۳)

۱۷؎ ذکر مجرموں، کافروں، منکروں کا ہے۔

آثر الحیوٰة الدنیا۔ یعنی اُخروی دائمی زندگی سے منھ پھیر کر سب کچھ اسی مادّی و ناسوتی زندگی کو سمجھ لیا ــــــــ یہاں ذکر ایسے شخص کا نہیں جو عقیدۃً مطیع و مومن ہے مگر کبھی کبھی ہوائے نفس سے مغلوب ہو کر غلط راستے پر جا پڑتا ہے۔ دوزخ مستقل ٹھکانا تو منکروں، کافروں ہی کا ہوسکتا ہے۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ﴿٤١﴾

اور نفس کی خواہش سے روکا ہوگا تو ایسے کا ٹھکانا بس جنت ہی ہے ۱۸

وهو الكافر الذي يكون عقابه مخلداً، وتخصيصه بهذه الحالة يدل على أن الفاسق الذي لا يكون كذلك، لا تكون الجحيم مأوى له. (کبیر، ج ۳۱/ص: ۴۷)

۱۸ اب ذکر مومنین مطیعین کا ہو رہا ہے، ان کا ٹھکانا جنت کے سوا اور کوئی نہیں۔

هي المأوى میں ھی کلمۂ تخصیص ہے۔

الھوی۔ ھوی سے مراد اس سیاق میں حرام خواہش ہے اور نفس کو حرام خواہش سے روکے رہنے کے معنی یہ ہوئے کہ عقیدۂ صالح کے ساتھ عملِ صالح کو بھی جاری رکھا۔ ھوی کے عموم ہی میں ایسی خواہش داخل ہے جو نفس کو محبوب ہو، اور اس میں رضائے حق وخشیتِ الٰہی کا کوئی لحاظ نہ ہو۔

في ما يكرهه الله ولا يرضاه منها. (ابن جرير، ج ۲۴/ص: ۹۸)

بعض محققین اہل سنت نے لکھا ہے کہ ہر وہ ذکر وعبادت بھی جو کتاب وسنت سے ماخوذ نہ ہو، لذتِ نفس ہی کے لیے کیا جاتا ہے اور ھوی کے حکم میں داخل ہے ــــ اور یہیں سے ہے کہ مبتدع فرقوں کو اہل ہویٰ کہنا بھی درست ہے۔

نهى النفس۔ یعنی کمالِ رغبت وشوق کے باوجود اپنے کو روکے رکھا۔

صوفیۂ محققین نے آیت سے ضبطِ نفس کی فضیلت پر استدلال کیا ہے۔

خاف مقام ربه۔ صوفیۂ عارفین نے خوف کے تین درجے بتائے ہیں:

پہلا درجہ یہ کہ قول وعمل میں مواخذۂ آخرت کا دھڑکا لگا رہے ــــ یہ مقام اہل تقویٰ کا ہے۔

دوسرا درجہ یہ کہ وقوعِ لغزش سے محبوب کی نظر سے گر جانے کا دھڑکا لگا رہے ــــ یہ مقام اہل محبت کا ہے۔

تیسرا درجہ ہے کہ بلالحاظ کسی نتیجے کے بھی محض ہیبت وعظمت ذات سے لرزتا رہے ــــ یہ مقامِ عبدیت ہے۔

اور انھیں عارفین کا کہنا ہے کہ عبدِ محض کا مرتبہ متقی اور عاشق دونوں سے بلند تر ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾

(یہ لوگ) آپ سے ساعت (موعودہ) سے متعلق پوچھتے ہیں کہ کب اس کا وقوع ہوگا، سو آپ کو اس کے بیان سے کیا سروکار؟ ۱۹

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ

اس (کے وقت) کی تعیین تو آپ کے پروردگار ہی پر منتہی ہوئی ہے، آپ تو بس ڈرانے والے ہیں اُس کے لیے جو اس سے ڈرتا ہے ۲۰ جس دن

يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

یہ اس کو دیکھ لیں گے (یہ معلوم ہوگا) کہ گویا یہ لوگ صرف ایک شام یا اس کے اول حصے میں رہے ہیں ۲۱

۱۹ (تو آپ اس بکھیڑے میں پڑیں کیوں؟)

یسئلونك۔ سوال کرنے والے تو منکرینِ آخرت تھے، ان کا یہ سوال کچھ حصولِ معلومات کی غرض سے تو تھا نہیں، سرتاسر تعریض وانکار کی راہ سے تھا۔

فیم أنت من ذکراھا۔ جواب میں یہ حقیقت ایک بار پھر جتادی گئی کہ سوال کو آپؐ کے فرائضِ تبلیغ وانذار سے اصلاً تعلق نہیں۔ پیمبر کا کام تو بس یومِ جزا سے نفس وقوع کا نقش دلوں پر بٹھادینے کا ہے، نہ کہ اس کے سنہ، یوم، تاریخ کا تعین کرنا۔ اگر یہ چیزیں معلوم کرادی جائیں تو وہ بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں باقی ہی کہاں رہ سکتی ہیں جو اس وقتِ موعود کے مبہم ومخفی رکھنے میں ہیں؟

۲۰ آیت میں تعلیم دو باتوں کی ملی:- ایک یہ کہ آپ کی حیثیت محض رسول ومبلغ ومنذر کی ہے۔ بات کا پہنچادینا، بتلادینا، سمجھادینا، آپ کا کام ہے۔ کسی کے دل میں آپ اُتار تھوڑے ہی سکتے ہیں؟ دوسرے یہ کہ آپ کی تعلیم، تفہیم، تنبیہ سے بھی بس اثر وہی قبول کریں گے جن کے دلوں میں پہلے سے عقیدۂ قیامت وخوفِ خدا موجود ہے، باقی جن کے دل سرے سے اس عقیدے ہی سے خالی ہیں اور قدرتاً وہ کوئی فکر واندیشہ ہی اس سے متعلق نہیں رکھتے، اُن کے لیے آپ کی ساری تبلیغ ہی بے اثر ہے۔

منتھاھا۔ یخشاھا۔ ضمیر ھا دونوں جگہ الساعة کی طرف ہے۔

منتھاھا میں تقدمِ کلام یوں سمجھی گئی ہے:-

منتھی علمھا. (کشاف، ج۴/ص:۶۸۵. کبیر، ج۳۱/ص:۴۸. قرطبی، ج۱۹/ص:۲۰۹)

۲۱ (اس زمینی زندگی میں)

یعنی جب قیامت آ ہی جائے گی اور یہ منکرین اُسے آنکھوں سے دیکھ ہی لیں گے تو اس دُنیوی زندگی کی مدت طویل اُنھیں سمٹ سمٹا کر بالکل ہی مختصر معلوم ہوگی اور جس عذاب کی جلدی آج طنز و تعریض کی راہ سے مچا رہے ہیں، جب وہ آ ہی پڑے گا تو وہ یہ محسوس کریں گے کہ جیسے وہ دمِ زدن میں آ گیا ہے۔

انتہائی ہراس و یاس کے وقت دُنیا میں بھی ہر طویل گزشتہ مدت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جیسے پلک جھپکاتے گزر گئی۔

(۸۰)
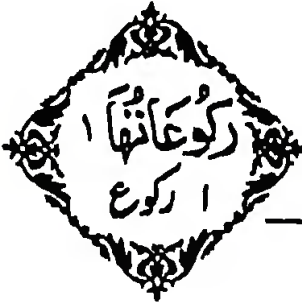
سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّة

سورۂ عبس مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝٣

(پیغمبر) چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیرلیا، اس بات پر کہ اُن کے پاس ایک نابینا آیا[۱] اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور ہی جاتا

[۱] نابینا سے مراد ہیں صحابی عمرو بن قیس بن زائدہ عرف ابن اُم مکتومؓ متوفی ۱۶ ہجری ۶۴۹ سنہ عیسوی زوج رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ الکبریٰ کے ماموں زاد بھائی بھی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت وتبلیغ کا ابھی ابتدائی ہی زمانہ تھا کہ ایک دن یہ ایسے وقت حاضر ہوئے اور آکر کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے، جب کہ آپؐ کے پاس سردارانِ قریش بیٹھے ہوئے تھے، جاہلی مشرکانہ تہذیبوں میں اونچ نیچ کا فرق بہت بڑا فرق ہے اور معاشری منزلت ومرتبہ میں خواص وعوام کے درمیان کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی، نہ برہمن اور چھتری کے چوکے میں کوئی ویش یا شودر داخل ہوسکتا ہے؟ لارڈز کے کھانے کی میز تک عوام کی رسائی نہیں ہوسکتی ہے؟ قریش کے جاہلی تمدن میں ایک عامی کی یہ جسارت بدتہذیبی میں داخل تھی۔ اِدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ واشاعتِ دین کے اہتمام وانہماک میں کافر قریش کی تالیفِ قلوب خاص طور پر مدِ نظر رہتی تھی، اس لیے قدرتاً ایسے موقع پر ان صحابیؓ کی نادانستہ مداخلت آپ کو ناگوار گزری۔

عبس۔ تولّی۔ أن جاءه۔ ان سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بجائے حاضر کے صیغۂ غائب کا استعمال مخاطب کی رعایت عظمت کے لیے ہے۔

فی التعبیر عنه علیه الصلاة والسلام بضمیر الغیبة إجلال له صلی الله تعالی علیه وسلم. (روح، ج ۳۰/ص: ۳۹)

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶

یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت فائدہ پہنچا دیتی ۲؎ سو جو شخص (دین سے) بے اعتنائی کرتا ہے، آپ اس کی فکر میں تو پڑ جاتے ہیں ۳؎

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸ وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹

(حالانکہ) وہ اگر نہ سنورے تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ۴؎ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (اللہ سے) ڈرتا رہتا ہے

بلفظ الإخبار عن الغائب تعظيماً له، ولم يقل عبستَ وتوليتَ. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۱۳)

أن یہاں لأن کے معنی ہیں ہے۔

المعنى لأن جاءه الأعمىٰ. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۱۱)

الأعمىٰ۔ ان صحابی کے نام یا کسی اور اسم وصفی کے لانے کے بجائے ان کی صفتِ نابینائی کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ سائل معذور کی شفقت و التفات کا زیادہ مستحق تھا۔

والدلالة علىٰ أنه أحق بالرأفة والرفق. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۷۳)

وكان يجب أن يزيده لعماه تعطفاً وترؤفاً وتقريباً وترحيباً. (کشاف، ج۴/ص:۶۸۸)

۲؎ یعنی انھیں روشنی مل جاتی اور رہنمائی ہو جاتی۔

یزّکّی۔ صیغۂ مبالغہ ہے یعنی تزکیہ پورا ہو جاتا، اور تصفیۂ ظاہری و باطنی دونوں ہو جاتا۔

لعلّه۔ لعل کا مقصود تاکیدِ کلام پیدا کرنا ہے یعنی نفع کا ظن اگر ہوتا، جب بھی توجہ اس طرف ضروری تھی، چہ جائے کہ جب تزکیہ یا تذکیر یقینی تھا۔

وما یدریك۔ صیغۂ حاضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اظہارِ شفقت و کرم کے لیے ہے۔

۳؎ (کہ کسی طرح اسے دائرۂ دین میں لے آئیں)

اور یہ افراطِ التفات دلیل ہے اس کمالِ شفقت کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلائق کے ساتھ تھا۔

من استغنیٰ۔ استغنی کے لفظ سے آپؐ کو توجہ ادھر دلا دی گئی کہ منکرین تو اپنی ارادی واختیاری بے توجہی کی بنا پر دین و حقائقِ دین کے منکر ہیں، کسی ہمدردی کے مستحق تھوڑے ہی ہیں؟

۴؎ (آپؐ کا کام تو صرف دعوت و تبلیغ پر ختم ہو جاتا ہے)

فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذۡكِرَةٌ ⑪ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫

تو آپ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں، ہرگز ایسا نہ کیجئے، یہ (قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے تو جس کا جی چاہے اسے قبول کرے ۵

آپ کے کمالِ شفقت اور انہماکِ دعوت و تبلیغ کی بنا پر ضرورت تھی کہ آپ کو بار بار اس حقیقت کا استحضار کرایا جائے۔

۵ (اور جو نہ قبول کرے وہ خود اپنی سزا بھگتے گا، آپؐ اس کے لیے اتنی فکر و اہتمام میں کیوں پڑتے ہیں؟)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر تھے، اعلم الناس تھے، لیکن بہرحال بشر ہی تھے، آپؐ نے مقامِ بشریت کے انتہائی اجتہاد سے کام لے کر یہ خیال فرمایا اور بجائے خود یہ خیال بالکل صحیح تھا کہ کلی گمراہی جزئی ناواقفیت سے کہیں اشد و اہم ہے، اور دین کے بنیادی اصول بہرصورت فروع پر مقدم ہوتے ہیں، اس لیے قدرۃً وہ مشرکین و منکرین زیادہ اور فوری توجہ کے مستحق تھے، بمقابلہ ان صحابی کے جو مومن تو بہرحال تھے ہی ــــــ علمِ الٰہی و غیر محدود، علم بشری و محدود کو تنبیہ کر رہا ہے کہ ایک میں تو اصلاح و ہدایت کی طلب تھی، اور وہ خود اس کا اظہار کرتا ہوا حاضر تھا اور دوسرا فریق سرے سے ضرورت اصلاح ہی کی طرف سے اعراض کیے ہوئے اور آپؐ کے مصلح ہونے کی تکذیب کر رہا تھا، اس لیے غیرتِ دینی کا مقتضا یہ تھا کہ آپ اپنی توجہ اس طالبِ اصلاح کے حق میں مقدم رکھتے۔

إنها۔ ضمیر ھا قرآن کی طرف ہے اور مؤنث اس لیے کہ جملہ کی خبر تذکرۃ مؤنث ہے۔

والتأنيث لتأنيث الخبر. (روح، ج ۳۰/ص: ۴۱)

اور بعض نے ضمیر مؤنث کا مرجع سورہ یا آیاتِ قرآن کو قرار دیا ہے۔

أى السورة أو آيات القرآن. (قرطبی، ج ۱۹/ص: ۲۱۵)

قال مقاتل يعني آيات القرآن، وقال الكلبي يعني هذه السورة، وهو قول الأخفش. (كبير، ج ۳۰/ص: ۵۳)

آیت میں یہ مضمون پھر ایک بار آ گیا کہ قرآن مجید تو بس ایک کتابِ موعظت ہے، اُسے قبول کرنا، نہ کرنا، ہر شخص کے اپنے ارادے و اختیار کی چیز ہے۔

فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾

(وہ ثبت ہے) صحیفوں میں جو معزز اور بلند و پاک ہیں، اور ہاتھوں میں ایسے لکھنے والوں کے رہتے ہیں جو مکرم اور نیک ہیں ۶

۶ (یعنی فرشتوں کے بارے میں)

صحف مکرمة۔ یہ پاک و متبرک صحیفے لوحِ محفوظ ہی کے مختلف اجزا ہیں۔

یعنی اللوح المحفوظ. (معالم، ج۵/ص:۲۱۰)

مرفوعة۔ یہ بلندی ضروری نہیں کہ چھت و مکان ہی کے اعتبار سے ہو، مرتبہ و منزلت بھی مراد ہوسکتی ہے اور شبہات و تناقض سے بلند و برتر ہونا بھی مراد لیا گیا ہے۔

أی شریفة. (راغب، ص:۲۲۶)

أی عالیة القدر. (ابن کثیر، ج۴/ص:۴۲۶)

رفیعة القدر. (معالم، ج۵/ص:۲۱۱)

رفیعة القدر عند اللّٰه، وقیل مرفوعة من الشّبه والتناقض. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۱۶)

مطهرة۔ یعنی ہر قسم کی معنوی آلایش سے پاک و منزہ اور شیطان کی دسترس سے باہر۔

أی من الدنس والزیادة والنقص. (ابن کثیر، ج۴/ص:۴۲۶)

مطهرة عن أیدی الشیاطین. (کبیر، ج۳۱/ص:۵۴)

سفرة کرام بررة۔ سفرة جمع ہے سافرة کی، مراد وہ فرشتے لیے گئے ہیں جنھوں نے بامرِ الٰہی ان صحیفوں کی کتابت لوحِ محفوظ میں کی ہے۔

فهم الملائکة، الموصوفون بقوله کراماً کاتبین. (راغب، ص:۲۶۲)

قال ابن عباس ومجاهد والضحاك وابن زید هی الملائکة. (ابن کثیر، ج۴/ص:۴۲۶)

توسع سے کام لے کر مجازاً یہ اوصاف ان خادمانِ قرآن کے بھی سمجھے جاسکتے ہیں جنھوں نے ابتداءً وحی قرآنی کی کتابت کی اور پھر اس کے بعد سے اب تک قرآن و علومِ قرآن کے نشر و نقل میں لگے لپٹے رہتے ہیں۔

وقال قتادة هم القُرّاء. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۱۶)

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾

انسان پر اللہ کی مار، وہ کیسا ناشکرا ہے ۷ اللہ نے اُسے کس حقیر چیز سے پیدا کیا، نطفہ سے، پھر اُسے قدر و تناسب سے بنایا ۸

۷ (کہ اپنے رب و خالق کی ربوبیت و حاکمیت تک کا قائل نہیں!)

قُتل۔ صیغۂ ماضی مجہول میں، عربی محاورے میں بددعا کے لیے آتا ہے جیسے اُردو میں ''غارت ہو''۔

دعاء عليهم. (راغب، ص:٤٣٩)

أى لعن. (قرطبى، ج١٩/ص:٢١٧)

لعن. (ابن جرير، ج٢٤/ص:١١٠)

الإنسان۔ مراد کافر انسان ہے۔

عن مجاهد ما كان فى القرآن (قتل الإنسان) أو فعل بالإنسان، فإنما عنى به الكافر. (ابن جرير، ج٢٤/ص:١١٠)

أى لعن الكافر. (معالم، ج٥/ص:٢١١)

وهذا لجنس الإنسان المكذب. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٢٧)

ما أكفره۔ ما کلمۂ تعجب ہے یعنی حیرت انگیز انسان کی افراطِ کفر سے۔

تعجب من إفراط كفره. (بحر، ج٨/ص:٤٢٨)

ما تعجب، وعادة العرب إذا تعجبوا من شيئ قالوا قاتله الله ما أحسنه! (قرطبى، ج١٩/ص:٢١٨)

تعجب من إفراطه فى كفران نعمة الله. (كبير، ج٣١/ص:٥٥)

اور یہ اظہارِ حیرت ظاہر ہے کہ انسان کے معیار سے ہے، ورنہ خالق یا پروردگار کی طرف سے تو کسی حیرت کا امکان ہی نہیں۔

والتعجب بالنسبة للمخلوقين إذ هو مستحيل فى خق الله تعالىٰ. (بحر، ج٨/ص:٤٢٨)

۸ (اور کیسی کیسی نعمتوں سے اُسے نوازا)

یعنی اگر اور کچھ نہیں تو انسان وہ اپنے جسم ہی کی حکمتوں اور صناعیوں پر غور کرے تو یہی ایک

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ۝٢٠ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۝٢١ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ۝٢٢

پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا ۹ پھر اُسے موت دی، پھر اُسے قبر میں لے گیا ۱۰ پھر جب چاہے گا اُسے جِلا اُٹھائے گا

شے اسے ایک حکیم برحق اور قادرِ مطلق خدا کا اقرار کرا دینے کے لیے کافی ہے ——— بعض جدید اہل حکمت نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ انسان پر حجت تام قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پیدائش صرف فرد کی نہیں بلکہ نوعِ انسانی کی بھی انھیں حکیمانہ اور ارتقائی منزلوں کے ساتھ مانی جائے۔

من أی شیئ خلقه۔ استفہامِ تحقیری ہے۔

استفهام على معنى التقرير على حقارة ما خلق منه. (بحر، ج۸/ص:۴۲۸)

وهو استفهام وغرضه زيادة التقرير فى التحقير. (کبیر، ج۳۱/ص:۵۵)

۹ (یعنی راستہ تحصیل خیر وشر کا، تحقیق حق و باطل کا، اور معرفتِ نفع و ضرر کا)

السبیل۔ مراد وہ نظرِ مستقیم ہے جو انسان کو ایمان کی طرف لاتی ہے، اور انسان کو جو نعمتِ عقل عطا ہوئی ہے، اُس میں آسانی پیدا کر دیتی ہے۔

يعنى به طريق الحق. (راغب، ص:۲۵۰)

أى النظر القويم المؤدى إلى الإيمان وتيسيره له هو هبة العقل. (بحر، عن ابن عباس وقتادة وأبى صالح والسدّى، ج۸/ص:۴۲۸)

وقال الحسن ومجاهد يعنى طريق الحق والباطل سهل له العلم به. (معالم، ج۵/ص:۲۱۱)

عن مجاهد يسّره لطريق الخير والشر، أى بيّن له ذلك، وقاله الحسن وعطاء وابن عباس. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۱۸)

۱۰ یعنی عالمِ قبر اس پر طاری کیا۔

عالمِ قبر مٹی کی بنی ہوئی تربت تک محدود نہیں اور اس کے لیے جسم کی تدفین مٹی میں لازمی نہیں، انسان جل کر مرے، پانی میں ڈوب جائے، اس کا لاشہ درندوں کی غذا بن جائے، غرض اس کے جسد کے ساتھ کوئی بھی معاملہ ہو، جوں ہی رُوح قیدِ جسم سے آزاد ہو گئی، بہرصورت عالمِ قبر میں پہنچ جاتی ہے اور اسی کو عالمِ برزخ بھی کہتے ہیں۔ اس عالم کا اثبات قرآن مجید کی اس آیت میں صاف موجود ہے۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾

(اس نے شکر) ہرگز نہیں (ادا کیا اور) اللہ نے جو حکم دے دیا تھا اُسے وہ بجا نہیں لایا ۱۱ سو انسان ذرا دیکھے تو اپنی غذا کی طرف ۱۲

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾

ہم نے خوب ہی پانی برسایا، پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا، پھر ہم نے اُگایا اس میں غلہ

وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾

اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغ اور میوے اور چارے

یہ سارے عالم جو قرآن مجید نے یہاں گنائے ہیں، یہ یعنی:

پہلے تخلیق (خلقه) پھر تقدیر (فقدره) پھر یسر سبیل (ثم السبیل یسره) پھر موت (أماته) پھر مقبوریت (فاقبره)

انسان پر طاری ہوتے رہتے ہیں، نہ کہ اس کے محض جسم پر۔

۱۱ یعنی معاملہ ایسا ہرگز ہونے کا نہیں جیسا کہ اس ناشکرے نے گمان کیا ہے (حشر کی عدالت بالکل برحق ہے) اور اس نالائق نے عبدیت کا تقاضا ذرا بھی پورا نہ کیا۔

اشارہ اسی کافر انسان کی جانب ہے جس کا ذکر اوپر چلا آرہا ہے، ایسا ناشکرا انسان کس اجر، کس معاوضے کی توقع رکھتا ہے؟

یہاں بیان انسانی زندگی کی مختلف منزلوں کا آگیا۔ انسان وجود میں آتا ہے تو بہترین قویٰ واستعداد لے کر، پھر مختصر یا طویل ایک مدت تک زندگی بسر کرنے کے بعد اسے موت آتی ہے یعنی وہ عالم قبر یا برزخ میں داخل ہوتا ہے۔

۱۲ (کہ اس کی غذا کی بہم رسانی کے لیے کیسے کیسے انتظامات ہم نے کر رکھے ہیں)

ربوبیت ورزاقیت کی اتنی زبردست وپُرقوت مشینری کے مشاہدے کے بعد بھی کہ فطرت کی بڑی سی بڑی قوتوں کو اسی کام میں لگا دیا گیا ہے، ایسے محسنِ حقیقی کی طرف سے اعراض اور ادائے شکر سے انکار کیسی شدید ناشکری ہے!

ایجاد وتخلیق کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا، اب توجہ انسان کو اس کے سامانِ بقاو پرورش کی طرف

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ

تمھارے اور تمھارے مویشیوں کے فائدے کے لیے ۱۳ پھر جس وقت شدید شور برپا ہو جائے گا، جس روز بھاگے گا انسان

مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ

اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے، ان میں سے ہر شخص کو اس روز

شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾

اپنی ہی پڑی ہوگی، دوسرے سے بے توجہ کردینے والی ۱۵ (کتنے) چہرے اس روز چمکتے ہوئے

دلائی جارہی ہے۔

۱۳ گویا نباتات کا یہ نظامِ عظیم صرف انسان ہی نہیں، انسان کے خادم چوپایوں کے لیے بھی ہے۔
قرآن مجید نے مختلف طریقوں سے اس حقیقت کا اظہار بار بار کیا ہے کہ انسان زمین پر اللہ کا نائب اور اس کی ساری مخلوق کا سردار و سرتاج ہے، سارے موجودات اسی کی خدمت کے لیے ہیں اور وہ خود اللہ کی طاعت و عبادت کے لیے ـــــــ شرک جس کا نام ہے وہ نتیجہ ہے انتہائی بدعقلی اور کمالِ بدفہمی کا۔
عنب، زیتون، نخل وغیرہ پر حاشیے پہلے گزر چکے۔
بادلوں سے زوردار بارش کر کے میٹھے پانی کا ذخیرۂ عظیم زمین پر لانا اور پھر خشک اور چٹیل زمین کو اس سے سیرابی کے لیے تیار کرنا اور اس کے درمیان کی بے شمار منزلیں اور مرحلے، یہ سارے کرشمے اس خدائے واحد کی کامل صناعی ہی کے تو ہیں!

۱۴ یعنی شورِ محشر۔

الصاخة الصيحة التي تكون عنها القيامة، وهي النفخة الثانية. (قرطبي، ج۱۹/ص:۲۲٤)

يعني صيحة القيامة. (كبير، ج۳۱/ص:۵۸)

۱۵ یہ وقت وہ ہوگا جب کوئی متنفس اپنے کسی قریب سے وقریب عزیز یا عزیز سے عزیز، دوست کے کام آنا تو خیر بڑی بات ہے اس سے ہمدردی تک نہ کر سکے گا، سب اپنے اپنے حال میں گرفتار ہوں گے، نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔

ان گنے چنے فقروں میں قرآن مجید نے حشر کے دن کی انتہائی بے بسی اور بے کسی کا منظر

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾

ہنستے ہوئے بشاش ہوں گے ۱۶ اور (کتنے) چہروں پر اس روز سیاہی ہوگی، اُن پر کدورت چھائی ہوگی

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

یہی لوگ تو ہیں کافر فاجر ۱۷

پیش کر دیا ہے ـــــــ یہ سارا بیان زمین کی ایک دوسری ہی حالت کا ہے جب دَور دَورہ بجائے تعمیر کے عمل تخریب کا ہوگا۔

لکل...... یغنیہ۔

أی یشغله عن غیره. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۲٤)

المرء۔ مرء یا انسان سے مراد ایسے ہر موقع سے کافر و منکر ہی انسان ہوتا ہے۔

۱۶ یہ نور ہوگا ایمان کا، اور یہ خوشی و بشاشت نتیجہ ہوگی طاعت کا۔

اس صراحت نے ایک بار پھر اس حقیقت کو روشن کر دیا کہ حشر کے دن کی ساری ہی ہولناکیاں اور دہشت انگیزیاں محدود رہیں گی منکروں اور نافرمانوں تک، باقی جن لوگوں نے توحید و رسالت کی تصدیق کر کے دُنیا میں حقِ عبودیت ادا کیا اور جسم و رُوح کے مجموعے کو صحیح کام میں لگایا اور جنھوں نے اپنا دل آخرت سے لگائے رکھا، ان کے لیے وہ دن بہجت و مسرت، فرحت و انبساط کا ہوگا، نہ کہ رنج و کلفت کا۔

یہ لوگ قوتِ نظر سے و قوتِ عمل دونوں کے معیار سے کامل ہوں گے۔

۱۷ چہرے کی سیاہی علامت ہوگی ان کی حسرت نصیبی اور بدانجامی کی۔

الکفرۃ۔ کفر سے اشارہ ہوگیا فسادِ عقائد کی جانب یا حقوق اللہ سے اعراض کی جانب۔

الکفرة قلوبهم. (ابن کثیر، ج٤/ص:٤٢٩)

الکفرة فی حقوق الله. (مدارك، ص:۱۳۲۳)

الفجرۃ۔ فجور سے اشارہ ہوگیا ان لوگوں کے فسادِ اعمال کی جانب یا حقوق العباد سے اعراض کی جانب۔

الفجرة فی أعمالهم. (ابن كثير،ج٤/ص:٤٢٩)

الفجرة فی حقوق العباد. (مدارك،ص:١٣٢٣)

مسلمانوں میں ایک قدیم فرقہ مرجئہ کے نام سے ہوا ہے جو اس کے قائل تھے کہ کبائر بھی نجات کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے ہیں۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ اس فرقے نے ایک دلیل ان آخری آیتوں کو بھی بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں ذکر دو ہی طبقوں کا ہے: مغفورین کا اور مقہورین کا۔ اور مقہورین میں صرف کافر ہی ہیں، اس لیے جو کافر نہیں وہ ضرور اہل جنت کے زمرے میں شامل ہوں گے اور اُن کے کبائر اُن کو نجات و مغفرت سے محروم نہ کر سکیں گے۔ (کبیر، ج۳۱/ص:۶۰)

(۸۱)

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ تکویر مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝٢ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣

جب آفتاب لپیٹ لیا جائے اور جب ستارے بے نور ہوجائیں اور جب پہاڑ چلادیے جائیں

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٤ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝٥

اور جب اُونٹنیاں چھُٹی پھرنے لگیں اور جب وحشی جانور اکٹھے کردیے جائیں

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٦

اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں [۱]

[۱] (آگ کی طرح)

مثلاً یوں کہ ان کا پانی آگ اور بھاپ میں تبدیل ہوجائے۔

السّجر تهيج النار. (راغب، ص:۲۵۲)

أي أضرمت ناراً، عن الحسن. (راغب، ص:۲۵۲)

قال ابن زيد وشمر وعطية وسفيان ووهب وأُبيّ وعليّ بن أبي طالب وابن عباس أوقدت فصارت ناراً. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۳۰)

یہ سارے کیفیات وواقعات صورِ قیامت کے نفخۂ اول کے بیان ہو رہے ہیں۔ کرۂ ارض جو اس وقت تک آباد و معمور ہوگا، جب صور کی پہلی آواز پر ہلاک وبرباد ہونا شروع ہوگا تو اس وقت کے آثار وعلامات یہی ہوں گے اور کائنات کے مضبوط سے مضبوط موجودات یوں درہم برہم اور پاش پاش

ہونے لگیں گے۔

إذا الشمس کورت۔ یعنی آفتاب عالم تاب کی لمبی لمبی کرنیں جو عالم کو منور کرتی رہتی ہیں لپیٹ کر رکھ دی جائیں یا بے نور ہو جائیں، جس سے عالم تیرہ وتار ہو جائے۔ آفتاب جو عالمِ سماوی میں ایک عظیم ترین مخلوق ہے، جب فنا وتحلیل ہونے پر مجبور ہو جائے تو پھر اس سے ادنیٰ دوسری مخلوقات کا ذکر ہی کیا!۔۔۔۔۔ باقی عمل تکویر شمس کی اس وقت تفصیلی کیفیت کیا ہوگی، اس کا علم، عالم الغیب ہی کو ہے۔

آفتاب کی فنا پذیری میں ضرب آفتاب پرستی پر بھی ہے۔

وإذا النجوم انکدرت۔ ستارے تو روشن مجسم سمجھے جاتے ہیں، اور رات کے وقت عالم کو منور رکھنے والے جب نفخ صور قیامت کے وقت وہ بھی میلے، گندے اور بے نور ہو جائیں، ان کا نور سلب ہو جائے، اور وہ نہ کسی کو روشن کر سکیں، نہ خود ہی منور رہ سکیں تو پھر کسی اور مخلوق کے قیام وثبات کا کیا ذکر!۔۔۔ انکدارِ نجوم کی اس وقت تفصیلی کیفیت کیا ہوگی، یہ بس عالم الغیب ہی کے علم میں ہے۔

ستاروں کی بے نوری اور بے بسی کی تصریح میں ضرب ستارہ پرستی پر بھی ہے۔

وإذا الجبال سیرت۔ پہاڑ جو دُنیا والوں اور زمینی مخلوق کی نظر میں پیکرِ ثبات ومجسمۂ استحکام ہوتے ہیں، وہ بھی اس وقت اپنا سارا ثبات واستحکام کھو دیں گے۔

وإذا العشار عطلت۔ عشار اُن اُونٹنیوں کو کہتے ہیں جو دس مہینے کی حاملہ ہوں اور وضع حمل کے قریب۔ اور قرآن کے مخاطب اول اہل عرب میں ان کی انتہائی قدر وقیمت تھی۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت ہلچل ایسی سخت ہوگی کہ اتنی قیمتی اور قابلِ قدر چیز کا بھی ہوش کسی کو نہ رہے گا اور مخلوق میں یکسر نفسی نفسی پڑ جائے گی۔ فقرہ بطورِ مثال یا مفروضے کے ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں واقعۃً بھی موجود ہوں۔

وھذا علی وجه المثل لأن فی القیامة لاتکون ناقة عشراً ولکن أراد به المثل.

(قرطبی، ج۱۹، ص:۲۲۸)

دیباچۂ تفسیر میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ قرآن مجید کے مخاطب اول ابتدائی ساتویں صدی عیسوی کے اہل عرب تھے، اور وہ جن چیزوں سے خوب مانوس ومالوف تھے، خطاب میں ان کا لحاظ

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝۸

اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کردیے جائیں گے ۲ اور جب زندہ دفن کی ہوئی (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا

رکھنا ازبس مناسب تھا۔

وإذا الوحوش حشرت۔ یعنی جب انتہائی اضطراب وانتشار میں وحشی جانور تک ایک دوسرے کی دشمنی بھول بھال آپس میں گڈمڈ ہوجائیں۔

روی عن عبد اللّٰه بن عمرو، ففزعت الإنس إلی الجنّ، والجن إلی الإنس، واختلطت الدوابُّ والوحوش والهوامُّ والطیر، وماج بعضها فی بعض. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۲۸)

اس کا ایک نمونہ آج بھی ہلکے پیمانے پر اس وقت دیکھنے میں آجاتا ہے جب شدید طغیانی وسیلاب میں سانپ انسان کے ساتھ ساتھ بہتا بہتا اپنی زہریلی فطرت بدلا ہوا نظر آتا ہے۔

وإذا البحار سجرت۔ یعنی سمندروں کے پانی کو آگ میں تبدیل کردیا جائے۔

أی أوقدت. (قرطبی عن ابن عباس، ج۱۹/ص:۲۳۰)

اس کے علاوہ اور معنی بھی کیے گئے ہیں اور ابن الانباری لغوی نے لکھا ہے کہ تسجیر، لغاتِ اضداد بھی ہے۔ یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ سمندر لبالب بھر جائے اور یہ بھی کہ خوب خالی ہوجائے۔ (ابن الانباری، ص:۵۴)

جمہور کا قول ہے کہ یہ سارے اختلافات عین یوم قیامت میں واقع ہوں گے، لیکن یہ قول بھی منقول ہے کہ اس دُنیا میں قبل قیامِ قیامت بطور اس کے مقدمے کے واقع ہوجائیں۔

ثم جمیع ما فی هذه الآیات یجوز أن یکون فی الدنیا قبل یوم القیامة ویکون من أشراطها، ویجوز أن یکون یوم القیامة. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۳۱)

۲ مثلاً مومن مومن اور کافر کافر۔

عن مجاهد قال الأمثال من الناس جمع بینهم وکذا قال الربیع بن خیثم والحسن وقتادة واختاره ابن جریر وهو الصحیح. (ابن کثیر، ج۴/ص:۴۳۲)

بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۚ﴿۹﴾ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتۡ ﴿۱۱﴾

کہ وہ کس گناہ میں مارڈالی گئی تھی ۳ اور جب (اعمال) کے صحیفے کھول دیے جائیں گے اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی

وقال عمر بن الخطاب يقرن الفاجر مع الفاجر ويقرن الصالح مع الصالح.

(قرطبی، ج۱۹/ص:۲۳۱)

خود حدیثِ نبوی میں بھی تفسیر اسی سے ملتی جلتی آئی ہے یعنی ہم عمل لوگ اکٹھے کردیے جائیں گے۔

عن النعمان بن بشير قال النبي صلى الله عليه وسلم يقرن كل رجل مع كل قوم كانوا يعملون كعمله. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۳۱)

ایک دوسری تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ مومن کو حوروں سے ملایا جائے گا اور کافروں کو شیطانوں سے۔

قرنت المؤمنين بالحور وقرنت الكافرين بالشياطين. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۷۵)

عن ابن عباس زوجت نفوس المؤمنين بالحور العين، وقُرن الكافر بالشياطين.

(قرطبی، ج۱۹، ص:۲۳۱-۲۳۲)

ایک اور تفسیر یہ آئی ہے کہ رُوحیں جسموں سے ملادی جائیں گی۔

قرنت بالأبدان. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۷۵)

عن عكرمة قال...... ردت الأرواح في الأجساد. (معالم، ج۵/ص:۲۱۶)

أي زوجت بالأبدان. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٣٢)

واقعاتِ فنا کے بعد بیان صور کے نفخۂ ثانی سے خلق کی آفرینش ثانی کا ہو رہا ہے۔

۳ سوال سے مقصود ناخداترس ظالموں، قاتلوں پر مزید حجت قائم کرنا ہے۔

الموؤدة۔ وہ لڑکی ہے جو زندہ دفن کردی جائے، یہ رسم شرفائے عرب کے بعض قبیلوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ رواج ہندوستان میں بھی رہا ہے، راجپوتوں اور بعض دوسری ذاتوں اور برادریوں

میں اور بعض دوسرے ملکوں میں بھی ـــــــ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

بعض محققین نے لکھا ہے کہ دوسرے معاصی کو چھوڑ کر اسی خاص معصیت کا ذکر آثارِ قیامت واحوالِ محشر کے سلسلے میں کرنے سے نکتہ یہ پیدا ہو رہا ہے کہ پُرسش سب سے پہلے خونِ ناحق کی ہوگی اور خون کے مقدمات میں بھی اس خاص دفعہ کے مجرم نمبر اول پر پیش ہوں گے۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مواخذہ مساوی ہے، چاہے لڑکی اس طرح دفن کی جائے یا لڑکا۔ صیغۂ مؤنث استعمال اس لیے ہوا ہے کہ عرب میں دستور لڑکی ہی کے دفن کا تھا۔

سئلت۔ بعض اہل ذوق نے لکھا ہے کہ بجائے قاتل کے خود مقتولہ سے خطاب کرنے میں اشارہ یہ نکلتا ہے کہ وہ شقی اظلم قابل خطاب بھی نہیں۔

هو توبيخ لقاتلها بصرف الخطاب عنه .(مدارك،ص:١٣٢٤)

سؤالها وجوابها تبكيت لقاتلها. (كبير،ج٣١/ص:٦٤)

فقہائے مفسرین نے آیت سے یہ دو مسئلے بھی نکالے ہیں:-

ایک یہ کہ مشرکوں کے بچوں پر عذاب نہ ہوگا، بلکہ وہ اہل جنت سے ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ کسی پر بھی عذاب بغیر صدورِ معصیت کے نہ ہوگا۔

وفيه دليل علىٰ أن أطفال المشركين لا يعذبون وعلىٰ أن التعذيب لايكون بلاذنب. (مدارك،ص:١٣٢٤-١٣٢٥)

وأما أطفال المشركين......وهو الصحيح الذى ذهب إليه المحققون أنهم من أهل الجنة. (روح،ج٣٠/ص:٥٤)

وفيه دليل بيّن على أن أطفال المشركين لايعذبون وعلى أن التعذيب لايُستحق إلّا بذنب. (قرطبى،ج١٩/ص:٢٣٤)

قتلت۔ قتل یہاں بھی قرآن مجید کے دوسرے مقامات کی طرح اپنے لفظی لغوی مفہوم یعنی مطلق اِہلاک کے مرادف استعمال ہوا ہے۔ فقہی اصطلاح یعنی کسی تیز یا دھاردار آلہ سے ہلاک ہونے کی بہت بعد کی پیداوار ہے۔

وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ

اور جب دوزخ دہکا دی جائے گی، اور جب جنت نزدیک کردی جائے گی، اس وقت ہر شخص جان لے گا (ان اعمال کو)

مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾

جنھیں لے کروہ آیا ہے ۴ میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی، چلتے رہنے والے جا چھپنے والوں کی

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿١٩﴾

اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے اور صبح کی جب وہ آنے لگے ۵ کہ یہ (قرآن) کلام ہے معزز قاصد کا (لایا ہوا)

۴ (اور وہ علم ایسا قطعی اور یقینی ہوگا کہ اس کے بعد کسی مزید قیل وقال اور چون وچرا کی گنجایش ہی نہ رہے گی اور ہر ایک کو اپنا انجام سامنے نظر آنے لگے گا)

وإذا الصحف نشرت۔ آیت کے یہ معنی کرنا کہ جب اخبارات شائع ہونے لگیں، قرآن اور عربیت دونوں کے ساتھ تمسخر کرنا ہے۔

وإذا السماء كشطت۔ آسمان کی کھال کھینچ لیے جانے سے مراد بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کے اوپر کی چیزیں بھی بے حجاب نظر آنے لگیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

وإذا الجحيم سعرت۔ جہنم تو آج بھی دہکی ہوئی ہے، اس روز اور دہکا دی جائے گی۔

وإذا الجنة أزلفت۔ یعنی جنت نیک کاروں کے قریب ومتصل لے آئی جائے گی۔

۵ قسم عربی فن بلاغت میں زور وتاکید کا ایک اسلوب ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ سورۂ حجر، آیت ۷۲) اور جس چیز کی بھی قسم کھائی جاتی ہے وہ مخاطب کی نظر میں (نہ کہ متکلم کی نظر میں) پُرہیبت، پُرعظمت، حیرت انگیز ہوتی ہے، اس کی قسم کھا کر گویا اسے دعوے کی شہادت میں پیش کیا جاتا ہے۔

الخنس۔ یہ وہ پانچ سیارے ہیں جو سیدھے چلتے چلتے پیچھے کی طرف چلنے لگتے ہیں، فلکیات کی اصطلاح میں انھیں خمسۂ متغیرہ کہتے ہیں اور ان کے نام ہیں: زحل، مشتری، عطارد، مریخ اور زہرہ ـــــ جاہلی قوموں میں اکثر یہ دیوی دیوتا بھی مانے گئے ہیں۔

الجوار الكنس۔ یہ وہ سیارے ہیں جو پیچھے ہی کی طرف چلتے رہتے ہیں اور پیچھے ہی چلتے چلتے اپنے مطلع میں جا چھپتے ہیں۔

ذِی قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ ﴿۲۰﴾

جو قوت والا ذی مرتبہ ہے مالک عرش کے نزدیک ہے [۶]

آیت کا حاصل یہ نکلا کہ فطرت کے زبردست آثار و مظاہر خود اس پر شہادت دے رہے ہیں کہ (جیسا کہ ابھی آگے آرہا ہے) یہ کلام حق تعالیٰ ہی کا ہے۔

۶ (اور اس کے لائے ہوئے کلام میں یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ شیطانی تصرف ہوا ہو، یا کہانت کی آمیزش کہیں سے ہوگئی ہو)

رسول کریم۔ رسول سے مراد جس طرح پیغمبر سے ہوتی ہے اس طرح فرشتے سے بھی ہوتی ہے، اور یہاں سیاق سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ معزز ''قاصد'' سے مراد فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

رسل الله تارة يراد بها الملائكة...... فمن الملائكة قوله تعالىٰ (إنه لقول رسول كريم). (راغب، ص: ۲۲۰)

اور اس پر جمہور کا اتفاق ہے۔

هو كما قال ابن عباس وقتادة والجمهور جبريل عليه السلام. (روح، ج ۳۰/ص:۵۹)

قاله الحسن وقتادة والضحاك. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۴۰)

ذی قوۃ۔ سورۂ والنجم کی آیت بھی یاد کرلی جائے، جہاں انھیں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو شديد القوىٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مکین۔ یعنی صاحبِ منزلت و مرتبہ۔

أي ذي منزلة ومكانة. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۴۰)

عند ذی العرش۔ عند جس طرح قربِ مکانی کے لیے آتا ہے، قربِ منزلت کے لیے بھی آتا ہے۔

عند لفظ موضوع للقرب، فتارة يستعمل في الزلفىٰ والمنزلة. (راغب، ص:۳۹۱)

یہاں قربِ جسمانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ ہر جسمانیت اور مکانیت سے برتر ہیں، مراد قربِ قبول و بلندئ مرتبہ ہی ہے۔

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۲﴾

وہاں وہ سردار ہے، امانت دار ہے ۷ اور تمھارے یہ ساتھی ذرا بھی مجنون نہیں ہیں ۸

ليدل على عظم منزلته ومكانته. (مدارك، ص:١٣٢٥)

عندية إكرام وتشريف لا عندية مكان. (روح، ج٣٠/ص:٦٠)

وهذه العندية ليست عندية المكان، وليست عندية الجهة بل عندية الإكرام والتشريف والتعظيم. (كبير، ج٣١/ص:٦٨)

اور یہ قربِ خصوصی خود اس کا مستلزم ہے کہ پیامِ رسانیٔ وحی میں امکان نہ سہو کا رہا، نہ غلطی کا، نہ غفلت کا۔

۷ قرآن کا لانے والا فرشتہ جب ان اوصاف کا مالک ہے تو نہ یہ ممکن ہے کہ خود اس کی طرف سے کوئی خیانت ہوئی ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی خارجی ذریعے سے اس کلام میں کہانت کی آمیزش ہوگئی ہے ــــــ یہ سب اُن منکرین کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن سمجھ رہے تھے، اور قرآن کو آپ کا کلام۔

ثم۔ وہاں یعنی آسمان پر۔

أى فى السمٰوات. (قرطبى، ج١٩/ص:٢٤٠)

أى فى السمٰوات. (مدارك، ص:١٣٢٥)

فى الملأ الأعلىٰ. (بحر، ج٨/ص:٤٣٤)

مطاع۔ جبرئیل علیہ السلام فرشتہ اور فرشتۂ وحی ہی نہیں ہیں، بلکہ فرشتوں میں سروری اور سرداری کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

يطيعه ملائكته المقربون يصدرون عن أمره ويرجعون إلىٰ رأيه. (مدارك، ص:١٣٢٥)

ملائكة الله المقربين يصدرون عن أمره. (بحر، ج٨/ص:٤٣٤)

أمين۔ اس وصف سے اشارہ اس حقیقت کی طرف ہوگیا کہ جبرئیل کی پیام رسانی میں ادنیٰ دخل بھی خیانت کو نہیں، نہ لفظاً، نہ معناً، نہ سہواً، نہ عمداً۔

۸ یہ ان منکرین کے جواب میں ہے جو آپ کو مجنون سمجھ رہے تھے۔

فقرے کی ترکیب سے مفہوم یہ پیدا ہو رہا ہے کہ جنون کیسا، انھیں تو شائبہ جنون بھی نہیں ــــ نفی کامل جنون کی کی جارہی ہے۔

صاحبکم۔ یعنی تمھارے ہر وقت کے ساتھی، جن کا رہنا سہنا تمھارے ساتھ ایک مدت طویل سے ہے۔

الصاحب الملازم......ولایقال فی العرف إلا لمن کثرت ملازمته. (راغب،ص:۳۰۸)

والمصاحبة تقتضی طول لبثه. (راغب،ص:۳۰۸)

مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔

محمد صلی اللّٰه علیه وسلم. (ابن جریر،ج۲۴/ص:۱۶۵)

یعنی محمداً صلی اللّٰه علیه وسلم. (قرطبی،ج۱۹/ص:۲۴۰)

لفظ خود اس مضمون کی طرف دلالت کر رہا ہے کہ وہ تو ہر وقت کے تمھارے ساتھ کے رہنے والے ہیں، ان کی ساری زندگی تمھارے سامنے ہے، کہیں کوئی شائبہ جنون کا ان کی سیرت کے کسی شعبے میں تم نے پایا ہے؟

أنکم صحبتموه وجرّبتموه وعرفتموه، ظاهره وباطنه ولم تجدوا به خبلاً وجنةً. (راغب،ص:۳۰۸)

مشرک، جاہلی قومیں اپنے کسی دیوی دیوتا، اوتار سے متعلق ایسے القاب والفاظ کا خیال بھی نہیں کرسکتیں۔

منکرین کے جواب میں گویا قرآن کا استدلال یہ ہوا کہ یہ قرآن جو تمھیں پہنچ رہا ہے لفظ بلفظ اور بجنسہ کلامِ الٰہی ہے۔

اللہ سے رسول تک اس کا پہنچانے والا ایک معزز، متدین، پُر قوت فرشتہ ہے، اس کی پیام رسانی میں کسی خلط کا امکان نہیں۔

دوسرا واسطہ خود رسولؐ ہے جو تم تک قرآن پہنچاتا ہے ــــ یہ بھی ہر شک واشتباہ سے ماورا ہے۔

بندوں تک قرآن کے پہنچنے کے واسطے کل یہی دو ہیں: ایک فرشتہ، دوسرا پیغمبر، اور یہ دونوں اعتماد و استناد کے آخری نقطے پر ہیں۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ

اور یہ اُس (فرشتہ) کو آسمان کے روشن کنارے پر دیکھ چکے ہیں ۹ اور یہ غیب کے بارے میں بخیل بھی نہیں ۱۰ اور نہ یہ (قرآن)

بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿٢٥﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٧﴾

کسی شیطان مردود کا کلام ہے تو تم لوگ کدھر جارہے ہو؟ ۱۱ یہ (قرآن) تو بس ایک نصیحت نامہ ہے جہاں والوں کے لیے

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿٢٨﴾

(یعنی) اس کے لیے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے ۱۲

۹ (جس میں کسی دھوکے یا اشتباہ کا امکان نہیں)

الأفق المبين۔ مراد وہ بعید ترین بلند کنارہ ہے جہاں زمین و آسمان ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ــــــ ملاحظہ ہوں: سورۂ والنجم کی آیات متعلقہ کے حاشیے۔

ولقد رآہ۔ محدثین کے یہاں روایت حدیث میں جو شرط لقاء کی ہے، اسے بعض نکتہ رس فاضلوں نے یہیں سے اخذ کیا ہے۔

رسول کریمؐ نے تو جبرئیل امین کو بار بار دیکھا ہوگا، یہاں مراد ان کی اصل ہیئت وصورت کے ساتھ دیکھنا ہے۔

في صورته. (ابن جرير، ج٢٤/ص:١٦٧. بحر، ج٨/ص:٤٢٥)

۱۰ (جو احتمال اس کا ہو کہ پیام کچھ پہنچائیں اور کچھ چھپا جائیں)

بعض محدثین عارفین نے یہیں سے یہ اشارہ اخذ کیا ہے کہ راوی حدیث دوسرے تک کلام رسول سنانا، پہنچانا اپنے اوپر لازم سمجھے اور اس میں بخل نہ کرے۔

۱۱ (وہ ایسی سیدھی راہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہیں؟)

سوال سے مقصود استفہام یا استفسار نہیں، مقصود زجر و توبیخ ہے۔

أريد بهما التقرير والتوبيخ. (ابن الأنباري، ص:١٩٢)

۱۲ اوپر بیان ہو چکا کہ نزولِ قرآن کے جو دو واسطے ہیں یعنی ایک فرشتۂ وحی، دوسرے پیمبر اسلام، یہ دونوں حد درجہ مضبوط، مستحکم و نا قابلِ اشتباہ ہیں۔ اب بیان اس کا ہے کہ اپنی اصل و ماخذ

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور تم بغیر اس کے تو چاہ ہی نہیں سکتے مگر پروردگار عالم چاہ لے ۱۳

کے لحاظ سے بھی قرآن سرتاسر حق وہدایت ہی ہے۔

لمن شاء منكم أن يستقيم۔ پورا فقرہ بدل ہے للعالمین کا۔

وهو بدل من العالمين. (کبیر، ج ۳۱/ص: ۶۹)

مطلب یہ ہوا کہ اس ہمہ گیر، ہر جہتی دستور العمل کے مخاطب سب ہی ہیں، البتہ اس سے فائدہ وہی اُٹھا سکیں گے جو خود بھی فائدہ اُٹھانا چاہیں ــــــ حصولِ نفع کے لیے قصد انتفاع لازمی ہے۔

للعالمين۔ ایک بار پھر اس حقیقت کا اعلان ہے کہ اسلام کا پیام عالمگیر ہے، یہ کسی قبیلے کا، قوم کا، نسل کا مخصوص ومحدود دین نہیں۔

۱۳ اس حقیقت کا اعادہ ایک بار پھر کردیا گیا کہ بندے کا ارادہ مطلق العنان اور مستقل بالذات نہیں بلکہ ہر مشیت جزوی بشری، مشیتِ الٰہی تکوینی کے ماتحت اور ارادۂ ربوبیتِ مطلقہ کے تابع ہوتی ہے ــــــ اس میں رد نکل آیا اُن مذہبوں اور فرقوں کا جنھوں نے ارادۂ انسانی کو تمام تر آزاد اور غیر مقید تسلیم کیا ہے۔

(۸۲)

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ انفطار مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۞ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۞ وَاِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں اور جب سمندر

فُجِّرَتْ ۞ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۞ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۞

بہہ پڑیں ۱؎ اور جب قبریں شق کردی جائیں ۲؎ تو (اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا ۳؎

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ

اے انسان تجھ کو کس چیز نے اپنے پروردگار کریم سے متعلق بھول میں

۱؎ (یعنی سب مل کر یک دَل ہو جائیں)

یہ تینوں ہولناک ترین حادثے یعنی آسمان کا پھٹ جانا، ستاروں کا جھڑ جانا، سمندروں کا اُبل پڑنا، صورِ قیامت کے نفخۂ اوّل کے وقت واقع ہوں گے۔ اور نظامِ آسمانی و زمینی کے درہم برہم ہونے کے مظہر ـــــــ ان کی تفصیلی کیفیت و نوعیت تو پوری طرح اُسی وقت سمجھ میں آئے گی، آج ان کو زیادہ سے زیادہ قریب الفہم انھیں لفظوں اور فقروں سے بنایا جاسکتا ہے۔

۲؎ (اور اندر سے مُردے زندہ ہو کر نکل پڑیں)

وأخرج ما فيها من أهلها أحياء. (قرطبی، ج ۱۹/ص: ۲۴٤)

ذکر صور کے نفخۂ ثانی کا ہے۔

۳؎ (یہ بیان میدانِ حشر کا ہے)

الْكَرِيمِ ۝٦ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝٧ فِي أَيِّ صُورَةٍ

ڈال رکھا ہے ۴ وہ پروردگار جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا، پھر تجھے اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں بھی

مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝٨ كَلَّا بَلْ

چاہا تجھے ترکیب دے دیا ۵ ہرگز نہیں (بھول میں نہ پڑنا تھا) اصل یہ ہے کہ

اور اس وقت ہر ایک کو اس کا نامۂ اعمال مل چکے گا۔

۴ (جو تو اس کے ادائے حقوق اور تعمیلِ احکام کی فکر نہیں کرتا)

سوال سے مقصود ناشکرے انسان کو غیرت دلانا ہے کہ پروردگار کی نعمتوں کا مقتضا تو یہ تھا کہ تو ادائے شکر کرتا، چہ جائے کہ تو اس کی ناشکری پر آمادہ ہوگیا!

خاطب بهذا منكرى البعث. (قرطبى، ج١٩/ص:٢٤٥)

قبل الخطاب لمنكرى البعث. (مدارك، ص:١٣٢٧)

یہ اندازِ بیان خطابتِ عرب کا بہترین نمونہ ہے۔

بربك الكريم۔ رب کا لفظ بجائے خود کیا کم تھا، پھر اس کی صفت کریم لا کر اس غیرت کی کیفیت میں اور اضافہ مقصود ہے ـــــ جو مالک و مولا ساتھ ہی رحیم و شفیق بھی ہو، اس کے بارِ احسان سے تو سر اور بھی نہ اُٹھنا چاہیے۔

الكريم۔ کریم جب اسمِ الٰہی کی حیثیت سے آتا ہے تو اس سے مراد کریم مطلق ہوتی ہے یعنی ایسا فیاض جس کی جود و عطا کی حد و نہایت ہی نہیں، اور ایسا کریم جو ہر قسم کی خیر و فضیلت کا جامع ہو۔

فى أسماء الله تعالىٰ "الكريم"، هو الجواد المُعطى الذى لا ينفد عطاؤه، وهو الكريم المطلق، والكريم جامع لأنواع الخير و الشرف و الفضائل. (نهاية، ج٤/ص:١٤٤)

کریم کے مفہوم میں ستاری اور عیب پوشی بھی داخل ہے۔

أن الكريم هو الستار. (قرطبى، ج١٩/ص:٢٤٦)

تو گویا اللہ تعالیٰ نے بندۂ مجرم کو جواب بھی سکھا دیا ـــــ کیا حد ہے اس کریمی اور ستاری کی!

۵ انسان کی خلقت و ترکیب اور پھر اس کے مختلف قویٰ میں ترتیب و تناسب، اللہ کی صفاتِ

تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝

تم جزا ہی کو جھٹلا رہے ہو ۶ درآنحالیکہ تمھارے اوپر نگہبان مقرر ہیں، معزز لکھنے والے (فرشتے)

يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ

جو کچھ تم کرتے ہو اسے وہ جانتے ہیں ۷ بے شک نیک لوگ آسایش میں ہوں گے اور بے شک بدکار

قدرت وصنعت وحکمت کا بہترین نمونہ ہیں، اور قرآن مجید نے اس حیثیت سے انھیں بار بار پیش کیا ہے۔

ماشاء میں اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کی صورت وسیرت میں جو کچھ ہے تمام تر اللہ کے اپنے ارادے ومشیت کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی قوت اللہ کے ارادے کو مجبور یا متاثر کرنے والی نہیں۔

بای صورۃ ماشاء ۔ ای کے بعد ما تاکیدِ کلام کے لیے ہے، اسی لیے ترجمہ میں بھی لے آیا گیا ہے۔

ما مزيدة للتوكيد. (مدارك، ص:۱۳۲۷)

يجوز أن تكون صلة مؤكدة. (قرطبي، ج۱۹/ص:۲۴۷)

۶ یہاں سرکشی واعراض کی اصل بتادی کہ یہ تو آ ت انکاری سے پیدا ہوتے ہیں، خوفِ خدا ہو یا احساسِ ذمہ داری، یا طلبِ حق، سب کی اصل وبنیاد یہی عقیدۂ آخرت ہے۔

۷ یہاں یہ بتایا ہے کہ جزاوسزا نہ صرف واقع ہو کر رہے گی بلکہ اس کے لیے پورے انتظامات اور ایک مکمل نظام ابھی سے موجود ہے، اللہ کے فرشتے اعمال کی پوری رپورٹ لکھنے کے لیے مقرر ہیں ــــــ امین ومتدین ایسے کہ اللہ انھیں ''معزز'' کہتا ہے، باخبر اور باریک بین اتنے کہ کوئی عمل، ہلکا سا ہلکا، اور محرکِ اعمال خفی سا خفی اُن سے مخفی نہیں۔

حافظین میں اشارہ ہے کہ ان سے فروگزاشت ممکن نہیں۔

حال کے ایک مسلم حکیم نے لکھا ہے کہ فرائیڈ نے تجربات سے نفس بشری کا یہ قانون جو دریافت کیا ہے کہ انسان کا کوئی سا بھی عمل، چھوٹا ہو یا بڑا، فنا نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے لاشعور میں جوں کا توں محفوظ رہتا ہے۔ اس پر وإن علیکم لحافظین سے پوری روشنی پڑ جاتی ہے۔

کراماً سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ کوئی امر خلافِ حکم یا خلافِ دیانت فرشتوں سے صادر ہونا ممکن نہیں۔

لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ﴿۱۶﴾

دوزخ میں ہوں گے، اس میں داخل ہوں گے روز جزا کو، پھر اس سے غائب نہ ہونے پائیں گے ۸

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۸﴾

اور آپ کو کیا خبر (اے پیمبر) کہ روز جزا ہے کیا چیز! اور پھر آپ کو کیا خبر (اے پیمبر) کہ روز جزا ہے کیا چیز!

یعملون ما تفعلون میں اشارہ ہے کہ کوئی عمل ان کی نگاہ سے مخفی نہیں رہ سکتا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اصلاحِ عمل کے لیے ان آیتوں کا مراقبہ بہت نافع ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۷۳۹)

۸ (بلکہ ہمیشہ ہمیش اسی میں پڑے رہیں گے)

یہ بھی ایک نص ہے علاوہ دوسرے نصوص کے، دوام وخلودِ جہنم پر۔

لخلودهم فيها. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۷۷)

وهو كقوله تعالىٰ: "وما هم بخارجين منها" فى الدلالة سرمدية العذاب. (روح، ج۳۰، ص:۶۶)

الفجار۔ یہاں فاجر سے مراد دینِ اسلام اور عقیدۂ آخرت کے منکر ہیں۔

أى الكفار. (مدارك، ص:۱۳۲۸. جلالين، ص:۷۹۶)

معنیٔ مستقبل کے علاوہ یہ مراد بھی لی جاسکتی ہے کہ بدکردار اس وقت بھی دوزخ سے غائب نہیں ہیں ـــــ اور اس سے اثباتِ عذابِ قبر کا نکل آتا ہے۔

يجوز أن يراد ما يغيبون عنها قبل ذلك، يعنى فى قبورهم. (كشاف، ج٤/ص:۷۰۳)

قيل معناه وما كانوا غائبين عنها قبل ذلك بالكلية بل كانوا يجدون سمومها فى قبورهم. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۷۷. روح، ج۳۰/ص:۶۶)

اور عذابِ آخرت کے موجبات واسباب تو اس عالمِ ناسوت سے شروع ہوجاتے ہیں، گویا عذاب میں یہ منکرینِ آخرت بالقوۃ اس وقت بھی مبتلا ہیں۔

نعیم اور جحیم کے کچھ اور معنی بھی کیے گئے ہیں۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

یہ وہ دن ہے کہ کسی کا بس کسی کے لیے کچھ بھی نہ چلے گا اور حکومت اس روز (سر بہ سر) اللہ ہی کے لیے ہوگی ۹

قال جعفر الصادق النعيم المعرفة والمشاهدة، والجحيم ظلمات الشهوات، وقيل النعيم الاشتغال بالله، والجحيم الاشتغال بغير الله تعالى. (كبير، ج ۳۱/ص:۷۸)

۹ نہ کہ کسی اور کے لیے کلاً یا جزءاً۔

عالمِ ناسوت میں جو پردے درمیانی وسائط اور اسبابِ قریب کے پڑے ہوئے ہیں، یہ سب اُس روز اُٹھ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی حکومت و حاکمیت کا مشاہدہ ہر ایک کو ہونے لگے گا۔۔۔۔ اس عالمِ اسباب و جہانِ ابتلا میں تو ضرورت و مصلحت ان حجابات کی ہے، اس لیے یہ سب قائم ہیں، قیامت وقت کشفِ حقائق کا ہوگا، اس وقت ضرورت ہی ان کی کیا باقی رہ سکتی ہے! اس لیے سارے حجابات خواہ کثیف ہوں یا لطیف برطرف کر دیے جائیں گے۔

یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ نتائجِ اعمال سے بچنا اس روز بندوں کے ہاتھ میں بالکل نہ رہ جائے گا۔

وما......الدین۔ یہ دوہرے دوہرے سوالات عر اسلوبِ بلاغت و خطابت کے عین مطابق اور موقع کی اہمیتِ خصوصی کے اظہار کے لیے ہیں۔

یوم یعنی یہ وہی دن ہے۔

أى هو يوم. (مدارك، ص:۱۳۲۸)

أى هو يوم. (جلالين، ص:۷۹۶)

سورۃ مطففین مکی ا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ① الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ②

(بڑی) خرابی ہے کمی کرنے والوں کے لیے ۲ کہ وہ جب دوسروں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں

۱ سورہ کا مکی ہونا جو عام طور سے مصحفوں میں اختیار کرلیا گیا ہے حضرت ابن مسعود صحابیؓ اور ضحاک ومقاتل تابعین کے قول کے مطابق ہے، ورنہ حسن بصری وعکرمہ سے تو اس کا مدنی ہونا مروی ہے اور ابن عباسؓ اور قتادہ تابعی کی روایت میں سورۃ کی آخری آٹھ آیتیں مکی ہیں اور باقی سب مدنی۔

۲ قرآن مجید جیسا کہ اوپر بار بار گزر چکا ہے کہ کوئی کتاب محض الٰہیات کی یا مجموعۂ عقائد نہیں، بلکہ اخلاق، معاملات، معاشیات ومعاشرت کے بھی سارے شعبوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے ــــــ یہاں تعلیم تجارتی وکاروباری اخلاق کی مل رہی ہے، اور یہ حقیقت مستحضر کرلی جائے کہ قرآن کی مخاطب اول قوم قریش ایک تجارتی قوم تھی۔

ویــــل کلمۂ حسرت ہے اور شدتِ حسرت کے اظہار کے لیے آتا ہے، جیسے اُردو محاورے میں 'ہائے کم بختی'۔

ویل کے معنی شدت عذابِ آخرت کے بھی لیے گئے ہیں۔

أی شدة فی عذاب الآخرة. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۵۰)

الـمـطـففین ـ مُطفِّف کے لفظی معنی ہیں وہ شخص جو ناپ یا تول میں کمی کرے اور مال پورا پورا نہ دے۔

ھو الذی یُخسّر فی الکیل والوزن، ولا یوفی حسب ما بیناہ. (قرطبی، ج۱۹، ص:۲۵۱)

وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝٣ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ

اور جب وہ اُنھیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں ۳ کیا انھیں اس کا خیال نہیں آتا ہے کہ وہ

لیکن بعض فقہائے محققین نے تطفیف کو عام اور وسیع معنی میں لیا ہے اور کمی و کوتاہی کو محض وزن و پیمائش کی چیزوں تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ طاعت و عبادت کی ہر چیز کو اس میں داخل کیا ہے جیسے چوری صرف مال تک محدود نہیں بلکہ ہر چیز میں ہوسکتی ہے۔

قال علماء الدين التطفيف في كل شيئ، في الصلاة والوضوء والكيل والميزان، قال ابن العربي كما أن السرقة في كل شيئ. (ابن العربي، ج ٤/ص:٣٦٦)

آیت تجارتی و کاروباری اخلاق کی ایک بنیادی و کلیدی آیت ہے، جس سے بیسیوں مسئلے نکل سکتے ہیں، اور قرآن مجید کی اُن چند آیتوں میں ہے جس کی مدح و توصیف مسیحی فاضلوں نے بھی کی ہے۔

کمی و بیشی مطلق صورت میں حرام نہیں، بلکہ جیسا کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے، عرف عام یعنی کسی معلوم و متعارف شرط کے ماتحت جائز ہے۔

۳ آیت نے ایسے لوگوں کی بددیانتی کے ساتھ ان کی خودغرضی کی طرف بھی اشارہ کردیا ہے کہ وہ خریداری کے وقت تو خوب ہوشیار رہتے ہیں، ایک ایک چیز خوب ناپ جوکھ کر کے اور پرکھ کرلیتے ہیں، اور بیچتے وقت اس کے برعکس صورت اختیار کرتے ہیں۔

على الناس ـ علیٰ یہاں من کے معنی میں ہے۔

أي من الناس. (جلالين، ص:١٣٢٩)

قال الفراء أي من الناس. (قرطبي، ج١٩/ص:٢٥٢)

على الناس يستوفون۔ نحو عربی کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ جب مفعول کو فعل پر مقدم لاتے ہیں تو مفعول میں مفہوم تخصیص و تحدید کا پیدا ہوجاتا ہے، چنانچہ یہاں بھی یہی معنی پیدا ہوگئے کہ جب دوسروں کو دیتے ہیں جب ہی یہ کرتے ہیں، ورنہ نہیں۔

يقدم المفعول على الفعل لإفادة الخصوصية، أي يستوفون على الناس خاصة، فأما أنفسهم فيستوفون لها. (كشاف، ج٤/ص:٧٠٦)

مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝۴ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝۵ يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۶

اُٹھائے جائیں گے ایک بڑے سخت دن میں، جس دن کہ (تمام) لوگ کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے رُوبرو ۴

۴ (اور اُس دن اُنھیں اتنی ساری خیانتوں اور بددیانتیوں کی جواب دہی کرنا ہوگی) تجارتی دیانت اور کاروباری حسنِ معاملت کے عین درمیان حشر اور اس کی بازپرس کی یاددہانی اس حکم کو اور مؤثر و موکد بنانے کے لیے ہی ہے — انفرادی اور اجتماعی دونوں تجربے گواہ ہیں کہ دیانتدار بنانے میں جرمانے کی ساری سزاؤں اور جیل کی ساری دھمکیوں سے کہیں زیادہ مؤثر اور کارگر اندر کا تقویٰ اور خوفِ آخرت ہی ہوتا ہے، اور قرآن کریم ہر ایسے موقع پر اس حربے سے کام لیتا ہے۔

لرب العالمین میں ل تعلیل ہے، یعنی رب العالمین کے حکم سے اور اس کی نافذ کی ہوئی سزا کو بھگتنے کے لیے۔

أى لأمره وجزائه. (مدارك، ص:۱۳۶۹)

أى لأمره ولجزائه ولحسابه.. (معالم، ج٥/ص:٢٢٢)

یا یہ مراد ہو کہ رب العالمین کی عظمت واحترام میں — حدیث نبوی میں تفسیر یہی آئی ہے۔

عن ابن عمر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول يوم يقوم الناس لرب العالمين لعظمة الرحمن عز وجل. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٣٨)

لیوم عظیم۔ ل یہاں فی کے معنی میں ہے۔

قيام الناس فيه لله. (بيضاوى، ج٥/ص:١٧٧)

أى فيه. (جلالين، ص:٧٩٦)

مبعوثون ۔ یہ بعثت، پُرسشِ اعمال کی غرض سے ہوگی۔

فمسؤلون عما يفعلون. (قرطبى، ج١٩/ص:٢٥٤)

یظن۔ ظن یہاں یقین کے معنی میں لیا گیا ہے۔

والظن هنا بمعنى اليقين. (قرطبى، ج١٩/ص:٢٥٤)

لیکن بعض نے خیال یا تردد کے معنی میں لیا ہے۔

وقيل الظن بمعنى التردد. (قرطبى، ج١٩/ص:٢٥٤)

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِىْ سِجِّيْنٍ ؕ﴿۷﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ؕ﴿۸﴾

ہرگز (ایسا نہیں کہ جزا و سزا نہیں) بے شک بدکاروں کا نامۂ عمل سجین میں ہوگا، اور آپ کو کیا خبر کہ سجین کیا چیز ہے!

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ؕ﴿۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۱۱﴾

وہ ایک رجسٹر ہے نشان کیا ہوا ۵ کم بختی ہے اُس روز جھٹلانے والوں کے لیے جو روزِ جزا کو جھٹلا رہے ہیں

اور منکرین پر حجت یہ معنی لے کر بھی قائم ہو جاتی ہے جس میں اُن کو مسئولیت اور جواب دہی کا احتمال تو بہرحال ہونا تھا۔

۵ (جس میں کسی ترمیم و تصرف، تصحیف و تنسیخ کا امکان ہی نہیں)

مطلب یہ ہوا کہ ہر شخص کے اعمال منضبط و محفوظ ہیں۔

السجين۔ سجن کے معنی میں ہے یعنی قید خانہ، اور حرف ی کے اضافے نے مفہوم میں اور شدت پیدا کر دی ہے، یعنی بڑا سخت قید خانہ۔

زيد لفظهٗ تنبيهاً علىٰ زيادة معناه. (راغب، ص:۲۵۳)

شرح و توجیہ میں بہت سے اقوال نقل ہوئے ہیں، حاصل یہ ہے کہ سجین عالم غیب میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں مجرموں، منکروں کے اعمال نامے محفوظ رہتے ہیں۔

ماسجین۔ تقدیرِ کلام یوں ہے: ما کتاب سجين.

ما كتاب سجين. (بيضاوی، ج۵/ص:۱۷۷)

اور حذف مضاف قرآنی اسلوبِ بیان میں عام ہے۔

پورا سوالیہ فقرہ وما أدراك ما سجين، سجین کی عظمت و ہیبت کے اظہار کے لیے ہے، جیسے کہ وما أدراك ما القارعة، قارعة کی عظمت و ہیبت کے لیے ہے۔

هو تعظيم لأمر سجين. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۵۸)

مرقوم۔ جیسے کپڑے پر نشان ڈال دیا جائے، جو کسی کے مٹائے نہ مٹ سکے۔

أی مكتوب كالرقم فی الثوب، لايُنسىٰ ولايُمحى. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۵۸)

الفجار۔ سیاق میں فجار سے مراد وہی لوگ ہیں جو فجورِ کامل میں غرق رہے، یعنی تصدیق و ایمان تک کی نیکی سے محروم رہے۔

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ

اسے تو بس وہی جھٹلاتا ہے، جو حد سے گزرنے والا ہو، گناہوں میں پڑا رہنے والا ہو، اُسے جب ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾

کہ یہ تو اگلوں کے خرافات ہیں ۶ (ایسا) ہرگز نہیں، اصل یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے کرتوتوں سے زنگ جم گئے ہیں ۷

۶ رسولؐ کی تکذیب پر مُصر اور اس پر دلیر تو بس وہی ہوتا ہے جو اپنی اخلاقی صلاحیتوں اور ضمیر کی استعدادوں کو پہلے ہی برباد کر چکا ہوتا ہے۔

قال أساطير الأولين۔ قرآن مجید کے پُرانے اور نئے دونوں قسم کے منکروں میں کثرت سے ایسے لوگ ہوئے ہیں جو اس کے مضامین کو سن کر بول اُٹھتے ہیں کہ یہ حکایتیں اور افسانے تو وہی ہیں جو پُرانے نوشتوں اور صحیفوں سے برابر منقول چلے آ رہے ہیں ـــــــ گویا اُن دانش مندوں کے نزدیک قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ جو صداقتیں وہ پیش کر رہا ہے اُنھیں اس سے قبل کسی رسول یا نبی یا کسی اور نے کسی صورت میں پیش ہی نہیں کیا ہے اور گویا اس کے مضامین کا پتا نشان کسی درجہ میں بھی کہیں سے نکل آنا ایک دلیل اس کی صداقت، حقانیت کے خلاف ہے!

منکرینِ قرآن کی ایک عجیب مسخ شدہ ذہنیت دُنیا میں ہر زمانے میں رہی ہے کہ قرآن اگر کوئی نئی تعلیم پیش کرے تو اسے یہ کہہ کر رَد کر دیجیے کہ یہ انوکھی بات تو ان پیمبر عرب نے دل سے گڑھ کر پیش کی ہے، ورنہ اگلوں میں آخر کوئی تو اسے پیش کرتا! اور یہ کبھی تو سننے میں آئی ہوتی! اور اگر قرآن کوئی قدیم حقیقت اس کی اصلی اور غیر محرف شکل میں پیش کرے تو اس کے خلاف دلیل یہ لاتے کہ یہ تو پہلے صحیفوں کی نقل یا اُن سے سرقہ ہے!

۷ (جس سے ان کی استعداد قبولِ حق فاسد ہوگئی ہے اور اس سے وہ انکار و تکذیبِ حق پر ازراہِ عناد لگے رہتے ہیں)

آیت میں اشارہ اس حقیقت کی طرف آ گیا کہ انسان اپنی اصل سرشت کے لحاظ سے منکر و متمرد نہیں، اس کے ارادی و اختیاری اعمالِ خبیثہ ہی ایسے ہیں جو اس کے دل کو تاریک اور چشم بصیرت کو بے نور اور قبولِ حق سے دور کر دیتے ہیں۔

كَلَّآ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّهُمۡ لَصَالُوا الۡجَحِيۡمِ ﴿١٦﴾

(ایسا) ہرگز نہیں، یہ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے روک دیے جائیں گے، پھر یہ لوگ دوزخ میں گریں گے[8]

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس ''ظلمتِ قلب'' کا ذکر صوفیہ کے یہاں اس کثرت سے آتا ہے، اس کی سند اس آیت میں مل جاتی ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۷۴۱)

کلّا۔ یعنی ہرگز ایسا نہیں کہ کلامِ الٰہی أساطیر الأولین ہو یا ایسا ہرگز نہیں کہ یہ جزا و سزا نہ ہو، کلّا کا یہ موقعِ استعمال کسی سیاقِ متقدم کی تغلیط یا تردید ہے، اور اس کا تعلق یہاں دونوں فقروں سے محتمل ہے: أساطیر الأولین سے بھی اور یکذبون بیوم الدین سے بھی۔

۸ (جلنے کے لیے)

اور محرومیِ دیدارِ الٰہی بجائے خود اتنی بڑی سزا ہے کہ اس کا اندازہ کچھ اسی دن ہوگا۔

لمحجوبون۔ یہاں مقدم ہے اور لصالوا الجحیم مؤخر ہی نہیں بلکہ ثم کے تحت میں بھی ہے۔ صوفیۂ عارفین نے اس سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ مجرمین مکذبین کی اصل سزا تو دیدارِ الٰہی سے محرومی ہی ہے، باقی دوزخ کا داخلہ تو اس محرومی کا محض نتیجہ ہی ہے۔

ثم بعد كونهم محجوبين عن ربهم لداخلون النار. (مدارك، ص:۱۳۳۰)

آیت سے بقاعدۂ اقتضاء النص یہ علم بھی حاصل ہوگیا کہ مومنین کو جنت میں رویتِ باری ہوگی ـــــــ جب کافروں کی اس نعمت سے محرومی بطورِ سزا کے ہوگی اور اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جو غیر مجرم ہیں انھیں یہ نعمت لازمی طور سے حاصل ہوگی۔ اہلِ لغت و اہلِ تفسیر دونوں اس کی طرف گئے ہیں۔

قال الزجاج في الآية دليل على أن المؤمنين يرون ربهم وإلا لا يكون التخصيص مفيداً. (مدارك، ص:۱۳۳۰)

فلا يرونه بخلاف المؤمنين. (بيضاوى، ج۵/ص:۱۷۸)

وقال الشافعي لما حجب قوماً بالسخط، دل على أن قوماً يرونه بالرضا. (قرطبى، ج۱۹/ص:۲۶۱)

وهذا الذى قاله الإمام الشافعي...... كما دلّت على ذلك الأحاديث الصحاح المتواترة. (ابن كثير، ج۴/ص:۴۴۰)

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٧﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ

پھراُن سے کہا جائے گا کہ یہی وہ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے، ہرگز (ایسا) نہیں، بے شک نیک کاروں کا نامۂ اعمال

لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾

علیین میں ہے، اور آپ کو کیا خبر کہ علیین ہے کیا؟ وہ ایک رجسٹر ہے نشان گیا ہوا، جس کو مقربین دیکھتے ہیں ۹

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ

بے شک نیک کار (بڑی) نعمتوں میں ہوں گے، مسہریوں پر دیکھ رہے ہوں گے ۱۰ تو ان کے چہروں ہی سے

۹ (ذوق وشوق کے ساتھ)

اس سے مقصود ابرار کے مرتبۂ فضل وعظمت کا اظہار ہے، جس طرح مجرموں کے لیے عذاب وعتاب یقینی ہے، اسی طرح مطیعوں، نافرماں برداروں کا اجروثواب بھی برحق ہے۔

کلّا یہاں بھی تردید وتغلیط کے معنی میں ہے یعنی جو کچھ منکرین نے سمجھ رکھا ہے حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔

أی لیس الأمر کما یقولون ولا کما ظنوا. (قرطبی، ج١٩/ص:٢٦٢)

علیین، سجین کے مقابل کی چیز، کوئی ایسا مقام عام عالم غیب میں ہے جو نیک کاروں کے اعمال ناموں کے لیے مخصوص ہے۔

وهو بخلاف سجين. (ابن کثیر، ج٤/ص:٤٤١)

لفظی معنی مقامات بلند اور منزلت بہ منزلت کے ہیں۔

وقال الفراء علیون ارتفاع بعد ارتفاع، وقیل علیون أعلی الأمکنة، وقیل معناه علوّ فی علوّ مضاعف، کأنه لا غایة له. (قرطبی، ج١٩/ص:٢٦٢)

وقال البراء بن عازب قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: علیون فی السماء السابعة تحت العرش. (قرطبی، ج١٩/ص:٢٦٢)

۱۰ (جنت کے عجائب ومناظر)

نَضۡرَةَ النَّعِيۡمِ ﴿۲۴﴾ يُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِيۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسۡكٌ ؕ

نعمتوں کی بشاشت دیکھ لے گا۔۱۰(الف) اُنھیں پینے کو سربہ مہر شراب ملے گی، اس کی مہر مشک کی ہوگی۔۱۱

أی ما یسرهم من النعم و المتفرجات. (بیضاوی، ج٥/ص:١٠٧٨)

إلی ما أعطاهم من الکرامة والنعمة. (معالم، ج٥/ص:٢٢٦)

ہوسکتا ہے کہ مراد دیدار جمالِ الٰہی سے ہو، اور چونکہ ینظرون یہاں مقابلے میں محجوبون کے آیا ہے، اس لیے قرینہ اسی کا مقتضی ہے۔

قیل معناه إلی الله عز وجل، وهذا مقابل لما وصف به أولئك الفجار. (ابن کثیر، ج٤/ص:٤٤١)

قیل علی أرائك أفضاله ینظرون إلی وجهه وجلاله. (قرطبی، ج١٩/ص:٢٦٤)

صاحب کبیر نے تین اور متقارب تفسیریں لکھ کر ترجیح چوتھی تفسیر کو دی ہے۔

ویخطر ببالی تفسیر رابع وهو أشرف من الکل، وهو أنهم ینظرون إلی ربهم. (کبیر، ج٣١/ص:٨٩)

۱۰ (الف)۔(اے مخاطب)

مطلب یہ ہوا کہ اہل جنت کی مسرتیں اتنی نمایاں ہوں گی کہ ان کے چہروں ہی سے جھلک رہی ہوں گی، اور ان مسرتوں میں سب سے بڑی مسرت دیدارِ جمالِ الٰہی کی ہوگی۔

والنظر المقرون بالنضرة وهو رؤیة الله تعالی. (کبیر، ج٣١/ص:٨٩)

۱۱ یعنی وہ شراب ہر طرح پاکیزہ، خوش رائحہ، خوش ذائقہ ہوگی۔

یسقون کا صیغۂ مجہول اہل جنت کے احترام و مرتبت کی جانب مشیر ہے۔

رحیق۔ شراب پاکیزہ و خالص، یا ایسی شراب جس میں خمار نہ ہو۔

أی من شراب لا غش فیه، قاله الأخفش والزّجاج. (قرطبی، ج١٩/ص:٢٦٤)

خمر صافیة طیبة. (معالم، ج٥/ص:٢٢٦)

قال الخلیل أصفی الخمر وأجودها. (قرطبی، ج١٩/ص:٢٦٤)

وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا

اور حرص کرنے والوں کو حرص ایسی چیز کی کرنی چاہیے ۱۲ اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی، وہ چشمہ

يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جس سے مقرب بندے پئیں گے ۱۳ اور جو لوگ (دنیا میں) جرم کرتے رہے وہ ایمان والوں پر

۱۲ یعنی تحصیل کے لائق اور شوق کے قابل اگر ہیں تو یہ جنتی نعمتیں ہیں، نہ کہ دُنیا کی آنی وفانی لذتیں ــــــ اوران نعمتوں کی تحصیل کا ذریعہ کیا ہے؟ وہی ایمان وطاعت۔

ذلك۔ اشارہ رحیق کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور نعیم کی طرف بھی۔

أى الرحيق والنعيم. (مدارك،ص:۱۳۳۱)

يعنى الرحيق أو النعيم. (بيضاوى، ج۵/ص:۱۷۸)

اور حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

أى وفى الذى وصفناه من أمر الجنة. (قرطبى، ج۱۹/ص:۲۶۶)

جو لوگ جنت کی مادّی نعمتوں پر منہ بناتے اور کچھ شرمندہ سے ہو جاتے ہیں وہ غور کر کے دیکھیں کہ قرآن مجید کس کس طرح شوق ورغبت ان نعمتوں کی جانب دلاتا ہے اور کس کس طرح ان مادّی وجسمانی نعمتوں کو بھی عین اپنی رضا کا مظہر قرار دیتا ہے!

۱۳ تسنیم نام ہے جنت کے ایک چشمے کا۔

مقربین اس سے برابر پیتے ہی رہیں گے اور ابرار کو (جن کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا) اسی مشروب مشکی کے ساتھ کوئی جز آب تسنیم کا مرحمت ہوتا رہے گا۔

صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ آب تسنیم میں کوئی خاصیت خاص ایسی ہو جو جسمانی لذتوں اور مادّی رغبتوں سے اوپر اٹھا کر شوقِ لقاء وسرورِ حضور پیدا کر دیتی ہے۔

عام اہل جنت کو بھی اسی لیے اس میں سے کچھ کچھ بقدر ان کے تحمل کے مرحمت ہوتا رہے گا۔

المقربون۔ یہ جنت کے سب سے افضل مرتبے والے لوگ ہوں گے، جن کا ذکر سورۃ الواقعہ (آیت ۱۱) میں آچکا۔

يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ

ہنسا کرتے تھے، اور جب اُن پر گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے رہتے اور جب اپنے گھروں کو جاتے

انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا

تو دل لگیاں کرتے جاتے تھے ۱۴ اور جب انھیں دیکھتے تو کہا کرتے کہ یہی لوگ تو بھٹکے ہوئے ہیں ۱۵ حالانکہ یہ ان پر

وهم أفاضل أهل الجنة، صِرفاً، وهي لغيرهم مزاج. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۶۶)

بعض عارفوں نے مراد لی ہے کہ مقربین جنت میں مشاہدۂ ذات کی لذت میں مستغرق رہیں گے اور اصحاب یمین مشاہدۂ ذات میں بھی رہیں گے اور مشاہدۂ مخلوقات میں بھی۔

فالمقربون لايشربون إلا من التسنيم، ولا يشتغلون إلا بمطالعة وجهه الكريم وأصحاب اليمين يكون شرابهم ممزوجاً، فتارةً يكون نظرهم إليه وتارةً إلى مخلوقاته. (کبیر، ج۳۱/ص:۹۱)

۱۴ یہ ذکر سب اسی دُنیا کا ہو رہا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ سامنے اور پیچھے ہر طرح اور ہر وقت اہل ایمان کی تحقیر و استہزا کا مشغلہ جاری رکھتے تھے۔

الذین أجرموا۔ یعنی جرم انکار و تکذیب کے مرتکب۔ جرم کا لفظ یہاں متعدد دوسری آیتوں کی طرح ایمان کے مقابلے میں ہے۔

المراد......أكابر المشركين. (کبیر، ج۳۱/ص:۹۲)

أي أشركوا. (معالم، ج۵/ص:۲۲۷)

۱۵ (اور ایسے کم فہم و نادان کہ آئندہ کے خیالی وعدوں کے پیچھے آج کی دم نقد لذتوں کو چھوڑے ہوئے ہیں!)

تخصیص کچھ عہد نبوی کے ابو جہل، اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل کی نہیں، آج بھی ان کے جانشین، دیندار مسلمانوں کو کس کس طرح کے خطابوں سے نوازتے رہتے ہیں!

جن مسلمان شاعروں اور جاہل صوفیوں نے جنت و اہل جنت سے تمسخر کیا ہے، آیت کا

عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

کچھ نگراں بنا کر تو بھیجے نہیں گئے تھے ۱۶ سو آج کے دن ایمان والے کافروں پر ہنستے ہیں ۱۷

عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں، واقعی کافروں کو اپنے کرتوتوں کا مزہ خوب مل کر رہا ۱۸

ع ۸

مضمون اُن کے ڈرنے کے لیے بھی کافی ہے۔

۱۶ (اس لیے اُنھیں حق ہی کیا تھا کہ اہل حق پر طنز و مضحکہ کرتے)

اشارہ منکرین کی مزید بے عقلی کی طرف بھی آ گیا کہ اپنے انجام کی طرف سے تو غافل ہیں اور اہل ایمان کی فکر میں خواہ مخواہ پڑے ہوئے ہیں!

۱۷ (جہنم میں منکروں اور کافروں کا حال زار)

الیوم یعنی آخرت میں، جنت سے۔

فـالیـوم......یـضـحـکـون۔ ہنستے اس پر ہوں گے کہ یہ لوگ کس درجہ احمق تھے کہ اتنی واضح شہادتوں کے باوجود بھی آخرت کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور بدستور دُنیا پرستی اور مادّیت ہی میں غرق رہے!

۱۸ (یہاں تک کہ مومنوں سے منکروں کا طنز و مضحکہ بھی بغیر انتقام نہ رہا)

فالیوم ۔ اب ذکر جیسا کہ ظاہر ہے قیامت کا ہو رہا ہے ـــــ ترجمہ میں بجائے محض ''آج'' کے ''آج کے دن'' میں زور زیادہ آ گیا۔

ھل۔ ہمیشہ سوالیہ ہی نہیں ہوتا، کبھی موکدہ بھی ہوتا ہے قد کے معنی میں۔

هل كلمة استفهام، تكون بمنزلة قد. (تاج، ج۱۵/ص:۸۱٤)

هل...... إما على سبيل التقرير تنبيهاً أو تبكيتاً أو نفياً. (راغب، ص:۵۷٦)

اور یہاں اسی مفہوم میں آیا ہے۔

يعني قد جوزوا. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٤٢)

(۸۴)

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ انشقاق مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ ① وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ ② وَاِذَا الْاَرْضُ

جب آسمان پھٹ جائے اور اپنے پروردگار کا حکم سن لے [1] اور وہ اسی لائق ہے [2] اور جب زمین

[1] (اور اس کی تعمیل کرنے لگے)

یہ واقعات، قیامت کے نفخۂ ثانی کے وقت کے بیان ہو رہے ہیں، جب کہ یہ موجودہ نظام کائنات تمام تر درہم برہم ہو جائے گا۔

هذا من أشراط الساعة وعلاماتها. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۶۹)

أذنت ۔اذن سے یہاں مراد پھٹ جانے کا حکم تکوینی ہے۔

انشقت۔ انشقاق وانفطار اور اسی قبیل کے دوسرے لفظوں سے قدیم اہل تفسیر نے نکالا ہے کہ اجرامِ سماوی میں خرق والتیام کی قابلیت موجود ہے، روز افزوں تحقیق سے بڑے اینچ پیچ کے بعد اگر جدید سائنس بھی اپنی اصطلاحوں میں اس حقیقت کی تصدیق کر دے تو اہل اسلام کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔

[2] یعنی اطاعت اور تعمیلِ حکم الٰہی کرنا تو آسمان کا حق ہی ہے)

روی معناه عن ابن عباس ومجاهد وغيرهما. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۶۹)

وقال قتادة: حق لها أن تفعل ذلك. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۶۹)

اس لفظ نے ہر حقیقت کھول دی کہ مخلوق، محکوم ومسخر قدرتِ الٰہی ہونے کے باعث آسمان ہے ہی ایسا کہ جو مشیت اس کے متعلق ہو، اس کا وقوع لازمی طور سے ہو کر رہے۔

مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾

(کھینچ کر) بڑھادی جائے ۳ے اور اپنے اندر کی چیزوں کو نکال پھینکے اور خالی ہو جائے، اور اپنے پروردگار کا حکم سن لے اور اسی لائق ہے ۴ے

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ

اے انسان تو تو مشقت میں جتا رہتا ہے اپنے پروردگار کے پاس پہنچنے تک، پھر اس سے جا ملے گا ۵ے تو جس کا

یونان، مصر وغیرہ کے قدیم مشرک فلاسفہ نے آسمان کو ایک مستقل وصاحب ارادہ وصاحب تصرف ہستی سمجھا تھا، گویا حق تعالیٰ کی حاکمیت سے آزاد وخود مختار۔ آیت نے ان خرافات کی تردید کردی۔

۳ے (اور اس میں گنجایش آج سے کہیں زیادہ پیدا کردی جائے)

زمین کا کتنا بڑا رقبہ آج بھی پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں سے گھرا ہوا ہے، قیامت کے دن جب یہ ساری پستیاں اور بلندیاں مٹا کر زمین کی سطح یکساں وہموار کردی جائے گی تو رقبہ زمین کا بھی کتنا زیادہ گنجایشی ہو جائے گا۔

أی بُسِطت و دُكّت. (قرطبی، ج۱۹/ص: ۲۷۰)

قال ابن عباس وابن مسعود ويزاد وسعتها، كذا وكذا. (قرطبی، ج۱۹/ص: ۲۷۰)

۴ے ما فیها کے عموم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بطن زمین کے اندر موجود ہے ——— مردوں کے جسم، مال ودولت کے خزانے، پٹرول، کوئلہ وغیرہ سب ہی کچھ۔

أذنت۔ حقت۔ دونوں پر حاشیے اوپر گزر چکے۔ جو بات آسمان کے لیے کہی گئی، وہی زمین پر بھی صادق آتی ہے۔ مقصود دونوں کے اس حقیقت کا اظہار ہے کہ جس حاکم علی الاطلاق کی اطاعت سے مفر نہ آسمان کو ہے نہ زمین کو، نافرمان انسان اس کے احکام تشریعی سے انکار کی جرأت کر رہا ہے!

۵ے مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان مرتے دَم تک کسی نہ کسی شغل میں اچھا ہو یا برا، بہر حال لگا ہی رہتا ہے۔

کدحاً۔ کدح کے معنی سعی وجہد کے ہیں۔

الكدح السعي والعناء. (راغب، ص: ٤٧٧)

الكدح سعي الإنسان وجهده في الأمر. (معالم، ج٥/ص: ٢٢٨)

یعنی مشقت وتعب انسان کے لیے زندگی میں بہر صورت ناگزیر ہے، جب تو یہ بات اور زیادہ دیکھ لینے کی ہے کہ انسان کسب اعمال، خیر یا شر، کس قسم کے کرتا ہے!

اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ﴿۸﴾ وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤى

نامۂ عمل اس کے داہنے ہاتھ میں جائے گا، اس سے حساب آسان ہی لیا جائے گا، اور وہ اپنے

اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ یَدْعُوْا

والوں کے پاس خوشی خوشی لوٹ آئے گا ۶ے اور جس کسی کو اس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ

ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَّ یَصْلٰى سَعِیْرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ

موت کو پکارے گا ۷ے اور جہنم میں گرے گا، یہ اپنے والوں میں مگن رہا کرتا تھا، اس نے خیال کر رکھا تھا

اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾

کہ اسے لوٹنا نہیں ہے، ضرور ہے، اس کا پروردگار اسے خوب دیکھتا رہتا ہے ۸ے میں قسم کھاتا ہوں شفق کی

یا أیها الإنسان۔ خطاب جنس انسانی سے ہے۔

۶ے (کہ میں تو خوب سستا چھوٹ آیا)

وأما من أوتی کتابه بیمینه۔ اور یہ داہنے ہاتھ میں نامۂ عمل پانے والا ہمیشہ مسلمان ہی ہوگا۔

وهو المؤمن. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۷۲)

حسابًا یسیراً ۔ اور آسان حساب کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کوئی باز پُرس سرے سے نہ ہو اور معاملہ محض ضابطے کی پیشی پر ختم ہو جائے۔

۷ے (جیسا کہ دُنیا میں بھی انسان انتہائی مصیبت کے وقت پکارتا ہے)

وأما...... ظهره ۔ ذکر کفار اہل جہنم کا ہے، اُنھیں نامۂ عمل پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

۸ے پس یعنی اس کے احوال، اقوال، اعمال سب کو ـــــــ اور اس وقت جو فی الفور اس کو سزا نہیں ملی تو اس لیے کہ حکمتِ الٰہی اور مشیتِ مطلقہ جزا کا ایک خاص وقت مقرر کر چکی تھی۔

إنه......مسروراً۔ یعنی یہ دُنیا میں اتنا مستغرق و سرمست تھا کہ فکرِ آخرت کو بالکل ہی بھلا بیٹھا تھا ـــــ مسرت، مطلق صورت میں دُنیوی زندگی میں ہرگز ممنوع نہیں۔ دُنیا کی جائز راحتوں، لذتوں

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا

اور رات کی اور ان چیزوں کی جنھیں وہ سمٹ لیتی ہے اور چاند کی جب وہ پورا ہو جاتا ہے ۹ کہ تم کو ضرور ایک حالت سے

آسایشوں، نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہنا تو عین مطلوب ہے، یہ ممنوع عیش صرف وہ ہے جو حدود سے متجاوز ہو، اس دُنیا کو مقصود بالذات بنا لینے والا اور آخرت کو یکسر بھلا دینے والا۔

إنه...... يحور۔ منکر کو خیال تک نہیں آتا کہ بالآخر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے ـــــــــ ساری غفلتوں اور سرمستیوں کی جڑ یہی عقیدۂ مجازات سے انکار ہے۔

۹ یعنی بدر کامل بن جائے۔

فلا أقسم۔ جن چیزوں کی قسمیں آگے آرہی ہیں یہ سب زبانِ حال سے شہادت دے رہی ہیں وقوعِ آخرت پر ـــــــ اقسامِ قرآنی کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الحجر (آیت ۷۲) کا ایک حاشیہ۔

الشفق ۔ شفق کے لانے میں ایک رعایت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس طرح شفق سے رات کا آغاز ہوتا ہے، موت سے عالم آخرت کی ابتدا ہوتی ہے۔

والـلـيـل ۔ جس طرح دن کے بعد رات میں ایک نئی حیاتِ نومی کا تجربہ ہوتا ہے، حیاتِ ناسوتی کے بعد ایک نئی حیات برزخی ملتی ہے۔

ومـا وسق۔ اس کے عموم میں وہ سارے جاندار بھی آجاتے ہیں جو رات کو آرام لینے کے لیے اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ جاتے ہیں۔

قيل عبارة عن طوارق الليل. (راغب، ص:۵۹۶)

جمع ما دخل عليه من الدواب وغيرها. (جلالين، ص:۸۰۰)

فالليل يجمع ويضم ما كان منتشراً بالنهار في تصرفه، هذا معنى قول ابن عباس ومجاهد و مقاتل وغيرهم. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۷۶)

والـقـمر إذا اتسق ۔ چاند کہاں تو غائب ہو جاتا ہے اور کہاں پھر ایک وقت بدرِ کامل بن کر نمودار ہوتا ہے۔

أي ثـم اجـتـمـع واستوى...... استدار، الفراء: اتساقه: امتلاؤه واستواؤه ليالي البدر.

(قرطبی، ج۱۹/ص:۲۷۸)

عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ

دوسری میں پہنچنا ہے ۔ ۱۰ تو انھیں کیا ہوا جو ایمان نہیں لائے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے

فنائے عالم کے بعد اس طرح ایک کامل حیاتِ اُخروی نصیب میں آئے گی۔

۱۰ (اور ایک حالت پر قائم ودائم رہنا ہرگز نہیں ہے)

حالًا بعد حالٍ. (معالم عن ابن عباس، ج ۵/ص: ۲۳۰)

تنقل من أحوال إلى أحوالٍ. (كبير، ج ۳۱/ص: ۱۰۱)

أی حالًا بعد حالٍ. (تفسير ابن القيم، ص: ۵۰۹)

عن طبق ۔ عن یہاں بعد کے معنی میں ہے۔

أی بعد طبق. (كبير، ج ۳۱/ص: ۱۰۱)

عن للمجاوزة وقال غير واحد، هی بمعنی بعد...... والمجاوزة والبعدية متقاربان.

(روح، ج ۳۰/ص: ۸۲)

آیت میں بتایا ہے کہ انسان ایسی مخلوق نہیں جسے شروع سے آخر تک ایک ہی حالت پر جامد رکھا جائے، سارا نظامِ عالم گواہ ہے کہ انسان ایک ترقی پذیر مخلوق بنایا گیا ہے۔

ابھی زندہ تھا، ابھی مُردہ ہے اور اس کے بعد پھر زندہ کردیا جائے گا ــــــ حال میں بعض اہل قلم نے آیت سے انسان کے ارتقائے نوعی پر استدلال کیا ہے۔ اُسے تفسیر نہیں کہہ سکتے، البتہ اس کا شمار لطائف واجتہاداتِ قرآن میں کیا جاسکتا ہے، اس سے ملتا ہوا مضمون عارف رومیؒ کی مثنوی میں ملتا ہے۔

نرد بانہائیست پنہاں درجہاں ۔۔۔ پایہ پایہ تاعنان آسمان

ہر گرہ را نرد بانے دیگر است ۔۔۔ ہرروش را آسمانے دیگر است

صحیح بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ آیا ہے کہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے لیے ہے۔

اور لترکبنّ (بفتح الباء) کی قرأت بھی متواتر ہے۔

بفتح الباء خطاباً للنبی صلى الله عليه وسلم، قاله ابن عباس. (قرطبی، ج ۱۹/ص: ۲۷۸)

لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾

تو جھکتے نہیں ۱۱ بلکہ یہ کفر کرنے والے تو (اُلٹی) تکذیب کرتے ہیں ۱۲ اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں

اس صورت کے مان لینے کے بعد آیت سے مراد آپ کے مراتب قرب میں ترقی ہوگی۔

لتركبنّ يا محمد سماء بعد سماء، ودرجة بعد درجة، ورتبة بعد رتبة في القربة من الله. (قرطبی،ج۱۹/ص:۲۷۸)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مراتب احوال میں بھی شانِ عارف وارثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی ہے۔(تھانوی،ج۲/ص:۷۴۵)

۱۱ (اللہ کے آگے کمالِ شقاوت سے)

لایسجدون۔ سجدہ یہاں اصطلاحی فقہی معنی میں نہیں، انقیاد و کمالِ تعظیم کے لغوی معنی میں ہے۔

لا يخضعون. (بیضاوی،ج۵/ص:۱۷۹)

المراد...... قال أبو مسلم الخضوع والاستكانة. (کبیر،ج۳۱/ص:۱۰۲)

أي فماذا يمنعهم من الإيمان بالله ورسوله واليوم الآخر. (ابن کثیر،ج۴/ص:۴۴۵)

نماز پڑھنا بھی مراد لی گئی ہے۔

أي لا يُصلّون. (قرطبی،ج۱۹/ص:۲۸۰)

فقہائے حنفیہ نے آیت سے سجدۂ تلاوت کا وجوب نکالا ہے۔

يستدل به على وجوب سجدة التلاوة لذمّه لتارك السجود عند سماع التلاوة. (جصاص،ج۳/ص:۴۷۲)

وبه احتج أبو حنيفة علىٰ وجوب السجدة. (کشاف،ج۴/ص:۷۱۵)

فما لهم لا يؤمنون۔ ایسے غفلت کے پردے انھوں نے اپنی بصیرت پر ڈال رکھے ہیں کہ مشاہداتِ فطرت سے ذرا بھی یہ سبق ایمان وہدایت کا نہیں لیتے۔

۱۲ اور ہدایت کا اثر قبول کرنا الگ رہا، اُلٹے قرآن و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید و تکذیب میں لگ جاتے ہیں۔

فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝ۙ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

آپ اُنھیں خبر دیجیے ایک عذاب دردناک کی، البتہ جولوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے

لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۝

تو ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں ۱۳

ع ۱ / ۲۵ / ۹

يكذبون محمداً صلى الله عليه وسلم وما جاء به. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۸۲)

۱۳ یعنی خلود و دوامِ جنت۔

اور جنت کے یہ خلود و دوام کی نعمت اتنی بڑی ہے کہ اس کے مقابلے میں دُنیا کی بڑی سی بڑی لذتیں اور نعمتیں بھی حقیر بلکہ ہیچ محض نظر آتی ہیں۔

غیر ممنون کے معنی ہیں غیر منقطع یا بے حد وحساب۔

وقيل غير معدود كما قال بغير حساب، وقيل غير مقطوع ولا منقوص. (راغب، ص:۵۲۹)

عن ابن عباس غير مقطوع. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۸۲)

مایوعون۔ یعنی اعمالِ کفر کے ذخیرے ـــــ حق سے دشمنی، رسول سے بغض وعناد وغیرہ۔

قال الأزهري عن الفراء الإيعاء ما يجمعون في صدورهم من التكذيب والإثم. (تاج، ج۲۰/ص:۲۹۸)

دوسرے معنی دل میں چھپائے رکھنے کے بھی ہو سکتے ہیں۔

ما يضمرونه في أنفسهم من التكذيب. (تاج، ج۲۰/ص:۲۹۸، قرطبی، ج۱۹/ص:۲۸۲)

اور بہتر تو یہی ہے کہ یوعون کے ایسے جامع معنی لیے جائیں جس کے اندر یہ سب کچھ آجائے۔

بما يجمعون في صدورهم ويضمرون من الكفر والحسد والبغي والبغضاء، أو بما يجمعون في صحفهم من أعمال السوء و يدخرون لأنفسهم من أنواع العذاب. (كشاف، ج٤/ص:۲۸۲)

إلا ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اِلّا یہاں استثناء کے لیے نہیں بلکہ واوِ عاطفہ کے مرادف ہے۔

وذكر ناس من أهل العلم أن قوله (إلا الذين آمنوا وعملوا الصالحات) ليس استثناء، وإنما هو بمعنى الواو. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۸۲)

(۸۵)

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ

سورۃ بروج مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۞ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۞ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۞

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کیے ہوئے دن کی ۱ اور حاضری والے (دن) کی اور اس (دن) کی جس میں حاضری ہو ۲

۱ یعنی قیامت کے دن کی۔

البروج۔ بُروج کے معنی ہیں سے ستارے جن کی منزلیں مقرر رہتی ہیں۔

سمّی بروج النجوم لمنازلها المختصّة بها. (راغب، ص:۵۱)

البروج النجوم، عن قتادة بروجها نجومها. (ابن جریر، ج ۲۴/۲۶۱)

وقال ابن عباس ومجاهد والضحاك والحسن وقتادة والسدى البروج النجوم.

(ابن کثیر، ج ۴/ص:۴۴۶)

هي النجوم. (روح، ج ۳۰/ص:۸۵)

اہل تنجیم وفلکیات کے اصطلاحی "بروج" برج ثور، برج جوزا، وغیرہم مراد نہیں۔

والیوم الموعود ۔ مراد بلا اختلاف یوم قیامت ہے۔

وهو يوم القيامة من غير اختلاف بين أهل التاويل. (قرطبی، ج ۱۹/ص:۲۸۳)

۲ حدیث صحیح میں شاھد کی تفسیر یوم جمعہ سے آئی ہے (کہ یہ دن ہر ہفتے پلٹ پلٹ کر مسلمانوں پر آتا رہتا ہے اور مسلمان اس کے لیے کہیں نکل کر نہیں جاتے) اور مشہود کی یوم عرفہ سے کہ اُس روز ساری دُنیا کے مسلمان اپنے اپنے مقام سے نکل کر عرفات میں جمع ہوتے ہیں، اور صحابہ وتابعین کی بڑی جماعت اس تفسیر پر متفق ہے۔

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ﴿۵﴾ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ ﴿۶﴾

ہلاک ہوگئے خندق والے، ایندھن کی آگ والے، جس وقت وہ لوگ اس (آگ) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے

وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ

اور اپنے اس کرتوت کو دیکھ رہے تھے جو وہ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے ۳ اور انھوں نے ان (ایمان والوں) میں کیا عیب پایا تھا بجز اس کے

وأخرج الترمذی وجماعة عن أبی هریرة مرفوعاً الشاهد یوم الجمعة والمشهود یوم العرفة وروی ذلك عن أبی مالك الأشعری وجبیر بن مطعم رضی الله تعالی عنهما مرفوعاً أیضاً وأخرجه جماعة عن علی کرم الله وجهه وغیره من الصحابة والتابعین. (روح، ۳۰/ص:۸٦)

یہ بھی منقول ہے کہ شاھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مشہود یوم قیامت۔

عن ابن عباس قال الشاهد محمد صلی الله علیه وسلم، والمشهود یوم القیامة

(ابن جریر، ج ۲٤/ص:۲٦٦. معالم، ج ٥/ص:۲۳۲)

اور یہ تفسیر بھی نقل ہوئی ہے کہ یہ شاہد و مشہود دونوں کا مفہوم عموم تام رکھتا ہے، ہر حاضر ہونے والا، دیکھنے والا شاھد ہے اور ہر وہ جو دکھلایا جائے یا حاضر کیا جائے مشہود ہے، اور دونوں کا صیغۂ نکرہ اس ابہام سے اظہارِ کثرت کے لیے ہے۔

وتنکرهما للابهام فی الوصف...... أو المبالغة فی الکثرة. (بیضاوی، ج ٥/ص:۱۸۰)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں کا صیغۂ نکرہ ان کے اظہارِ عظمت کے لیے ہے۔

وتنکیر الوصفین للتعظیم. (روح، ج ۳۰/ص:۸٦)

۳ تلمیح ایک واقعۂ تاریخی کی جانب ہے، جس سے معاصر اہل عرب خوب واقف تھے۔ ۵۲۳ء میں یعنی ولادت محمدیؐ سے کوئی ۴۷ سال قبل ملک یمن (جنوبی عرب) کا فرماں روا ایک جابر و قاہر زرعہ ذونواس تھا، جس کا دوسرا نام یوسف بھی تھا، اس نے مذہب یہودیت اختیار کیا اور اس نئے مذہب میں اس نے وہ غلو و شدت پیدا کی کہ جو کوئی یہودیت نہ اختیار کرتا اُسے وہ ہلاک کر ڈالتا۔ وہ دور حضرت مسیحؑ کی صحیح تعلیم کا تھا اور کچھ مسیحی اس وقت موجود تھے، نصرانیوں پر اس نے خاص طور

سے ظلم شروع کیے اور شہر نجران میں ایک بڑی خندق کھدوا کر اس میں آگ دہکا دی کہ جو کوئی قبول یہودیت سے انکار کرے اُسے اس میں جھونک دیا جائے اور ایک مدت تک اس کا یہ عمل تحریق جاری رہا، چنانچہ مورخوں نے اس کے کشتوں کی تعداد ہزار ہا کی لکھی ہے۔ نصرانیوں نے اپنی فریاد شہنشاہ جسٹنین (رومہ) تک پہنچائی، اس کی تحریک وایما پر حبشہ کے مسیحی فرماں روا نجاشی نے یمن پر حملہ کر دیا۔ ذونواس کو شکست ہوئی، گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگا اور سمندر میں ڈوب گیا۔

ظلم وتعدی کی تاریخ میں ذونواس کی تعدی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، اور قرآن کی اس تلمیح میں اس اہمیت کی پوری تصدیق موجود ہے، انگریز مورخوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور ذونواس کی حمایت ودفاع میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے، وہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں موجود ہے۔

قتل، یہاں لُعن کے معنی میں ہے۔

أی لعن، قال ابن عباس کل شیئ فی القرآن "قتل" فهو لعن. (قرطبی، ج۱۹/ص:۲۸۶)

أی لعن أصحاب أخدود. (کبیر، ج۳۱/ص:۱۰۸)

الأخدود۔ أخدود کے معنی ہیں مستطیل، گہرا گڑھا، یعنی خندق۔

شقّ فی الأرض مستطیل غائض. (راغب، ص:۱۶۱)

لفظ واحد ہے جمع أخادیة آتی ہے، لیکن یہاں بطور جمع آیا ہے۔

المراد هو الجمع. (کبیر، ج۳۱/ص:۱۰۸)

أصحاب الأخدود۔ یعنی آتشیں خندق بنا کر اس میں اس عہد کے مومنین کو جھونکنے والے۔

المؤمنین۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے عہد کے دین حق پر قائم تھے۔

یہ خوب خیال میں رہے کہ اسی سے ملتے جلتے واقعات تاریخ میں اور بھی پیش آتے رہے ہیں، اس لیے اس جزم وقطعیت کے ساتھ واقعۂ ذونواس ہی پر منطبق کرنا درست نہیں، گنجائش اس کی ہے کہ کوئی دوسرا واقعہ مراد ہو۔

شام اور فارس، عراق اور حبشہ اتنے ملکوں کے لیے تو اس طرح کی روایتیں ہماری تفسیروں میں بھی نقل ہوئی ہیں اور ابن کثیر نے جو مفسر ہونے کے ساتھ مورخ بھی ہیں بہت صحیح لکھا ہے:

وقد یحتمل أن ذلك قد وقع فی العالم کثیراً. (ابن کثیر، ج٤/ص:٤٤٩)

اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

کہ وہ ایمان لے آئے تھے اللہ زبردست اور سزاوار حمد پر ۴ وہی جس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی

وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ۵ بے شک جن لوگوں نے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو ستایا

ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۰ۭ

اور پھر توبہ نہ کی توان کے لیے عذاب ہے جہنم کا اور عذاب ہے آگ کا ۶

اس سے اوپر مختلف قصوں اور ان کے درمیان جمع و تطبیق کا ذکر صاحب روح نے بھی کیا ہے۔
اور تفسیر کبیر میں قفال کے حوالے سے ہے کہ یہ واقعہ کہیں بھی پیش آیا ہو، بہرحال قریش کے لیے
ایک معلوم و معروف واقعہ تھا، اور اس کے ذکر سے مقصود انھیں کی تذکیر و تنبیہ ہے۔ (کبیر، ج ۳۱/ص۔ ۱۰۸)

۴ یہاں اس کی تصریح ہوگئی کہ یہ کوئی ملکی یا سیاسی سازش نہ تھی، بلکہ مومنوں پر ظلم خالص دینی و اعتقادی بنیاد پر ہو رہے تھے۔

۵ (اس لیے ظالموں کا ظلم و ستم اور مظلوموں کی مظلومیت و بے کسی سب اس پر خوب روشن ہے)
الـذی......شهيـد۔ یہاں یہ وضاحت ایک بار پھر ہوگئی کہ خدائے اسلام جاہلی مذہبوں یا مشرک فلسفیوں کے خدا کی طرح نہ تو محدود و ناقص علم رکھنے والا ہے اور نہ محدود قدرت رکھنے والا، اس کی قدرت اور اس کا علم دونوں اس کے جملہ صفات کی طرح کامل و لامحدود ہیں ــــــ قرآن مجید کے نادر اسلوب بیان کی ایک عام خصوصیت یہ بھی ہے کہ شخصی حکایتوں اور تذکروں کے ضمن میں بھی تعلیم بنیادی عقائد اور توضیح عمومی مسائل کی کر لی جاتی ہے، چنانچہ اس کی ایک نظیر یہ آیت بھی ہے۔

۶ عـذاب جهـنـم۔عذاب الحريق ۔ دوزخ میں عذاب طرح طرح کے ہوں گے، آگ کا عذاب شدید ترین ہوگا۔ عذاب الحریق کی تصریح اس کی تخصیص کے لیے ہے۔

إن الذين فتنوا۔ فتنوا یہاں عذابِ آتش کے لیے ہے۔

استعمل فی إدخال النار. (راغب، ص: ٤٦١)

أی عذبوهم بالنار وأحرقوهم. (کشاف، ج ٤/ص: ٧١٩)

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

بے شک جولوگ ایمان لائے اورانھوں نے نیک عمل بھی کیے، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے

الۡاَنۡهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡكَبِيۡرُ ؕ‏ ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ ؕ‏ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ

ندیاں بہہ رہی ہوں گی، یہی بڑی کامیابی ہے ے بے شک آپ کے پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے، وہ وہی تو ہے جو

يُبۡدِئُ وَيُعِيۡدُ ۚ‏ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ ۙ‏ ﴿۱۴﴾

اول بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی پیدا کرے گا ۸ وہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا محبت کرنے والا ہے

ثم لم یتوبوا۔ اس سے جتادیا کہ بڑے بڑے گناہ کے بعد بھی رجوع واستغفار سے گنجایش اصلاح ونجات کی رہ جاتی ہے۔

ے ہر مومن کا نصب العین، ہر کلمہ گو کا منتہائے آرزو۔۔۔ حقیقی کامیابی تو اُخروی ہی کامیابی ہے، جس کے سامنے دُنیا کی بڑی سے بڑی کامرانی ہیچ ہے اور علمی، سیاسی، تمدنی ہر قسم کی ترقی گرد۔

جنت کی نعمتوں کو حقیر وناقابلِ التفات سمجھنے والے چاہے وہ یہی مشائخ وصوفیہ ہوں، چاہے "روشن خیال" و "ترقی پسند"، بہرصورت اگران کا ایمان قرآن پر ہے تو وہ خدارا دیکھیں کہ قرآن مجید جنت اوراس کی نعمتوں کے تذکرے کس صراحت وتکرار کے ساتھ اور کیسے شوق ورغبت دلانے والے لہجے میں کرتا رہتا ہے، اور کس طرح جنت ہی کو رضائے الٰہی کا محل اور انسانی سعی وجستجو کی منزلِ مقصود بتاتا ہے۔۔۔ اور جو اہل ایمان دنیا میں ہدفِ جور وستم بنے ہوئے ہیں، اُن کے لیے ایسی آیتیں سرمایہ صد راحت وتسکین ہیں۔ دُنیوی رنج وکلفت، درد واذیت کی پرواہی اتنی کیوں کی جائے، جب کہ مستقل وپائیدار کامیابی انھیں مومنین صادقین کا حصہ ہے۔۔۔ بچوں کے کھیل کود کی وقتی وآنی خوشیاں، کیا نسبت بڑوں کی راحتوں اور مسرتوں سے رکھتی ہیں! تو اُخروی کامیابی کا درجہ تو دُنیا کی ہر کامیابی سے بے شمار درجہ بڑھا ہوا ہے!

۸ خلق وبعث سب اسی ایک مالک ومولا کے ہاتھ میں ہے، کوئی بھی اس کا شریک ورفیق نہیں۔ وہی سب کا پیدا کرنے والا بھی ہے، وہی سب کا دوبارہ جلا اُٹھانے والا بھی، اور وہی مجرموں پر کڑی گرفت کرنے والا بھی۔ ان ساری صفات کا مالک وہی ایک اور اکیلا ہے، یہ نہیں کہ ان میں سے کوئی صفت اس سے الگ ہو کر یا کم ہو کر، کلاًیا جزءاً کسی دیوی دیوتا، کسی فرشتے یا اوتار کسی نبی یا ولی سے متعلق ہوگئی ہو۔

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾

عرش کا مالک ہے، عظمت والا ہے ۹

لشدید۔ اس کی گرفت اتنی سخت ہے کہ اس سے کوئی نسبت ہی دُنیا کے کسی بڑے سے بڑے جبار کی گرفت کو نہیں۔

إنه هو کی ترکیب نے معنی حصر کے پیدا کر دیے، یعنی وہی اکیلا تو صفتِ خلق وصفتِ بعث کا مالک ہے۔

۹ ان ساری صفات کا اثبات کسی نہ کسی مشرکانہ عقیدے کی تردید وابطال کے لیے ہے۔

وهو الغفور الودود۔ یہ صیغہ تاکید کے ساتھ مومنین کے حق میں ایک بشارت خصوصی ہے، اللہ کی صفت غفر ومغفرت بہت ہی بڑھی ہوئی ہے، وہ اپنے بندوں کو چاہنے والا ہے، اُن سے محبت رکھنے والا ہے، اُن سے روٹھا رہنے والا نہیں، جیسا کہ اور بعض مذہبوں کا مفروضہ ہے۔

ذو العرش۔ عرش جو مخلوقات میں عظیم ترین، بزرگ ترین ہے، وہ اس کا بھی خالق ومالک ہے، یہ مراد نہیں کہ وہ اسی تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔

أی صاحبه والمراد مالكه أو خالقه وهو أعظم المخلوقات. (روح، ج ۳۰/ص:۹۲)

خالقه. (بیضاوی، ج ۵/ص:۱۸۱)

خالقه ومالكه. (مدارك، ص:۱۳۳۷، جلالین، ص:۸۰۱)

ملاحظہ ہو سورۃ المؤمن، حاشیہ آیت ۱۵۔

عرش کے معنی مالک وسلطنت کے بھی کیے گئے ہیں۔

كنی به عن العز والسلطان والمملكة. (راغب، ص:۳۶۹)

قيل المراد بالعرش الملك. (بیضاوی، ج ۵/ص:۱۸۱)

المجید۔ مجید کے معنی صفات جود وکرم وعظمت کی فراوانی ہے۔

المجد السعة فی الكرم والجلال. (راغب، ص:۵۱۷)

اور جب مجید بطورِ اسم الٰہی آتا ہے تو مراد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرمِ خصوصی اور اس کی وسعت

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾

وہ جو کچھ چاہے سب کچھ کر گزرنے والا ہے ۱۰ ہاں، کیا آپ کو (ان) لشکریوں کا بھی قصہ پہنچا ہے

جودوفیض سے ہوتی ہے۔

أى يحرى السعة فى بذل الفضل المختص به. (راغب،ص:۵۱۷)

أصله هذا بذلك لسعة فيضه و كثرة جوده. (راغب،ص:۵۱۷)

اہل لغت نے یہ بھی کہا ہے کہ مجد خود ہی شرف واسع کے لیے آتا ہے اور اس سے مجید فعیل کے وزن پر صیغۂ مبالغہ ہے، اس میں زور ماجد سے زیادہ پیدا ہو گیا ہے اور مجید کا مفہوم جلیل، وہاب، کریم کے مجموعے کا ہے۔

فى كلام العرب الشرف الواسع، ورجل ماجد: مفضال كثير الخير شريف، والمجيد فعيل، منه للمبالغة...... وفعيل أبلغ من فاعل، فكأنه يجمع معنى الجليل والوهاب والكريم. (لسان،ج۱۲/ص:۲۸۰)

المجيد۔ عام قرأت مدینہ، مکہ، بصرہ کے قاریوں کی اور بعض کوفیوں کی بھی دال کے رفع ساتھ ہے، جس سے مجید، صفت ذوالعرش کی پڑتی ہے۔

فقرأته عامة قراء ة المدينة ومكة والبصرة، وبعض الكوفيين رفعاً، علىٰ أنه من صفة الله تعالى ذكره. (ابن جرير،ج۲۴/ص:۲۸۴)

لیکن کوفہ کے اکثر قاریوں کی قرأت خفض کے ساتھ ہے، یعنی المجيد۔ اس صورت میں یہ صفت عرش کی پڑ جاتی ہے۔

وقرأ ذلك عامة قراء ة الكوفة خفضاً، علىٰ أنه من صفة العرش. (ابن جرير، ج۲۴/ص:۲۸۴)

قرئ المجيد بالكسر فلجلالته وعظم قدره. (راغب،ص:۵۱۷)

بالجر صفة للعرش...... ومجد العرش علوه وعظمه. (مدارك، ص:۱۳۳۷)

۱۰ نہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا، نہ کوئی اس کے ارادے میں رکاوٹ ڈالنے والا، اس کی قوت غیر محدود، اس کے اختیارات غیر فانی۔ سارے قانون اس کے پابند، وہ کسی بھی قانون سے

فِرۡعَوۡنَ وَ ثَمُوۡدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ تَکۡذِیۡبٍ ﴿۱۹﴾ وَّ اللّٰہُ مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ

(وہی) فرعون وثمود کا ۱۱ اصل یہ ہے کہ کافر تکذیب میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ اُنھیں اِدھر اُدھر سے

مُّحِیۡطٌ ﴿۲۰﴾ بَلۡ ہُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ ﴿۲۱﴾ فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴿۲۲﴾

گھیرے ہوئے ہے ۱۲ اصل یہ ہے کہ یہ بزرگی والا قرآن ہے لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ۱۳

مقید نہیں ــــــ یہ تردید ہو رہی ہے اُن مشرکانہ فلسفیانہ مذہبوں کی، جنھوں نے حق تعالیٰ کی قدرت مطلق کو بھی کسی قانون کا محکوم ومطیع سمجھ رکھا ہے (مثلاً قانونِ مکافات عمل، اُس کا ہندی مرادف کرم) اور جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا کے اختیارات وقویٰ محدود ہیں، چنانچہ اگر وہ چاہے بھی تو کسی مجرم کو بے سزا دیے معاف نہیں کرسکتا یا اپنے عام ضابطے ودستور میں کبھی ردّوبدل نہیں کرسکتا ــــــ آیت ان ساری گمراہیوں کی تردید کررہی ہے۔

اللہ کا ارادہ ہی سب سے بڑا قانون اور سارے تکوینی قانونوں پر حاوی وحاکم ہے۔

۱۱ (کہ انھوں نے کس کس طرح نافرمانیاں کیں، اور پھر کس طرح کیفرکردار کو پہنچے)

فرعون وثمود دونوں پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔

یہ دونوں مثالیں تاریخ قدیم میں انتہائی پُرقوت قوموں کی ہیں، ثمود جنوبی عرب کے باشندے تھے۔ اور قوم فرعون، عرب سے متصل ملک مصر کی باشندہ تھی۔ عرب کے لوگ دونوں قوموں سے اور ان کی قوت وانجام سے خوب واقف تھے۔

۱۲ (تو وہ اس کے قبضۂ قدرت اور پنجۂ عقوبت سے بچ کر کسی طرح نہیں جاسکتے؟)

بل...... تکذیب۔ یعنی یہ کافر بجائے اس کے کہ ان حکایات وواقعات پر غور کرتے اور اُن سے سبق حاصل کرتے، اُلٹے ان کی تردید وتکذیب میں لگے ہوئے ہیں۔

۱۳ (جس میں کسی تغیر وتبدل کا امکان نہیں۔ وہاں سے وہ بہ حفاظت تمام صاحبِ وحی تک پہنچ جاتا ہے)

عالم غیب میں کوئی تختی عالمی جسامت وآفاقی گنجایش کی ہے، جس پر سب کچھ لکھا ہوا موجود ہے اور جس طرح اُس عالم کی ہر شے حواسِ ظاہری کی گرفت سے باہر ہے، لوحِ محفوظ کی ماہیت بھی

حواس سے بالاتر ہے، بشری معلومات میں صرف اتنا ہی آسکتا ہے، جتنا مخبر صادقؐ نے بتادیا ہے۔

كيفيته تخفى علينا إلا بقدر ما روى لنا في الأخبار. (راغب، ص: ٥١٠)

حدیثی روایتوں میں اس کی ترکیب، جسامت وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔

محفوظ۔ وہ محفوظ اس معنی میں ہے کہ شیطان کی دسترس سے بالاتر ہے۔

محفوظ۔ محفوظ من الشياطين. (ابن عباس، ص: ٣٨٦)

محفوظ عند الله تعالىٰ من وصول الشياطين. (قرطبی، ص: ٢٩٨)

یہ محفوظ کی قرأت دونوں طرح سے آئی ہے۔ محفوظٌ (رفع کے ساتھ بھی)۔ تو اس صورت میں اس کا تعلق قرآن مجید سے ہوگا۔ اور دوسری قرأت محفوظٍ (خفض کے ساتھ بھی) آئی ہے، اس صورت میں اس کا تعلق لوح سے رہے گا، یعنی وہ لوح جو ہر طرح محفوظ ہے۔

ماحصل دونوں قراءتوں کا ایک ہی ہے، اور دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

قراء تان معروفتان في قرأة الأمصار، صحيحتا في المعنى. (ابن جرير، ج ٢٤/ص: ٢٨٦)

صاحب روح المعانی نے کسی پرانے روشن خیال (يزعمه بعض الناس) کا یہ قول نقل کر کے کہ لوحِ محفوظ محض ایک جوہر مجرد ہے، جس کا فضائے خارجی میں کوئی وجود نہیں، اس کی پرزور تردید میں لکھا ہے:

مخالف لظواهر الشريعة وليس له مستند من كتاب ولا سنة أصلاً.

(روح، ج ٢٠/ص: ٩٤)

"یہ تصریحات شریعت کے مخالف ہیں اور اس کا کوئی ماخذ کتاب وسنت میں ذرا بھی نہیں ملتا"۔

(۸۶)

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ طارق مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾

قسم ہے آسمان کی اور رات کے آنے والے کی [۱] اور آپ سمجھے کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ وہ ایک چمکدار ستارہ ہے

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۙ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۙ﴿۵﴾

کوئی جان ایسی نہیں کہ اس پر ایک نگہبان (فرشتہ) مقرر نہ ہو [۲] پس انسان کو چاہیے کہ دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے

[۱] یعنی یہ دونوں چیزیں گواہ ہیں اس حقیقت پر جو ابھی بیان ہو رہی ہے۔

الطارق۔ لفظی معنی رات میں چلنے والے کے ہیں۔

السالك الطريق، لكن خُصّ فی التعارف بالآتی ليلاً. (راغب، ص:۳۳۹)

یہاں مراد ستارے سے ہے جو رات کو طلوع ہوتا ہے۔

عبّر عن النحم بالطارق لاختصاص ظهوره بالليل. (راغب، ص:۳۳۹)

كل من أتاك ليلاً فهو طارق. (قرطبی، ج۲۰/ص:۲)

[۲] (اور اس لیے اعمال پر محاسبہ یقینی ہے)

مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ستارے موجود تو ہر وقت رہتے ہیں مگر ان کا ظہور شب ہی میں ہوتا ہے، اس طرح بندوں کے اعمال محفوظ تو نامۂ اعمال میں اس وقت بھی ہیں مگر ان کا شہود وظہور قیامت میں ہوگا۔

ما أدراك ۔ ما کلمۂ استفہام ہے اور اس کے معنی میں تعجب شامل ہے۔

خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶ يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝۷ اِنَّهٗ

وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا جو پشت اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ وہ (اللہ)

عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ۝۸ يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ۝۹ فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ

اس کی واپسی پر یقیناً قادر ہے ۳ جس روز (انسان کے) راز فاش ہو جائیں گے تو (اس روز) نہ اسے خود قوت ہوگی

لفظة لفظ الاستفهام معناه التعجب. (ابن خالويه،ص:٤٠)

ما۔ ما کی ۲۵ قسمیں ہیں، کلام عرب اور خود قرآن مجید میں آئی ہیں، اور ایک مشہور نحوی کی ایک مستقل کتاب اس موضوع پر ہے۔

و"ما" تنقسم فی كتاب الله تعالى وفی كلام العرب خمسة وعشرين قسماً. (ابن خالويه،ص:٤٠)

إن۔ یہاں ما کے مرادف ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی بعض دوسری آیتوں میں بھی ہے۔ إن الكافرون إلا فی غرور۔

ما۔ یہاں تاکید کے لیے ہے۔

ما مؤكدة أی إن كل نفس لعليها حافظ. (قرطبی،ج٢٠/ص:٣)

حافظ۔ یعنی اس کے اعمال کو حفظ یا شمار میں رکھنے والا۔

حفظة يحفظون عليك رزقك وعملك وأجلك. (ابن جرير،عن قتادة،ج٢٤/ص:٢٩٢. قرطبی،ج٢٠/ص:٣)

حافظ من ربها يحفظ عملها ويحصی عليها ما يكتسب من خير أوشر. (ابن جرير،ج٢٤/ص:٢٩١. معالم،ج٥/ص:٢٣٩)

اور ظاہر ہے کہ ایسی ہستی فرشتہ ہی ہو سکتی ہے۔

قال ابن عباس هم الحفظة من الملائكة. (معالم،ج٥/ص:٢٣٩)

محققین نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ حافظ حقیقی تو بس اللہ تعالیٰ ہی ہے، باقی چیزیں حافظ محض وسائط کی حیثیت سے کہی جا سکتی ہیں۔

۳ (اور اس دوبارہ پیدائش کو مستبعد سمجھنا ایک انتہائی احمقانہ خیال ہے)

الإنسان۔ یعنی نوعِ انسان، لفظاً مفرد اور معناً جمع۔

هو واحد فی معنی جماعة. (ابن خالویه، ص:۴۳)

فلینظر...... خلق۔ یعنی انسان اپنے آغاز و ابتدا پر غور تو کیا کرے۔ اس مراقبے سے خود ہی اسے موت و معاد کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔ ع

بہ آغاز رُو کن کہ پایاں ہمیں است

مم کی اصل من ما ہے۔

الأصل من ماخُلِق أی من أیّ شیئٍ خُلِق. (ابن خالویه، ص:۴۴)

دافق لفظاً فاعل ہے اور معناً مفعول۔

ومعناه من ماءٍ مدفوقٍ. (ابن خالویه، ص:۴۴)

وهو مما أخرجته العرب بلفظ (فاعل) وهو بمعنی المفعول. (ابن جریر، ج۲۴/ ص:۲۹۲)

الصلب۔ اشارہ مرد کی قوتِ عاقدہ اور فاعلیت کی جانب ہے۔

والترائب۔ جمع ہے تریبة کی اور اس کے معنی سینے کے بھی لیے گئے ہیں۔

أی الصدر، والواحدة تَرِیبة. (قرطبی، ج۲۰/ص:۵)

اشارہ عورت کی قوتِ منعقدہ یا انفعالیت کی جانب ہے۔

إنه علی رجعه۔ پہلی ضمیر اللہ کی طرف ہے اور دوسری انسان کی طرف۔

الضمیر الأول للخالق...... والضمیر الثانی للإنسان. (روح، ج۳۰/ص:۹۸)

رجعه۔ ضمیرہٗ انسان کی جانب ہے، مراد ہے انسان کا بعث بعد الموت۔

أی بعث الإنسان بعد موته. (جلالین، ص:۸۰۲)

رجع کی تفسیریں اور بھی نقل ہوئی ہیں، لیکن قوی ترین قول یہی ہے۔

قال ابن عباس وقتادة والحسن وعکرمة إنه علی ردّ الإنسان بعد الموت لقادر.

(قرطبی، ج۲۰/ص:۷)

ابن جریر نے بھی اختیار اسی قول کو کیا ہے۔

لقادر میں ل تاکید کا ہے۔

وَّلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾

اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا ؁ قسم ہے بارش والے آسمان کی اور پھٹ جانے والی زمین کی

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿١٥﴾

کہ یہ (قرآن) یقیناً ایک قول فیصل ہے ؁ اور یہ کوئی لغو (کلام) نہیں ؁ یہ لوگ طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں

۴ یعنی نہ خود اس میں مدافعت کی کوئی قوت ہوگی اور نہ باہر سے کوئی حمایتی ہاتھ آئے گا۔
یوم تبلی السرائر۔ یہ وقت وہ ہوگا جب کشفِ حقائق ہر قسم کا واقع ہوکر رہے گا اور اِخفا کسی قسم کا کسی سے بھی ممکن نہ ہوگا ـــــــ اُس وقتِ موعود کا استحضار انسان اگر کرلے تو شاید کوئی بھی گناہ اس سے سرزد نہ ہو۔

۵ (قولِ فیصل حق و باطل کے باب میں بھی اور اپنے ثبوتِ اعجاز کے اعتبار سے بھی)
ذات الرجع۔ آسمان کی یہ صفت اس مناسبت سے ہے کہ یہ پانی کے بخارات کو زمین کی طرف لوٹاتا ہے۔

أی المطر. (راغب، ص:۲۱۳)

السحاب يحمل الماء من البحار، ثم يرجعه إلى الأرض. (بيضاوى، ج۵/ص:۱۸۱)

السحاب فيه المطر. (ابن جرير عن ابن عباس، ج۲٤/ص:۳۰۲)

ذات الصدع۔ زمین جو بیج نکلتے وقت شق ہوجاتی ہے، اس کی طرف اشارہ ہے۔

ذات الصدع تصدّع عن النبات. (ابن جرير عن قتادة، ج۲٤/ص:۳۰۵)

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح بارش آسمان سے آتی ہے اور عمدہ زمین کو فیض یاب کرتی ہے، اسی طرح قرآن مجید بھی آسمان ہی سے اُترا ہے، اور جس سینے میں قبول کی قابلیت ہوگی اُسے مالا مال کردے گا۔ (تھانوی، ج۲/ص:۷۵۰)

إنه۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔

إن القرآن. (معالم، ج۵/ص:۲٤۰. بيضاوى، ج۵/ص:۱۸۱-۱۸۲)

لقول میں ل تاکید کا ہے۔

۶ (جیسا کہ یہ احمق فرض کررہے ہیں)

وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾

اور میں بھی چال چل رہا ہوں تو آپ کافروں کو چھوڑے رکھئے چندن دن چھوڑے رکھئے ؎

ھزل مقابلے میں آتا ہے جد یعنی سنجیدہ کلام کے۔ اور اس کا اطلاق ہر بیہودہ و بے مقصد کلام پر ہوتا ہے۔

وما ہو باللعب ولا الباطل. (ابن جریر، ج ٢٤/ص: ٣٠٦)

مشرکوں کی حماقت دکھائی ہے کہ ایسے سرتاسر پر حکمت و با مقصد کلام کو کھیل تماشہ سمجھ رہے ہیں!

؎ اور نہ ان کی ممانعت سے بددل ہوئیے اور نہ ان پر عذاب چاہنے میں جلدی کیجئے۔

کید پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں، کید مذموم بھی ہوتا ہے اور محمود بھی۔

إنهم يكيدون كيداً۔ یعنی یہ حق کی مخالفت میں ہر طرح کا زور لگا رہے ہیں اور ساری چالیں چل رہے ہیں۔

أكيد كيداً۔ یعنی اُدھر سے انھیں مہلت دی جا رہی ہے اور بھلاوے میں ڈالا جا رہا ہے کہ عذاب کے مستحق یہ اور زیادہ ہو جائیں۔

كيد الله استدراجه إياهم من حيث لايعلمون. (معالم، ج ٥/ص: ٢٤٠)

کید۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کر آتا ہے تو مراد ہوتی ہے معاندین کی چالیں اُلٹ دینے سے۔

رویداً۔ رُوید تصغیر ہے رود کی، اور مراد بہت تھوڑی مہلت ہے۔

تصغير رود وهو المهل أى قليلاً. (برهان، ج ٤/ص: ٣٦١)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۲﴾ۙ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَہَدٰی ﴿۳﴾ۙ

آپ تسبیح کیجئے اپنے پروردگار عالی شان کے نام سے، جس نے پیدا کیا پھر کامل بنایا [۱] اور جس نے اندازہ ٹھہرایا اور پھر رہنمائی کی [۲]

[۱] آیت میں اللہ کی صفات میں سے دو الگ الگ کمالوں کا ذکر ہے:

ایک کمالِ عمل خلاقی کہ ہر معدوم کو موجود کر دیا۔

دوسرا کمالِ عمل صناعی کہ ہر شے کو اس کے ہر ہر جز میں ٹھیک اور ہر طرح کے تناسب وموزونیت کے ساتھ بنایا۔

سبح......الأعلیٰ۔ یہی وہ تسبیح ہے جو سجدۂ نماز میں اُمت کے لیے لازمی قرار دے دی گئی ہے۔

فسوّی۔ تسویة کے لفظی معنی ہیں کسی شے کو اس کی بلندی اور وضع کے لحاظ سے دُرست اور ٹھیک ٹھیک رکھنا۔

وتسویة الشیئ جعله سواء فی الرفعة وأو فی الضّعة. (راغب، ص:۲۸۲)

یہاں مراد یہ ہے کہ انسان کو اس کی خلقت کے مطابق ذرائع وآلاتِ کمال عطا کیے۔

جعل له ما به یتأتی کماله ویتم معاشه. (بیضاوی، ج ۵/ص:۱۸۲)

جعله متناسب الأجزاء. (جلالین، ص:۸۰۳)

[۲] (ہر مخلوق کو اس کی منازلِ حیات اور منزلِ مقصود کی طرف)

قدّر۔ یعنی ہر مخلوق کے لیے ایک حد اور توازن مقرر کر دیا، جس سے تجاوز اس کے لیے ممکن ہی نہیں۔

وَالَّذِیٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۝۴ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۝۵ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی ۝۶

اور جس نے زمین سے چارہ نکالا، پھر اسے سیاہ کوڑا کرکٹ کر دیا [۳] ہم آپ کو (یہ قرآن) پڑھا دیں گے، پھر آپ (اُسے) نہ بھولیں گے

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ

ہاں البتہ اللہ ہی جو کچھ بھلا دینا چاہے [۴]

اس ہدایت یا رہنمائی میں مادّی ومعاشی، تشریعی وتکوینی ہر قسم کی ہدایتیں آگئیں۔

فوجهه إلى أفعاله طبعاً واختياراً بخلق الميول والالهامات ونصب الدلائل وإنزال الآيات. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۸۲)

قال مجاهد هدى الإنسان لسبيل الخير والشر والسعادة والشقاوة، وهدى الأنعام لمراتعها. (مغالم، ج۵/ص:۲۴۱)

چاروں صفاتِ الٰہی: تخلیق، تسویہ، تقدیر وہدایت کا تعلق جمیع مخلوق سے ہے۔

[۳] (اقتضائے حکمت سے)

پہلی مثالوں کا خصوصی تعلق حیاتِ حیوانی میں تصرفات سے تھا، اب بیان حیاتِ نباتی میں تصرفات کا ہے۔

أخرج المرعیٰ۔ اشارہ چارے کی سبز وشاداب حالت کی جانب ہے۔

غثاء أحوی۔ سرسبزی اپنے کمال پر پہنچنے کے بعد پھر سیاہی میں تبدیل ہو جاتی ہے ــــــ اسی طرح ہر شباب کے بعد شیب کی منزل آتی ہے۔

[۴] (یعنی اگر اپنی ہی کسی مصلحت سے چاہے تو اس پر بھی قادر ہے)

اصل مقصود قدرتِ الٰہی کا اثبات ہے، بندہ یہاں تک کہ مقبول ترین ومقرب ترین بندہ بھی اگر کچھ بولتا نہیں تو یہ اس کا کوئی ذاتی کمال نہیں بلکہ تمام تر ایک عطیۂ خداوندی ہے، اس کا استحضار ہر وقت وہر موقع پر رہے۔

إلّا ما شاء اللہ۔ استثناء سے مراد نسیان کی قلت وندرت ہے، نہ کہ اس کی مطلق نفی۔ اور یہ دستور کلامِ عرب میں عام ہے۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ⑦ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ⑧ فَذَكِّرْ

وہ یقیناً ہر ظاہر اور ہر پوشیدہ کو جانتا ہے ۵ اور ہم اس آسان (شریعت) کے لیے آپ کو سہولت دے دیں گے ٦ سو آپ نصیحت کرتے رہیے

يعني القلّة والندرة. (كشاف، ج٤/ص:٧٢٦. بيضاوي، ج٥/ص:١٨٢)

یوں بھی کسی شے کے امکان سے اس کا وقوع ہرگز لازم نہیں آجاتا۔ قرآن مجید میں بار بار احتمالات کا بیان ہے، جن کا وقوع کبھی نہیں ہوا، مثلاً: ولـو شئنا لنذهبن بالذى أوحينا إليك. ولئن أشركت ليحبطن عملك، خالدين فيها مادامت السموات والأرض إلا ما شاء ربّك.

إلّا کو بعض نحویوں نے یہاں استثناء منقطع قرار دیا، اس صورت میں مراد نسیانِ قرآن نہ رہے گی، بلکہ عام نسیان مراد ہوگا۔

سنقرئك۔ قرأت سے مراد قرأتِ قرآن ہے، آپؐ کے اُمّی ہونے کے باوجود۔

هذا القرآن. (ابن جرير، ج٢٤/٣١٥)

أى القرآن يا محمد فنعلمكه. (قرطبى، ج٢٠/ص:١٨)

وهو أُمّى لا يكتب ولا يقرأ، فيحفظه ولا ينساه. (قرطبى، ج٢٠/ص:١٨)

س۔ جائز ہے کہ تاکید کے لیے ہو، اور جائز ہے کہ فی الفور کے معنی میں ہو۔

والسيـن إمـا لـلتـأكيـد وإما لأن المراد اقراء ما أوحىٰ إليه صلى الله تعالى عليه وسلم حينئذٍ. (روح، ج٣٠/ص:١٠٥)

۵ (اور اپنے اس علم کامل سے ہر مصلحت کے مطابق کام لیتا ہے)

چنانچہ جس کلام کا بھی محفوظ رکھنا ہی قرینِ مصلحت ہوتا ہے، اسے وہ محفوظ کر دیتا ہے اور جس کا بھلا دینا موافق مصلحت ہوتا ہے اُسے وہ بھلا بھی دیتا ہے ـــــ اللہ کی ہمہ بینی وہمہ دانی کا یہ اثبات مشرک قوموں کے رد میں ہے، جن کے دیوتاؤں کا علم ان کے عقیدے میں محدود ہی تھا۔

٦ (اس عموم یُسر کے تحت میں حفظ، فہم، تبلیغ، سب ہی کی سہولتیں آگئیں)

لليسرى۔ الیُسریٰ سے مراد اصل آسان شریعتِ مصطفوی لی گئی ہے۔

قيل هى الشريعة الحنيفية السهلة. (روح، ج٣٠/ص:١٠٧)

إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾

اگر نصیحت آپ کو مفید ہوتی ہے اور نصیحت تو وہی قبول کرتا ہے جو خشیت رکھتا ہے ۷ اور اس سے گریز وہ بڑا بدنصیب کرتا ہے

الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا

جو بڑی آگ میں پڑے گا، پھر اس میں نہ مرہی جائے گا

قيل نوفقك للشريعة اليسرىٰ، وهو الحنيفية السمحة السهلة. (قرطبي، ج٢٠/ ص:١٨. كبير، ج٣١/ص:١٣٠)

اور دوسرے معنی بھی اس لفظ کے کیے گئے ہیں، مثلاً عمل خیر۔

نسهلك يا محمد لعمل الخير. (ابن جرير، ج٢٤/ص:٣١٧)

اليسرى هى أعمال الخير. (كبير، ج٣١/ص:١٣٠)

سب سے زیادہ لگتے ہوئے معنی وحی الٰہی کے ہیں کہ اس کا حفظ آپ پر آسان کردیں گے۔

يعني حفظ الوحى. (كشاف، ج٤/ص:٧٢٦-٧٢٧)

حفظ القرآن. (كبير، ج٣١/ص:١٧٠)

لیکن یہ سب معنی متقارب ہیں، ان میں کوئی تضاد نہیں، یہ سب جمع ہو سکتے ہیں۔

۷ یعنی جس کے دل میں خشیت موجود ہو، وہی ہدایت قبول کرتا ہے، ورنہ نصیحت بے اثر ہی رہتی ہے ـــــ خشیتِ قلب بھی کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ خشیتِ رُوح کے منافی نہیں، قلبِ مومن میں رجاء و خشیت ایک ساتھ جمع رہتی ہے۔

فذكر۔ یعنی اسی تسبیح و تقدیس کی نصیحت کرتے اور توحید کی دعوت دیتے رہتے۔

إن نفعت الذكرىٰ۔ اور یہ تبلیغ و تذکر موثر کیوں نہ ہوگی، جب کہ وہ فی نفسہٖ مفید بھی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ آپ اپنی بھی تکمیل کیجیے اور دوسروں کو بھی تبلیغ کرتے رہیے۔

نفعت۔ لفظاً صیغۂ ماضی اور معناً صیغۂ مستقبل۔

فعل ماض وهو فى معنى المستقبل. (ابن خالويه، ص:٥٩)

سیذکر میں س تاکید کا ہے۔

وَلَا يَحۡيٰى ﴿۱۳﴾ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾

نہ زندہ رہے گا ۸ بامراد ہوا وہ جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا، اور اپنے پروردگار کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا ۹

بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ﴿۱۶﴾ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِى

اصل یہ ہے کہ تم مقدم دنیوی زندگی کو رکھتے ہو، حالانکہ آخرت ہی بدرجہا بہتر اور پائدار ہے ۱۰ بے شک یہ مضمون اگلے

الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى ﴿۱۹﴾

صحیفوں میں بھی ہے (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے نوشتوں میں ۱۱

۸ یعنی نہ اس معنی میں مرجاتا ہے کہ درد و اذیّت کا احساس جاتا رہے، اور نہ اس معنی میں زندہ ہوگا کہ لذت و راحت کسی قسم کی بھی محسوس کر سکے۔

ویتجنبھا...... الکبریٰ۔ ذکری سے گریز کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ وہی بدنصیب جس کا انجام دوزخ میں پڑے رہنا ہے یعنی کافر و منکر۔

۹ یعنی کیا عقائد، اور کیا اعمال، دونوں میں اس اطاعت پر قائم رہا۔

تزکیٰ۔ یعنی اپنے کو قرآن اور رسولؐ کے واسطے سے شرک اور اعمالِ خبیثہ سے پاک کر لیا۔

قد أفلح۔ فلاح کا مفہوم انتہائی وسیع اور دنیوی اور اُخروی ساری کامیابیوں کا جامع ہے، ملاحظہ ہو المفلحون پر حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع اول۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ دو مختصر آیتیں اہل طریق کے اعمالِ مقصودہ کی جامع ہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۷۵)

۱۰ یہاں اہل طغیان کو غفلت کا اصل راز بتا دیا اور اُن سے کہہ دیا کہ تم جو ہدایت یاب نہیں ہوتے تو اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ آخرت کی تمھارے اندر کوئی طلب ہی نہیں، تم سارے عظیم الشان نظامِ کائنات کو چھوڑے ہوئے اپنی سطحیت و حُمق سے اس کے صرف ایک اقل قلیل جز، یعنی اسی ناسوتی، مادّی زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہو!

۱۱ یعنی یہ جزا و سزا کے اُخروی کا مضمون کچھ نو پیدا نہیں، تعلیماتِ انبیاء کا بنیادی جز ہمیشہ رہا ہے اور توحید کے علم بردار جتنے بھی آئے، سب کے صحیفوں میں یہ درج ہے۔

هذا۔ اشارہ اسی مضمونِ فلاح کی جانب ہے۔

الإشارة إلى ما سبق من قد أفلح، فإنه جامع أمر الديانة و خلاصة الكتب المنزلة (بيضاوى، ج ٥/ص:١٨٣)

أى مضمون هذا الكلام. (ابن كثير، ج ٤/ص:٤٥٦)

لفی۔ ل تاکید کا ہے۔

اللام تأكيدٌ. (ابن خالويه، ص:٦٣)

صحف إبراهيم۔ ابراہیمی نوشتے آج بھی اسی طرح گم ہیں جیسے اور بہت سے انبیاء کے نوشتے۔ البتہ ۱۸۹۲ء میں ایک قدیم ابراہیمی صحیفہ کا ترجمہ ایم.آر.جیمس نے یونانی زبان سے کر کے شائع کیا تھا، پھر اور فرنگی زبانوں میں اس کے اڈیشن نکلے تھے، ملاحظہ ہو، حاشیہ تفسیر انگریزی۔

وموسىٰ۔ صحف موسیٰ سے مراد وہی صحیفے ہو سکتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔ موجودہ عہد عتیق کے ابتدائی پانچ صحیفے انھیں صحف موسیٰ کی محرف یادگاریں ہیں۔

(٨٨)

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّة

اٰیَاتُهَا ٢٦ — ٢٦ آیتیں

رُکُوْعَاتُهَا ١ — ١ رکوع

سورۂ غاشیہ مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ① وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ② عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③

آپ کو اس ڈھانپ لینے والے واقعہ کی بھی خبر پہنچی ہے؟ [1] (کتنے ہی) چہرے اس روز ذلیل ہوں گے، مصیبت جھیلنے والے، خستہ حال

[1] سورۃ کی ابتدا ایک سوالیہ جملے سے ہوئی ہے، عین خطباتِ عرب کے اسلوب کے مطابق۔ مقصد اس طرزِ خطاب سے کیا عربی اور کیا دوسری زبانوں کی خطابت میں سامعین کے دلوں میں مزید اشتیاق اور جستجو پیدا کرنا ہوتا ہے، نیز موضوعِ خطاب کی اہمیت جتلانا۔

ھل کے ایک دوسرے معنی حقیقۃً یا قطعاً کے بھی کیے گئے ہیں اور بعض لغت وزبان کے ماہرین اس طرف گئے ہیں کہ قرآن میں جہاں جہاں ھل أتاك آیا ہے وہاں ھل، قد کے مترادف ہے۔

و کل ما فی القرآن من "ھل أتاك" فھو بمعنی فھو قد أتا ك. (ابن خالویہ، ص:٦٤)

بمعنی قد. (قرطبی، ج ٢٠/ص:٦٤)

بمعنی قد. (برھان، ج ٤/ص:٥٤٥)

الغاشیۃ۔ یوم حشر کے بہت سے ناموں میں سے ایک نام یہ بھی ہے، وہ دن صحیح معنی میں غاشیہ ہی ہوگا، یعنی ساری کائنات کو ڈھانپ لینے والا، کوئی شے بھی اس سے باہر نہ رہے گی۔

الغاشیة کل ما یغطّی الشیئ و کنایة عن القیامة. (راغب، ص:٤٠٣)

أی القیامة التی تغشی الخلائق بأھوالھا و أفزاعھا، قاله أکثر المفسرین.

(قرطبی، ج ٢٠/ص:٦٥)

تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿۴﴾ تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ﴿۵﴾ لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ

داخل ہوں گے جلتی ہوئی آگ میں، پانی پلایا جائے گا اُنھیں کھولتے ہوئے چشمے سے، انھیں کوئی کھانا نہیں ملے گا

اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ ﴿۶﴾ لَّا يُسۡمِنُ وَلَا يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍ ﴿۷﴾ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ

بجز خاردار (درختوں) کے، کہ نہ وہ فربہ ہی کرے گا اور نہ بھوک ہی رفع کرے گا ۲ کتنے ہی چہرے اُس روز

۲ (کہ یہی دو مقصد غذا کے ہو سکتے ہیں)
یعنی اہل دوزخ کو غذا کے نام سے جو کچھ ملے گا بھی تو ایسا کہ نہ ان کے جسم کو لگ سکے، نہ ان میں توانائی وتنومندی پیدا کر سکے اور نہ ایسا کہ جو ان کے معدے کی کھرچن (بھوک) کو تسکین دے سکے۔

عاملة ناصبة۔ لفظی معنی ہیں: بڑی محنت اُٹھانے والے، بڑے خستہ حال۔

النصب التعب. (راغب، ص:۴۰۳)

ظاہری مفہوم تو بس یہی ہے کہ دوزخی خستہ حال ہوں گے، اور شدید ترین تعب برداشت کر رہے ہوں گے، مثلاً پیر میں بڑی وزنی بیڑیاں پڑی ہونا، اور اس سے دوزخیوں کا زمین پر گھس گھس کر چلنا ـــــ لیکن ایک اشارہ الفاظ سے اور بھی نکلتا ہے اور بعض اکابر نے یہ پہلو بھی اختیار کیا ہے، یعنی یہ دوزخی وہ ہوں گے جو دُنیا میں سخت سخت ریاضتیں جھیلے ہوئے اور بڑی بڑی سختیاں اُٹھا چکے ہوں گے، چنانچہ مفسر صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی قول منقول ہے۔

وهم الرهبان وأصحاب الصوامع. (ابن عباس، ص:۳۸۷).

هولآء النساك من اليهود والنصارىٰ كما أخرجه ابن أبى حاتم عن ابن عباس رضى الله عنهما. (روح، ج۳۰/ص:۱۱۲)

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عباسؓ صحابی اس سے مراد گروہ نصاریٰ لیتے تھے اور بعض نے وسعت دے کر کل اہل باطل واہل ضلال کے عابدوں اور مرتاضوں کو اس کے تحت میں لے لیا ہے اور اس کی بھی سند حضرت ابن عباس سے پہنچائی ہے۔

قال عطاء عن ابن عباس يعنى الذين عملوا و نصبوا فى الدنيا علىٰ غير دين الإسلام من عبدة الأوثان و كفار أهل الكتاب مثل الرهبان وغيرهم. (معالم، ج۵/ص:۲۴۴)

نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾

بارونق ہوں گے، اپنی کارکردگی پر خوش ہوں گے، بہشت بریں میں ہوں گے، اس میں کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ﴿١٣﴾ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿١٤﴾

اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے ۳ اس میں اُونچے اُونچے تخت ہوں گے اور کوزے سامنے چنے ہوئے

قیل هم أصحاب الصوامع من اليهود والنصارى وعبدة الأوثان والمجوس. (كبير،ج ۳۱/ص:۱۳۸)

ويشمل غيرهم ما شاكلهم من نساك أهل الضلال. (روح،ج ۳۰/ص:۱۱۲)

اوراگر مزید توسع سے کام لیا جائے تو آج کل کے بڑے بڑے صناع اور انجینئر اور دوسرے نامی گرامی ماہرین فن، پہاڑوں پر چڑھائی کرنے والے، خلا میں پرواز کرنے والے جو کامل آخرت فراموشی کے ساتھ، اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال ڈال کر دن رات اپنی صنعتوں، حرفتوں، ہنرمندیوں اور اپنی ایجادوں میں منہمک اور مستغرق رہا کرتے ہیں، سب اس وعید کے تحت میں آجاتے ہیں۔

عاملة ناصبة سے مراد اس تقدیر پر اس دُنیا میں تعب و مشقت اٹھانے والے ہوں گے۔

ليس......ضريع۔ طعام کا حصر، آیت میں حصر اضافی ہے، مقصود ایسی ہر غذا کی نفی ہے جو جزو بدن بن سکے، انسانی تغذیہ کے لائق ہو یا معدہ وطبیعت کے لیے قابل قبول ہو کر بھوک کی اذیت کو دُور کر سکے۔

ضريع کے متعین معنی جو کچھ بھی سمجھے جائیں، بہر حال مقصود اس سے کسی مکروہ وقبیح ہی شے کی طرف اشارہ ہے۔

وكيفما كان فإشارة إلى شيئ منكر. (راغب،ص:۳۳۱)

۳ اہل جنت کے ماحول کی انتہائی خوشگواری اور دل پذیری کا بیان ہو رہا ہے۔

وجوہ۔ مراد اہل جنت کے چہرے ہی نہیں، ان کی ذات اور شخصیت مراد ہے۔

الوجوه عبارة عن الأنفس. (قرطبي،ج ۲۰/ص:۳۲)

ربّما عبّر عن الذات بالوجه. (راغب،ص:۵۸۵)

لسعيها ۔ سعی کا تعلق اس دُنیا سے ہے، یعنی عالم ناسوت میں جیسے عمل کر گئے تھے۔

وَّنَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَةٌ ﴿۱۶﴾ اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ

اور گاؤ تکیے برابر لگے ہوئے اور قالین (ہر طرف) پھیلے ہوئے ۴ یہ لوگ کیا اونٹ پر نظر نہیں کرتے

کَیۡفَ خُلِقَتۡ ﴿۱۷﴾ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ ﴿۱۸﴾ وَاِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ

کہ وہ کیسی (عجیب) طرح پیدا کیا گیا یا آسمان پر کہ اُسے کیسی (عجیب) طرح بلند کیا گیا، یا پہاڑوں پر کہ اُنھیں (کیسی) عجیب طرح

نُصِبَتۡ ﴿۱۹﴾ وَاِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ﴿۲۰﴾ فَذَکِّرۡ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ﴿۲۱﴾

بنا دیا گیا، اور زمین پر کہ اُسے کیسی (عجیب) طرح ہموار کر دیا گیا ہے ۵ تو آپ اُنھیں نصیحت کر دیا کیجیے، آپ تو صرف نصیحت ہی کرنے والے ہیں

أی لعملها الذی عملته فی الدنیا. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۳۲)

راضیةً۔ اس خوشی اور رضامندی کا تعلق آخرت سے ہے، یعنی وہاں اپنے عمل کی جزائے خیر پا کر باغ باغ ہو رہے ہوں گے۔

أی لثواب سعیها راضیة. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۳۲)

أی لثواب سعیها فی الآخرة راضیة. (ابن جریر، ج ۲۴/ص:۳۳٤)

ایک خاص وصف یہ بیان کیا کہ اہل جنت کے کان میں کوئی آواز بھی ایسی نہ پڑے گی جو طبعی، عقلی کسی حیثیت سے بھی گراں ہو۔

۴ غرض یہ کہ مادّی سامانِ راحت ہر قسم کا اور انتہائی خوش ترتیبی اور سلیقہ مندی سے چنا ہوا موجود ملے گا ___ نقشہ صرف اس مشرقی تہذیب وتمدن کے معیار کے مطابق کھنچا ہوا ہے، جس سے اہل عرب بخوبی مانوس وواقف تھے، باقی ظاہر ہے کہ جنت کی نعمتیں اور راحتیں دُنیا کے کسی مخصوص تمدن کے معیار کی پابند نہیں، ہر ایک کو عیش وراحت اپنے ہی مذاق ومعیار کے مطابق ملے گا، مثلاً تخت کے ماتحت کوچ اور صوفے اور فرنیچر کی ساری ہی قسمیں آ گئیں، یا قالین کے مسند اور فرش کی ہر مکلف قسم کو شامل ہے۔

عین۔ اسم جنس ہے، صورةً واحد اور معناً جمع۔

عین بمعنی عیون. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۳۳)

۵ (اور ان کے حسن صنعت پر نظر کر کے کمال قدرتِ الٰہی اور کمال صنعتِ الٰہی کا اقرار

کیوں نہیں کرتے؟)

الإبل۔ السماء۔ الجبال، الأرض ۔ عجائب کائنات تو لاانتہا اور غیر محدود ہیں، خصوصیت اور صراحت کے ساتھ ذکر انھیں چار چیزوں کا کیوں کیا گیا ہے؟ ـــــ جواب ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے مخاطب اول، اہل عرب کا سابقہ انھیں چار چیزوں سے ہر وقت رہتا تھا، ریگستان میں پھرتے پھراتے رہتے تو سواری میں خود اونٹ رہتے تھے، اور اطراف میں پہاڑیاں، اوپر نظر اُٹھائی تو آسمان، نیچے نظر کی تو زمین۔ ایسوں کے سامنے بحر ہند اور کوہ قاف کے نام لینے کے کوئی معنی نہ تھے۔

ضمناً یہ مضمون بھی آیت میں آگیا کہ آسمان ہو یا زمین، پہاڑ ہو، یا جانور، اپنے اندر کوئی شائبۂ الوہیت و معبودیت نہیں رکھتا، جیسا کہ مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ یہ تمام تر مصنوع و مخلوق ہیں، اور اپنی ساخت و ترکیب کے پُر صنعت و پُر حکمت ہونے کے لحاظ سے وجود صانع عالم و حکیم مطلق پر ایک مستقل دلیل۔

عاشق صنع خدا باقر بود
عاشق مصنوعِ حق کافر بود

الإبل۔ اونٹ کا وجود دُنیا کے ایک بڑے حصے کے حق میں ایک نعمتِ خداداد ہے، ہندوستان میں راجستھان اور پاکستان میں سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحد میں اور منگولیا، مشرقی ترکستان، ایشیائے کوچک، عراق، شام، فلسطین، طرابلس، مراقش وغیرہ میں، افریقہ اور ایشیا کے براعظموں کے اکثر علاقوں میں اس کا وجود جتنی بڑی نعمت ہے اُس کا علم جغرافیہ کا ہر طالب علم رکھتا ہے۔ عرب و اطراف عرب میں اُسے اہمیتِ خصوصی تو آج بھی حاصل ہے۔ اور اس مشینی دور سے قبل تو بہت ہی زائد تھی۔

اُونٹ علاوہ عام بار برداری اور تجارتی قافلوں میں کام آنے کے جنگی اعتبار سے بھی ایک بڑا کارآمد جانور رہ چکا ہے اور ابھی چند سال قبل تک ہندوستانی فوج میں مستقل دستے شتر سواروں کے رہتے تھے (اور اب بھی یہ سلسلہ کسی حد تک قائم ہے) اونٹ گاڑیاں ہندوستان میں کثرت سے چلتی رہتی تھیں اور سانڈنی سواروں کی اہمیت ماضی کے ہر دور میں رہا کی ہے ـــــ ایک ماہر حربیات کا لکچر لندن میں حال میں ایک علمی مجلس کے سامنے ہوا تھا، جس میں اُس نے کہا کہ میدانِ جنگ میں صدیوں تک اُونٹ سے کام ہلکے پھلکے ٹینک کا لیا جاتا رہا ہے اور اُونٹ کی یہ نافعیت تو اب کہیں جا کر ختم ہوئی ہے، جب موٹر گاڑیاں نکل آئیں۔ (ملاحظہ ہو عبدالماجد دریابادی کا رسالہ حیواناتِ قرآنی)

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ

آپ اُن پر کچھ داروغہ تو ہیں نہیں ۶۔ ہاں البتہ جو منہ پھیرے رہے گا اور کفر کرے گا سو اللہ اس کو

ساتھ ہی یہ غور بھی کرلیا جائے کہ آیت میں ذکر جن چار چیزوں کا ہے وہ کس جہت اور کس اعتبار سے ہے ـــــــ اونٹ کا ذکر اس کی ساخت وترکیب کی حکمتوں اور صناعیوں کے لحاظ سے ہے (کیف خلقت) ـــــــ آسمان کا ذکر اس کی ناقابل پیمائش بلندی کے لحاظ سے ہے، اُونچی سے اونچی عمارت بناتے چلے جایئے۔ بڑی سی بڑی اُڑان فضا میں کیا معنی، خلا میں جاری رکھئے، یہاں تک کہ خلائی جہاز سے کسی تارے تک پہنچ جایئے، بہرحال جب بھی آسمان اوپر ہی رہے گا (کیف رفعت) ـــــــ پہاڑوں کا بیان ان کے ثبات وتمکنت کے پہلو سے ہے، سیلاب آئے، طوفان آئے، آندھی چلے، پانی برسے، پہاڑ اپنی جگہ پر قائم (کیف نصبت) ـــــــ زمین کا نام لیا گیا تو اس کی مفروشیت ''اس کے فرش ہونے کے لحاظ سے'' کوئی سی بھی چیز ہو، زمین اس کے لیے بہرحال فرش کا کام دیتی ہے (کیفت سطحت)۔

۶ (اس لیے آپ کو زیادہ فکر، تردد وتعب میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں)

رسول کا پورا منصب ان دو مختصر فقروں میں واضح کر دیا گیا ہے۔ رسول کی اصل حیثیت صرف مُذکّر (یاددلانے والے اور نصیحت کرنے والے) کی ہوتی ہے۔ وہ امت پر مصیطر (اُمت کے ایمان وعمل کا ذمہ دار یا ٹھیکہ دار) کسی حیثیت سے بھی نہیں ـــــــ اور جب یہ حیثیت خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں تو کسی نائبِ رسول یا کسی عالم ودرویش کا کیا ذکر ہے!

إنما۔ کلمہ حصر بہت قابل غور ہے، آپ کی حیثیت بس مُذکر ہی کی ہے، اس سے زائد کی نہیں۔

مصیطر۔ مُفَیعل کے وزن پر ہے اور سطر اور صطر دونوں مادّے ہم معنی ہیں۔

والأصل السين والصاد بدل منه، فإنه من السطر بمعنى التسلط.

(روح، ج۳۰/ص:۱۱۷)

یہ اسم مصغر ہے جس کا کوئی مکبر نہیں، ایسے بعض لفظ لغت عربی میں اور بھی ملتے ہیں، مثلاً مھمین، اور عربی میں تصغیر لازماً تحقیر ہی کے لیے نہیں آتی بلکہ کہیں مدح وتحسین بھی اس سے مقصود ہوتی ہے۔

الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۝٢٤ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝٢٥ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ۝٢٦

بڑی ہی سزا دے گا، بے شک ان کا آنا ہمارے ہی پاس ہوگا، بس ہمارا ہی کام اُن سے حساب لینا ہے ؎

العرب تصغر الاسم على المدح لا تريد به التحقير. (ابن خالويه، ص:٧١)

اس لفظ کا فارسی ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''گمرشتہ'' سے کیا ہے اور شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، مولوی نذیر احمد وغیرہم نے اردو ترجمہ ''داروغہ'' سے۔

؎ (نہ کسی اور کے پاس آتا اور نہ کسی اور کے ذمہ حساب ہوتا)

إیـاب۔ یعنی مراجعت اور حساب، یعنی سوال و جواب، جزا و سزا کا تعلق صرف ذاتِ باری تعالیٰ سے ہے، نہ کہ کوئی مختار کل ہے، نہ کوئی شافع الاطلاق ـــــ یہ ضرب مسیحی عقیدۂ شفاعت مطلقہ پر تو کھلی ہوئی ہے، اور ضمناً دوسرے اہل باطل پر۔

تـولـى و كفر کا کھلا نتیجہ عذابِ اکبر میں مبتلا ہونا ہے، یہ حقیقت یہاں فصاحت سے بیان کردی گئی۔

إلّا کو یہاں لاکن کا مرادف مانا گیا ہے، اُردو کے ''لیکن'' کے معنی میں۔

إلّا بمعنى لكن أى لكن من تولى و كفر. (ابن خالويه، ص:٧٢)

وإلّا فيه بمعنى لكن. (روح، ج٣٠/ص:١١٧)

علينا حسابهم۔ یعنی اُن کا حساب ہم یقیناً لے کر رہیں گے۔

على کا تعلق جب اللہ سے ہوتا ہے تو مراد عمل کے وقوع سے ہوتی ہے اور اس کا وقوع مؤکد ہوجاتا ہے۔

كان معناه الوقوع وتاكيده. (برهان، ج٤/ص:٣٦٨)

(۸۹)

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ فجر مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴

قسم ہے فجر کی، اور دس راتوں کی، اور جفت کی، اور طاق کی، اور رات کی جب وہ جانے لگے [۱]

[۱] یعنی گزری ہوئی رات کی ——— گویا یہ لفظ ٹھیک الفجر کے مقابلے میں ہے۔
قسم جب کہ بار بار آچکا ہے عربی میں موقع استشہاد پر آتی ہے یعنی جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے وہ زبانِ حال سے گواہی دے رہی ہے۔

لیال عشر۔ تابعین بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ان دس راتوں سے مراد ماہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہے جس کی بڑی فضیلتیں حدیث میں آئی ہیں۔

عن عبد اللّٰه بن زبير (وليال عشر) أول ذي الحجة إلى يوم النحر. (ابن جرير، ج ۲۴/ص:۳۴۶)

دونوں (أيام) کے بجائے راتوں (لیال) کا ذکر خاص اہل عرب کے ذوق کی رعایت سے ہے، ان کے ہاں ۲۴ گھنٹے والے دن کی ابتدا بجائے طلوعِ آفتاب کے غروبِ آفتاب سے ہوتی ہے۔
پھر لیال کا ذکر بجائے صیغۂ معرفہ کے (الليال) کے صیغۂ نکرہ (لیال) میں لانا اظہارِ تکریم کے لیے ہے۔

والتنكير دال على الفضيلة العظيمة. (كبير، ج ۳۱/ص:۱۴۸)

نكرت لزيادة فضيلتها (مدارك، ص:۱۳۴۵)

هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ۝۵ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝۶

یقیناً اس میں قسم ہے (ہر) صاحب فہم کے لیے ۲ کیا آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے پروردگار نے کیا معاملہ (قوم) عاد کے ساتھ کیا

الشفع (جفت) اور الوتر (طاق) اپنے عموم اطلاق کے لحاظ سے حاوی ہیں دُنیا کے ہر زوج اور ہر فرد پر اور اس طرح کائنات کی ساری چیزیں ان دو کے تحت میں آجاتی ہیں۔

قال الحسن البصری وزید بن أسلم الخلق كلهم شفع ووتر. (ابن كثیر، ج٤/ص:٤٥٩)

الأشیاء كلها شفعها ووترها. (بیضاوی، ج٥/ص:١٨٤)

یہ معنی بھی لیے گئے ہیں کہ شفع ہر مخلوق وحادث ہے، نیز اس اعتبار سے کہ ہر مخلوق اپنے جوڑ کی کوئی دوسری مخلوق رکھتی ہے، جیسے نور وظلمت، خیر وشر، بلندی وپستی، ایمان وکفر۔ اور حق تعالیٰ کی ذات قدیم وخالق ہے، ہر لحاظ سے منفرد وواحد ہے۔

قیل الشفع المخلوقات من حیث إنها مركّبات...... والوتر هو اللّٰه من حیث إن له الوحدة من كل وجه. (راغب، ص:٢٩٥)

قال أبوبكر الوراق: الشفع: تضادّ أوصاف المخلوقین. والوتر: انفراد صفات اللّٰه تعالی عز بلا ذل، وقوة بلا ضعف. (قرطبی، ج٢٠/ص:٤١)

اس عمومی مفہوم سے قطع نظر تابعین سے مروی ہے کہ الشفع سے اشارہ ۱۰/ ذی الحجہ کی متبرک تاریخ ہے، جسے یوم منیٰ بھی کہتے ہیں اور الوتر سے اشارہ ۹/ ذی الحجہ کی متبرک تاریخ کی طرف ہے جو عین یوم الحج بھی ہے۔

عن قتادة قال كان عكرمة یقول الشفع یوم الأضحی، والوتر یوم العرفة. (ابن جریر، ج٢٤/ص:٣٥٠)

الشفع یوم النحر، والوتر یوم عرفة. (ابن جریر، ج٢٤/ص:٣٤٨)

واللیل إذا یسر۔ مخصوص ومتعین فضیلتوں والی راتوں کے بعد اب ذکر مطلق رات کا ہے کہ وہ بھی فجر ہی کی طرح اللہ کی یکتائی، قدرت وربوبیت پر گواہی دینے والی ہے۔

۲ یعنی اُوپر جو قسمیں مذکور ہوئیں، ان میں سے ہر قسم تاکید کلام واستشہاد کا پہلو رکھتی ہے۔

إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝٧ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝٨ وَثَمُودَ الَّذِينَ

یعنی ستون جیسے قد والی ارم (کے ساتھ) جس کا مثل شہروں (شہروں) میں نہیں پیدا کیا گیا تھا ۲ اور قوم ثمود کے ساتھ (کیا گیا) جو

هل۔ یہاں استفہامی نہیں، تاکیدی ہے إنّ یا قد کے مترادف۔

هل بمعنى إن. (أبو البقاء، ص:١٥٣٥)

هل هنا في موضع (إنّ)، المراد بذلك التأكيد. (قرطبي، ج٢٠/ص:٤٣)

ذلك۔ یعنی جو ابھی اوپر مذکور ہو چکا۔

أي في ما ذكرت. (معالم، ج/ص:٢٤٨)

إشارة إلى المصدر أعني الأقسام. (روح، ج٣٠/ص:١٢٢)

لذي حجر ۔ صیغۂ نکرہ نے یہ مفہوم پیدا کر دیا کہ ہر شخص جس میں کچھ بھی فہم ہے ایسی قسموں کو معظم سمجھے گا۔

۳ (زور و قوت، قد و قامت کے لحاظ سے)

ألم تر۔ یہ ترکیب قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آئی ہے اس میں رویت سے مراد رویتِ عینی نہیں بلکہ رویتِ علمی، یا خبر و علم مرتبۂ تحقیق کا مراد ہے اور یہی صورت یہاں بھی ہے۔

وكل ما في القرآن من "ألم تر" فمعناه ألم تخبر، ألم تعلم، وليس من رؤية العين. (ابن خالويه، ص:٧٥)

وهذه الرؤية رؤية القلب. (قرطبي، ج٢٠/ص:٤٤)

بعين قلبك. (ابن جرير، ج٢٤/ص:٣٦١)

بعاد ۔ عاد پر حاشیے سورۃ الأعراف (آیت ٦٥) میں گزر چکے۔

إرم ذات العماد۔ قوم عاد سے مراد قوم عاد اولیٰ کے ہیں اور نام إرم اس کے شجرۂ نسب میں کوئی نامور شخص گزرا ہے، جس کی جانب وہ قوم منسوب تھی۔

وهم ولد عاد بن إرم بن عوص بن سام بن نوح. (ابن كثير ج٤/ص:٤٦١)

اسم لجدّ عاد. (كبير، ج٣١/ص:١٥١)

تسمية لهم باسم جدهم و التسمية بالجد شائعة. (روح، ج ۳۰/ص:۱۲۲)

لغوی معنی اس پتھر کے ہیں جو دلیلِ راہ کے طور پر زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے۔

اور اسی سیاق میں مراد بلند و مزین ستونوں سے لی گئی ہے۔

إشارة إلى أعمدة مرفوعة مزخرفة. (راغب، ص:۲۳)

بعض مفسرین نے اللہ انھیں معاف فرمائے ارم کے معنی بہشت سمجھ کر اسے کوئی شہر فرض کر کے بہشت شداد کے قصے عجائب کے طور پر نقل کر دیے ہیں، محققین کا فیصلہ ہے کہ یہ حکایتیں موضوع اور تمام تر لغو ہیں۔

فإن هذا كله من خرافات الإسرائيليين من وضع بعض زنادقهم ليختبروا بذلك عقول الجهلة من الناس أن تصدقهم في جميع ذلك. (ابن كثير، ج ٤/ص:٤٦١)

وخبر شداد المذكور أخوه في الضعف بل لم تصح روايته كما ذكره الحافظ ابن حجر فهوموضوع كخبر ابن قلابة. (روح، ج ۳۰/ص:۱۲۳)

ذات العماد ۔عماد، عمادة کی جمع ہے، معنی بلند عمارتوں کے ہیں۔ذات العماد سے مراد قد آور لوگ بھی ہو سکتے ہیں اور بلند عمارتوں والے بھی ـــــ لغوی اعتبار سے دونوں ترجمے دُرست ہیں۔

قال أبو عبيدة ذات الطول وقيل ذات البناء الرفيع. (لسان، ج۹/ص:۳۸۷. تاج، ج۵/ص:۱۲٤)

تاریخی اعتبار سے بھی دونوں مفہوم صحیح ہیں، یعنی قوم عاد کے لوگ بڑے قد آور بھی تھے اور عمارتیں بھی بڑی بلند بناتے تھے، اہل تفسیر سے دونوں قول منقول ہیں۔

يعني طولهم مثل العماد. (ابن جرير عن ابن عباس، ج ٢٤/ص:٣٦٥)

قالوا كانوا طوال الأجسام. (ابن جرير ج ٢٤/ص:٣٦٥)

أهل عمود لايقيمون. (ابن جرير ج ٢٤/ص:٣٦٥)

قيل ذلك لهم؛ لبناء بناه بعضهم، فشيّد عمده ورفع بناءه. (ابن جرير ج ٢٤/ ص:٣٦٦)

ابن کثیر نے جن کی نظر تاریخ پر تمام قدیم مفسرین سے زیادہ ہے لکھا کہ یہ قوم خیموں، ڈیروں میں رہتی تھی، جن کی چوبیں بڑی اونچی ہوتی تھیں اور یہ لوگ بڑے قد آور، جسیم اور زور آور بھی تھے۔

جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ

وادیوں میں پتھر کو تراشتے تھے ۹؎ اور فرعون

كانوا يسكنون بيوت الشعر التى ترفع بالأعمدة الشداد، وقد كانوا أشد الناس فى زمانهم خلقة وأقواهم بطشاً.

اور پھر آگے لکھا ہے:-

وقال مجاهد وقتادة والكلبى كانوا أهل عمد لا يقيمون، وقال العوفى عن ابن عباس إنما قيل لهم ذات العماد لطولهم، واختار الأول ابن جرير، وردّ الثانى فأصاب (ابن كثير، ج٤/ص:٤٦١)

''مجاہد وقتادہ اور کلبی سے روایت ہے کہ یہ لوگ ستونوں والے تھے اور ایک جگہ قیام نہیں رکھتے تھے اور عوفی نے ابن عباس کی سند سے بیان کیا ہے کہ یہ بڑے لمبے قد کے تھے، ابن جریر نے پہلے قول کو قبول کیا ہے اور دوسرے کو بجا طور پر رد کر دیا ہے''۔

التی۔ اشارہ عماد کی طرف نہیں بلکہ قوم عاد یا قبیلہ ارم کی جانب ہے۔

والمراد من السياق إنما هو الأخبار عن القبيلة. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٦٢)

أى تلك القبيلة. (معالم، ج٥/ص:٢٤٩)

أى لم يخلق مثل تلك القبيلة فى البلاد يعنى فى زمانهم، وهذا القول هو الصواب. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٦١)

مثلها۔ ضمیر مؤنث غائب یا تو قبیلے کی جانب ہے یا شہر کی جانب۔

الضمير يرجع إلى القبيلة......وقيل يرجع للمدينة، والأول أظهر، وعليه الأكثر. (قرطبى، ج٢٠/ص:٤٦)

مثلیت کس چیز میں تھی؟ ظاہر ہے کہ اس قوم یا قبیلے کی خصوصیات کے لحاظ سے، یعنی ان لوگوں کے ملکۂ حسن تعمیر کے لحاظ سے۔

۹؎ (اور سنگ تراشی میں نادرۂ روزگار تھے)

ذِی الْاَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾

لشکروں والوں کے ساتھ (کیا گیا) ۵ جن (سب) نے شہروں میں سر اُٹھار کھا تھا اور ان میں بڑا بگاڑ پھیلا رکھا تھا

قوم ثمود جو اپنے زمانے میں سنگ تراشی، تعمیرات اور انجینئری میں ممتاز رہی ہے، اس پر حاشیے سورۃ الاعراف (آیت ۷۳) میں گزر چکے ہیں۔

الواد۔ یعنی اپنی بستی کی وادیوں میں یہ سلطنت ثمود عرب کے شمال و مغرب میں تھی، برخلاف سلطنت عاد کے جو عرب کے جنوب مشرق میں تھی۔ دار السلطنت الحجر تھا، اس پر حاشیے سورۃ الحجر (آیت ۸۰) میں گزر چکے۔

۵ فرعون اور اس کے لشکر کی بربادی کا ذکر کئی بار آچکا ہے اور اُن پر حاشیے بھی گزر چکے۔

ذی الأوتاد۔ أوتاد سے مراد لشکروں سے لی گئی ہے، ابن عباس صحابی سے یہی معنی مروی ہیں اور بہت سے مفسروں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

عن ابن عباس قال الأوتاد الجنود الذی یشدّون له أمره. (ابن جریر، ج ۲۴/ص: ۳۷۱)

أی الجنود والعساکر والجموع والجیوش التی تشدّ ملکه. (قرطبی، ج ۲۰/ص: ۴۸)

قال بعضهم معنی ذلك ذی الجنود الذین یقوّون له أمره. (ابن جریر، ج ۲۴/ص: ۳۷۰)

ذی الجنود الکثیرة. (مدارك، ص: ۱۳۴۶)

خداوند لشکرِ بسیار۔ (ترجمہ سید شریف جرجانی)

کثرة جنوده. (کشاف، ج ۴/ص: ۷۳۶. بیضاوی، ج ۵/ص: ۱۸۴)

محاورۂ عرب میں اس سے مراد صاحبِ شوکت و حشمت لی گئی ہے۔

أی ذی الملك والرجال. (کبیر، ج ۳۱/ص: ۱۵۳)

قدیم اصطلاح میں ایک سزا جو میخ کرنے کی آتی ہے یعنی مجرم کو زمین پر لٹا کر اس کے ہاتھوں پیروں میں میخیں ٹھونک دی جائیں، اور روایتوں میں آتا ہے کہ مصر کے قانون عہد فرعون میں یہ سزا بھی رائج تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو ذی الأوتاد میں اشارہ اس طرف بھی ہوسکتا ہے۔

ملاحظہ ہو سورۂ ص آیت ۱۲ کا حاشیہ۔

فَصَبَّ عَلَيۡهِمۡ رَبُّكَ سَوۡطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ

پھر اللہ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا ٦ بے شک آپ کا پروردگار

٦ قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون، تینوں کے زمانے تاریخ میں، تینوں ملک یا سرزمینیں بھی مختلف، لیکن آخرت فراموشی اور توحید بیزاری تینوں میں مشترک، لازماً عذاب میں بھی تینوں شریک۔ سبب کے اشتراک نے نتیجے میں بھی اشتراک پیدا کر دیا۔

الفساد۔ فساد عربی میں صلاح کی ضد ہے، اور فسق و معصیت کی ہر قسم جامع ــــــ راہِ عدل واعتدال سے ہر انحراف، ہر افراط و تفریط فساد ہی میں داخل ہے، اُردو میں اس جامعیت کا لفظ بگاڑ ہی ہے۔

الفساد خروج الشيئ عن الاعتدال قليلاً كان الخروج عنه أو كثيراً ويضاده الصّلاح. (راغب، ص:٤٢٥)

الفساد ضد الصلاح فكما أن الصلاح يتناول جميع أقسام البر، فالفساد يتناول جميع أقسام الإثم. (كبير، ج ٣١/ص:١٥٣)

طغوا فى البلاد ۔ یہ جاہلی سرکش قومیں اپنے اپنے ملکوں اور شہروں میں اخلاقی مفسدے بھی پھیلاتی رہی ہیں۔

سوط عذاب۔ عذابِ الٰہی کو سوط سے تعبیر کیا گیا ہے، اور نزولِ عذاب کو برسانے (صبّ) سے، یہ استعارے سے مقصود شدتِ عذاب کا اظہار ہے، یہ مراد نہیں نزولِ عذاب تازیانوں کے ذریعے سے ہوا۔

السوط الذى يضرب به والجمع أسواط، قوله تعالى: سوط عذاب أى نصيب عذاب. (جوهرى، ج٦/ص:٤٣١)

قيل المراد بالشدة هنا الشدة أى شدة عذاب. (تاج، ج١٠/٣٠٠. لسان، ج٦/ص:٤٣١)

تشبهياً بما يكون فى الدنيا من العذاب بالسّوط. (راغب، ص:٢٧٨)

الخبر عن شدة العذاب الذى يعذّب به الرجل. (ابن جرير، ج٢٤/ص:٣٧٣)

وقال الفراء: وهى كلمة تقولها العرب لكل نوع من أنواع العذاب.

(قرطبى، ج٢٠/ص:٤٩)

لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ

تاک میں ہے ۷ اب رہا انسان تو اُسے اس کا پروردگار جب آزماتا ہے یعنی اسے انعام واکرام دیتا ہے

فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ

تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری قدر بڑھادی ۸ اور جب وہ اسے (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس پر اس کی روزی تنگ کردیا تو وہ کہتا ہے

رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ

کہ میرے پروردگار نے مجھے بے قدر کردیا ۹ یہ بات نہیں ۱۰ اصل یہ ہے کہ تم لوگ یتیم کا اکرام نہیں کرتے، اور نہ ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو

قال أهل المعانی هذا علی الاستعارة لأن السوط استعارة عندهم غاية العذاب.

(معالم، ج ۵/ص: ۲۵۱)

۷ چنانچہ اگلے سرکشوں کو تو ہلاک کرہی چکا ہے، اور موجودین کی طرف سے بھی غافل نہیں ہے، وہ ہر حال میں ہر بندے کے لیے حاضر و ناظر ہے، ایک ہی حقیقت کا وعدہ جو فرماں بردار بندوں کے حق میں خوشخبری ہے اور نافرمانوں کے حق میں دھمکی۔

لبالمرصاد۔ ل تاکید کا ہے۔

۸ حق تعالیٰ کی طرف سے جب کسی انسان کو مادّی اکرام واعزاز عطا ہوتا ہے، تو مقصود اس سے اس کی شکرگزاری کا امتحان ہوتا ہے، لیکن دُنیا پرست دُنیا ہی کو مقصودِ زندگی سمجھنے والا انسان اپنی حماقت سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ اعزاز واکرام حاصل ہوا، میری ہی ذاتی قابلیت کا نتیجہ ہے اور میں مستحق ہی اس کا تھا ـــــــ چونکہ مقصودِ حیات اس کا یہی دُنیا ہوتی ہے، وہ اس کی فراخی وخوشحالی کو اپنی کامیابی کی دلیل سمجھتا ہے۔

الإنسان۔ اس سیاق سے مراد انسان سے دُنیا پرست وآخرت فراموش انسان سے ہوتی ہے۔

يعني الكافر. (قرطبی، ج ۲۰/ص: ۱۸۵)

المراد كل من كان موصوفاً بهذا الوصف وهو الكافر الجاحد ليوم الجزآء.

(کبیر، ج ۳۱/ص: ۱۵۵)

فلا يهمه إلا الدنيا ولذاتها. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۱۸۵)

طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ

مسکین کے کھلانے کی، اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے محبت

حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ

بہت ہی زائد رکھتے ہو !! (یہ بات) ہرگز نہیں (کہ عذاب نہ آنے کا) جس وقت زمین کو توڑ کر ریزہ ریزہ کردیا جائے گا، اور آپ کا پروردگار آجائے گا

۹ انسان پر جب مال کی تنگی کردی جاتی ہے تو مقصود اس سے اس کے صبر و تسلیم کا امتحان ہوتا ہے، ناشکرا انسان اس پر ہر طرف شکوہ و شکایت کے دفتر کھولے پھرنے لگتا ہے، وہ مال و دُنیا کی اس کمی کو اپنی محرومی اور بد نصیبی سے تعبیر کرنے لگتا ہے ـــــــ یہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ دُنیا پرست انسان کا سارا معیار راحت و رنج، مالِ دُنیوی ہی کے بیش و کم کا تابع رہتا ہے۔

۱۰ مقصود یہ بتانا ہے کہ دُنیا پرست انسان کے یہ سارے خیالات موہوم ہیں اور یہ سارے مزعومات باطل، نہ دُنیا مقصود بالذات ہے، نہ خوشحالی اِترانے کی چیز اور نہ تنگ معاشی دلیلِ حرمان ـــــــ زندگی کے سارے اُتار چڑھاؤ میں مقصود بہر حال اس کے ظرف کا امتحان ہی رہتا ہے۔

أي ليس الأمر كما يظن فليس الغنى لفضله وليس الفقر لهوانه وإنما الفقر والغنى من تقديري و قضائي. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۵۲)

اور تکوینِ تقدیری کا تعلق عموماً قوانینِ مادّی ہی سے رہتا ہے، نہ دولت و ثروت علامتِ خیر و فلاح اور نہ فقر و تنگ دستی دلیلِ معتوبی ـــــــ راحت بس آخرت کی راحت اور مصیبت بس آخرت کی مصیبت ہے۔

۱۱ (اور حبِ مال کے اسی غلو میں پڑ کر خالق و مخلوق اور شریعت کے قائم کیے ہوئے حدود سب بھول جاتے ہو!)

لا تکرمون الیتیم۔ یتیم کے حقوق کی نگہداشت کے باب میں یہ آیت پہلی نہیں، کئی آیتیں پہلے بھی اسی مفہوم کی آچکی ہیں اور ابھی اور بھی آئیں گی۔

یہاں یہ بتایا ہے کہ یتیم تو اللہ کی نظر میں قدر و اکرام کا مستحق ہے، تم اُسے اُلٹا حقیر سمجھتے ہو، اس کے حقوق غصب کر لیتے ہو، اُس کا مال تلف کردیتے ہو!

اکرام کا لفظ اس سلسلے میں بڑا قابل غور ہے! قرآن اتنا ہی نہیں چاہتا ہے کہ اُمت کے جو لڑکے سایۂ پدری سے محروم ہو چکے ہیں اُن کی پرورش کسی نہ کسی طرح ہو جائے بلکہ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ ان کا اکرام بھی کیا جائے ـــــ فقہائے مفسرین نے لکھ دیا ہے کہ آیت میں یتیم کے اکرام کا حکم موجود ہے۔

فیه أمر بالإکرام له. (ابن کثیر، ج٤/ص:٤٦٣)

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل ہوئی ہے:۔

عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم خیر بیت فی المسلمین بیت فیه الیتیم یحسن إلیه، وشر بیت فی المسلمین بیت فیه یتیم یساء إلیه. (ابن کثیر، ج٤/ص:٤٦٣)

''مسلمانوں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک ہوتا ہے اور مسلمانوں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی ہوتی ہے۔''

ولا ...... المسکین۔ شریعت نے ناداروں، مفلسوں کا حق مالداروں پر یہ قائم کیا ہے کہ وہ اُنھیں بُلا بُلا کر کھانا کھلائیں۔

التراث سے مراد یتیم کا حصۂ میراث ہی لی گئی ہے یعنی ایسے حریص ہو کر اسے بھی ہڑپ کر جاتے ہو۔

أی میراث الیتامی. (قرطبی، ج٢٠/ص:٥٣)

لمًّا۔ یعنی اپنے ساتھ اپنے شریکوں کا حصہ بھی سمیٹ کر۔

أکلاً لماً أی نصیبه ونصیب صاحبه. (جوهری، ج٥/ص:٢٠٣٣)

معناه أکلاً شدیداً. (ابن خالویه، ص:٨٢)

جماً۔ جم کے معنی ہیں، بہت زیادہ۔

الجم الکثیر والشدید. (ابن خالویه، ص:٨٢)

حباً کثیراً شدیداً. (ابن کثیر، ج٢٤/ص:٣٨٢)

مال کی محبت فی نفسہٖ ممنوع نہیں، وہ تو طبعی ہے۔ مذمت جو آئی ہے وہ اس حبِ مال میں غلو کی ہے۔

صیغہ شروع سے غائب کا چلا آ رہا تھا، بل تکرمون سے مخاطب کا شروع ہو گیا، عربی میں اسے صنعتِ التفات کہتے ہیں، اس کا استعمال موقع ترقی پر ہوتا ہے، جہاں ترقی قول سے فعل کی جانب ہوتی ہے۔

وَّالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایۡٓءَ یَوۡمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۬ۙ یَوۡمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ

اور فرشتے بھی صف درصف، اور جہنم کو اس روز لے آیا جائے گا، اور اس روز انسان چیتے گا

وَاَنّٰی لَهُ الذِّکۡرٰی ﴿۲۳﴾ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ

لیکن اب چیتنے سے کیا ہوتا ہے ۱۲؎ وہ کہے گا، کاش میں

انتقال وترق من ذمه بالقبيح من القول إلى الأقبح من الفعل. (روح، ج ۳۰/ص:۱۲۷)

اور مقصود اس سے مذمت کو اشد اور زیادہ مؤکد بنانا ہے۔

الالتفات إلى الخطاب لتشديد التقريع وتأكيد التشنيع. (روح، ج ۳۰/ص:۱۲۷)

۱۲؎ مولوی نذیر احمد مرحوم کا ترجمہ ہے ''اور جب زمین کو مارے دھکوں کے چکنا چور کر دیا جائے گا''۔

یعنی حشر میں حقائق کے کشف ومشاہدے کے بعد جب یقین آئے گا بھی تو کیا؟ آخرت تو دارالجزاء ہے، وہاں کے نو پیدا یقین وایمان سے حاصل کیا ہوگا؟

من أين له منفعة الذكرى. (كبير، ج ۳۱/ص:۱۵۹. مدارك، ص:۱۳۴۸)

نفع تو جبھی ہو سکتا تھا جب اس دنیا میں سمجھ درست ہو گئی ہوتی اور یقین وایمان یہاں آ گیا ہوتا!

إذا......دكاً۔ یعنی جب زمین کی بلندیوں کو توڑ کر سب کی سطح ایک کر دی جائے گی۔

جـــاء ربك۔ حق تعالیٰ کے حشر میں تشریف لے آنے سے مراد اس وقت کسی ایسی تجلی کا ظہور ہے جو اِس وقت نا قابل فہم ہے ـــــ اور اسی لیے آیت کا شمار محققین عارفین نے آیاتِ متشابہات میں کیا ہے۔

اہل لغت نے لکھا ہے کہ فعل جـــاء سے مراد ہر جگہ اصالۃً بالذات کی آمد نہیں ہوتی بلکہ کہیں محض امر کا ظہور مقصود ہوتا ہے، چنانچہ اس آیت میں بھی یہی ہے۔

فهذا بالأمر لا بالذّات. (راغب، ص:۱۱۷)

باقی ائمہ تفسیر تو کثرت سے اس طرف گئے ہیں کہ یہاں مضاف امر محذوف ہے اور تقدیر کلام یوں ہے: وجاء أمر ربك، یعنی حق تعالیٰ کے احکام یا فیصلوں کا ظہور ہونے لگے۔

قَدَّمۡتُ لِحَيَاتِيۡ ۝٢٤ فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ۝٢٥ وَّلَا يُوۡثِقُ

اپنی زندگی کے لیے کوئی عمل پہلے بھیج چکا ہوتا ۱۳؎ بس اُس روز نہ اس کا سا عذاب دینے والا کوئی نکلے گا اور نہ اس کے جکڑنے والے کا سا

أى جآء هم الرب بالآيات العظيمة. (قرطبى، ج ٢٠/ص:٥٥)

قال الحسن جآء أمره وقضاؤه. (معالم، ج ٥/ص:٢٥٢)

وجآء أمر ربك بالمحاسبة والمجازاة. (كبير، ج ٣١/ص:١٥٨)

أى وجآء أمر ربك وقضاؤه سبحانه. (روح، ج ٣٠/ص:١٢٨)

والملك۔ لفظ واحد ہے مگر مراد جنس ملائکہ ہے، اس لیے معناً صیغۂ جمع۔

أى جنس الملك فيشمل جمع ملائكة السمٰوات عليهم السلام. (روح، ٣٠/ص:١٢٨)

فالمعنى أنه تنزل ملائكة كل سماء. (كبير، ج ٣١/ص:١٥٨)

صفاً صفاً۔ یعنی صفوفِ ملائکہ۔

صفوف الملائكة. (ابن جرير، ج ٢٤/ص:٣٨٩)

وجاىٓ......بجهنم۔ یعنی دوزخ میدانِ حشر میں کھینچ کر لے آئی جائے گی۔

الإنســـــان۔ یہاں بھی مراد کافر انسان ہے جو اس عارضی وناسوتی زندگی میں پڑ کر آخرت کی مستقل وپائیدار زندگی بھلائے ہوئے ہے، یہاں تک کہ اس کے انکار وتکذیب پر کمر بستہ ہو چکا ہے۔

وهو الكافر. (قرطبى، ج ٢٠/ص:٥٦)

أى الكافر. (جلالين، ص:٨٠٧)

۱۳؎ اور اس کا یہ کہنا انتہائی یاس وحسرت کے ساتھ ہوگا۔

لحياتي۔ غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن یہاں مطلق ''حیات'' کا لفظ کس حقیقت کی تعبیر کے لیے لا رہا ہے، اس کے لیے جسے ہم لوگ اپنی زبان میں حیات بعد الموت یا حیاتِ اُخروی سے تعبیر کرتے ہیں۔

يعنى بها الحياة الأخروية الدائمة. (راغب، ص:١٥٦)

أى لآخرتى التى لا موت فيها. (معالم، ج ٥/ص:٢٥٢)

وَّلَا يُوثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً

جکڑنے والا کوئی نکلے گا ۱۴ اے روح مطمئن! تو واپس چلی آ اپنے پروردگار کے پاس، اور خوش کرتی ہوئی

مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

اور خوش ہوتی ہوئی، پھر تو داخل ہو جا میرے (خاص) بندوں میں، اور داخل ہو جا میری جنت میں ۱۵

اور حقیقت کے اعتبار سے بھی ''حیات'' کا مطلق صورت میں اطلاق تو اس زندگی پر ہو سکتا ہے جس کا خاتمہ موت پر نہ ہو، اور وہ زندگی مستقل، دائمی اور پائدار ہو۔

إنما قال لحياتي ولم يقل لهذه الحياة على معنى أن الحياة كأنها ليست إلا الحياة فى الدار الآخرة. (كبير، ج ٣١/ص: ١٥٩)

یہ بھی خوب سمجھ لیا جائے کہ اسلام میں موت نام معدومیت کا نہیں، بلکہ اصل زندگی تو اس جسمانی ظاہری زندگی کے خاتمے کے بعد ہی شروع ہوتی ہے، اس کا اور اس عارضی وناسوتی زندگی کا کوئی مقابلہ ہی نہیں ــــــ کتنے نادان وکوتاہ بیں نابینا ہیں وہ روشن خیال جو ساری توقعات اسی عارضی وسریع الفنا عرصۂ حیات سے قائم رکھے ہوئے اور اپنی سرگرمی وتوجہ کا مرکز ومحور اسی جسم عنصری کو بنائے ہوئے ہیں!

یا لیتنی میں یا لگانے سے حسرت کا درجۂ شدت اور بڑھ جاتا ہے۔

العرب تقول عند التعجب وعند الأمر الشديد تقع فيه: يا حسرتا ويا عجبا، فيكون أبلغ من قولك: العَجَب من هذا. (ابن خالويه، ص: ٨٤)

۱۴ یعنی وہ سزا، یا قید ایسی ہوگی کہ کوئی نظیر ومثال اس کی موجود نہیں ــــــ محاورۂ زبان یوں ہی ہے کہ ایسا کوئی اور کر نہیں سکتا، ایسا کرنے والا کوئی اور نہیں۔

لا يعذب عذابه۔ معذب سے مراد اس سیاق میں کافر انسان ہی ہے۔

المعذب هو الكافر على العموم. (بحر، ج ٨/ص: ٤٧٢)

عذابه وثاقه۔ دونوں میں ضمیر غائب اللہ ہی کی طرف ہے۔

الهاء لله. (بيضاوى، ج ٥/ص: ١٨٥)

أى الله. (جلالين، ص: ٨٠٧)

۱۵ یہ بشارت عین پروازِ روح کے وقت ہر مومن مخلص کو ملے گی۔

قال ابن زید و جماعة أن ذلك القول عند الموت. (روح، ج۳۰/ص:۱۳۲)

والصحيح أنها عامة فی كل نفس مومن مخلص طائع. (قرطبی، ج۲۰/ص:۵۸)

اور اس وقت اس صدائے طرب میں جس قیامت کی موسیقیت، دلکشی، شیرینی، جاذبیت، معنویت ہوگی، اس کا پورا اندازہ بھی آج کوئی زندہ سلامت انسان بیٹھے بیٹھے محض ان الفاظ کو سن کر یا پڑھ کر نہیں کرسکتا۔ اس کی پوری قدر تو انشاء اللہ ہر مومن کو عین اس وقت ہوگی اور یہ اب کیا بتایا جائے کہ یہ صدائے جاں بخش کس کی ہوگی؟۔ عبادی اور جنتی میں ضمیر متکلم کی صراحت کے بعد ضرورت بھی کسی مزید صراحت کی کبھی کب باقی رہتی ہے؟

یٰا......المطمئنة۔ خطاب اسی نفس سے ہوگا، جسے حقانیتِ اسلام پر ایمان وایقان ہوگا، اور اُس میں نہ اُسے انکار ہوگا، نہ کوئی شک وتذبذب۔

اصطلاحِ صوفیہ میں نفوس مطمئنہ وہ نفوسِ مقدس ہیں، جو مرضیاتِ الٰہی اور احکام شریعت میں ایسے راسخ اور مطمئن ہوگئے ہیں کہ مخالفت کیا معنی، کراہت وگرانی کا بھی کوئی شائبہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ایسے نفوس حضراتِ انبیاء کے علاوہ اولیائے کاملین کے بھی ہوتے ہیں۔

ارجعی۔ اس لفظ نے صاف اشارہ کردیا کہ رُوح کا اصل وطن ومسکن جوارِ رحمتِ رب ہے، وہیں سے آئی ہے اور وہیں واپسی کی اُسے دعوت مل رہی ہے۔

أی إلى جواره وثوابه. (ابن کثیر، ج۴/ص:۴۶۴)

أی إلى محل عنايته تعالىٰ وموقف كرامته. (روح، ج۳۰/ص:۱۳۰)

لفظ رب کی بلاغت ملاحظہ ہو۔ حاکم، قادر، صانع کی طرف نہیں، اس کی طرف واپس آ، جس کا رشتۂ ربوبیت تجھ سے ہمیشہ سے جڑا ہے، ایسے شفیق، کریم ومحسن کی طرف آنے میں تجھے خوف ہی کیا ہوسکتا ہے؟ جھجک ہی کیا ہوسکتی ہے؟ ہم تو تیرے ہمیشہ کے جانے بوجھے ہوئے مربی ومنعم ہیں!

راضية مرضية۔ اس حال میں کہ تو اللہ سے خوش اور اللہ تجھ سے خوش ہے۔

کوئی حال اس سے زیادہ رفیع اور اس سے بڑھ کر محبوب ہوسکتا ہے!! اللہ اللہ

فی عبادی۔ مرتبۂ عبدیت کی افضلیت وارفعیت کے لیے یہی ایک لفظ کافی ہے۔ عارفین محققین نے لکھا ہے کہ مرتبۂ عبدیت آخر ترین وافضل ترین مقام ہے۔

فی۔ یہاں ظرفیت کے لیے ہے، اور ایک قول ہے کہ مع کے مترادف ہے۔

عبادی وجنتی۔ دونوں کا صیغۂ متکلم اور پھر ضمیر متکلم کا واحد ہونا شرف واختصاص کے اثبات کے لیے ہے۔

قرآن مجید کی جو آیتیں ہر عاصی و مایوس کے لیے آخری سہارا اور تنِ مُردہ کے لیے آبِ حیات کا حکم رکھتی ہیں، اس میں سورۃ الفجر کی یہ آخری چار آیتیں بھی اپنی نظیر آپ ہیں اور ہر صاحبِ دل کے لیے وجد آفریں ــــ اے اللہ تو اس نامہ سیاہ تفسیر نویس کو بھی وقتِ اخیر اسی صدائے دلنواز و جاں بخش سے مشرف فرما، اور اس کے ہر بزرگ و عزیز اور مخلص اور متوسل کو بھی، بلکہ ہر کلمہ گو کو!

(۹۰)

سُوْرَۃُ الْبَلَدِ مَکِّیَّۃٌ

سورۃ بلد مکی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی، اور آپ پر لڑائی اس شہر میں حرام ہونے والی ہے ۱؎ اور قسم ہے باپ کی

۱؎ لا أقسم۔ اس ترکیب پر پہلے حاشیے گزر چکے۔

حرف لا ہمیشہ نفی کے لیے نہیں آتا ہے، بلکہ بعض محاوراتِ عرب کا جز ہے، جہاں نفی کا شائبہ بھی مقصود نہیں ہوتا ہے، مثلاً:

إنما ھو کقول العرب لا واللّٰہ لا فعلت کذا، ولا واللّٰہ ما کان کذا. (قرطبی، ج۲۰/ص:۶۰)

لا جب قسم کے ساتھ آتا ہے تو معنی اور تاکید کے پیدا کر دیتا ہے۔

أنھا زیدت لمجرد التوکید وتقویۃ الکلام. (مغنی، ص:۳۲۹)

البلد۔ شہر سے مراد شہر مکہ ہے، جہاں آپ ان آیات کے نزول کے وقت بود و باش رکھتے تھے، اور جو آپ کا مولد تھا۔

یعنی بہ مکۃ. (راغب، ص:۷۰)

أعنی مکۃ، فإنہ المراد بالمشار إلیہ بالاجماع. (روح، ج۳۰/ص:۱۳۳)

شہر مکہ پر حاشیے مکۃ، بکۃ اور أم القریٰ ان کے تحت گزر چکے ہیں۔

وأنت...... البلد۔ پیش گوئی کا یہ فقرہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقِ رسالت پر بجائے خود ایک دلیل ہے۔

فھذا وعد من اللّٰہ عز وجلّ بأن یحلھا لہ. (معالم، ج۵/ص:۲۵۴)

وَّمَا وَلَدَ ۞ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ

اولاد کی ۲ کہ ہم نے بے شک انسان کو پیدا کیا ہے

مکہ میں جس مجبوری، محصوری، مظلومی کے عالم میں آپ اس وقت زندگی گزار رہے تھے اس کے پیش نظر کوئی ذہین ساذہین شخص بھی یہ خیال نہیں کرسکتا تھا کہ چند ہی سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر میں جہاد، وہ بھی فاتحانہ جہاد کا اعلان کریں گے!

اور اکثر تابعین سے یہی معنی منقول ہیں۔

عن ابن عباس قال أنت يا محمد يحل لك أن تقاتل به، و كذا روى عن سعيد بن جبير و أبى صالح وعطية و الضحاك وقتادة و السدى وابن زيد. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٦٥)

حل کے دوسرے معنی مقیم کے ہیں، اس صورت میں آیت کے معنی ہوں گے کہ درآنحالیکہ آپ اس شہر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

أى نازل بهذا البلد. (ابن عباس، ص:٣٨٩)

أى فأنت مقيم به، وهذا هو الظاهر. (بحر، ج٨/ص:٤٧٤)

آیت کا یہ مفہوم شہر مکہ کی عظمت وشان میں اور اضافہ کرتا ہے، یعنی وہ شہر ایسا عظیم ورفیع ہے کہ اسی میں رسولِ برحق کا قیام ہے۔

كأنه تعالىٰ عظم مكة من جهة أنه عليه الصلاة و السلام مقيم بها. (كبير، ج٣١/ص:١٦٣)

إظهار المزيد فضله وإشعاراً بأن شرف المكان بشرف أهله. (بيضاوى، ج٥/ص:١٨٦)

۲ قسم کا سلسلہ وہی چل رہا ہے اور جس اصل حقیقت پر یہ گواہیاں گزر رہی ہیں، اس کا بیان بھی آگے آتا ہے۔

ووالد وما ولد۔ والد سے مراد مطلق ہر باپ سے لی گئی ہے اور ماولد سے مراد مطلق ہر لڑکا۔

كل والد وولده. (مدارك، ص:١٣٤٩)

لا يراد به معين، بل ينطلق علىٰ كل والد، وقال ابن عباس و ذلك قال هو على العموم يدخل فيه جميع الحيوان. (بحر، ج٨/ص:٤٧٥)

فِیْ کَبَدٍ ؕ۴ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ

بڑی مشقت کے لیے ۳۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس

والد سے مراد سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام بھی لے گئے ہیں اور ما ولد سے مراد ساری نسل آدم ——— تابعین واہل تفسیر کی اکثریت اسی طرف گئی ہے۔

وقال مجاهد وأبو صالح وقتادة والضحاك وسفيان الثوري وسعيد بن جبير والسدي والحسن البصري وخصيف وشرحبيل بن سعد وغيرهم: يعني بالوالد آدم وما ولد ولده. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٦٥)

وبالثاني جميع ولده على ما أخرج الحاكم وصححه من طريق مجاهد عن ابن عباس ورواه جماعة أيضاً عن مجاهد وقتادة وابن جبير. (روح، ج٣٠/ص:١٣٤)

ما ولد میں ما، من یا الذی کے معنی میں ہے۔

وما بمعنى من. (جلالين، ص:٨٠٨)

۳ (اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ انسان میں احساسِ عجز ودر ماندگی شدت سے پیدا ہو جاتا) جواب قسم اب ختم ہوا ہے ——— مراد یہ ہے کہ انسان کی ساخت وترکیب ہی ایسی رکھ دی گئی ہے کہ اسے ساری عمر کسی نہ کسی مشکل ہی کا سامنا کرتے رہنا پڑے۔ آج دُکان ٹوٹ گئی، کل مکان گر گیا، پرسوں مرض نے آدبایا، نرسوں دشمن غالب آگیا۔ ابھی اُس عزیز کی موت کا صدمہ اُٹھانا پڑا تھا، ابھی اس دوست کی طرف سے غداری ہوئی، غرض ساری عمر ہی طبعی وعقلی صدمات کے اُلٹ پھیر کی نذر ہو جاتی ہے، اور انسان کو اپنے عجز وبے بسی کا مشاہدہ قدم قدم پر ہوتا رہتا ہے، اس سے چاہیے تو یہ تھا کہ انسان کے مزاج میں شکستگی پیدا ہو، عبدیت وعبودیت اس میں رچ جائے، اور انانیت وخود بینی اس کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائے، لیکن ہوتا اس کے برعکس ہے۔ کافر انسان واقعات وواردات سے سبق مطلق حاصل نہیں کرتا ——— مومن کو تو ہر شے میں حکمتِ الٰہی کی جھلک نظر آتی ہے، اور وہ ربوبیتِ مطلقہ پر اعتماد وتکیہ رکھتا ہے، لیکن کافر کو دماغی اُلجھن اور قلبی خلجان سے کسی حال میں چین نہیں پڑتا، اور اس کی حرص، ہوس اور دُنیا طلبی کی آگ برابر بھڑکتی ہی رہتی ہے۔

اَحَدٌ ۝ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ اَیَحْسَبُ

نہ چلے گا؟ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اُڑا دیا (الف) کیا وہ خیال کرتا ہے

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انسان اپنی زندگی میں بامِ ترقی پر شدید تکوینی امتحانات کی بھٹی سے گزرنے کے بعد ہی پہنچ سکتا ہے۔

تنبیهاً أن الإنسان خلقه اللّٰه تعالىٰ علىٰ حالة لاينفكّ من المشاق. (راغب، ص: ۴۷۰)

أى فى شدة ونَصَب وتَعَب. (ابن خالويه، ص: ۸۸)

قال ابن عباس والحسن فى شدة ونصب. (قرطبى، ج ۲۰/ص: ۶۲)

فى كبد۔ فی یہاں ل کے معنی میں ہے، عربی میں فی اور ل (مکسر) معنی میں متقارب ہی ہیں، اُردو میں اس کا ترجمہ ''کے لیے'' ہی سے دُرست ہوگا۔

وحرف فى واللام متقاربان. (كبير، ج ۳۱/ص: ۱۶۶)

الإنسان۔ یہاں بطورِ اسم جنس کے ہے، نوعِ بشری کے لیے۔

والإنسان هنا ابن آدم. (قرطبى، ج ۲۰/ص: ۶۲)

الضمير فى أيحسب عائد على الإنسان. (بحر، ج ۲۰/ص: ۴۷۵)

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد ناشکرا انسان ہے۔

(اور وہ اپنے کفر وطغیان میں اسی طرح چھوٹا ہوا اور آزاد رہے گا)

یعنی کیا اُس پر اس درجہ غفلت وبدمستی سوار ہوگئی ہے کہ وہ اپنے کو اللہ کے حدود وقدرت سے بھی باہر سمجھنے لگا ہے! انسان سے مراد اس سیاق میں سرکش ونافرمان انسان کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

أیحسب میں حرف أ بطورِ کلمۂ زجر کے ہے۔

الألف ألف التّوبيخ و"يحسب" فعل مضارع. (ابن خالويه، ص: ۸۹)

(الف) (فخر وپندار کے ساتھ)

غافل وخود فراموش انسان کا یہ ادّعا بڑے فخر ونازش کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔

أى يقول ذلك وقت الاغترار فخراً ومباهاةً. (روح، ج ۳۰/ص: ۱۳۶)

اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ ﴿۷﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ ﴿۹﴾

کہ کسی نے اُسے نہیں دیکھا؟ ۵ کیا ہم نے بنائی نہیں اس کے لیے دوآنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ؟ ۶

وَ هَدَیۡنٰهُ النَّجۡدَیۡنِ ﴿۱۰﴾

اور بتادیے ہم نے اُسے دوراستے ۷

یقول علیٰ سبیل الفخر. (بحر، ج۸/ص:۴۷۵)

مـالاً لبدًا۔ یہ ڈھیروں مال لٹادینا، یا اُڑادا لنا ظاہر ہے کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانیوں ہی میں ہوا۔

۵ (اور وہ مواخذہ وباز پُرس کے حدود سے باہر ہو گیا ہے)

لم یرہ۔ لم یہاں لن کے مفہوم میں ہے، تحقیق وتاکید وقوع کے لیے ہے ـــــ یعنی بجائے صیغۂ مستقبل کے اُسے صیغۂ ماضی میں اس لیے ادا کیا گیا کہ وقوع بالکل قطعی وحتمی ہے۔

ولم بمعنیٰ لن، وعبر بھا لتحقق الوقوع. (روح، ج۳۰/ص:۱۳۶)

۶ (اور ہماری ان ساری نعمتوں کا مقتضا کیا نہ تھا کہ وہ ہماری اطاعت وشکر گزاری میں لگ جاتا)

یہ نعمتیں اور جسمانی نعمتیں تو بے شمار ہیں، لیکن یہاں نام لے کر تین ہی نعمتوں کا ذکر ہے: (۱) آنکھیں (۲) زبان اور (۳) ہونٹ ـــــ انسان سوچے تو نظر آئے گا کہ جس طرح خارجی محسوسات کے لیے سب سے بڑی نعمت آنکھ ہے، اسی طرح اندر سے مافی الضمیر باہر تک پہنچانے کے لیے سب سے بڑا ذریعہ زبان اور ہونٹ ہی ہیں، اس لیے خصوصیت کے ساتھ ذکر یہاں ان تین کا ہوا۔

۷ (کہ ان میں سے ایک راستہ چلنے کے لیے ہے، جس کا نام خیر ہے اور ایک راستہ بچنے کے لیے جس کا نام شر ہے)

صحابہ اور تابعین سے یہی معنی منقول ہیں یعنی خیر وشر کے راستے۔

قال ابن مسعود وابن عباس والجمھور طریق الخیر والشر. (بحر، ج۸/ص:۳۵۸)

أی طریقی الخیر والشر. (روح، ج۳۰/ص:۱۳۶)

نـجـد کے لفظی معنی بلند اور سخت جگہ کے ہیں، اور یہاں اس سے مراد اعتقاد میں حق وباطل، اور قول میں صدق وکذب اور افعال میں حسن وقبح سے لے لی گئی ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ

مگر وہ شخص گھاٹی میں ہو کر نکلا ۸ اور آپ کیا سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ گردن کا چھڑانا ہے یا کھانا کھلانا ہے

فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾

فاقہ کے دن میں کسی یتیم رشتہ دار کو یا کسی مسکین خاک آلود کو ۹

النجد المكان الغليظ والرفيع، وقوله وهديناه النجدين فذلك مثل لطريقي الحق والباطل في الاعتقاد والصدق والكذب في المقال، والجميل والقبيح في الخصال. (راغب، ص:۵۳۷)

مستشرق سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ سورت کا موضوع یعنی خیر وشر کے دوراہے کا اعلان، ثبوت ہے پیمبر کی ایمان دارانہ تلاشِ حق کا ــــــ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

دونوں آیتوں کو ملا کر خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کے لیے مادّی و رُوحانی دونوں راہوں کی بہترین رہنمائی کر دی گئی ہے۔

۸ باوجود ان سارے مقتضیات کے دین کے راستے کو نہ طے کیا۔

فلا۔ لا کا استعمال یہاں لم کے محل میں ہے۔

لا بمعنى لم. (ابن خالويه، ص:۹۰)

قال المبرد وأبو علي (لا) بمعنى لم. (قرطبي، ج۲۰/ص:۶۶)

العقبۃ۔ عقبۃ کے لغوی معنی پہاڑ کی گھاٹی کے ہیں۔

العقبة طريق وَعِر في الجبل. (راغب، ص:۳۸۱)

اور یہاں مراد احکامِ دین پر عمل درآمد ہے، احکامِ دین کی تشبیہ گھاٹی سے اس لحاظ سے ہے کہ یہ بھی نفس کو سخت شاق گزرتے ہیں۔

استعارة لهذا العمل الشاق على النفس. (بحر، ج۸/ص:۴۷۶)

استعارة...... من الأعمال الشاقة المرتفعة القدر عند الله. (روح، ج۳۰/ص:۱۳۷)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دین کو گھاٹی سے تشبیہ دینے سے ترغیب مجاہدے کی نکلتی ہے۔ (تھانوی، ج۲/ص:۷۵۷)

۹ قرآن مجید نے خود ہی اپنے لائے ہوئے لفظ العقبۃ کی تفسیر بیان کر دی کہ دین کی

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾

اورتو اور (یہ ان لوگوں میں سے نہ ہوا) جو ایمان لائے، جنھوں نے ایک دوسرے کو ثبات کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو ترحم کی فہمائش کی ۱۰

گھاٹی سے گزرنے سے مراد اسی قسم کے کام ہیں:۔

(۱) غلاموں کو آزاد کرنا۔(۲) قحط وگرانی کے زمانے میں بھوکوں کو کھانا کھلانا۔(۳) یتیموں کی خدمت کرنا۔(۴) مسکینوں، محتاجوں کی خبر لیتے رہنا۔

سب کا خلاصہ حقوق العباد کی ادائی اور خلقِ خدا کی خدمت وتکریم ہوا، اور حسن عمل کے یہ چار عنوان عرب کے سادہ تمدن کی مناسبت سے بطور مثال بیان فرمادیے ہیں، یہ مراد نہیں کہ نیکی واطاعت کا حصر انھیں چار میں ہے —— مکّی سورتیں اس قسم کے اخلاقی احکام کی تفصیل وتاکید سے بھری پڑی ہیں۔

فك رقبة ۔ لفظی معنی گردن چھڑانے کے ہیں۔ غلاموں، کنیزوں کو زرفدیہ دے کر آزاد کرانا، قیدیوں کی طرف سے جرمانہ ادا کرکے اُنھیں رہا کرانا، یہ سب اس کے تحت میں آجاتا ہے۔

يتيماً ذا مقربة ۔ کوئی یتیم اگر اپنا عزیز بھی ہو تو اس کے ساتھ شفقت اور حسنِ سلوک کا حکم اور مؤکد ہے۔

ذا متربة ۔ یہ خاک آلود کا اضافہ مسکین کی طرف زیادہ جلب وتوجہ کے لیے ہے، یہ مراد نہیں کہ جب تک کوئی محتاج ومسکین خاک نشین وگرد آلود نہ ہو، اس کی مدد ہی نہ کی جائے۔

مسغبة (سغب کے مفہوم میں) مقربة (قرابت کے معنی میں) متربة (فقر کا مرادف)۔ یہ تینوں مصدر میمی ہیں۔

۱۰ آیت کی یہ ترکیب ذرا دشوار ہے، اس لیے ترجمے میں بھی ذرا دقت ہوئی۔

ائمہ تفسیر کا بیان ہے کہ آیت کا عطف فلا اقتحم العقبة پر ہے۔

عطف علی اقتحم. (بیضاوی، ج ۵/ص:۱۸٦)

فکأنه قیل فلااقتحم ولا آمن. (روح، ج ۳۰/ص:۱۳۸)

یعنی أنه لایقتحم العقبة من فك رقبة أو أطعم فی یوم ذا مسغبة، حتی یکون من الذین آمنوا. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۷۱)

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ⑱ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا

یہی لوگ داہنے والے ہیں ۱۱ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کے منکر ہوئے

یعنی نہ وہ اُونچی گھاٹی سے پار ہوا، نہ ایمان لایا اور نہ تواصی بالصبر کرنے والوں میں سے ہوا۔

ثم جس طرح تاخر زمانی کے لیے آتا ہے، کبھی ترتیب مرتبہ کے لیے بھی آتا ہے۔

حرف عطف يقتضي تأخر ما بعده عما قبله إمّا تأخيراً بالذّات أو بالمرتبة. (راغب، ص:۹۱)

الذين آمنوا کہ ایمان تو ساری اطاعتوں پر مقدم اور ان کی شرطِ اولین ہی ہے۔

فالإيمان قول جميع ما قبله. (روح، ج ۳۰/ص:۱۳۹)

لابد أن يسبق تلك الأعمال الحسنة الإيمان إذ هو شرط في صحة وقوعها من الطائع. (بحر، ج۸/ص:۴۷۶)

گویا ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ عملی فضیلتیں تو یہ بدبخت کیا حاصل کرتا، اس سے اتنا بھی نہ ہوا کہ ایمان ہی لے آتا۔

فقہائے مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے فضیلت تین چیزوں کی نکلی: (۱) ایمان لانے کی۔ (۲) اسی پر ثابت قدم رہنے کی۔ (۳) ترکِ ظلم کی۔

تواصوا بالصبر جامع ہے حقوق اللہ کی ادائی کا ـــــ عبادات کا۔

إشارة إلى التعظيم لأمر الله. (كبير، ج ۳۱/ص:۱۷۰)

دو مختصر فقروں کے اندر جامع تعلیم اصولِ تصوف اسلامی کی آگئی۔

ومدار أمر الطاعات ليس إلا على هذين الأصلين. (كبير، ج ۱۰/ص:۱۷۰)

أي بالرحمة على الخلق. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۷۱)

۱۱ یعنی خوش بخت، خوش نصیب اہل ایمان اور نجات پا جانے والے جن کے اوصاف ابھی بیان ہو چکے۔

ملاحظہ ہو سورۃ الواقعہ (آیت ۲۷) کا حاشیہ أصحاب اليمين۔

ع ۱ ۲۰ ۱۵

هُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

وہ بائیں والے ہیں، اُن پر محیط ہوگی آگ بھڑکی ہوئی ۱۲

۱۲ داہنے ہاتھ والوں کے ٹھیک مقابل یہ بائیں بازو والے بدبخت و منحوس اہل جہنم ہوں گے۔
ملاحظہ ہو سورۃ الواقعہ (آیت ۴۱) کا حاشیہ أصحاب الشمال پر۔
والذین کفروا بآیتنا۔ یہ لوگ ایمان تک نہ لائے، کفر ہی میں مبتلا رہے۔
نار مؤصدة۔ مؤصدة کے لیے لغت میں آتا ہے: مطبقة مغلقة۔ یعنی جو ہر طرف ڈھک دی گئی ہو، جس کے دروازے ہر طرف سے بند کر دیے گئے ہوں، جس سے نکلنے کی راہ ہی نہ ہو۔
کافروں کو دوزخ سے باہر نکلنا تو ہے ہی نہیں، اس لیے بالکل قدرتی ہے کہ دوزخ کے دروازے اُن پر ہر طرف سے بند کر دیے جائیں ـــــ عذاب جہنم کے دوام و خلود کا عقیدہ، جمہور اہل سنت کے مسلمات میں ہے، چنانچہ آیت سے اشارہ اس طرف بھی ہو رہا ہے۔
قال قتادة مطبقة عليهم، فلا ضوء فيها ولا فرج ولا خروج منها آخر الأبد.
(ابن كثير، ج ٤/ص: ٤٦٨. ابن جرير، ج ٢٤/ص: ٤٣٣).
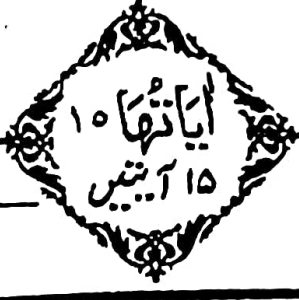
سورۃ شمس مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ③

قسم ہے سورج اور اس کی دھوپ کی، اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے پیچھے آئے [۱] اور دن کی جب وہ اسے روشن کردے

[۱] قسم سے مراد (جیسا کہ بار بار گزر چکا ہے) محاورۂ قرآنی میں استشہاد ہوتی ہے، یعنی یہ ساری عظیم مخلوقات زبانِ حال سے اپنے خالق و پروردگار کی عظمت پر گواہی دے رہی ہے۔

ضحٰھا و تلاھا۔ دونوں میں ضمیر مؤنث شمس کی طرف ہے۔

ضحیٰ۔ دن چڑھے کے وقت کو کہتے ہیں جو دوپہر سے قبل ہوتا ہے، یعنی جب سورج کی روشنی خوب پھیل جائے۔

الضحوة ارتفاع النهار، والضحى فوق ذلك. (بیضاوی، ج ۵/ص:۱۸۶)

المراد إذا أشرقت وقام سلطانها. (روح، ج ۳۰/ص:۰ ۲ ۱)

والقمر إذا تلاها۔ یعنی چاند جب غروب آفتاب کے بعد ہی طلوع ہو، اور یہ راتیں وہی پوری چاندنی کی ہوتی ہیں ـــــ گویا چاندنی جب خوب پھیل جائے۔

تلیٰ کے لفظی معنی ہیں کہ پیروی کی، خواہ یہ پیروی مادّی ہو یا معنوی۔

وذلك يكون تارةً بالجسم وتارة بالاقتداء فى الحكم. (راغب، ص:۸۵)

اور یہاں پیروی معنوی ہی مراد ہے، اس لیے کہ چاند اخذِ نورِ آفتاب ہی سے کرتا ہے اور اسے آفتاب کا جانشین سمجھا جاتا ہے۔

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰهَا ۙ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۙ۝۵ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰهَا ۙ۝۶

اور رات کی جب وہ اسے ڈھانپ لے ۲ اور آسمان کی اور اس کی جس نے اس کو بنایا ہے اور زمین کی اور اس کی جس نے اس کو بچھایا ہے

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ۝۷

اور جان کی اور اس کی جس نے اسے درست بنایا ہے ۳

أراد به ههنا الاتباع على سبيل الاقتداء...... وهو لها بمنزلة الخليفة.

(راغب، ص:۸۵-۸۶)

آیت سے اشارہ اس طبعی حقیقت کی جانب بھی ہوگیا کہ چاند کی چمک دمک آفتاب ہی کی روشنی کے ذیل میں ہے۔

۲ (اور سورج کی روشنی کا اثر و نشان نہ باقی رہ جائے)

جلّٰها ویغشٰها میں بھی مؤنث ضمیریں شمس ہی کی طرف ہیں۔

۳ (اور یہ تسویہ، بناوٹ، ترتیب، ترکیب و تناسب اعضاء وغیرہ ہر اعتبار سے ہے)

ما تینوں آیتوں میں من کے معنی میں آیا ہے۔

قال أبو عبيدة ما بمعنى منْ...... ومعناه من بناها. (ابن خالويه، ص:۹۸)

المعنى ومن سوّاها. (قرطبي، ج ۲۰/ص:۷۵)

اور اہل بلاغت نے کہا ہے کہ ما کے لانے سے صانع کے کمال قدرت کا اظہار زیادہ ہوتا ہے۔

إنما أوثرت علىٰ من لإرادة المعنى الوصفية. (كشاف، ج٤/ص:٧٤٧)

ودلّ علىٰ وجوده وكمال قدرته. (بيضاوي، ج٥/ص:١٨٧)

السماء، الأرض، نفس۔ تینوں مصنوع و مخلوق ہی ہیں، ان میں سے کوئی بھی نہ خود آفریدہ، نہ معبود، نہ نیم معبود۔

نفسٌ۔ صیغۂ نکرہ بطورِ اسم جنس کے آیا ہے، یعنی نفوس کے معنی میں۔

يريد كل نفس. (كشاف، ج٤/ص:٧٤٧)

بمعنى نفوس. (جلالين، ص:٨٠٩)

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ⑧ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ⑨

پھر اس کی بدکرداری اور اس کی پرہیزگاری (دونوں) اس پر القا کردیں ۂ بامراد ہوگیا یقیناً وہ جس نے اپنی جان کو پاک کرلیا

اور یہ تنکیر تکثیر کے لیے ہے۔

وتنكير نفس للتكثير. (بیضاوی، ج ۵/ص: ۱۸۷)

والتنكير للتكثير. (مدارك، ص: ۱۳۵۳. روح، ج ۳۰/ص: ۱۴۲)

ۂ (تکوینی اور تخلیقی اعتبار سے)

آیت میں تین ضمیریں مؤنث غائب کی آئی ہیں اور تینوں کا مرجع نفس ہے ـــــــ یعنی نفس انسانی کو ایک فطرتِ اخلاقی بھی عطا ہوئی اور بدی ونیکی، شر وخیر دونوں کی راہیں اسے سمجھادی گئی ہیں۔

''قلب میں نیکی کا جزو رجحان ہے یا بدی کا جزو رجحان ہے، دونوں کا خالق اللہ ہی ہے، گو القاء اوّل الذکر میں واسطہ فرشتہ ہوتا ہے اور القاء ثانی الذکر میں واسطہ شیطان ہوتا ہے''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۷۵۹)

فـالـهـمـهـا۔ ف تعقیب کی ہے، مراد یہ ہے کہ جب انسان کی مادّی وجسمانی ترکیب مکمل ہوچکی، تب اسے فطرتِ اخلاقی عطا ہوئی۔

فـالهمها میں الہام سے مراد ہے کہ نفسِ بشری میں معرفتِ خیر وشر کے دونوں طریقے روشن کردیے۔

قال ابن عباس بيّن الخير والشر. (ابن جرير، ج ۲۴/ص: ۴۴۰)

عن مجاهد قال عرّفها. (ابن جرير، ج ۲۴/ص: ۴۴۱)

عن الضحاك بيّن لها الطاعة والمعصية. (ابن جرير، ج ۲۴/ص: ۴۴۱)

أى عرّفها. (قرطبى، ج ۲۰/ص: ۷۵)

قال الفراء عرّفها طريق الخير وطريق الشر. (قرطبى، ج ۲۰/ص: ۷۵)

الہام کے معنی ہی یہ ہیں کہ اللہ کی طرف سے نفس میں کوئی چیز ڈال دی جائے۔

إلقاء الشيئ فى الروع ويختص ذلك بما كان من جهة الله تعالى. (راغب، ص: ۵۱۰)

اسی کو اخلاق وحکمت کی اصطلاح میں ضمیر کہتے ہیں اور ایک بنیادی ضمیر لے کر ہر انسان پیدا ہوتا ہے، خواہ وہ کسی نسل وقوم وملک کا ہو

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴿۱۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْبَعَثَ

اور نامراد ہو گیا یقیناً وہ جس نے اسے دبا دیا ۵ (قوم) ثمود نے تکذیب کی اپنی سرکشی کی بنا پر جب کہ اس (قوم) کا

اَشْقٰهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوهُ

بد بخت ترین اٹھ کھڑا ہوا ۶ تو ان سے اللہ کے رسول نے کہا کہ اونٹنی اور اس کے پینے کے باب میں خبردار رہنا ۷ پھر انھوں نے پیمبر کو جھٹلایا

۵ (فسق و فجور سے)

أی دسّ نفسه من المعاصی، قال قتادة وغیره. (قرطبی، ج ۲ / ص: ۷۷)

یہ مزید تشریح ہے اسی الہامِ فطری کی کہ ہر انسان کے دل میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ نجات وفلاح اُس کے لیے ہے جو نفس کو راہِ فجور سے الگ رکھ کر طریقِ طاعت و تقویٰ پر قائم رہے اور عذاب دُنیا و آخرت اُس کے لیے ہے جو اپنے نفس کو تقاضائے فجور سے مغلوب ہو جانے دے۔

دوسرے لفظوں میں فلاح و بربادی دونوں کی کوشش انسان کے اختیار کی چیز ہے ـــــ اور یہیں سے تردید ہندی مذہبوں کے اس عقیدے کی بھی نکل آئی کہ ہر عمل انسانی کسی پہلے جنم کے "کرم" کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے اور اسی طرح انسان اسی موجودہ زندگی میں مقید و مجبور ہوتا ہے۔

دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ حقیقت ایک بار پھر روشن ہو جاتی ہے کہ انسان کی ابدی و دائی فلاح تزکیۂ نفس میں ہے یعنی جسم و مادّے کو رُوح کے رنگ میں رنگ دینے میں، اور دائمی حرمان و بدنصیبی اس کے برعکس میں ہے یعنی رُوح پر جسم و مادے کو حاکم و غالب بنا لینے میں۔

مؤنث غائب کی ضمیریں دونوں آیتوں میں اسی نفس کی جانب ہیں۔

۶ (مخالفتِ رسول و قتلِ ناقہ پر)

قوم ثمود اور رسولِ اُمت حضرت صالح علیہ السلام اور ناقہ پر حاشیے سورۃ الاعراف (رکوع ۱۰) میں گزر چکے۔

بطغواھا میں ب سببیہ ہے۔

پیمبروں کی صاف اور سیدھی تعلیم کی مخالفت کی بنیاد کسی عقلی غلط فہمی پر نہیں ہوتی، ہمیشہ اپنی بد طینتی و سرشتی ہی پر ہوتی ہے۔

۷ یعنی نہ اسے قتل کرنا اور نہ اُسے پانی پینے سے روکنا۔

فَعَقَرُوْهَا ۠ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿١٤﴾

اور اس اونٹنی کو مار ڈالا تو ان کے پروردگار نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ان پر ہلاکت نازل کی اور اس کو (سب پر) پھیلا دیا

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿١٥﴾

اس حال میں کہ اس نے اس کے اخیر نتیجہ کی کچھ پروا نہ کی ۸

ناقة اللّٰه۔ اُونٹنی جو اللہ کی طرف سے نشان کا کام دے رہی ہے۔

تقدیر کلام یوں: ذروا ناقة اللّٰه یا احذروا عقرها ـــــ جیسے شیر شیر پکار دیا جائے۔

نصب على التحذير، كقولك: الأسد الأسد، والصبى الصبى، بإضمار ذروا أو احذروا عقرها. (كشاف، ج ٤/ص: ٧٤٨)

منصوب على التحذير. (قرطبى، ج ٢٠/ص: ٧٨)

۸ یعنی جس طرح دُنیا کی حکومتوں کو سزا دینے میں بعض وقت طرح طرح کے مفسدے اُٹھ کھڑے ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس احکم الحاکمین کو کسی طرح کی ابتری یا فساد کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے ـــــ اس میں تردید آگئی اس مشرکانہ عقیدے کی کہ خدا کو بھی کبھی ندامت اور پچھتاوا بھی ہوتا ہے۔

بذنبهم میں ب سببیہ ہے۔

أى بسبب ذنبهم. (كشاف، ج ٤/ص: ٧٤٨)

یعنی سزائے ہلاکت کو ساری قوم پر پھیلایا اور کسی کو بھی نہیں چھوڑا، اس لیے کہ شرارت کے جرم میں شریک سب ہی تھے ـــــ مترجم القرآن مولوی نذیر احمد دہلوی مرحوم کے شگفتہ الفاظ میں: ”سب کو مار کے پٹڑا کر دیا“۔

قال الفراء سوى الأمة وأنزل العذاب بصغيرها وكبيرها، يعنى سوى بينهم. (معالم، ج ٥/ص: ٢٦١)

ولا پر و عطف کا نہیں حال کا ہے۔

عقباها ضمیر ہا فعل دمدم کے مصدر کی طرف ہے۔

الضمير للدمدمة المفهومة من دمدم. (روح، ج ٣٠/ص: ١٤٦)

الضمير للدمدمة. (كشاف،ج٤/ص:٧٤٩)

الهاء تعود على الدّمدمة لأن الفعل إذا ذُكِر دلّ على مصدره. (ابن خالويه،ص:١٠٦)

عقبیٰ۔ یہ معنیٰ انجام کار مترادف ہے عاقبت کے۔

أى عاقبتها، يقال العُقبى، والعُقب، والعُقُب، والعاقبة بمعنى واحد. (ابن خالويه،ص:١٠٦)

(۹۲)

رکوعاتہا ۱ — ۱ رکوع

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتہا ۲۱ — ۲۱ آیتیں

سورۂ لیل مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳﴾

قسم ہے رات کی جب وہ ڈھانپ لے اور قسم ہے صبح کی جب وہ روشن ہو جائے اور (اس کی) جس نے پیدا کیا نر و مادہ کو ۱

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾

کہ بے شک تمھاری کوششیں مختلف ہیں ۲ تو جس نے دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی

۱ یعنی اللہ تعالیٰ نے۔

و۔ واوِ قسم ہے اور قسم کی تشریح کئی بار پہلے گزر چکی ہے۔

واللیل إذا یغشی۔ یعنی رات جب آفتاب اور دن کی روشنی کو ڈھانپ لے۔

ان ابتدائی فقروں سے اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی ہو رہا ہے کہ رات اور دن، اندھیرا اور اُجالا، نر اور مادہ، غرض کہ کائنات میں ذی رُوح اور غیر ذی رُوح کے سارے اضداد کا خالق وہی ایک حق تعالیٰ ہے۔

وما خلق۔ ما یہاں من کے بجائے ہے، اور ذی روح و ذی حیات کے لیے۔

وما بمعنی من. (جلالین، ص: ۸۱۰)

ما فی هذا الموضع بمعنی من. (قرطبی، ج ۲۰/ص: ۸۱)

۲ (کہ کوئی کسی طرف لے جانے والی ہوتی ہے اور کوئی کسی طرف)

یعنی جس طرح رات اور دن، تاریکی اور روشنی، نر اور مادہ کے احکام و آثار متعدد و یکساں نہیں،

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝٨ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝٩

توہم اس کے لیے راحت کی چیز آسان کردیں گے ؁۳ اور جس نے بخل کیا اور بے نیازی برتی اور اچھی بات کی تکذیب کی

بلکہ الگ الگ اور باہم مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح انسان کی ہر شعوری جدوجہد اُسے مختلف ثمرات وآثار کی طرف لے جاتی ہے اور ایک طبقے کو دوسرے طبقے سے ممتاز کرتی ہے، مثلاً صالح کو فاسق سے، مومن کو کافر سے، عامی کو عالم سے۔ سب کی سعی عمل کی حیثیت ونوعیت ایک نہیں ہوتی، کوئی کسی طرف لے جانے والی ہوتی ہے اور کوئی کسی طرف۔

لشتّٰی۔ میں ل تاکید کا ہے۔

واللام لام التأكيد. (ابن خالويه، ص:۱۰۸)

؁۳ یعنی اُسے جنت تک آسانی سے پہنچادیں گے، اُسے ایسی توفیق دے دیں گے کہ وہ راہ کی مشکلات آسانی سے طے کرتا چلا جائے ـــــ جنت ومغفرت کی راہ کو فلاں کے ڈر سے پُر دشوار سمجھ لینا قرآن کی تعلیم نہیں، یہ دشوار تو انھیں کے لیے ہے جو اسے اپنے ہاتھوں دشوار بنائے ہوئے ہیں۔

من أعطى۔ یعنی جس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ـــــ خرچ کرنا مال ودولت کا تو ظاہر ہی ہے، باقی، قوت، وقت، علم جس چیز کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، سب اسی کے حکم میں آجاتا ہے۔

وصدّق بالحسنى۔ یعنی دینِ اسلام کی تصدیق کردی۔ الحسنى سے مراد ہے دینِ اسلام یا کلمۂ توحید۔

الكلمة الحسنى...... وهي ملة الإسلام. (روح، ج۳۰/ص:۱۴۸)

الكلمة الحسنى وهي كما قال أبو عبد الرحمن السلمي وغيره وروى ذلك عن ابن عباس لا إلٰه إلّا الله. (روح، ج۳۰/ص:۱۴۸)

فسنیسرہ میں س تاکید کے لیے ہے یا اس اظہارِ حقیقت کے لیے کہ اس جزا کا ظہور آخرت میں ہوگا۔

قيل للتاكيد وقيل للدلالة على أن الجزاء الموعود معظمة يكون في الآخرة.

(روح، ج۳۰/ص:۱۴۹)

على سبيل الترفيق والتلطيف، وهو من الله تعالىٰ قطع ويقين. (كبير، ج۳۱/ص:۱۸۲)

إِذَا تَرَدَّىٰ ⑪ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ⑫ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ⑬

جب وہ ہلاک ہونے لگے گا ۵ بے شک ہمارے ہی ذمہ ہے راہ بتانا، اور بے شک ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دُنیا ۶

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ⑭ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ⑮ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ⑯

تو میں تو تم کو ڈرا چکا ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے، اس میں داخل ہوگا بس وہی بدبخت جس نے جھٹلایا اور رُوگردانی کی ۷

یعنی ایسے شخص پر راہِ ضلال و دوزخ آسان ہو جائے گی اور اس سے اعمالِ کفریہ بہ سہولت سرزد ہونے لگیں گے۔

۵ یعنی آخرت میں جب وہ اپنا انجام مشاہدہ کرے گا تو اُسے یہ بھی نظر آ جائے گا کہ اُس کا مال و دولت جس پر اُسے اتنا غرہ تھا اس کے کچھ بھی کام نہیں آ رہا ہے ــــــــــ دنیا میں غفلتوں، نافرمانیوں، طغیانیوں کے کثرت سے بنیاد مال ہی ٹھہرتی ہے!

۶ یعنی حکومت دونوں عالموں میں ہماری ہی ہے، چنانچہ دُنیا میں ہم نے احکام مقرر کر دیے ہیں، اور آخرت میں بھی اُنھیں کی موافقت یا مخالفت میں ثمرات و نتائج کا ظہور مہیز کر دیں گے ــــــ ضمناً زد اُن مشرکوں کے عقیدے پر بھی پڑ گئی، جنھوں نے دُنیا اور آخرت کے دیوتا الگ الگ تصور کر رکھے ہیں۔

إن علينا للهدىٰ۔ یعنی خیر و شر، نجات و عقاب دونوں کے راستے خوب کھول کر بیان کر دینا ہمارے ذمہ تھا، سو وہ ہم نے خوب بیان کر دیے۔

۷ (ایمان سے)

یعنی جس نے پیمبر کے پیام کی تکذیب کی اور جو ایمان سے رُوگرداں ہی رہا۔

یہاں یہ صاف صاف بتا دیا کہ جہنم ٹھکانا صرف کافروں، منکروں ہی کا ہے اور جو مکذب بالدین نہیں اُسے اس کا خطرہ ہی نہیں۔

لا يدخلها الا الكافر الذى هو شقى. (کبیر، ج۳۱/ص:۱۸۴)

لا یصلٰھا۔ صلیٰ کے لغوی معنی آگ میں مطلق پڑنے اور جلنے کے ہیں۔

صلاه ألقاه فى النار للإحراق. (قاموس، ص:۱۱۹۷. تاج، ج۱۹/ص:۶۰۴)

أصلاه و صلاه ألقاه للإحراق. (لسان، ج۷/ص:۳۹۹)

قیل صلی النار دخل فیها و أصلاها غیره. (راغب،ص:۳۱۹)

اور یہ معنی لے کر مومن کے لیے مطلق دخولِ جہنم سے نفی نکلتی ہے، خواہ وہ عاصی یا فاسق ہی ہو، اور اسی کی بنا پر فرقۂ مرجئہ نے دعویٰ کیا ہے کہ بجز کافروں کے کوئی بھی جہنم میں نہ جائے گا، اور مومن اس سے بالکل محفوظ رہے گا۔

واعلم أن المرجئة یتمسکون بهذه الآیة فی أنه لا وعید إلا علی الکفار. (کبیر، ج۳۱/ص:۱۸٤)

هذه الآیة التی من أجلها قال أهل الإرجاء بالإرجاء، فزعموا أنه لا یدخل النار إلّا کافر. (قرطبی، ج۲۰/ص:۸۷)

صلیٰ کا ترجمہ محض داخلے سے ہمارے ہی متعدد مفسروں اور مترجموں نے کیا ہے۔

أی لا یدخلها فیصلی بسعیرها. (ابن جریر، ج۲٤/ص:٤۷۷)

أی لا یدخلها. (جلالین، ص:۸۱۱)

نامد دراں مگر............(سید شریف جرجانی)

در نیاید بہ آتش مگر......(شاہ ولی اللہ)

نہ داخل ہوگا اس میں مگر......(شاہ رفیع الدین)

اس میں وہی بیٹھے گا جو بڑا......(شاہ عبدالقادر)

اس میں وہی بد بخت داخل ہوگا......(نذیر احمد)

اس میں وہی گرے گا......(شیخ الہند محمود حسن)

داخل ہوگا اس میں......(فتح محمد تائب لکھنوی)

اور اسی معنی کی تائید اس حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے جسے مفسرین نے ابن ماجہ اور احمد بن مردویہ کے حوالے سے نقل کیا ہے:۔

قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم لایدخل النار إلا من شقیٰ، قیل ومن الشقی؟ قال الذی لا یعمل لله تعالی طاعة ولا یترك لله تعالی معصیة. (روح، ج۳۰/ص:۱۵۱)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ

اور اس سے دُور ہی رکھا جائے گا پرہیزگار جو اپنا مال اس لیے دیتا ہے کہ پاک صاف ہو جائے ۸ اور کسی کا اس کے اوپر

مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَى ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿٢٠﴾

احسان بھی نہیں جس کا وہ بدلہ اتارے، بلکہ وہ صرف اپنے پروردگار عالی شان کی رضا جوئی کے لیے کرتا ہے

وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿٢١﴾

اور وہ یقیناً عنقریب خوش ہو جائے گا ۹

ع ۱ / ۱۷

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں تو بس وہی داخل ہوگا جو شقی ہوا، لوگوں نے پوچھا کہ شقی کون ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جو نہ کوئی طاعت اللہ کے لیے اختیار کرے اور نہ کوئی معصیت اللہ کے لیے ترک کرے''۔

لیکن اگر صلی کے مفہوم کو محدود کر کے عذابِ ابدی کے معنی میں لیا جائے جیسا کہ مترجم تھانویؒ نے مدارک وجلالین کے اتباع میں ترجمہ کیا ہے:۔

''اس میں (ہمیشہ کے لیے) وہی بدبخت داخل ہوگا''۔

جب بھی عذابِ ابدی کی نفی تو مسلمان کے لیے بہرحال ثابت رہے گی۔

۸ (گناہوں کے اثر سے)

یہ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ متقی مخلص کا مقصود صرف مال سے صرف اللہ ہی کی رضا جوئی ہوتی ہے۔

سیجنبھا میں س تاکید کا ہے، پرہیزگار آگ سے ضرور دُور ہی رکھا جائے گا۔

۹ (اُن نعمتوں سے جو اُسے آخرت میں مل کر رہیں گی)

یہاں یہ صراحتیں مومن متقی کے بذلِ مال کے مزید شرف وفضل کے اظہار کے لیے ہیں کہ وہ بجز رضائے الٰہی کے کسی اور چیز کو اپنے مقصود میں شریک نہیں ہونے دیتا، ورنہ کسی کے احسان کا بدلہ اُتارنا بھی کوئی معیوب چیز نہیں، بلکہ یہ خود بھی ایک امر مستحسن اور ایک درجہ میں مطلوب ہے۔

آیت سے مقصود اخلاصِ نیت کی تاکید ہے۔

اللام الداخلة علىٰ سوف لام الابتداء المؤكدة لمضمون الجملة. (مدارك، ص:۳۵٦)

سوف بھی تاکیدِ استقبال کے لیے ہے۔

یرضی۔ یعنی بندہ اپنے مولا کی نعمتوں سے خوش ورضامند ہو جائے ـــــــ ضمیر الأتقی کی جانب ہے۔

آیت کے یہ معنی ظاہر ہیں اور جمہور کے اختیار کیے ہوئے ہیں، لیکن تفسیر کبیر کے تکملہ نویس اور امام رازیؒ کے ایک شاگرد رشید نے ضمیر واحد مذکر غائب اللہ کی طرف راجع کر کے معنی یہ لیے ہیں کہ خود مولا اپنے بندے سے خوش ورضامند ہو جائے، اور لکھا ہے:

هذ الذی أعظم من الأول   یہ مرتبہ میرے نزدیک پہلے مرتبہ سے بلند تر ہے۔

تفسیر کبیر ہی میں قاضی ابوبکر باقلانی کی کتاب الامامۃ کے حوالے سے ہے کہ جس طرح آیت کریمہ: إنما نطعمكم لوجه الله الخ (سورۂ دہر) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے، اسی طرح آیت کریمہ: إلا ابتغاء وجه ربه الأعلىٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ کے حق میں ہے، اس طرح گویا دونوں بزرگان کے اخلاصِ کامل پر شہادت نص موجود ہے ـــــــ اس فرق کے ساتھ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقامِ خشیت وخوف غالب ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر مقامِ رغبت وشوق۔ (کبیر، ج۳۱/ص:۱۸٦)

(۹۳)

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّة

اٰيَاتُهَا ۱۱ — ۱۱ آیتیں

رُكُوْعَاتُهَا ۱ — ۱ رکوع

سورۂ ضحیٰ مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالضُّحٰى ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ

قسم ہے دن چڑھے کی اور رات کی جب وہ ڈھانپ لے [۱] کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑا

[۱] یعنی سورج جب اس کا اُجالا خوب پھیل جائے اور رات جب اس کی تاریکی گہری ہوجائے، یہ دونوں چیزیں زبانِ حال سے گواہ ہیں اس حقیقت کی جو آگے بیان ہورہی ہے۔

والضحیٰ۔ ضحیٰ کے معنی اس وقت کے ہیں جب سورج کی روشنی اول اول خوب پھیل لیتی ہے، اُردو میں اسی کو دن چڑھے کا وقت کہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس کا فارسی ترجمہ ''وقت چاشت'' کیا ہے۔

إذا سجیٰ۔ سجیٰ کے دو مفہوم ہیں: ایک یہ کہ تاریکی خوب پھیل جائے اور سب چیزوں کو ڈھانپ لے، دوسرے یہ کہ اس میں جانداروں کے چلنے پھرنے، بولنے چالنے کی آوازیں رُک جائیں اور فضا سکون کی پیدا ہوجائے ـــــ لغت وتفسیر میں منقول یہ دونوں معنی ہیں۔

أی سکن. (راغب، ص:۲۵۳)

معناه سكن؛ قاله قتادة ومجاهد وابن زيد وعكرمة. يقال ليلة ساجية أی ساكنة. (قرطبی، ج۲۰/ص:۹۱)

سجا الليل أی اشتد ظلامه. (روح، ج۳۰/ص:۱۵٤)

قال الضحاك غطّى كل شيئ. وقال الحسن عشى بظلامه؛ وقاله ابن عباس.

(قرطبی، ج۲۰/ص:۹۲)

وَمَا قَلٰى ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝

اور نہ وہ ناراض ہوا ہے ۲ اور آخرت آپ کے لیے دنیا سے (بدرجہا) بہتر ہے ۳

۲ (بلکہ آپ مورد الطاف ہیں جیسا کہ پہلے بھی رہے تھے اور آیندہ بھی رہیں گے)

سنہ ۱۱ نبوی تھا یا ۱۳ قبل ہجرت کہ ایسا ہوا جب آپ پر وحی نازل ہونا شروع ہوچکی تو کسی مصلحت ربانی یا حکمت خداوندی کے ماتحت اس کا سلسلہ کچھ روز کے لیے بند ہوگیا، اس پر معاندوں کو خوشی ہوئی اور طرح طرح کی حاشیہ آرائی کا موقع مل گیا۔ آیت کا مضمون انھیں بداندیش معاندوں کے جواب میں ہے۔

ما ودّعك ربك۔ حق تعالیٰ تو اپنے کسی بھی پیمبر کو نہیں چھوڑتا ہے تو آپ کو کیسے چھوڑ دے گا! آیت سے ضمناً اس مسیحی عقیدے کی بھی تردید نکل آئی کہ خدا اپنے مقبول ترین بندوں کو بھی کبھی چھوڑ بھی دیتا ہے، یہاں تک کہ اپنے محبوب اکلوتے فرزند کو بھی ایک بار چھوڑ دیا، انجیل میں ہے:۔
''اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز چلا کر کہا: ایلی، ایلی، لما شبقتنی، یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا'' ...... پھر یسوع بڑی آواز سے چلایا۔ (متی، ۲۷:۴۶) نیز مرقس، ۱۵:۳۴۔

اور اس طرح کی ایک فریاد داؤد علیہ السلام کی زبان سے زبور میں ہے:۔
''اے میرے خدا، اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑا ہے؟ تو میری دُہائی سے اور میرے کراہنے کی باتوں سے کیوں دُور رہا؟ اور اے میرے خدا! میں دن کو چلاتا ہوں، پہ تو نہیں سنتا، رات کو بھی اور مجھے قرار نہیں۔ (زبور، ۲۲:۱-۲)

وما قلى ۔یعنی وہ چھوڑ تو کیا دیتا، وہ تو خاموش بھی نہیں ہوا ہے۔

القِلى البغض، ونَقلِي أي نُبغض. (قرطبي، ج ۲۰/ص:۹٤)

أي ما أبغصك ربك. (قرطبي، ج ۲۰/ص:۹٤)

ما أبغص. (ابن خالويه، ص:۱۱۷)

۳ یعنی جو نعمتیں آپ کو اس دُنیا میں ملیں گی وہی کیا کم ہیں، اور آخرت میں تو ان سے کہیں بڑھ کر ملیں گی۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝

اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو ضرور اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے ۝ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا اور پھر (آپ کو) ٹھکانا دے دیا

والدار الآخرة خير لك من هذه الدار. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٧٥)

قال ابن اسحق الفَلَجُ في الدنيا، والثواب في الآخرة. (قرطبي، ج٢٠/ص:٩٥)

يريد الدارين. (بحر، ج٨/ص:٤٨٥)

آخرت کے لفظی معنی پچھلی حالت لے کر ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے:۔

''آپ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے بہتر رہے گی''۔

چنانچہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے اپنے ترجمہ میں یہی پہلو اختیار کیا ہے، مراد یہ ہے کہ آپ کی زندگی کا ہر موخر دور اپنے ماقبل دَور سے بہتر ہوگا، یا نزولِ سورت کے بعد کا ہر دَور قبل نزولِ سورت کے ہر دَور سے۔

يحتمل أن يريد حالتيه قبل نزول السورة وبعدها. (بحر، ج٨/ص:٤٨٦)

قال ابن عطية وجماعة يحتمل أن يراد بهما نهاية أمره صلى الله تعالى عليه وسلم وبدايته. (روح، ج٣٠/ص:١٥٨)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر لاحق حالت سابق حالت سے افضل واکمل تھی۔ (تھانویؒ ج۲/۷۶۲)

۴؎ اس بشارت وعدۂ الٰہی کا تعلق آخرت سے بھی ہو سکتا ہے اور اس دُنیا سے بھی، اور حق یہ ہے کہ وعدہ جامع ہے دارین کی ہر قسم کی نعمتوں کا۔

وعد شامل لما أعطاه من كمال النفس وظهور الأمر وإعلاء الدين ولما ادخر له مما لا يعرف كنهه سواه. (بيضاوى، ج٥/ص:١٨٨)

اعلم أن الأولى حمل الآية على خيرات الدنيا والآخرة. (كبير، ج٣١/ص:١٩٣)

اور صاحب رُوح المعانی نے گو جمہور کا یہ مذہب بھی نقل کیا ہے کہ اس وعدے کا اطلاق عالم آخرت ہی کے ساتھ ہے، تاہم یہ قول بھی تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے کہ اس وعدے کے تحت ہی میں

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ

اور آپ کو بے خبر پایا، پھر (آپ کو) راستہ دکھایا، اور آپ کو نادار پایا پھر (آپ کو) مالدار بنایا تو آپ یتیم پر

فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾

سختی نہ کیجیے ۵ اور سائل کو مت جھڑکیے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیوی فتوحات اور اقبال مندیاں بھی آ گئی ہیں، بلکہ خلافتِ راشدہ اور ملوک وسلاطین کے فتوح وغیرہ بھی اسی میں شامل ہیں۔ (روح، ج۳۰/ص:۱۶۰)

لسوف میں ل تاکید کا ہے اور سوف بھی تاکید مستقبل کے لیے۔ دُہری تاکید میں مقصود یہ اظہار ہے کہ واقعہ ہو کر ضرور رہے گا، گو کسی حکمت سے واقعے کا ظہور کچھ دیر کے بعد ہو۔

اللّام لام التأكيد، سوف تأكيد للاستقبال. (ابن خالويه، ص:۱۱۸)

فالمعنى أن الإعطاء كائن لا محالة وإن تأخر لحكمة. (روح، ج۳۰/ص:۱۵۹)

واللام للابتداء، وجمعها مع سوف للدلالة على أن الاعطاء كائن لا محالة وإن تأخر لحكمة. (بيضاوى، ج۵/ص:۱۸۸)

محدثین نے نقل کیا ہے کہ نزولِ آیت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا:
إذاً والله لا أرضىٰ لو واحد من أمتي في النار. ''اور میں تو خدا کی قسم ہے کہ خوش ہونے کا نہیں، جب تک میری اُمت کا ایک بھی فرد، دوزخ میں رہے''۔

اور اسے مفسرین نے اپنے یہاں درج کیا ہے بلکہ رُوح المعانی میں تو اور بھی احادیث وآثار اس کے مشابہ ومماثل ملتے ہیں۔

فترضىٰ۔ انبیاءؑ تو رہتے ہی مقام رضا میں ہیں، یعنی غیب سے جو کچھ بھی پیش آئے، اس پر ہر حال میں خورسند ورضامند، یہاں مراد اس خورسندی ورضامندی سے ہے جو کامل اکرامِ خداوندی کے بعد آپ کو حاصل ہوگی۔ بندہ لاکھ عالی حوصلہ ہو (جیسے کہ آپؐ تھے) اکرام وافضالِ خداوندی اس سے بھی بڑھ کر آپ کے حصے میں آئے گا، یہاں تک کہ آپ خود آسودہ ہو کر کہہ دیں گے کہ بس میں پوری طرح آسودہ ہوں۔

۵ (سو جو بندہ ماضی میں اتنے فضائل وکرامات کا مورد رہ چکا تو مستقبل میں اس کا درجہ

ومرتبہ اور زیادہ روشن وشان دار ہوکر رہتا ہے)

یتیماً۔ اس وقت کے عرب ماحول میں لفظ یتیم ہر طرح کی بے چارگی اور بے سروسامانی کا مظہر تھا۔

ألم......فآوی۔ یعنی جب آپ دُنیا میں لائے گئے تو ہر طرح کے ساز وسامان سے محروم ہی تھے، اس کے باوجود مربیِ حقیقی نے کس کس طرح آپ کو نوازا اور کس کس طرح ہر قسم کا سامان تسکین واطمینان آپؐ کے لیے بہم پہنچا دیا!——— آپ ابھی بطنِ مادر ہی میں تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا اور ابھی چھ سال کے بچے تھے کہ والدۂ ماجدہ بھی رحلت فرما گئیں، اور اس کے دو ہی سال بعد دادا صاحب بھی دُنیا سے رُخصت ہوگئے، غرض آپ کی یتیمی ہر طرح مکمل تھی۔

فھدیٰ۔ ابتداءً واصلاً ظاہر ہے کہ آپ اصول وارکانِ شریعت سے بیگانۂ محض تھے، پھر اسی اللہ ہی نے تو آپ کو دین وشریعت کا پورا پورا علم دے دیا۔

ضال کے اصلی معنی حیران وسرگردان کے ہیں، سو آپ فلاح واصلاحِ قوم کے لیے حیران وسرگرداں، مضطرب اور بے چین تو شروع ہی سے تھے، شرف نبوت کے حصول کے قبل سے۔

ویکون الضلال بمعنی الطلب، لأن الضال طالب. وقیل ووجدك متحیراً عن بیان ما نزل علیك، فھداك إلیه، فیکون الضلال بمعنی التحیر. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۹۷)

ضال کے دوسرے معنی غافل وبے خبر کے بھی لیے گئے ہیں، یعنی نزولِ وحی سے قبل آپ حقائقِ دین ومعارفِ شریعت سے بے خبر تھے، جیسا کہ ایک آیت قرآنی لا یضل ربی میں یضل، یغفل کے معنی میں آیا ہے۔

والضلال ھنا بمعنی الغفلة کقوله جل ثناؤہ (لا یضل ربی ولا ینسی) أی لا یغفل. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۹۶)

أی غیر عالم ولا واقف علیٰ معالم النبوة وأحکام الشریعة. (مدارك، ص:۱۳۵۷)

زجاج لغوی سے یہی معنی منقول ہیں اور مفسرین کی اکثریت بھی اسی طرف گئی ہے۔

باقی جو ضلال شریعت کی ایک اصطلاح اور ایمان کی ضد ہے وہ اصطلاح تو بہت بعد کی پیداوار ہے، اس معنی میں آپ کبھی بھی ضلال میں مبتلا نہیں رہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ⑪

اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے رہیے ۶

فھدیٰ۔ چنانچہ اللہ نے آپ کو دین وشریعت کا پورا علم دے دیا اور ہدایت واصلاح کے حقائق آپ کو سمجھا دیے، یہ مراد نہیں کہ اس نے آپ کو کفر وشرک سے نجات دی۔

أی فعرفك الشرائع والقرآن. (مدارك، ص:۱۳۵۷)

فهداك الله إلى القرآن، وشرائع الإسلام. (قرطبی، ج۲۰/ص:۹۶)

ووجدك......فاغنیٰ۔ آپؐ مادّی ومعاشی وسائل کے اعتبار سے بھی شروع میں بڑے صاحب احتیاج تھے، پھر اللہ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو اس اعتبار سے بھی غنی کر دیا۔

آپ کی دیانت وامانت، خوش معاملگی، خوش دماغی وغیرہ کا تجربہ کر کے مکہ کی ایک مال دار بیوہ (خدیجہ) کا اپنے کو آپ کے عقد میں دے دینا اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ ابوبکر بن ابوقحافہؓ خود بھی مکہ کے ایک بڑے تاجر تھے، اور پھر ان کی سعی ووساطت سے عثمان بن عفانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زبیرؓ بن عوام وغیرہ جن کا شمار شہر کے بڑے بڑے تاجروں وسرمایہ داروں میں تھا، آپ پر شروع ہی میں ایمان لے آئے تھے اور اپنے مال ودولت کے ذخیرے بے تکلف اسلام اور شارعِ اسلام کی خدمت کے لیے وقف کیے ہوئے تھے۔

۶ (غرض یہ کہ اللہ کے ہاں سے جو یہ نعمتیں آپ کو ملیں اور جو سرفرازیاں آپ کی ہوئی ہیں اُن کا شکریہ قولی وفعلی ہر طرح ادا کرتے رہیے)

عرب جاہلیت میں یتیم کی مطلق قدر نہ تھی، اور نہ وہ معاشرے میں کسی عزت وتکریم کا مستحق تھا اور نہ جائداد وترکہ میں اسے پورا حصہ مل پاتا تھا۔

وكذا كانت العرب تفعل فی أمر اليتامیٰ، تأخذ أموالهم وتظلمهم حقوقهم. (معالم، ج۵/ص:۲۶۹)

اور تنہا عرب ہی نہیں، بہت سی جاہلی تہذیبوں میں یہ امر مشترک رہا ہے ـــــــ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہو رہی ہے کہ ذرا آپ بھی اپنی یتیمی کو یاد کر لیجیے اور اس غریب مخلوق کے

ساتھ ہر طرح کا حسن سلوک و مدارات برتا کیجئے ـــــــ یہ آیت ایک ماقبل کی آیت کریمہ ألم یجدك یتیماً فاویٰ کے مقابلے پر ہے۔

فلا تقھر۔ آیت یہی نہیں کہ یتیموں پر ہر قسم کی سختی و زیادتی سے روکتی ہے بلکہ ان کے ساتھ شفقت و رحمت سے پیش آنے کا اشارہ کرتی ہے اور حدیثِ نبوی میں بھی یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید آئی ہے۔

وأما...... فلا تنھر۔ جاہلی تہذیبیں اور مشرکانہ تمدن ایسے بھی متعدد گزرے ہیں جن میں کوئی حق محتاج و سائل کا تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم مل رہی ہے کہ خود اپنی حاجت مندی کے زمانے کو یاد کرلیا کیجئے، اور کسی صاحبِ احتیاج سائل کو جھڑکنا، ڈانٹنا الگ رہا، اس سے بحسنِ مدارات پیش آیا کیجئے ـــــــ یہ آیت ماقبل کی آیت کریمہ و وجدك عائلاً فأغنیٰ کے مقابلے پر ہے۔

آیت سے یہ فقیہانہ استنباط کہ سائل کو کسی حال میں بھی جھڑکنا دُرست نہیں، صحیح نہ ہوگا، شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ محض سوال جھڑکنے کا باعث نہ ہونا چاہیے، معذرت ایسے موقع کے لیے کافی ہوگی، لیکن سائل اگر پیچھا نہ چھوڑے، بلکہ اپنی بات پر اَڑا رہے یا اور کسی طرح سوال میں سختی کرے تو اس سے ناگواری پیدا ہونا ایک امر طبعی ہے اور اب سائل کو جھڑک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ـــــــ یہ جامعیت صرف ہماری شریعت میں ہے کہ اس نے خادم و مخدوم، حاکم و محکوم، غلام و آقا، زردار و نادار سب ہی کے جذبات اور طبعی تقاضوں کا لحاظ بیک وقت رکھ لیا ہے!

وأما...... فحدث۔ نعمت ربك سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاق میں نعمتِ نبوت کا ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ وہ ساری نعمتوں سے اشرف و افضل تھی، لیکن ہے یہ کہ لفظ نعمت کے عموم میں چھوٹی بڑی، مادّی و رُوحانی ساری ہی نعمتیں داخل ہیں، یہ اسم جنس ہے جس کا اطلاق قلیل و کثیر، مفرد و متعدد سب ہی قرآن مجید میں آیا ہے، مثلاً ان آیتوں میں: وإن تعدوا نعمة اللّٰه لا تحصوھا (سورۂ ابراہیم، آیت ۳۴)، اذکروا نعمتی التی أنعمت علیکم (سورۂ بقرہ، آیت ۴۰) فانقلبوا بنعمة من اللّٰه (آل عمران، آیت ۱۷۴)۔

والصحيح أنها تعم جميع نعم الله عليه، ويدخل تحته تعليم القرآن والشرائع.

(مدارك،ص:١٣٥٧)

اور یہ آیت ایک ماقبل کی آیت ووجدك ضالاً فهدى کے مقابلے پر ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ جب کبھی اپنے کمالات کا اظہار کرتے ہیں تو مقصود ادائے شکر ہوتا ہے، نہ کہ عُجب وریا۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۷۶۲)

(۹۴)

سورۃ الانشراح مکیۃ
آیاتھا ۸ — ۸ آیتیں
رکوعاتھا ۱ — ۱ رکوع

سورۂ انشراح مکّی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا ہے ۱ اور آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اُتار دیا

الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعۡنَا لَکَ

جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی ۲ اور آپ کی خاطر آپ کا

۱ (اور اُسے حقائق و معارف سے بھر نہیں دیا!)

شرح صدر سے مراد ہے سینے کا حقائق و معارف سے بھر جانا، سینے کا انوارِ الٰہی و سکینتِ ربانی سے چمک اُٹھنا۔

شرح الصدر أی بسطه بنور إلهی وسکینة من جهة الله وروح منه. (راغب،ص:۲۹۰)

وشرح الصدر تنویره بالحکمة وتوسیعه لتلقی ما یوحیٰ إلیه، قاله الجمهور.

(بحر،ج۸/ص:۴۸۷)

اور یہ وہ مقامِ رفیع ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طلب و آرزو کے بعد ہی عطا ہوا تھا۔

رب اشرح لی صدری. (طٰہٰ،آیت ۲۱)

صوفیۂ محققین کے ہاں شرحِ صدر بڑی دولت ہے۔

اکثر مفسرین نے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعۂ شق صدر کا بھی ذکر کیا ہے، وہ روایت سلسلۂ سیرت میں جو مرتبہ بھی رکھتی ہو، بہر حال تفسیر آیت کی موقوف علیہ نہیں۔

۲ (اور آسان راہ کو آسان بنا دیا)

ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾

آوازہ بلند کر دیا ۳؎ سو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے

وزر کے اصل معنی تو بوجھ یا بار کے ہیں۔

الوزر الثقل. (راغب، ص:۵۹۳)

تو وہ کونسا عظیم الشان بار آپؐ پر تھا، اور جسے آپ سے ہٹا کر اللہ نے رحمتِ خاص آپ کے ساتھ کی ــــــ وہ یا تو صرف ایک ہی ہو سکتا ہے جسے دو شقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

(۱) قبل نبوت، اپنی قوم کی حالت پر حسرت و تأسف اور اس کی فلاح و اصلاح کی فکر ــــــ یہ بار یوں رفع کیا گیا کہ آپؐ پر ہدایت وسعادت کی راہ پوری تفصیل سے واضح کر دی گئی، اور خلق کی رہنمائی آپ کے سپرد کر دی گئی۔

(۲) بعد نبوت، قدرۃً آپ کو سب سے بڑی فکر تبلیغِ احکام کی اور اس کے نتائج و ثمرات کی رہی ــــــ قرآن مجید نے اس غم سے آپ کو سبک دوش یہ بار بار کہہ کر دیا کہ آپؐ پر ذمہ داری کسی کے ایمان لانے کی نہیں ــــــ لست علیهم بمصیطر. وما علیك أن لا یزکیٰ. لعلك باخع نفسك ألا یکونوا مؤمنین وغیرہا متعدد آیتوں میں آپ کو یہ مضمون سنا دیا گیا۔

وزر کے معنی گناہ کے بھی کیے گئے ہیں۔

یعبر بذلك عن الإثم. (راغب، ص:۵۹۳)

اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ ہم نے گناہوں سے آپ کو دُور رکھا ہے، جن کی فکر آپ کو کھائے جاتی تھی، اور آپ کی معصومیت کو کامل و مکمل کر دیا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ سالک کو قبلِ وصول سخت تنگی رہتی ہے، پھر بعد وصول ویسا ہی نشاط و اطمینان بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۷۶۳)

۳؎ (چنانچہ کلمۂ شہادت میں، اذان و اقامت میں، تشہد میں، خالق کے نام کے ساتھ اگر مخلوق میں سے کسی کا نام بلند ہوتا ہے تو وہ آپؐ ہی کا نام مبارک ہے)

رفعنا میں ضمیر جمع متکلم قابلِ غور ہے۔ آپ کا آوازہ تو ہم نے بلند کر دیا ہے، نہ کسی کی مخالفت چلنے پائی اور نہ کسی کی تدبیر کارگر ہونے پائی۔

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝٧

بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے ؎ تو آپ جب فارغ ہو جئے ریاضت کیجئے ؎

رفع ذکر یا آوازۂ بلند کی ایک فرد یہ بھی ہے کہ منکرین میں جو چوٹی کے اکابر ہیں ان کو آج تک اس سرورِ موجودات کی عظمت وجلالت کا اعتراف ہے ـــــ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی کے حواشی۔ رسول کریمؐ کا آوازۂ بلند کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں، ایک تاریخی حقیقت ہے اور روزمرہ کے تجربے ومشاہدے کی چیز ہے۔ یورپ، ایشیا، افریقہ، امریکا سے، آسٹریلیا، غرض سارے براعظموں اور ان کے اندر کے ملکوں، اقلیموں کو نظر میں رکھئے۔ آج کسی انسان کو (نہ کہ دیوتا یا اوتار) مان کر اتنا نامورنہ پایا جائے گا، اور یہ آفاق گیر شہرت نزولِ قرآن کے بعد سے آج تک برابر قائم ہے۔
لك میں لِ تخصص کا قائم ہے یعنی ایسی رفعتِ ذکر آپ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

؎ (اور اس پر یقین واعتماد رکھئے کہ عناد ومخالفت کے یہ سارے بادل چھٹ کر رہیں گے اور مظفر ومنصور آپ ہی ہوں گے)
آیت کی تکرار بظاہر وعدے کی تاکید کے لیے ہے، اور اس لیے کہ مسلمانوں کے دل بڑھے ہوئے رہیں، اور اُمید کا پہلو اُن پر غالب رہے۔

كرره لتأكيد الوعد وتعظيم الرجاء. (معالم، ج٥/ص:٢٧٥)

تكرير للتأكيد. (بيضاوى، ج٥/ص:١٨٩)

؎٥ یعنی کثرتِ عبادات ومجاہدات میں لگے رہیے کہ یہی آپ کے شایانِ شان ہے۔
عبادتی پہلو تو آپ کی زندگی کے لحہ لحہ کا تھا۔ حکم یہ مل رہا ہے کہ اس عام مشغولی کے علاوہ بھی بالتخصیص عبادت وخلوت وذکر کا وقت نکالئے۔
فإذا فرغت۔ یعنی جب آپ اپنے مرتبے ومنصب کے فرائض اور تبلیغ احکامِ رسالت سے فرصت پایئے۔

أى من عبادة كتبليغ الوحى. (روح، ج٣٠/ص:١٧١)

فانصب۔ نصب کے معنی مشقت اُٹھانے کے ہیں۔

وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

اور اپنے پروردگار ہی کی طرف توجہ رکھئے ۶

النصب التعب. (راغب، ص:۵۴۹)

مراد لی گئی ہے عبادت کی مشقتیں اُٹھانے سے۔

فاتعب فی عبادة أخری. (روح، ج ۳۰/ص:۱۷۱)

علامہ آلوسی بغدادی نے آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ بعض امامیہ نے لفظ کو کسرۂ صاد کے ساتھ فانصِب پڑھا ہے اور معنی یہ لیے ہیں کہ اے محمدؐ! آپ فراغت احکامِ نبوت کے بعد علیؓ کو امامت کے لیے نصب کر دیجئے، اور جواب یہ دیا ہے کہ اس قرأت کو صحیح فرض کر لینے کے بعد بھی اس پر کیا دلیل ہے کہ مفعول مقدر علیؓ ہی کو مانا جائے، ابوبکرؓ کو کیوں نہ مانا جائے! (روح، ج ۳۰/ص:۱۷۲)

اس سے ملتا ہوا ایک ادبی نکتہ زمخشری نے بھی کشاف میں بیان کیا ہے۔

۶ (براہِ راست اور بلا واسطۂ مخلوق)

عبادت اور بہترین عبادت کے حکم میں تو آپ کی مشغولیِ تبلیغ و اصلاحِ خلق بھی داخل تھی، لیکن بہرحال اس میں ایک واسطۂ مخلوق کا رہتا تھا، آیت میں حکم یہ مل رہا ہے کہ اس نوعیت کی عبادت کے علاوہ براہِ راست بھی توجہ اِلی الحق رکھئے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ جب ارشاد و افادۂ خلق سے فارغ ہو تو خلوت میں ذکر و مناجات میں لگ جائے، اور اپنے کو مجاہدے سے مستغنی نہ سمجھے۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۷۳۲)

(۹۵)

اٰیاتہا ۸
۸ آیتیں

سورۃ تین مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝١ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝٣

قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی!۱

۱ یعنی مکہ معظمہ کی۔

والتین والزیتون۔ انجیر اور زیتون دونوں پھل شام و فلسطین میں بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور انگریزی انسائیکلوپیڈیا میں بھی فلسطینی میوہ جات کے تحت میں دونوں کا خصوصی ذکر ملتا ہے اور دونوں پھلوں کے طبی منافع سے طبی کتابیں لبریز ہیں۔

زیتون کے لیے ملاحظہ ہو، حواشی سورۃ الانعام کی آیت والزیتون (آیت ۵۲) اور سورۂ نور کی آیت شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ. (آیت ۳۵)

والزیتون۔ زیتون کا ذکر بہ سلسلۂ دعوت حضرت مسیح علیہ السلام!

''اور وہ ہر روز ہیکل میں تعلیم دیتا تھا اور رات کو باہر نکل کر اس پہاڑ پر رہا کرتا تھا جو زیتون کا کہلاتا ہے'' (لوقا، ۲۱: ۳۷)۔

''وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا تو اس کے شاگرد اس کے پاس آ کر بولے......'' (متی، ۲۴: ۳)۔

یہ دو حوالے صرف بطور نمونہ نقل ہوئے، ورنہ حضرت مسیح علیہ السلام کے تعلق سے زیتون کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

طور سینین۔ یہ جزیرۂ نمائے سینا کی وہ پہاڑی ہے جو اب جبل موسیٰ کہلاتی ہے، اور مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیمبری اور شریعت دونوں اسی پہاڑی پر عطا ہوئی تھی ——— سینا یا

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝

کہ بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت کے ساتھ پیدا کیا ہے ۲

سینین اس پورے علاقے کا نام ہے جو جزیرہ نما کی شکل میں بحرِ رُوم سے مشرق میں نہر سوئز سے اور جنوب میں بحرِ احمر سے گھرا ہوا ہے، رقبہ ۲۳ ہزار مربع میل ہے اور آبادی ۳۷ ہزار سے اوپر ہے۔

البلد الأمين۔ لفظی معنی امن وعافیت والے شہر کے ہیں۔ یہاں مراد اس شہر سے لی گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشمنوں کے حملے سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔

الآمن من أعدائه أن يحاربوا أهله أو يغزوهم. (ابن جرير، ج ۲۴/ص:۵۸)

اس شہرِ امن کے لیے آمنًا کا لفظ بھی قرآن مجید میں آچکا ہے، مثلاً رب اجعل هذا البلد أمناً۔

مقصود اِن سب چیزوں کی قسم سے یہ ہے کہ یہ دلالتِ حال سے گواہی دے رہی ہیں۔

بعض اہلِ اشارات نے لکھا کہ طور سینین سے اشارہ شریعتِ موسوی کی جانب ہے اور والزیتون سے اشارہ ارشاداتِ مسیحی کی جانب ہے کہ آپ نے اپنا مشہور تبلیغی وعظ کوزیتون ہی سے ارشاد فرمایا تھا اور البلد الأمين سے شریعتِ محمدی کی جانب ـــــ فاضل معاصر مولانا مناظر احسن گیلانی کا خیال تھا کہ والتین سے اشارہ گوتم بدھ ہندی کی طرف (بشرطِ اثباتِ نبوت) نکل سکتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے اُصولِ دین کی تلقین انجیر ہی کے درخت کے نیچے بیٹھ کر کی تھی۔

۲ (کہ جس سے وہ اپنی ساری ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل ہو جائے) نظامِ عالمِ تکوینی کی فکر واہتمام، یا جن چاروں نظاماتِ تشریعی کی طرف ابھی اشارہ ہو چکا ہے ان کی حفاظت وانتظام کی ذمہ داری خود اس کی دلیل ہے کہ انسان کی آفرینش یوں ہی اُٹکل پچو نہیں کر دی گئی ہے، بلکہ گہرے مقصدوں اور دُور رس غایتوں کے ساتھ کی گئی، اور خلقتِ انسان انتہائی حکمتوں اور صناعیوں کا مجموعہ ہے۔

الإنسان۔ مراد جنسِ انسان سے ہے۔ ہر ملک، ہر قوم، ہر ذات کے مرد وعورت، بوڑھے بچے سب پر شامل۔

يريد به الجنس. (بيضاوی، ج ۵/ص: ۱۹۰)

الجنس. (جلالین، ص: ۸۱۳)

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

پھر ہم اسے پستیوں سے بھی پست کر دیتے ہیں ؎۳ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے

الإنسان وإن كان لفظه لفظ واحد فهو فى معنى الجمع. (ابن خالويه،ص:١٣١)

أحسن تقويم۔تقویم کے معنی تعدیل وتثقیف کے ہیں۔

تقويم الشيئ تثقيفه. (راغب،ص:٤٦٧)

التقويم التثقيف والتعديل. (روح،ج ٣٠/ص:١٧٥)

بہترین ساخت کے اس عموم میں صورت ومعنی، ظاہر وباطن دونوں شامل ہیں، اس لیے ناک نقشہ، قد وقامت، عقل وتمیز، فہم وفراست اور مظہریت صفات حق سبھی اس کے اندر آ گئے۔

ذلك إشارة إلى ما خُصّ به الإنسان من بين الحيوان من العقل والفهم وانتصاب القامة الدالة على استيلائه علىٰ كلّ ما فى هذا العالم. (راغب،ص:٤٦٧)

والمراد بذلك جعله علىٰ أحسن ما يكون صورةً ومعنىً. (روح،ج ٣٠/ص:١٧٥)

مزيناً بالعقل، مؤدِّياً للأمر، مهدياً بالتمييز، ومديد القامة. (قرطبى،ج ٢٠/ص:١١٤)

عن ابن عباس قال فى أعدل خلق. (ابن جرير،ج ٢٤/ص:٥١١)

؎۳ (اگر وہ اپنے قویٰ کا صحیح استعمال نہیں کرتا اور ہماری دکھائی ہوئی راہ چھوڑ دیتا ہے)

إن لم يطع الله ويتبع الرسل. (ابن كثير،ج ٤/ص:٤٨٠)

یہ پستی تمام تر دینی، رُوحانی، اخلاقی اعتبار سے ہوتی ہے اور یہ مراجعت تنزیلی آخر میں دوزخ کی طرف لاتی ہے۔

قال الحسن وقتادة ومجاهد يعنى ثم رددناه فى النار. (معالم،ج ٥/ص:٢٧٧)

أى إلى النار. (ابن كثير،ج ٤/ص:٤٨٠)

أى بأن جعلناه من أهل النار. (بيضاوى،ج ٥/ص:١٩٠)

رددناه إلى النار فى أقبح صورة. (ابن جرير،ج ٢٤/ص:٥١٤)

ضعفِ جسمانی واضمحلالِ بدنی مراد نہیں کہ وہ پیرانہ سالی میں مومن وکافر، صالح وفاسق سب کے لیے بلا امتیاز عام ہے۔

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۞ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۞

توان کے لیے اجر غیر منقطع ہے ۴ تو کون سی چیز تجھ سے اس کے بعد بھی جزا کی تکذیب کرا رہی ہے ۵

ولو كان هذا هو المراد حسن استثناء المؤمنين من ذلك لأن الهرم قد يصيب بعضهم. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٤٨٠)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ انسان کی اصل فطرت تو سلیم ہی ہے، اسی پر وہ پیدا ہوتا ہے، پھر وہ اپنے ہاتھوں ماحول میں پڑکر اور بدی کے اثر میں آ کر اُسے بگاڑ لیتا ہے۔

۴ (تو انھیں اسفل سافلین کی طرف مراجعت کا کیا اندیشہ؟)

یعنی انسان اپنا بہترین قوام (بہترین سانچہ یا بہترین ڈھانچہ) قائم رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ قانونِ الٰہی پر چلتا رہے اور خود ہی کج روی نہ اختیار کرلے۔

إلّا۔ یہاں ''بجز''، ''ماسوا'' کے معنی میں نہیں بلکہ اُردو کے لیکن یا البتہ کے معنی میں ہے۔

لكن. (جلالين، ص: ٨١٣)

والكلام على معنى الاستدراك كأنه قيل لكن الذين آمنوا لهم أجر الخ. (روح، ج ٣٠/ص: ١٧٦)

بڑی بشارت اور تسکین کا سامان آیت کے اس جز سے اہل ایمان کو حاصل ہوگیا!

۵ (اے منکر انسان!)

یعنی اللہ کی قدرت اور ربوبیت کے اتنے شواہد پاکر بھی اے ناشکر گزار و کافر انسان، تو کس دلیل سے یومِ جزا کا منکر ہو رہا ہے؟

صیغۂ غائب سے بقاعدۂ التفات بہ صیغۂ مخاطب کی طرف انتقال مزید زجر و توبیخ کے لیے ہے۔

الخطاب عند الجمهور للإنسان على طريقة الالتفات لتشديد التوبيخ والتبكيت. (روح، ج ٣٠/ص: ١٧٧)

أى يا ابن آدم. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٤٨٠)

الخطاب للكافر، توبيخاً والتزاماً للحجة. (قرطبى، ج ٢٠/ص: ١١٩)

اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَحۡكَمِ الۡحٰكِمِيۡنَ ۝۸

کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں؟ ۶

ما یعنی کونسا سبب؟

أى فما سبب تكذيبك......بالجزاء. (مدارك، ص:١٣٦١)

فما الذى يحملك علىٰ هذا الكذب. (بيضاوى، ج٥/ص:١٩٠)

بعد۔ اِن اِن دلائل وشواہدِ قدرت کے بعد!

أى بعد هذا الحجة والبرهان. (معالم، ج٥/ص:٢٧٨)

بعد ظهور هذه الدلائل. (بيضاوى، ج٥/ص:١٩٠)

اور تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے:- بعد هذا البيان بالدين.

۶ (بے شک ہے)

یعنی اتنی موٹی بات بھی تمھاری سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ تو ہر تصرف پر قادر، اور وہی سب حاکموں کے اوپر حاکم ہے، تو وہ بغیر آخری عدالت برپا کیے اور بغیر ہر ہر جزئیہ کا آخری صحیح وصادق فیصلہ کیے کیسے رہ سکتا ہے؟ ــــــــ یوم الحساب کا وقوع تو حق تعالیٰ کے حاکمِ اعلیٰ ہونے کا قدرتی نتیجہ ہونا ہی چاہیے۔

ألیـــس۔ الف استفہام جب نفی پر آجاتا ہے تو اُردو ہی کی طرح عربی میں بھی اس کے معنی زور واثبات کے پیدا کر لیتا ہے۔

وألف الاستفهام إذا دخلت على النفى وفى الكلام معنى التوقيف صار إيجاباً

(قرطبى، ج٢٠/ص:١١٧)

(٩٦)

سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَةٌ

آیاتها ١٩
١٩ آیتیں

سورۂ علق مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ

آپ پڑھئے نام سے اپنے پروردگار کے ١

١ (اس قرآن کو جواب آپؐ پر نازل ہونا شروع ہوا ہے)

قرآنی سورتوں میں یہی سورت آپ پر سب سے پہلے نازل ہوئی، بلکہ یوں کہیے کہ اس سورت کی یہی ابتدائی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی قرآنی ہیں۔

أول شيئ نزل من القرآن هذه الآيات الكريمات المباركات، وهن أول رحمة رحم الله بها العباد. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٤٨١)

أكثر المفسرين علىٰ أن هذه أول سورة نزلت من القرآن، وأول ما نزل خمس آيات من أولها. (معالم، ج ٥/ص: ٢٧٩)

هذه السورة أوّل ما نزل من القرآن، في قول معظم المفسرين. (قرطبي، ج ٢٠/ص: ١١٧)

تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے درج ہے:۔

عمر شریف جب چالیس کے قریب پہنچی تو طبیعت زیادہ خلوت پسند ہوگئی اور آپ اکثر شہر مکہ سے متصل ایک پہاڑی غارِ حرا نامے میں جا کر معتکف رہنے لگے، جیسا کہ مرتاض زاہدوں کا دستور ہے ـــــ آپ کی امانت و دیانت، تقویٰ و اخلاص، شرافت و حسنِ خلق، قوم و قبیلے میں پہلے ہی سے مسلّم و مشہور تھے، اور اسی بنا پر بستی والوں نے آپ کو الأمین کہنا شروع کر دیا تھا۔

ایک شب میں کہ وہ رمضان ۱۳ ق۔ھ (مطابق جولائی ۶۱۰ء) کی کوئی تاریخ تھی کہ دفعۃً فرشتۂ اعظم جبرئیلؑ نے نمودار ہوکر آپؐ سے کہا کہ اقرأ، یعنی پڑھیے۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا: ما أنا بقارئ (یعنی میں پڑھا ہوا نہیں) عرب میں پڑھنے کا دستور ہی اس وقت بہت کم تھا، اس پر فرشتے نے آپ کو اپنے سے چمٹالیا اور بھینچا، اور پھر اسی طرح مکالمہ و معانقہ کا اعادہ کیا—— گویا بارِ وحی اُٹھانے کے لیے جن غیر معمولی قوتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ ملکوتی واسطے سے جسم بشری میں سرایت کردی گئیں۔ یہ آیتیں اقرأ سے لے کر ما لم یعلم تک فرشتۂ اعظم نے پڑھ کر سنادیں جو اسی وقت رسولِ اعظمؐ کو یاد بھی ہوگئیں۔

یہ تفصیلات صحیح بخاری سے لے کر سیرت ابن ہشام اور طبقات کبیر (ابن سعد) تک جزئی اختلافات کے ساتھ حدیث و سیرت کی تقریباً ساری ہی مستند کتابوں میں مل جاتی ہیں۔

ہیبتِ وحی خصوصاً اس کے بالکل پہلے تجربے سے آپ کا شدید تأثر و خوف و رعشہ ایک بالکل امر طبعی تھا (اور اس اضطراری جسمانی تاثر کو عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی سمجھنا بڑی کج فہمی ہے) چنانچہ آپؐ نے گھر آکر رفیقِ حیات حضرت بی بی خدیجہؓ سے سب سے پہلے یہ ماجرا دوہرایا—— وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی بلندی، اور اخلاقی عظمت سے خوب واقف تھیں اور اپنے بعض مسیحی عزیزوں سے وحی الٰہی کی ہیبت و جلال کی بھی کچھ سن گن پاچکی تھیں، انھوں نے آپ کو تسکین و دلاسا دیا اور آپ انھیں کے مشورے سے شہر کے ایک عابد و مرتاض موحد مسیحی ورقہ بن نوفل کے پاس آئے، اور ان کے بیان سے آپ کے ایمان و ایقان کو مزید تقویت ہوئی، جیسا کہ اُستادِ کامل کو بعض وقت اپنے ہی کسی شاگرد کی تائید و تصدیق سے ہوجاتی ہے۔

قـــراءت اُردو میں ''پڑھنے'' کی طرح عربی میں دو معنی میں آتا ہے، زبانی پڑھنے یا سنانے (Recite) کے معنی میں بھی، اور کسی تحریر کے پڑھنے (Read) کے معنی میں بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرأت سے معذرت کردینا اپنے حرف ناشناس اور ناخواندہ ہونے کی بنا پر بالکل صحیح تھا۔

باسم ربك۔ اسم رب کے لانے سے ادھر اشارہ ہوگیا کہ آپ کی تربیت درجۂ کمال پر ہوگی اور آپؐ اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچائے جائیں گے۔

الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾

جس نے (سب) کو پیدا کیا ۲ (جس نے) انسان کو پیدا کیا لوتھڑے سے ۳ آپ (قرآن) پڑھا کیجئے، آپ کا پروردگار بڑا ہی کریم ہے

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ

اور جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے ۴ (جس نے) انسان کو وہ سکھایا

۲ (ہر چیز کو)

یہاں ترکیب معنی میں کل شیئ محذوف مانا گیا ہے اور مراد ساری ہی خلقت کی تخلیق لی گئی ہے۔

يعني جميع الخلائق. (خازن، ج۷/ص:۲۶۸)

تقدير خلق كل شيئ فيتناول كل مخلوق. (مدارك، ص:۱۳۶۲)

رب اور الذی خلق کو ساتھ ملا کر یہ یاد دلا دیا کہ ربوبیت وہی کر رہا ہے جس نے ساری کائنات کو خلق کیا ہے۔ رب اور خالق دونوں ایک ہی ہیں، دو جداگانہ ہستیاں نہیں جیسا کہ بعض جاہلی مذہبوں میں ہے کہ پیدا کرنے والا اور ہے اور پالنے والا اور۔

۳ (تو انسان کو چاہیے کہ اپنی اس اصلیت کو ہمیشہ یاد رکھے)

خلق الإنسان۔ عام تخلیق کے بعد تخلیقِ انسانی کا ذکر بصراحت کرنا نعمتِ عام کے بعد نعمتِ خاص پر توجہ دلانا ہے۔

الإنسان سے مراد جیسا کہ ظاہر ہے عام نوعِ انسان ہے۔

يعني ابن آدم. (معالم، ج۵/ص:۲۸۱)

من علق۔ اس سے یہ نکل آیا کہ جنین میں انسان کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب مادۂ منویہ گوشت کی بوٹی یا لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے، علق کی تصریح اہل فن جتنی چاہیں کر سکتے ہیں۔

۴ (یعنی جس نے تعلیم کا واسطہ و ذریعہ قلم کو بنایا)

اقرأ۔ ابھی آچکا تھا، یہ تکرار ممکن ہے کہ زور و تاکید کے لیے ہو۔

تكرير للمبالغة. (بيضاوی، ج۵/ص:۱۹۰)

كرره تاكيداً. (معالم، ج۵/ص:۲۸۱. خازن، ج۷/ص:۲۶۹)

مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥ كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ۝٦

جو وہ نہیں جانتا تھا ۝٥ ہاں انسان بے شک حد سے نکل جاتا ہے

لیکن بہتر یہ ہوگا کہ اس کا تعلق عبارت مابعد سے مانا جائے اور وربك الأكرم کو اس کا حال تسلیم کیا جائے (جیسا کہ رُوح المعانی وغیرہ میں اشارہ ہے) اور اس صورت میں معنی ہوں گے کہ رب اکرم کے کرمِ خصوصی (نزولِ قرآن) کا عین مقتضا یہ ہے کہ آپ اسے پڑھتے رہا کیجئے۔

الأكرم۔ اکرم وہ ہے جو کرم میں ہر کریم سے بڑھ کر ہو۔

الذی له الكمال فی زيادة كرمه علی كل كرم. (كشاف، ج٤/ص:٧٦٦)

الزائد فی الكرم علیٰ كل كريم. (بيضاوی، ج٥/ص:١٩٠)

ربك الأكرم۔ تو وہ کریم واکرم جس نعمت سے جسے چاہے سرفراز کردے، چنانچہ آپ کو اس خاص ترین نعمت سے نواز دیا۔

الذی علّم بالقلم۔ الفاظ سے اشارہ یہ بھی ہوگیا کہ یہاں دوسرے احساناتِ خداوندی: حیات، رزق وغیرہ اللہ کی صفتِ کریمی پر دال نہیں، وہاں بشر کو صفتِ علم سے مفتخر ومشرف کرنا اللہ کی شانِ اکرمیت کا شاہد عادل ہے اور علم کا مقام انتہائی شرف ومنزلت کا ہے۔

فيه تنبيه علىٰ أن العلم أشرف الصفات الإنسانية، كأنه تعالىٰ يقول الإيجاد والإحياء والإقدار والرزق كرم وربوبية، أما الأكرم هو الذی أعطاك العلم لأن العلم هو النهاية فی الشرف. (كبير، ج٣٢/ص:١٧)

عرب عموماً نوشت وخواند سے بیگانہ تھے اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو اُمی ہی تھے، اس وصفِ اُمیت نے دُنیا کی عظیم ترین کتاب قرآن کے وصفِ اعجاز کو اور زیادہ نمایاں کردیا ہے۔

علّم بالقلم۔ قلم یعنی تحریر ونوشت وخواند کی فضیلت کے لیے یہ نص کافی ہے ــــــ بلکہ یہ استنباط بھی بے جا نہ ہوگا کہ تکوینی حقیقتیں بہت سی قلم ہی کے ذریعے دریافت ہوسکی ہیں۔

۵ نوعِ انسان کو ماضی وحال میں جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے یا مستقبل میں جو کچھ معلوم ہوگا یہ سب اگر فیضانِ الٰہی کا پرتو نہیں تو اور کیا ہے؟ تعلیم یافتہ ومہذب انسان کو آج اپنے جن جن علوم

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿۷﴾

اس بنا پر کہ وہ اپنے کو مستغنی سمجھنے لگتا ہے ۶

وفنون، معارف وصنائع پر ناز ہے وہ سب اگر حق تعالیٰ ہی کے بنائے ہوئے، سُجھائے ہوئے، سکھائے ہوئے نہیں تو اور کیا ہیں؟ ـــــ قرآن مجید نے یہاں اس بالکل کھلی ہوئی حقیقت کو یاد دلایا ہے، اور مغرور ومتکبر انسان کی آنکھیں کھول دی ہیں۔

یہی مضمون ایک دوسری جگہ یوں ادا ہوا ہے: واللّٰہ أخرجکم من بطون أمهاتکم لاتعلمون شيئاً. (سورۂ نحل، آیت ۷۸)

الإنسان سے یہاں بھی مراد نوعِ انسان ہے۔

الجنس. (جلالین، ص: ۸۱٤)

الظاهر أنه اسم الجنس. (بحر، ج ۸/ص: ۴۹۳)

علم......لم یعلم۔ اس یعلم سے مراد بعض نے وہ قواعد علمی لیے ہیں، جن سے ہر مجہول معلوم بن سکتا ہے، اور بعض نے وہ اسرارِ علومِ نبوت لیے ہیں، جن کے لیے عقل وحواس بشری کافی نہ تھے اور حق تعالیٰ نے اُنھیں رسولؐ پر وحی کر کے سارے انسانوں تک پہنچا دیے ـــــ لیکن بہتر یہ ہوگا کہ مراد سارے ہی معلومات لیے جائیں کہ ان کا کوئی بھی جز انسان محض اپنی جدوجہد سے بغیر تائیدِ ایزدی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

أی علمه به وبدونه من الأمور الكلية والجزئية والجلية والخفية مالم يخطر بباله. (روح، ج ۳۰/ص: ۱۸۰)

۶ (اور اپنے رب کی طرف سے)

یہاں فطرتِ بشری کی کمزوری دکھائی ہے کہ انسان کے حدِ عبودیت سے نکل جانے اور سرکشی وطغیان اختیار کرنے کا سبب اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو اپنے پروردگار کی طرف سے بے نیاز سمجھنے لگتا ہے، انسان کی ضرورتیں جب خاطر خواہ پوری ہونے لگتی ہیں تو رفتہ رفتہ اُس کا سارا اعتماد شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے آلات وتدابیر پر ہو جاتا ہے اور اپنے مربی حقیقی سے تعلق پیدا کرنے یا سرے سے اُدھر توجہ کرنے کا داعیہ ہی اس میں باقی نہیں رہ جاتا۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝٨ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝٩ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝١٠

بے شک تیری واپسی تیرے پروردگار کی طرف ہوگی ۷ کیا تونے اس شخص پر نظر کی جو روکتا ہے بندہ (خاص) کو جب وہ نماز پڑھتا ہے ۸

کلّا ہمیشہ تردید ہی کے معنی میں نہیں آتا، کبھی زور و تاکید کے موقع پر اُردو میں ''یقیناً'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔

ذكر الجرجانی...... أن (كلّا) هنا بمعنى حقاً. (كبير، ج۳۰/ص:۱۹۰)

وقد جاء بمعنى حقاً. (أبو البقاء، ص:۱۱۳۹)

حقاً. (معالم، ج۵/ص:۲۸۱. خازن، ج۷/ص:۲۶۹. جلالين، ص:۸۱٤)

کلّا کے متعلق قرآنی مفہوموں پر بحث ابن ہشام نحوی کی کتاب مغنی اللبیب میں (جلد اوّل ص:۱۶۱ مطبوعہ مصر) میں ملے گی۔

الإنسان۔ بعض مفسرین نے اس سے اشارہ ابوجہل کی طرف سمجھا ہے، بے شک اشارۂ خصوصی اس کی جانب ہوگا، لیکن بہرحال اس سے عمومی مراد نوعِ انسان ہے۔

المراد من الإنسان...... جملة الإنسان. (كبير، ج۳۲/ص:۱۸)

ومع نزوله فی ذلك اللعين المراد بالإنسان الجنس. (روح، ج۳۰/ص:۱۸۲)

کشاف، ابن کثیر، معالم وغیرہ نے بھی الإنسان کو عام و مطلق معنی میں لیا ہے۔

لیطغیٰ میں ل تاکید کا ہے۔

۷ (تو اے مخاطب! تو اس پروردگار سے بے نیاز رہ کیسے سکتا ہے؟)

قلب میں انابت و شکستگی پیدا کرنے کا اس سے بڑھ کر مؤثر کوئی اور طریقہ نہیں کہ اسے استحضار انسان کے اس انجام و عاقبت کا رہے۔

۸ اور وہ روکنے والا نماز و عبادت کو مبغوض رکھتا ہے۔

عبداً سے اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے اور الذی ینھی سے معاندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل عمرو بن ہشام مخزومی کی جانب۔

قال ابن عطية ولم يختلف أحد من المفسرين أن الناهی أبو جهل وأن العبد المصلی هو محمد صلى الله عليه وسلم. (بحر، ج۸/ص:٤۹۳)

اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰٓى ۙ‏ ﴿۱۱﴾ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰى ؕ‏ ﴿۱۲﴾ اَرَءَيۡتَ

کیا تو نے یہ دیکھا کہ وہ (بندہ) اگرچہ حق پر ہو یا تقویٰ کی ہدایت کررہا ہو! ۹ کیا تو نے یہ دیکھا

اِنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ‏ ﴿۱۳﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ‏ ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ ۙ

کہ وہ (دوسرا شخص) اگر جھٹلا رہا اور روگردانی کررہا ہو! ۱۰ کیا اسے خبر نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ ۱۱ ہاں ہاں اگر وہ باز نہ آیا

ولم يختلف المفسرون...... في أن العبد المصلي هو رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم والناهي هو اللعين أبو جهل. (روح، ج ۳۰/ص:۱۸۳)

عبداً۔ لفظ عبد کو صیغۂ نکرہ میں لانے سے ایک تو اس شخص کے کمالِ عبودیت کا اظہار ہو گیا، دوسرے اس عبدِ کامل کو عبادت سے بھی روکنے کی قباحت اور شناعت اور زیادہ مؤکد ہو گئی۔

تنكيره للمبالغة في تقبيح النهي والدلالة على كمال عبودية المنهي. (بيضاوي، ج ۵/ص: ۱۹۰-۱۹۱)

التنكير في عبداً يدل على كونه كاملاً في العبودية. (كبير، ج ۳۲/ص:۲۱)

فقہائے مفسرین نے لکھا ہے اور یوں بھی ظاہر ہی ہے کہ کسی کو نماز سے روکنا جب کہ وہ کسی مقتضائے شرعی کے ماتحت ہو، اس وعید کے تحت میں نہیں آتا، جیسے نماز وقتِ مکروہ میں یا نماز زمین مغصوب پر۔

۹ (تو ایسے کو نماز سے روکنا کس درجہ اپنی شقاوت و خباثت کا ثبوت دیتا ہے)

أمر بالتقوىٰ۔ اس سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ وہ بندہ صفاتِ لازمی ہی میں کامل نہیں، بلکہ صفاتِ متعدی میں بھی منفرد ہے، کمالاتِ لازمی و متعدی کا جامع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ دائمی مشغولی تو اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کی اصلاح و ہدایت کے لیے تھی۔

إمّا في إصلاح نفسه، وذلك بفعل الصلاة أو في إصلاح غيره، وذلك بالأمر بالتقوىٰ. (كبير، ج ۳۲/ص:۲۲)

۱۰ یعنی عقیدہ و عمل کے اعتبار سے وہ اس عبدِ کامل کا ضدِ کامل ہو۔

کذب کا تعلق اعتقاد سے ہے اور تولیٰ کا اعمال سے ــ آیت، آیت ماقبل کے ٹھیک مقابل ہے۔

۱۱ (چنانچہ وہ اس کے اس طغیان کو بھی دیکھ رہا ہے، اور اس پر اُسے پوری سزا بھی دے گا)

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿۱۷﴾

تو ہم یقیناً اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، پیشانی دروغ وخطا میں آلودہ ۱۲ اچھا یہ اپنے جلسہ والوں کو بلالے

ایک چھوٹی سی آیت غایت ترغیب وغایت ترہیب دونوں کا کام دے رہی ہے ـــــ جس طرح نافرمانی معصیت پر جسارت کا بڑا سبب انسان کے لیے یہی ہوتا ہے کہ اسے ایک ہمہ بین، ہمہ داں، ہمہ تواں غیبی ہستی کا استحضار نہیں رہتا، اسی طرح طاعت وعبادت میں بھی حصولِ لذت کا بہترین نسخہ ایسی ہی ہستی کا استحضار ہے۔

فيكون هذا تخويفاً شديداً للعصاة، وترغيباً عظيماً لأهل الطاعة. (کبیر، ج۳۲/ص:۲۳)

۱۲ ہر زبان کا اسلوبِ بیان، اس کا اپنا، اور دوسری زبانوں سے الگ ہوتا ہے ـــــ اُردو میں جس طرح چلے ہوئے ''سر پُر غرور''، ''سینۂ پُر کینہ''، ''خرام ناز''، ''چشم سرگیں''، ''قدومِ میمنت لزوم'' وغیرہ ہیں، عربی تلازمہ میں ''پیشانی خطا آلود ودروغ آلود'' کا ہے۔

ووصف الناصية بالخاطئة الكاذبة كما وصف الوجوه بأنها ناظرة. (کبیر، ج۳۲/ص:۲۴)

لئن لم ينته۔ اس سے اشارہ ادھر ہوگیا کہ مجرم کے لیے باوجود اس شدتِ جرم کے اب بھی موقع توبہ واستغفار کا باقی تھا۔

لنسفعاً بالناصية۔ پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹنا عربی محاورے میں کنایہ انتہائی ذلت وخواری سے ہے۔

وخص الناصية بالذكر على عادة العرب في من أرادوا إذلاله وإهانته أخذوا بناصيته. (قرطبی، ج۲۰/ص:۱۲۵)

وكأن تخصيص الناصية بالذكر...... لأن السفع بها غاية الإذلال عند العرب. (روح، ج۳۰/ص:۱۸۷)

لئن اور لنسفعاً دونوں میں ل تاکید کا ہے۔

لنسفعاً میں تنوین بھی تاکید کی ہے۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا ۚ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿١٩﴾

ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلاتے ہیں، خبردار آپ اس کا کہنا نہ مانئے اور نماز پڑھتے رہیے اور قرب حاصل کرتے رہیے ۱۴

والنون نون التأكيد. (ابن خالويه، ص: ١٤٠)

كاذبة۔ اپنے دعوئے کفروانکارِ رسالت کے لحاظ سے جھوٹی۔

كاذبة فى مقالها. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٨١)

خاطئة۔ اپنے اعمال میں خطا کار۔

خاطئة فى أفعالها. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٨١)

۱۳ (یعنی یہ مجرم بھی اپنے دل کا حوصلہ نکال لے اور دیکھ لے کہ کتنے پانی میں ہے)

نادية۔ نادی کے معنی مجلس ہیں۔ یہاں بہ حذفِ مضاف مراد اہل مجلس یا اہل جلسہ ہیں۔

قال أبو عبيدة نادية أى أهل مجلسه وبالجملة، فالمراد من النادى أهل النادى.

(كبير، ج٣٢/ص:٢٥)

والكلام على تقدير المضاف أى فليدع أهل نادية. (روح، ج٣٠/ص:١٨٧)

سردارانِ قریش ابوجہل مخزومی وغیرہ کو بڑا ناز اپنے جتھے پر تھا، انھیں کو للکارا جا رہا ہے کہ اپنے جتھے والوں کو بلا دیکھیں۔

الزبانية۔ لفظی معنی پیادوں یا سپاہیوں کے ہیں۔

قال قتادة الزبانية هم الشُّرَطُ فى كلام العرب. (كبير، ج٣٢/ص:٢٥)

وهو فى الأصل الشرط واحدها زبانية. (بيضاوى، ج٥/ص:١٩١)

سیاق میں مراد دوزخ کے ملائکۂ عذاب سے لی گئی ہے۔

فالمراد ملائكة العذاب. (كبير، ج٣٢/ص:٢٥)

أى الملائكة الغلاظ الشداد عن ابن عباس وغيره. (قرطبى، ج٢٠/ص:١٢٦)

۱۴ (کہ قربِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ یہی نماز و عبادت ہے)

كلّا لا تطعه۔ یعنی جیسا کہ آپؐ نے اب تک اُن موذی معاندوں کا کہنا نہیں مانا ہے

آیندہ بھی ان کے بہکانے، دھمکانے، کسی چیز میں نہ آیئے گا، اور آپ حکم کی بڑی تاکید جانے رہیے۔

واسجد۔ سجود سے مراد یہاں نماز و عبادت لی گئی ہے۔

وقد يعبّر بها عن الصلاة. (راغب، ص:۲۵۱)

مجاز عن الصلاة. (روح، ج۳۰/ص:۱۸۸)

وصلّ لله. (معالم، ج۵/ص:۲۸۲. قرطبی، ج۲۰/ص:۱۲۸. خازن، ج۷/ص:۲۷۱)

وعند أكثر أهل التأويل أراد به صلّ و توفر علىٰ عبادة الله تعالىٰ فعلاً و إبلاغاً.

(کبیر، ج۳۲/ص:۲۶)

واقترب۔ بعض فقہاء نے یہاں سے نکالا ہے کہ سجدے میں نیتِ تقرب وثواب واجب ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خشوع جو سجدے کی رُوح ہے وہی اصل مدارِ قرب ہے۔

(تھانوی، ج۲/ص:۷۶۶)

(۹۷)

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّة

سورۂ قدر مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ

بے شک ہم نے اُتارا ہے اسے شب قدر میں [۱] اور آپ کو خبر ہے

[۱] یعنی اب کلام کے اُتارنے کی ابتدا کی ہے اس معزز و مکرم رات میں۔

قال الشعبی ابتدأ بإنزاله لیلة القدر. (کبیر، ج ۳۲/ص:۲۸)

عن الشعبی قال نزل أول القرآن فی لیلة القدر. (ابن جریر، ج ۲۴/ص:۵۴۳)

ورنہ پورے قرآن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے میں تو ۲۲ سال کی مدت لگی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ پورا قرآن اسی شب مبارک میں عرش بریں پر لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر اُتارا گیا ہے۔

عن ابن عباس نزل القرآن فی لیلة من السماء العلیا إلیٰ السماء الدنیا، جملةً واحدة. (ابن جریر، ج ۲۴/ص:۵۴۳)

قیل بل نزل به جبریل علیه السلام جملة واحدةً فی لیلة القدر، من اللوح المحفوظ إلی سماء الدنیا. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۱۳۰)

إنّا۔ ضمیر جمع متکلم حصر و تاکید کے لیے ہے یعنی یہ کلامِ مبارک ہم ہی نے اُتارا ہے، کسی اور کی شرکت اس میں نہیں۔

أنزلناہ۔ ضمیرہٗ بلا اختلاف قرآن مجید ہے۔

أجمع المفسرون علیٰ أن المراد إنا أنزلنا القرآن فی لیلة القدر. (کبیر، ج ۳۲/ص:۲۷)

الضمير عند الجمهور للقرآن وادعى الإمام فيه اجماع المفسرين.
(روح،ج۳۰/ص:۱۸۹)

اس اضمار میں قرآن مجید کی عظمت صراحت سے زائد ہے۔

ترك التصريح بالذكر، لأن هذا التركيب يدل علىٰ عظم القرآن. (كبير،ج۳۲/ص:۲۷)

فى التعبير عنه بضمير الغائب مع عدم تقديم ذكره تعظيم له. (روح،ج۳۰/ص:۱۸۹)

فی لیلۃ القدر۔ سب سے پہلی وحی قرآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی کسی طاق رات میں نازل ہوئی تھی ــــــ حدیث صحیح کے مطابق یہ قرآنی سالگرہ یعنی شب قدر، ہر سال رمضان کے عشرۂ آخر کی کسی طاق تاریخ میں آیا کرتی ہے۔

والصحيح والذى عليه الأكثرون أنها فى العشر الأواخر من شهر رمضان
(معالم، ج۵/ص:۲۸۳)

الأكثرين علىٰ أنها فى العشر الأواخر لكثرة الأحاديث الصحيحة فى ذلك وأكثرهم علىٰ أنها فى أوتارها لذلك أيضاً. (روح،ج۳۰/ص:۱۹۱)

احناف نے اس کے وقوع کے لیے ۲۷ ویں شب رمضان کا قول اختیار کیا ہے، اور مالکیہ کا رجحان بھی یہی ہے۔

وهى ليلة السابع والعشرين من رمضان، كذا روى أبو حنيفة رحمه الله عن عاصم، عن ذر أن أبى بن كعب كان يحلف علىٰ ليلة القدر أنها ليلة السابع والعشرين من رمضان، وعليه الجمهور. (مدارك،ص:۱۳۶٤)

والذى عليه المُعظم أنها ليلة سبع وعشرين. (قرطبى،ج۲۰/ص:۱۳٤)

اس رات میں دُعا وعبادت کے بڑے بڑے فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔

القدر۔ اس کے اصل معنی قضا و حکم کے ہیں۔

القضاء والحكم، وهو ما يقدِّره الله عز وجل من القضاء ويحكم به من الأمور. (لسان،ج۱۱/ص:۵۵. تاج،ج۷/ص:۳۷۰)

اور شرف و منزلت کے معنی بھی لیے گئے ہیں۔

القدر التعظيم. (قاموس،ص:٤۲۸. تاج،ج۷/ص:۳۷۱)

مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝

کہ شب قدر ہے کیا؟ ۲ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے ۳

لیلة القدر۔ قدر کے ان دونوں مفہوموں کی حامل ہوسکتی ہے اور اہل تفسیر دونوں طرف گئے ہیں۔
یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ یہ فیصلوں کی خصوصی رات ہے۔

سميت ليلة القدر لأنها ليلة تقدير الأمور والأحكام. (معالم،ج۵/ص:۲۸۳)

هى الليلة التى تقدّر فيها الأرزاق وتقضىٰ. (نهاية،ج۴/ص:۲۱)

والمعنى ليلة التقدير. (قرطبى،ج۲۰/ص:۱۳۰)

اور یہ معنی بھی کہ یہ بڑے شرف وعزت والی رات ہے۔

نقل عن الزهرى أنه قال ليلة القدر ليلة العظمة والشرف. (كبير،ج۳۲/ص:۲۸)

أى ليلة العظمة والشرف. (روح،ج۳۰/ص:۱۹۲)

قيل إنما سميت بذلك لعظمها وقدرها وشرفها. (قرطبى،ج۲۰/ص:۱۳۰)

اور بعض نے تو دونوں معنی کو جمع کرکے لکھا ہے۔

وتسميتها بذلك لشرفها أو لتقدير الأمور فيها. (بيضاوى،ج۵/ص:۱۹۱)

۲ یعنی کیسی بزرگوں اور فضیلتوں والی رات ہے!

سوال خطباتِ عرب ہی کے اور قرآن مجید کے عام اسلوبِ بلاغت کے مطابق زیادتِ تشویق کے لیے ہے اور اس کے معاً بعد لفظ لیلۃ القدر کو دُہرانا اس کی عظمت واہمیتِ خصوصی کے اظہار کے لیے ہے۔

وفى إظهار ليلة القدر فى الموضعين من تأكيد التعظيم والتفخيم ما لا يخفىٰ. (روح،ج۳۰/ص:۱۸۹)

علىٰ سبيل التعظيم لها والتشويق إلى خيرها. (خازن،ج۷/ص:۲۷۵)

ما أدراك۔ کلمۂ ما ایسے سیاق میں اظہارِ تعجب کے لیے ہوتا ہے۔

لفظ الاستفهام ومعناه التعجّب. (ابن خالويه،ص:۱۴۲)

۳ (اجر عبادت کے لحاظ سے)

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴

اس رات فرشتے اترتے ہیں اور روح القدس بھی اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر (خیر) کے لیے ہے

خیر۔ یہ خیریت وافضلیت اجر اعمال میں برکت وزیادت کے لحاظ سے ہے۔

عن مجاهد قال عملها وصيامها وقيامها خير من ألف شهر. (ابن كثير، ج٤/ص:٤٨٣)

قرآن مجید نے جس خدا کو پیش کیا ہے، اس کے ہاں انعامات اور اکرام وبخشش کی کوئی حد وانتہا نہیں! بشارت یہاں یہ مل رہی ہے کہ اجر عبادت معمولاً ہی کیا کم رہتا ہے، لیکن جب یہ رات قرآن کی سالگرہ والی آتی ہے، تو وہ اجر ہزار گنے سے بھی بڑھ جاتا ہے!

ألف شهر۔ لفظی معنی ہزار مہینے یعنی تقریباً تراسی (۸۳) سال ظاہر ہی تھے لیکن ہوسکتا ہے کہ کوئی متعین عدد مراد نہ ہو، بلکہ محاورۂ عرب کے مطابق محض تکثیر عدد مراد ہو۔

وذكر الألف إما للتكثير. (بيضاوى، ج٥/ص:١٩١)

وتخصيص الألف بالذكر قيل للتكثير. (روح، ج٣٠/ص:١٩٢)

دوام وہمیشگی بھی مراد لی جاسکتی ہے۔

وقيل المعنى خير من الدهر كله، لأن العرب تذكر الألف فى غاية الأشياء كلها. (بحر، ج٨/ص:٤٩٦)

وقيل عنى بألف شهر جميع الدهر. (قرطبى، ج٢٠/ص:١٣١)

۴ (زمین کی طرف)

اس شب میں ملائکۂ رحمت اور حضرت جبرئیلؑ روح الامین کی تجلیات زمین پر کسی مخصوص نوعیت کی رہتی ہیں، جن کی تفصیل کا علم اللہ ہی کو ہے۔

الملائكة والروح۔ الملائکة سے مراد ملائکۂ رحمت ہیں، اور الروح سے مراد فرشتۂ اعظم روح الامین حضرت جبرئیلؑ سے لی گئی ہے ——— اور اس طرح کے عطف خاص کی مثالیں عطف عام کے ساتھ قرآن مجید میں بکثرت ہیں۔

الروح عند الجمهور هو جبريل عليه السلام وخص بالذكر لزيادة شرفه. (روح، ج٣٠/ص:١٩٤)

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝٥

سلامتی (ہی سلامتی) رہتی ہے طلوعِ فجر تک ۵

یعنی جبریل علیه الصلاة والسلام، قاله أكثر المفسرين. (خازن، ج۷/ص:۲۷۶)

الـروح کی اور تفسیریں بھی نقل ہوئی ہیں اور اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے مراد ارواحِ مومنین ہیں کہ اپنے والوں کی زیارت کے لیے دُنیا میں نزول کرتی ہیں۔

وقيل أرواح المؤمنين ينزلون لزيارة أهليهم. (روح، ج۳۰/ص:۱۹۵)

بـإذن ربهم۔ یعنی یہ نزولِ ملائکہ وروح القدس بھی جو ہوتا ہے، از خود نہیں ہو جاتا، بلکہ تمام تر امرِ الٰہی کی ماتحتی میں ہوتا ہے ــــــ قرآن مجید کو جو اہتمام شائبۂ شرک سے ہی چل بچنے کا ہے اس کے تقاضے سے اُس نے بارہا یہ کیا ہے کہ جہاں انبیاء یا ملائکہ کی کسی ''اعجازی'' صفت کا ذکر کیا ہے وہیں یہ قید ''اِذنِ پروردگار کی'' بھی تصریح کے ساتھ لگا دی ہے۔

من كل أمر۔ تقدیرِ کلام یہاں یہ سمجھی گئی ہے: من أجل كل أمر.

أي من أجل كل أمر...... قاله غير واحد. (روح، ج۳۰/ص:۱۹۶)

من أجل كل أمر قدر في تلك السنة. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۹۲)

اور اس طرح من معنی میں لِ تعلیل کے ہے۔

فمن بمعنى اللام التعليلية متعلقة بتنزل. (روح، ج۳۰/ص:۱۹۶)

من کو ب سببیہ کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور حاصل اس ترکیب کا بھی وہی ہے۔

من سببه بمعنى الباء. (جلالین، ص:۸۱۵)

وقال أبو حاتم من بمعنى الباء أي تنزل بكل أمر. (روح، ج۳۰/ص:۱۹۶)

أي بكل أمر قدره الله وقضاء في تلك السنة. (قرطبی، ج۲۰/ص:۱۳۳)

۵ یعنی وہ رحمتِ خاصہ شب کے کسی خاص حصے کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اس کی بارش صبح تک برابر جاری رہتی ہے۔

سلام کے معنی ظاہری و باطنی ہر قسم کے خوف سے نجات پا جانے کے ہیں۔

أی من الآفات الظاهرة و الباطنة. (راغب، ص: ۲۶۸)

گویا اس لفظ کے لانے سے یہ اشارہ بھی ہوگیا ہے کہ جو قانون قرآن لایا ہے (اس قانون کی سالانہ یادگار کا نام شب قدر ہے) وہ قانون بندوں کو ظاہری و باطنی، دُنیوی واُخروی ہر خطرے سے نجات دلانے والا ہے۔

سلام مصدر ہے اور ترکیب میں خبر مقدم واقع ہوا ہے، اس سے مفہوم میں زور و تاکید اور معنی میں حصر پیدا ہوگئے۔

وتقديم الخبر للحصر...... والأخبار بالمصدر للمبالغة أی ما هی إلا سالمة جداً حتی كأنها عين السلامة. (روح، ج ۳۰/ص: ۱۹۷)

سلام...... الفجر۔ یعنی اس شب بھر میں بس سلام ہی سلام، خیر ہی خیر ہے۔

وقال قتادة وابن زيد يعنی هی خير كلها ليس فيها شر إلیٰ مطلع الفجر. (ابن كثير، ج ٤/ص: ٤٨٤)

أی ليلة القدر سلامة وخير كلها لا شر فيها. (قرطبی، ج ۲۰/ص: ۱۳٤)

وقوعِ شب قدر پر ایک اشکال اس بیسویں صدی مسیحی میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب مختلف ملکوں کے بلکہ ایک ہی بڑے ملک کے مختلف شہروں کے مطلع و مغرب مختلف وقتوں کے پابند ہیں تو شب قدر کا ایک ہی وقت میں تحقق ساری دُنیا میں ممکن کیوں کر ہے؟

جواب مفسر تھانویؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

''کہ اس میں کوئی محذور لازم نہیں آتا کہ یہ برکات کسی کو کسی وقت میں ملیں، اور کسی کو کسی وقت میں، اور اسی طرح ملائکہ کا نزول بھی ہر جگہ مختلف وقت میں ہو''۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۶۹۷)

اور محقق آلوسی بغدادی نے اس اختلافِ مطالع پر پورے بسط و تفصیل کے ساتھ کلام اپنی تفسیر روح المعانی میں کیا ہے اور نتیجہ یہی نکالا ہے کہ ہر ملک اور ہر علاقے والوں کے لیے وقت اسی ملک و علاقے کا معتبر سمجھا جائے گا اور یہ حکمِ شرعی صرف اسی شب قدر کا نہیں بلکہ سارے ہی اوقاتِ نماز و عبادات کے لیے ہے۔ (روح، ج ۳۰/ص: ۱۹۹)

(۹۸)

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّة

سورۂ بیّنہ مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى

جن لوگوں نے اہل کتاب و مشرکین میں سے کفر اختیار کیا وہ باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ

تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا

ان کے پاس واضح دلیل نہ آلیتی، (یعنی) اللہ کا ایک رسول جو اُنھیں پاک صحیفے پڑھ کر سناتا جن میں

كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

مضبوط باتیں لکھی ہوئی ہیں [۱] اور وہ جنھیں کتاب عطا ہوئی تھی وہ تو (آپس میں) مختلف ہوئے

[۱] چھٹی صدی عیسوی کی دُنیا اتنی شدید وہم پرستیوں اور گمراہیوں میں گھر گئی تھی اور کفر کی ظلمتیں اتنی گہری ہو چکی تھیں کہ بغیر اس کے کہ ایک مصلح اعظم آئے اور اپنے ہمراہ ایک مکمل نظام نامہ لائے کوئی توقع کسی اصلاح کی نہیں رہ گئی تھی ـــــ چنانچہ مشیتِ الٰہی نے اپنی حجت واضح طور پر پوری کردی اور رسولِ اعظم کو قرآن مجید کے ساتھ مبعوث کردیا۔

لم یکن الذین کفروا۔ ذکر زمانۂ جاہلیت یعنی ظہورِ اسلام سے ذرا قبل کا ہو رہا ہے۔

منفکین۔ یعنی کفر کو چھوڑنے والے اور ادیانِ باطل سے منھ موڑنے والے۔

أی منتهین عن كفرهم، مائلین عنه. (قرطبی، ج ۲۰/ص: ۱۴۰)

تـــأتیهـم۔ لفظاً صیغۂ مضارع ہے لیکن معنی مستقبل کے نہیں، ماضی کے دے رہا ہے، یعنی دلیل واضح آگئی۔

لفظه مضارع و معناه الماضی. (خازن، ج۷/ص:۲۷۷)

لفظه مستقبل معناه الماضی. (معالم، ج۵/ص:۲۹۰)

رسول من اللّٰہ۔ ترکیب میں رسول من اللّٰہ بدل البینة کا۔

بدل من البینة. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۹۲)

فهو رفع علی البدل من البینة. (کبیر، ج۳۲/ص:۴۰)

البینة۔ بینہ کو ال کے ساتھ معرفہ میں لاکر گویا اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ دلیل اتنی بڑی ہے کہ اس پر کسی اضافے کی گنجایش نہیں، اور پھر معاً رسولٌ تنوین کے ساتھ صیغۂ نکرہ میں لاکر کام اس سے کل اور تفخیم کا لیا۔

أی هو البینة التی لامزید علیها أو البینة کل البینة. (کبیر، ج۳۲/ص:۴۰)

التعریف قد یکون للتفخیم و کذا التنکیر و قد جمعهما اللّٰہ ههنا فی حق الرسول علیه السلام. (کبیر، ج۳۲/ص:۴۰)

البینة۔ دلیل واضح سے مراد ذاتِ رسولؐ لی گئی ہے۔

أی الحجة الواضحة و المراد محمد صلی اللّٰہ علیه و سلم. (مدارک، ص:۱۳۶۶)

یعنی محمداً. (معالم، ج۵/ص:۲۹۰، خازن، ج۷/ص:۲۷۷)

بعض نے مراد قرآن بھی لیا ہے اور حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

اس ترکیب کی ایک نظیر سورۃ البروج میں موجود ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے کو پہلے بصیغۂ معرفہ المجید کہا ہے اور معاً بعد بصیغۂ نکرہ فعّال۔

أهل الکتاب۔ قرآن و اسلام کے منکرین میں دو طرح کے لوگ تھے اور یہ تقسیم آج بھی چلی آرہی ہے: ایک وہ جن کے یہاں توحید و رسالت کے بنیادی خیالات موجود تھے، مگر یہ لوگ اپنے ہاں کی اصلی تعلیمات کو مسخ کر کے اللہ کے دین سے بہت دُور جا پڑے تھے ــــــ والذین کفروا کی پہلی قسم یہ ہوئی۔

والمشرکین۔ الذین کفروا کی دوسری قسم میں وہ قومیں آتی ہیں جو شرک میں غرق تھیں اور توحید و رسالت کے بنیادی عقائد سے بھی نا آشنا۔ یہ المشرکین کے تحت میں آتی ہیں۔

اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنَةُ ؕ﴿۴﴾ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ

اِس سے دلیل واضح کے آنے کے بعد ہی؎۲ حالانکہ اُنھیں حکم بس یہی ملا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں

تفسیر کبیر میں ہے کہ مفسر واحدی نے اپنی کتاب البسیط میں لکھا ہے کہ یہ آیت نظم تفسیر کے لحاظ سے قرآن مجید کی دشوار ترین آیتوں میں ہے اور اچھے اچھے صاحب علم اس میں ٹھوکر کھا گئے ہیں، لیکن ان دشواریوں کی تفصیل نہیں بیان کی ہے۔ (کبیر، ج۳۲/ص:۳۷)

من یہاں تبیین کے لیے ہے نہ کہ تبعیض کے لیے۔

للتبيين. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۹۲)

للبيان. (جلالین، ص:۸۱۶)

كلمة من ههنا ليست للتبعيض بل للتبيين. (کبیر، ج۳۲/ص:۳۹)

لیکن کسی کسی نے اس کے برعکس بھی لیا ہے۔

ومن للتبعيض كما قال علم الهدى الشيخ أبو المنصور الماتريدي في التأويلات لا للتبيين. (روح، ج۳۰/ص:۲۰۰)

مطهرة۔ یعنی ہر باطل سے پاک ومنزہ۔

أي مطهرة من الباطل. (کبیر، ج۳۲/ص:۴۰)

وقال قتادة من الباطل. (قرطبی، ج۲۰/ص:۱۴۲)

؎۲ یعنی وہ اہل کتاب توحید، رسالت، معاد وغیرہ کے بنیادی عقیدوں سے فی الجملہ مانوس وآشنا تھے، اس لیے اُن سے پوری توقع اس کی کی جا سکتی تھی کہ وہ کتاب ہدیٰ کے آجانے کے بعد اسی کو قول فیصل سمجھ کر اس کا اتباع کریں گے اور اپنے دینی مناقشوں میں اسی کو حکم ورہنما بنائیں گے، لیکن وہ اُلٹے اس قرآن وصاحب قرآن کی مخالفت میں پیش پیش ہو گئے۔

تفرق الذين أوتوا الكتاب۔ اہل کتاب کے تفرق وانتشار سے مراد پہلے تو یہود اور مسیحیوں کے درمیان شدید تفرقہ ومناقشہ ہے اور پھر ان مذہبوں کے اندر کے فرقوں میں شدید تضاد ہے۔

إلا......البينة۔ یعنی حجت واضح قائم ہو جانے کے بعد، رسول موعود کے ظہور کے بعد۔

مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَیُقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤۡتُوا الزَّکٰوةَ

دین کو اسی کے لیے خالص کرکے یکسو ہوکر، اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں

وَذٰلِكَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَةِ ؕ۵ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ

اور یہی طریقہ ہے دین صحیح کا ؎۳ اور جو لوگ کافر ہوئے اہل کتاب ومشرکین میں سے

البیــنة پر حاشیہ اوپر گزر چکا لیکن اگر بجائے رسول اللہؐ کے یا قرآن کے اسے اپنے عموم ہی میں رکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان اہل کتاب کا دستور تو شروع ہی سے یہ چلا آرہا ہے کہ حجت قائم ہوجانے کے بعد یہ بگڑتے رہے ہیں اور آج ان کا بگڑنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔

؎۳ (اور جب انھیں تعلیمات کو ان لوگوں نے نہ مانا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ عملاً خود اپنی کتابوں کے منکر و مخالف ہوگئے ہیں)

وما أمروا۔ یعنی یہ حکم انھیں کی کتابوں میں ان کو مل چکا ہے۔

أي فی کتبھم بما فیھا. (بیضاوی، ج ٥/ص:١٩٢)

ما کلفوا فی کتابھم. (روح، ج ٣٠/ص:٢٠٤)

قال ابن عباس ما أمروا فی التوراة والإنجیل إلا بإخلاص العبادة للّٰه موحدین.

(معالم، ج ٥/ص:٢٩١)

لیعبدوا۔ ل یہاں أن کے معنی میں بیان یا تفسیر کے لیے ہے۔

واللام بمعنی أن. (قرطبی، ج ٢٠/ص:١٤٤)

إلّا أن یعبدوا اللّٰه. (ابن جریر، ج ٢٤/ص:٥٥٣)

لیکن یہ ترکیب بھی جائز ہے کہ ل یہاں تعلیل کے لیے ہے۔

واللام للتعلیل. (روح، ج ٣٠/ص:٢٠٤)

اور اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ تکلیفِ شرعی اُن پر جو کچھ بھی رکھی گئی (وما أمروا) وہ سب اس غرض سے تھی کہ یہ خدائے واحد کی عبادت کریں۔

مخلصین له الدین۔ اور یہ اخلاص فی الدین کی ہدایت جو ملی تھی یہ خاتم النبیین کی تصدیق

فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ

وہ دوزخ کی آگ میں (پڑیں گے) جس میں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ تو بدترین خلائق ہیں ۴ جو لوگ

اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۷﴾ جَزَآؤُہُمۡ

ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، یہی لوگ تو بہترین خلائق ہیں ۵ ان کا صلہ

اور قرآن مجید پر ایمان پر بھی شامل تھی۔

حنفاء۔ حنیف کے معنی باطل سے حق کی طرف جھکنے کے ہیں۔

الحنف هو ميل عن الضلال إلى الاستقامة. (راغب، ص:۲۰٤)

حنفاء کے معنی یہ ہوگئے کہ وہ لوگ جو عقائد کی گمراہیوں سے نکل کر اسلام کے آگے جھک گئے ہیں۔

أى مائلين عن جميع العقائد الزائغة إلى الإسلام. (روح، ج۳۰/ص:۲۰٤)

ذلك۔ یعنی یہی اور جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے، عبادت الٰہی، اخلاص، حنیفیت، اقامتِ صلاۃ واداۓ زکات۔

دين القيمة أى دين الملة القيمة. (مدارك، ص:۱۳٦٦)

قال المبرد والزجاج ذلك دين الملة القيمة، فالقيمة نعت لموصوف محذوف. (كبير، ج۳۲/ص:٤٥)

۴ یہاں یہ بتا دیا کہ جو لوگ قانونِ الٰہی کے منکر اور باغی ہیں، ان کا ماضی جو کچھ بھی رہا ہو، اور وہ دوسری حیثیتوں سے جو کچھ بھی ہوں بہرحال جب جرم کفر اُن میں مشترک ہے تو وہ اللہ کی عدالت میں اپنی ''شریعت'' میں کامل ہی ٹھہریں گے۔

من أهل الكتاب والمشركين.. یعنی اس بدانجامی یا شرانجامی تک پہنچانے والا اُن کا کفر ہی ہوگا، عام اس سے کہ وہ اہل کتاب رہے ہوں یا مشرک۔

اللہ کے یہاں مردودیت ومغضوبیت لازمی نتیجہ ہے عقائد کفر کا۔ گو اہل کفر ''علوم وصنائع'' میں جو پایہ بھی رکھتے ہوں۔

۵ یعنی جو لوگ قانونِ الٰہی کی تصدیق کرنے والے اور اس کے وفادار ہیں، وہ دوسری

عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ

ان کے پروردگار کے حضور میں دائمی بہشتیں ہیں جن کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی، یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے

رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ ۟﴿۸﴾

اللہ اُن سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے، یہ (صلہ) اس کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے ۶

ع ۸ / ۲۳

حیثیتوں سے کچھ بھی ہوں، ''خیریت'' میں کامل ہوتے ہیں ـــــ مقبولیت کی شرط اللہ کے یہاں یہی ایمان واطاعت ہے، زیرکی وصناعی میں کمال نہیں۔

عام ومعتبر تفسیر آیت کی یہی ہے کہ یہ شہادت عام ہے جملہ مومنین واخیارِ امت کے لیے۔ البتہ ابن جریر وروح وغیرہ کی بعض روایتوں میں اس کا خصوصی تعلق حضرت علیؓ اوران کے پیرووں سے بیان ہوا ہے اور صاحب رُوح نے ایک ایسی ہی روایت ابن عباس کے حوالے سے شیعی تفسیر مجمع البیان (طبرسی) میں درج ہونا نقل کیا ہے۔

۶ (اور یہ خشیت ہی تو ایسی شے ہے جو انسان کو ایمان وعمل صالح پر لاتی ہے جس کی جزا جنت اور اس کی نعمتیں ہیں)

جنـات عدن۔ بہشت کو قرآن مجید نے کہیں جنت عدن سے تعبیر کیا ہے، کہیں جنت نعیم سے اور کہیں دار السلام سے۔ صاحب تفسیر کبیر نے کہا ہے کہ فرد ایمان کی ترکیب میں اجزائے ذیل شامل ہیں: (۱) عقیدہ (۲) قول (۳) عمل۔ اور اُنھیں اجزائے سہ گانہ کی مناسبت سے ایک ایک جز کے مقابلے میں ایک ایک صفت جنت کو لایا گیا ہے۔ (کبیر، ج ۳۲/ص: ۵۲)

أبدًا۔ اس لفظ کا اضافہ خلود جنت کو مؤکد وغیر منقطع بنا دینے کے لیے ہے ـــــ یعنی جنت میں یہ قیام طویل وممتد نہ ہوگا، زمانۂ غیر محدود کے لیے ہوگا۔

عجب نہیں کہ جو ان الفاظ سے تردید ان گروہوں کی مقصود ہو جن کے خیال میں جنت بھی ایک طویل مدت کے بعد فنا ہو جائے گا اور دُنیا کی تخلیق اس کے بعد از سر نو ہوگی۔

رضی اللہ عنهم ورضوا عنه۔ بشارت کے جز کو ذرا سوچ کر پڑھیے اور وجد کیجیے! ـــــ اللہ اللہ! بندہ مولا سے خوش اور مولا بندے سے خوش ـــــ لذت وحلاوت کے کتنے خزانے اس کے

اندر موجود ہیں۔

نازاں توئی ہم چو منے مدح خوانِ تو
نازانِ منعم کہ ہم چو توئی قدردانِ من

ذلک۔ یعنی یہ صلہ واکرام اور یہ رضا وابتہاج۔

أی المذکور من الجزاء والرضوان. (بیضاوی، ج۵/ص:۱۹۲)

لمن خشی ربہ۔ دخولِ جنت اور خلودِ جنت تو ایمان وعمل کا ثمرہ ہوا، لیکن خود یہ ایمان اور عمل صالح کہاں سے پیدا ہوئے؟ اسی خشیتِ الٰہی سے!

سورۂ زلزال مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ وَقَالَ

جب کہ زمین اپنی جنبش سے خوب ہی ہلا ڈالی جائے، اور زمین اپنے بوجھ باہر پھینک نکالے اور آدمی بول

الْاِنْسَانُ مَالَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿٥﴾

اُٹھے کہ اُسے (یہ) ہوا کیا؟ [1] اس روز زمین اپنی (سب) خبریں بیان کر گزرے گی، یہ اس لیے کہ آپ کے پروردگار کا حکم اسے یہی ہوگا [2]

[1] یہ سب واقعات حشر کے سلسلے میں نفخۂ اول کے وقت کے ہیں۔

إذا......زلزالها۔ غرض یہ کہ زمین کی اس جنبشِ اضطرابی سے سارا عالم زیروزبر ہو جائے گا۔

أثقالها۔ زمین کے بوجھ سے مراد مردے بھی ہو سکتے ہیں، اور زمین کے دفینے اور معدنیات وغیرہا بھی۔

وقال الإنسان مالها۔ انسان گھبرا کر اور سراسیمہ ہو کر پکار اٹھے گا کہ زمین کو آخر یہ ہو کیا گیا؟

الإنســـان۔ اس سیاق میں مراد کافر انسان ہے، جسے سارا بھروسہ مادّی ہی طاقتوں کا رہتا ہے، اور جو مسبب الاسباب کی قدرت وحکمت کا منکر یا عملاً منکر رہتا ہے۔

قيل هذا قول الكافر لأنه كان لايؤمن بالبعث. (مدارك، ص:١٣٦٨)

قال الجمهور الإنسان هو الكافر يرىٰ ما لم يظن. (بحر، ج٨/ص:٥٠٠)

[2] اُس وقت حکمت ومشیت یہی ہوگی کہ زمین ناطق ہو جائے، جیسے آج حکمت ومشیت یہ ہے کہ زمین ساکت وبے زبان رہے۔

تحدث أخبارها۔ ظاہر ہے کہ مومن وکافر ہر انسان سے عمل، اچھے بُرے جو کچھ بھی صادر ہوتے ہیں، اسی زمین ہی پر ہوتے ہیں۔ قدرتاً زمین ہی چھوٹے بڑے، اچھے بُرے، ہر ہر واقعے کی

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ۬ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝٦ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

اس روز لوگ گروہ درگروہ واپس ہورہے ہوں گے کہ اپنے اعمال کو دیکھیں ۳ سو جو کوئی ذرہ بھر

خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٧ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝٨

نیکی کرے گا اُسے دیکھ لے گا، اور جس کسی نے ذرہ بھر بھی بدی کی ہوگی اُسے بھی دیکھ لے گا ۴

ع ۱ ۸ ۲۴

پوری پوری شہادت پیش کرے گی۔

بـأن......لھا۔ زمین میں یہ قوتِ گویائی اس وقت خود بخود نہیں، قادر مطلق کے حکم سے پیدا ہوگی۔ اہل سنت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ حیات اور اس کے سارے آثار، انعاماتِ الٰہی ہیں، جس وقت جس عضو سے جو کام وہ حکیم مطلق چاہے، لے لے۔

بأنّ میں ب سببیہ ہے۔

۳ (خواہ جنت، خواہ دوزخ میں)

یـصـدر الـنـاس۔ لوگ اس وقت حساب سے اپنی اپنی منزل کی طرف واپس ہورہے ہوں گے ـــــــ ذکر اب نفخۂ ثانی کے بعد کے واقعات کا ہورہا ہے۔

أشتاتاً۔ یعنی کچھ گروہ اہل جنت کے ہوں گے، اور کچھ گروہ اہل دوزخ کے۔

أعمالھم۔ مراد اپنے اعمال کے ثمرات وعواقب ہیں۔

أی جزاء أعمالھم. (مدارك، ص:١٣٦٨)

قال ابن عباس لیروا جزاء أعمالھم. (معالم، ج٥/ص:٢٩٣)

۴ حدیثِ نبویؐ میں ان دو آیتوں کے لیے الجامعة الفاذة کا لفظ آیا ہے، یعنی جو اصل ان میں بیان کردی گئی ہے وہ جامع اور منفرد ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ آیتیں قانونِ مجازات کی تصویر کشی نہایت خوبی، خوش اسلوبی وجامعیت کے ساتھ کررہی ہیں۔

خیراً یرہ۔ اس اقل قلیل خیر کو بھی جنت میں پالے گا ـــــــ خیر کے خیر باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اُسے کفر سے فنا نہ کردیا گیا ہو۔

شراً یرہ۔ اس اقل قلیل شر کو بھی دوزخ میں پالے گا ـــــــ ''شر'' کے شر باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اُسے توبہ اور ایمان سے زائل نہ کردیا گیا ہو۔

(۱۰۰)

رکوعاتہا ۱ — ۱ رکوع

سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ

اٰیاتہا ۱۱ — ۱۱ آیتیں

سورۂ عادیات مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ

قسم ہے گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں، پھر اُس وقت

نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ

غبار اُڑاتے ہیں، پھر اُس وقت جماعت میں جا گھستے ہیں [۱] بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، اور وہ

[۱] ان گھوڑوں سے مراد لڑائی کے گھوڑے ہیں، جن کے اوصاف سے اہل عرب خوب واقف تھے۔

ضبحاً۔ گھوڑے عادۃً تیز دوڑنے کے بعد ہانپنے لگتے ہیں۔

فالموریٰت قدحاً۔ یعنی اُن کی نعلوں سے پہاڑوں کے پتھر آگ دے اُٹھتے ہیں۔ کنایہ کمالِ گرم رفتاری سے ہے۔

فالمغیرات صبحاً۔ عرب میں عام دستور صبح سویرے تاخت کرنے کا تھا۔

فاثرن بہ نقعاً۔ کمال تیز رفتاری کے باعث اُن کے قدموں سے غبار اُڑتا ہے۔

فوسطن بہ جمعاً۔ یعنی جماعت اعداء میں دَر آتے ہیں۔

بہ میں ب زائدہ تاکید کے لیے ہے۔

حضراتِ صوفیہ نے ان صفات سے اپنے مذاق کے مطابق اشاراتِ معرفت خوب نکالے ہیں۔ مثلاً کچھ "اشغالِ حرکت نفس" میں مشغول رہتے ہیں۔ دل سے "شعلہائے آتشیں" بلند کرتے

عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا

خود بھی اس پر گواہ ہے ۲ اور وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے ۳ اس کو وہ وقت کیا معلوم نہیں جب

یا ''شمع معرفت'' روشن کرتے ہیں۔ صبح کو جو وقتِ رحمت ہوتا ہے دولتِ دیدار لوٹتے ہیں اور نفس پر حملہ قوی کرتے ہیں۔ اور غبار سے مراد آثار لی ہے۔

۲ (خواہ وہ گواہی زبانِ حال ہی سے کیوں نہ ہو)

فالشهادة بلسان الحال الذى هو أفصح من لسان المقال. (روح، ج۳۰/ص:۲۱۸)

الإنسان۔ انسان سے مراد ایسے ہر سیاق میں کافر انسان سے ہوتی ہے۔

إنه۔ ضمیر انسان کی طرف ہے۔

أى الإنسان كما قال الحسن ومحمد بن كعب. (روح، ج۳۰/ص:۲۱۸)

یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے کفر پر قیامت میں ضرور گواہی دے گا۔

علیٰ ذلك۔ یعنی اپنی اسی ناشکری پر۔

أى علىٰ كنوده. (كشاف، ج۴/ص:۷۸۰)

۳ (اور کفر اور ناشکری کی علت اکثر یہی ہوتی ہے)

الخیر۔ خیر یہاں مال کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی بعض اور آیتوں میں بھی آیا ہے۔

الخير المال من قوله تعالىٰ: إن ترك خيراً. (كشاف، ج۴/ص:۷۸۰)

أى المال الكثير. (راغب، ص:۱۸۱)

وقال قتادة الخير من حيث وقع فى القرآن هو المال. (بحر، ج۸/ص:۵۰۵)

یہ بھی جائز ہے کہ یہاں خیرِ دُنیوی مراد لی جائے، اُس مفہوم میں جو آخرت فراموش اس کا سمجھتے ہیں، اور اس کے تحت میں مال، جاہ، صحت وغیرہ تمام مقاصدِ دُنیوی لے لیے جائیں۔

قال ابن عطية يحتمل أن يراد هذا الخير الدنيوى من مال وصحة وجاه عند الملوك ونحوه لأن الكفار والجهال لايعرفون غير ذلك. (بحر، ج۸/ص:۵۰۵)

لحب الخیر میں ل اگر تعلیل کا مانا جائے، اور تقدیر کلام یوں سمجھی جائے کہ إنه لأجل حب المال تو آیت کا ترجمہ یوں ہوگا: ''اور مال کی محبت کے پیچھے بڑا بخیل ہے''۔

بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ

زندہ کیے جائیں گے جتنے (مردے) قبروں میں ہیں، اور آشکارا ہو جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے ۴ بے شک ان کا پروردگار

بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

ان کے حال سے اس روز پورا پورا آگاہ ہوگا ۵

ع ۱۱ / ۲۵

شدت حب مال سے یہاں مراد وہی بے جا اور مفرط دولت پرستی ہے، جو انسان کی عقل سلیم کو بالکل اندھا کر دیتی ہے، اور تمام تر کفر وعدوان کی طرف لے جاتی ہے، ورنہ جائز حدود کے اندر مال کی تھوڑی محبت تو ایک امر طبعی ہے۔

لشدید۔شدید یہاں بخیل وممسک کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔

الشديد البخيل الممسك. (كشاف، ج٤/ص: ٧٨٠)

الشديد المتشدد البخيل. (راغب، ص:٢٨٨)

۴ (کہ ان چیزوں کا استحضار اُسے متنبہ اور ہوشیار کر دینے کے لیے کافی ہے)

ما فی القبور۔ما یہاں بھی من کے مرادف ہے۔

۵ (چنانچہ ان کی ناشکرگزاری سے بھی اور اس کے موجبات ومحرکات سے بھی آگاہ ہوگا)

ربھم بھم جمع غائب کی یہ ضمیریں آیت ٦ کے الانسان کی جانب ہیں، جو معناً جمع تھا۔

والإنسان فی معنی الجمع. (کبیر، ج ٣٢/ص:٦٦).

ضمیر مبعوثین کی جانب بھی سمجھی جاسکتی ہے۔

بھم......لخبیر۔یعنی ان لوگوں کے اعمال، اقوال، احوال، سب کی ایک ایک تفصیل سے آگاہ۔

(۱۰۱)

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَکِّيَّةٌ

سورۂ قارعہ مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ

وہ کھڑ کھڑانے والی چیز! کیسی کچھ ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز! آپ کو خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ کھڑ کھڑانے والی چیز؟ [1] جس روز آدمی

كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝٤ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥

پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور جب پہاڑ دُھنکی ہوئی اُون کی طرح ہو جائیں گے [2]

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٨

پھر جس کسی کا پلّہ بھاری نکلے گا

۱ سوالات اور پھر پیہم سوالات، خطباتِ عرب کے دستور کے مطابق، کلام میں زور واثر پیدا کرنے کے لیے اور مخاطبین کے جلب توجہ کے لیے ہیں۔

القارعة۔ سے مراد صور قیامت کے نفخۂ اول سے ہے، جس کی مہیب آواز دلوں اور کانوں کو کھڑ کھڑا کر رکھ دے گی۔ عموماً اہل جاہلیت کی طرح عرب جاہلیت کے بھی کفر واعراض کی اصل بنیاد آخرت فراموشی پر تھی۔ آغاز وحی میں سب سے زیادہ زور عین ترتیب حکیمانہ کے مطابق اسی موضوع پر دیا گیا۔

۲ یعنی جس طرح دُھنکی ہوئی اُون ہلکی پھلکی پارہ پارہ ہو کر ہوا میں اُڑنے لگتی ہے، یہ بھاری بھرکم پہاڑ بھی اُس روز ہلکے پھلکے ہو کر اُڑے اُڑے پھرتے ہوں گے۔

یکون...... المبثوث۔ وجوہ تشبیہ پروانوں اور مجمع حشر کے درمیان متعدد ہیں۔ مثلاً تعداد کا بے شمار ہونا، منتشر ہونا، بے بس ہونا، سب کا ایک ہی طرف بے اختیار کھنچے چلا جانا وغیرہ۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۞ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۞ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۞

وہ خاطر خواہ آسائش میں ہوگا ؎ اور جس کسی کا پلّہ ہلکا نکلے گا اُس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۞ نَارٌ حَامِيَةٌ ۞

اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ ہے کیا چیز؟ وہ آگ ہے دہکتی ہوئی ؎

ع ۱۱ / ۲۶

؎ یعنی جنت کے دائمی عیش میں۔

ثقلت موازینه۔ یعنی جس کے اعمال وزنی نکلیں گے ــــــ اعمال میں وزن جب بھی پیدا ہوتا ہے، جب وہ مومن سے شریعت کے موافق صادر ہوں۔ منکر کے اعمال، اور مسلم کے خلافِ شریعت اعمال سب بے وزن رہ جاتے ہیں۔

راضیة۔ یہاں مرضیة (پسندیدہ) کے معنی میں ہے۔

قال المفسرون تفسيرها مرضية علىٰ معنى يرضاها صاحبها؛ (کبیر، ج۳۲/ص:۷۰)

؎ جس کے اعمال وعقائد دونوں خلافِ شریعت ہوں گے، وہ کافر ہی ہوگا۔ اور اس کا پلڑا میزانِ قیامت میں بالکل بے وزن نکلے گا۔

ھاویة۔ اس کے لفظی معنی عمیق گڑھے کے ہیں۔

نار حامیة۔ ایسی بھڑکتی ہوئی آگ، جس کے سامنے دُنیا کی ہر آگ سرد ہی نظر آئے گی۔

والمعنىٰ أن سائر النيران بالنسبة إليها كأنها ليست حامية. (کبیر، ج۳۲/ص:۷۱)

(۱۰۲)

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ

سورۃ التکاثر مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢

کثرت کی حرص تمھیں غافل کیے رہتی ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ جاتے ہو ۱

۱ (دُنیا سے وفات پاکر)

آیت میں بیان اس گہری حقیقت کا ہے کہ دُنیوی ساز و سامان، جاہ و مال، عزت و شوکت پر فخر و ناز اور ان کی محبت و طلب، آخرت فراموش انسان کے قلب پر غفلت کے پردے ڈالے رہتی ہیں اور اس میں خوفِ خدا و خشیتِ الٰہی پیدا ہی نہیں ہونے دیتیں، یہاں تک کہ موت کا وقت آپہنچتا ہے اور انسان عالمِ قبر میں پہنچ جاتا ہے۔

اَلْھٰـکُم۔ الھاہ کے معنی ہیں لہو میں ڈال دینا یا کسی اہم و سنجیدہ مقصد سے بے کار چیز کی طرف مشغول کر دینا۔

ألهاه كذا أي شغله عمّا هو أهمّ إليه. (راغب، ص: ۵۱۰)

مراد یہ ہے کہ دُنیا داری میں اشتغال و انہماک چیز ہی ایسی ہے جو انسان کا خیال آخرت کی طرف جانے ہی نہیں دیتی اور اُسے فکرِ آخرت سے غافل ہی رکھتی ہے۔

التـکـاثـر۔ یعنی کثرت سامانِ دُنیوی کی حرص و ہوس، دُنیا کا ہو کہ، مال و جاہ میں ایک دوسرے پر تفوق و غلبہ کی طلب۔

التباهي في كثرة المال والعز. (راغب، ص: ٤٧٦)

المباهاة بكثرة المال والعدد. (ابن جرير، ج ٢٤/ص: ٥٩٨)

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝

ہاں ہاں تمھیں عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے، ہاں ہاں تمھیں عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے ؎۲

لفظ اپنی دلالت میں بہت وسیع وعام ہے، دُنیوی مفاخرت کی ساری ہی چیزیں اس کے اندر داخل ہیں۔

حب الدنيا ونعيمها وزهرتها. (ابن كثير، ج ٤ ص:٤٩٦)

يدخل فيها التكاثر......بكل ما يكون من الدنيا ولذاتها وشهواتها. (كبير، ج ٣٢/ص:٧٣)

شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ جاہلیتِ عرب میں ہر قبیلے کی عادت تھی کہ اپنی کثرتِ آبادی اور کثرتِ ساز وسامان کے لحاظ سے وہ دوسرے قبیلوں پر اپنی برتری جتایا کرتا تھا۔ اسی طرح آج کی بیسویں صدی کی پڑھی لکھی ''مہذب'' ترقی یافتہ جاہلی قومیں ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی عددی قوت (Man-Power) اور اپنی حیثیتوں اور جنگی ساز وسامان اور آلاتِ حرب اور اپنے ''کلچر'' پر گھمنڈ کرتی رہتی ہے۔

ابن قیمؒ نے التکاثر کی شرح میں جہاں سامانِ دُنیوی کی اور فردیں گنائی ہیں وہیں ذکر اس کا بھی کر دیا ہے کہ جو علم اپنا مقصود رضائے الٰہی نہ رکھتا ہو اور جو عمل اپنا مقصود رضائے الٰہی نہ رکھتا ہو، اور جو عمل قربِ الٰہی کی طرف نہ لاتا ہو، یہ ساری چیزیں بھی تکاثر کے تحت میں داخل اور اللہ اور آخرت کی طرف سے توجہ ہٹانے والی ہیں۔

أو علم به لا يبتغى به وجه الله أو عمل لا يقربه إلى الله فكل هذا من التكاثر الملهي عن الله والدار الآخرة. (تفسير ابن قيم، ص:٥١٤)

آج کے بڑے بڑے ماہرینِ فن اور اپنی فن کاری پر ناز کرنے والے حقیقت کے اس پہلو پر بھی ذرا غور فرمالیں!

؎۲ (مرتے ہی اور عالم قبور میں پہنچتے ہی)

یعنی ساری غفلتیں محض ہنگامی وعارضی ہیں، اِدھر آنکھ بند ہوئی اور عالم قبر شروع ہوا، اور کشفِ حقائق ہونے لگے گا، پس خود ہی مان لوگے کہ اصل حقیقت کیا تھی، اور تم کیسے شدید جہل ونادانی میں پڑے رہے تھے!

کلّا ......ثم کلّا۔ جملہ کی تکرار یا تو تاکیدِ کلام کے لیے ہوتی ہے یا اس اظہار کے لیے کہ وعید ایک نہیں، دو دو وعیدیں ہیں۔

أنه للتأكيد وأنه وعيد بعد وعيد. (كبير، ج ٣٢/ص: ٧٥)

تأكيد للردع والإنذار عليهم. (كشاف، ج ٤/ص: ٧٨٥)

توكيداً للتّهدد والإيعاد. (ابن خالويه، ص: ١٦٧)

يحتمل أن يكون تكراره على وجه التأكيد والتغليظ، وهو قول الفراء. (قرطبي، ج ٢٠/ص: ٢٢٤)

تکرارِ مضمون سے ایک لطیف استنباط امیر المومنین حضرت علیؓ نے یہ کیا ہے کہ اشارہ دو مختلف عذابوں کی طرف ہے: ایک عذاب قبر و برزخ۔ دوسرا عذاب حشر۔

قال علي بن أبي طالب كرم الله تعالى وجهه: الأول في القبور والثاني في النشور. (روح، ج ٣٠/ص: ٦٠١)

زور و تاکید کے موقع پر الفاظ کی تکرار عربی بلاغت کا ایک جزء ہے اور عربی زبان کی فصاحت و بلاغت پر جب بھی نظر کی جائے گی تو خود اہل عرب ہی کے معیار و دستور سے، نہ کہ ہند و عجم، حبش و فرنگ کے معیار سے۔

وكرر قوله مرتين، لأن العرب إذا أرادت التغليظ في التخويف والتهديد، كرّروا الكلمة مرتين. (ابن جرير، ج ٢٤/ص: ٦٠١)

قال الفراء: إن القرآن نزل بلغة العرب، ومن عادتهم تكرار الكلام للتأكيد والافهام، فيقول المجيب بلىٰ بلىٰ والممتنع لالا. (روح، ج ٣٠/ص: ٢٥١)

یعنی بعد مرگ تو بہر حال یقین کرنا ہی پڑے گا، کاش اسی دُنیا میں تم عقل سلیم سے کام لے کر نتیجۂ یقین تک پہنچ جاتے!

علم الیقین۔ یقین اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں، سادہ لغوی معنی میں ہے، غلبۂ ظن کے مرادف، چنانچہ فقہاء نے لکھ بھی دیا ہے کہ اعمال میں غلبۂ ظن کافی و معتبر ہے ــــــ البتہ اعتقادیات میں متکلمین کہتے ہیں کہ جانب مخالف کا احتمال بھی ذہن میں نہ رہے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا

ہاں کاش تمھیں یقینی علم ہو جاتا ۳؎ تم یقیناً دوزخ کو دیکھ کر رہو گے، پھر تم ایسا دیکھنا دیکھو گے

عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝

جو عین یقین ہے ۴؎

۳؎ (بعد مرگ عالم برزخ میں)

برزخ بھی عالم آخرت ہی کا ایک حصہ ہے گو اُس کا صرف ایک ابتدائی حصہ۔

لترونّ کے شروع میں ل اور آخر میں ن مشدد زور و تاکید کے لیے ہیں۔

أكد به الوعيد وشدّد بالتهديد. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۲۵)

۴؎ یعنی وہ رویتِ استدلالی نہیں، بلکہ رویتِ عینی ہوگی، جس میں انکشاف استدلالیات سے کہیں بڑھ کر اور صریح ہوتا ہے ـــــ آگ کے پاس بیٹھنے والے کا یقین آگ کی گرمی وسوزش کا علم الیقین ہے، اور خود آگ میں گرنے والے کا یقین عین الیقین ہے، اور عین الیقین کا درجہ علم الیقین سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔

عین الیقین میں عین تاکید و زور پیدا کرنے کے لیے ہے۔

كما تقول رأيت زيداً عينه نفسه. (ابن خالويه، ص: ۱۷۱)

لترونّ کی تکرار تاکید کے لیے ہے۔

تكرير للتاكيد. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۲۵)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلی رویت ورودِ دوزخ کی ہوگی اور دوسری رویت دخولِ دوزخ کے وقت۔

الأولى إذا وردوها والثانية إذا دخلوها. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۲۵)

دوسری رویت کے ذکر سے استنباط دوزخ کے دوام وخلود کا بھی کیا گیا ہے۔

قيل هو إخبار عن دوام مُقامهم في النار، أي في روية دائمة متصلة.

(قرطبی، ج ۲۰/ص: ۱۷٤)

وقيل يجوز أن يكون المراد لترون الجحيم غير مرة إشارة إلى الخلود.

(روح، ج ۳۰/ص: ۲۲۵)

ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ﴿٨﴾

پھر اس روز تم سے (ہر) نعمت کا سوال ہوگا ۵

۵ (کہ ہر نعمت کا حق کس طرح ادا کیا؟ ایمان واطاعت کے ساتھ یا اُس کے برعکس کفر وانکار کے ساتھ؟)

النعیم۔ عام ہے ہر نعمت کے لیے۔

قال مجاهد...... كل شيئ من لذة الدنيا. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۱۷۷)

وهذا النعيم من كل نعمة. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۱۷۷)

قال آخرون ذلك كل ما التذه الإنسان فى الدنيا من شيئ. (ابن جرير، ج ۲۴/ص:٦١٠)

يجب حمله على جميع النعيم. (كبير، ج ۳۲/ص:۷۸)

النعيم عام لكل ما يتلذذ به من مطعم ومشرب ومفرش ومركب.

(بحر، ج ۸/ص:۵۰۸. روح، ج ۳۰/ص:۲۲۵)

كل ما يتلذذ به. (بحر، ج ۸/ص:۵۰۸)

ثم۔ ترقی کے واسطے سمجھا گیا ہے یعنی جب یہ سوال غیر مجرمین سے بھی ہوگا تو پھر مجرمین کے حق میں اس سوال کی اشدیت وہیبت کا کیا کہنا۔

(١٠٣)

اٰیَاتُهَا ٣
٣ آیتیں

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ عصر مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

قسم ہے زمانے کی کہ انسان بڑے گھاٹے میں ہے [ا] مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے

[ا] (اپنی عمر کے ضائع اور تلف کر ڈالنے کے باعث)

و۔ واوِ قسم کی تشریح اس سے پہلے کئی بار آ چکی ہے۔

العصر۔ زمانہ ہی تو وہ ظرف ہے، جس میں بندہ سب کچھ کرتا رہتا ہے اور اُس پر سب ہی کچھ گزرتی رہتی ہے، اسی میں وہ کھوتا بھی ہے، اور اسی میں وہ پاتا بھی ہے۔ رنج و حرمان، نقصان و خسران سب اسی میں پیش آتا رہتا ہے، اور زمانہ ہے کہ انتہائی سرعت کے پروں سے اُڑتا چلا جا رہا ہے —— محض زمان کے لیے عربی زبان میں اور لفظ بھی ہیں، مثلاً دہر یا وقت یا زمان، لیکن زمانے کی مخصوص صفت مرور کے اظہار کے لیے اس کی برق آسا گردش کی وضاحت کے لیے یہی لفظ ''عصر'' ہے۔

قسم بالزمان لما في مروره من أصناف العجائب. (کشاف، ج ٤/ص: ٧٨٧)

عمر انسانی کے لمحات کس برق رفتاری کے ساتھ گزر جاتے ہیں، اور انسان ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے! اسی صورتِ واقعی کو گواہ کر کے قرآن مجید کہتا ہے کہ کافر انسان بھی کیسا بدقسمت اور حرماں نصیب ہے! وقت کی پوری قدر کرنا، عمر کے ایک ایک لحظہ اور پل کا حساب رکھنا کہ ان سب کا سوال ہوگا، اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہے۔

الإنسان۔ اس طرح کے سیاق میں انسان سے مراد کافر انسان ہی ہے۔

والمراد به الكافر؛ قاله ابن عباس. (قرطبی، ج ٢٠/ص: ١٧٩)

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

اور جنھوں نے اچھے کام کیے، اور ایک دوسرے کو حق کی فہمایش اور ایک دوسرے کو صبر کی فہمایش کرتے رہے ۲

قیل أراد به الکافر. (معالم، ج٥/ص:٢٠٣. خازن، ج٧/ص:٢٨٨)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ علامت معرفہ ال نے اسے جنس انسان کے مرادف کر دیا ہے اور ایمان والوں کو تو اگلی آیت خود ہی مستثنیٰ کر دیتی ہے۔

والتعریف للاستغراق بقرینة الاستثناء. (روح، ج٣٠/ص:٢٢٨)

خُسر۔ لفظ کی تنوین خسران کی بڑائی ظاہر کرنے کو ہے۔

والتنکیر للتعظیم. (بیضاوی، ج٥/ص:١٩٤)

أی فی خسر عظیم. (روح، ج٣٠/ص:٢٢٨)

۲ یعنی محرومی تو کافروں کے حصے میں آئی ہے جنھوں نے وقت کی قدر نہ پہچانی اور ساری فرصتِ عمر برباد کر دی، نہ کہ ان لوگوں کے حصے میں، جنھوں نے اپنی عمریں احکامِ الٰہی کے مطابق بسر کیں۔

روایتوں میں آتا ہے کہ جب مکہ کے قبیلہ بنی تیم کے مشہور تاجر ابوبکرؓ بن ابی قحافہ دعوتِ اسلام کے عین آغاز ہی میں اسلام لے آئے تو ان کے ایک معاصر نے اُن سے کہا کہ تم تو معاملات میں بڑے زیرک و دانا تھے، لیکن اس باب میں کیسا دھوکا کھا گئے کہ اپنے کو دیوتاؤں، ٹھاکروں کی توجہ، شفقت و سفارش سے محروم کر دیا، اور لائق و فائق اسلاف کے طور طریقوں کو چھوڑ دیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی جس نے بتا دیا کہ حقیقۃً محروم رہ جانے والے کون ہیں!

وتواصوا بالحق۔ اس فہمایش باہمی کا تعلق عقائدِ حق پر قائم رہنے سے ہے۔

وتواصوا بالصبر۔ اس فہمایش باہمی کا تعلق اعمالِ صالحہ پر قائم رہنے سے ہے۔

عقائدِ حق پر قائم رہنے کے بعد لازمی ہے کہ اعمالِ صالحہ کی صبر آزما منزلوں سے بھی گزرنا پڑے ــــــ تکوینی آزمائش سے تو ہر صالح و فاسق کو گزرنا ہوتا ہی ہے، باقی قبولِ حق کے بعد اس پر قیام و ثبات کے لیے ہر مومن کے لیے مزید آزمایشوں سے گزرنا ناگزیر ہے۔

الا...... بالصبر۔ یہاں خسران و حرمان سے بچے رہنے والے خوش نصیب انسانوں یعنی

مومنین صادقین کی چار صفتوں کا بیان ہوا۔ان میں پہلی دو کا تعلق افراد و اشخاص سے بطورِ کمال لازم کے ہے، یعنی: (۱) ایمان (۲) عمل صالح، اور باقی دو کا تعلق امت و جماعت سے ہے اور بطورِ کمالِ متعدی کے ہے یعنی تواصی بالحق و تواصی بالصبر ——— اسلام کو اصلاحِ ذات وملت، شخص و جماعت کے ساتھ ہی ساتھ مطلوب ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ فرصتِ عمر نعمت مغتنم ہے، ضائع کوئی لحہ نہ ہونے پائے، ساری ہی عمر تحصیلِ کمال یا خود تکمیلی میں بسر ہو جائے۔(تھانوی، ج۲/ص:۷۷۵)

ایک مختصر سی صورت میں قرآن مجید نے کس جامعیت سے یہ بتادیا کہ خسرانِ حیات سے بچنے کا واحد نسخہ یہی ایمان وعمل صالح، تواصی بالحق وتواصی بالصبر ہے!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ① الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ② يَحْسَبُ

کم بختی ہے ہر طعنہ دینے والے ہر عیب جوئی کرنے والے کے لیے جو مال کو جمع کرتا اور اسے شمار کرتا رہتا ہے، وہ گمان کرتا ہے

اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ③ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ④ۖ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ⑤ؕ

کہ اس کا مال سدا اس کے پاس رہے گا[۱] ہاں ہاں وہ ضرور حطمہ میں پھونکا جائے گا اور آپ سمجھے کہ حطمہ کیا چیز ہے؟

[۱] یعنی اس کے عمل سے تو ایسا ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ جیسے وہ قائل و معتقد اپنے مال و دولت، خزانہ و جائداد کے دوام و خلود کا ہے، شعوری طور پر نہ سہی، اپنے لاشعور میں سہی ــــــ غافل و آخرت فراموش انسان مال و دولت کے ہاتھ آجانے پر کیسے کیسے دُور دراز کے منصوبے باندھنے اور کیا کیا خیالی پلاؤ پکانے لگتا ہے کہ بس اب کیا ہے، اب حلّالِ مشکلات تو میری مُٹھی میں آگیا، ہر اُفتاد کا توڑ اپنی اسی دولت کے زور سے کرلیا کروں گا ــــ زبان سے کہے یا نہ کہے، بہرحال اس کی ذہنیت یہی ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید نے مختصر جامع و بلیغ انداز میں اسی ذہنیت کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔

ویـل......لمزۃ۔ اس فقرے میں مجلسی و اجتماعی زندگی کے دو شدید ترین امراض کا ذکر آگیا: ایک پس پشت عیب جوئی، دوسرے رُودررُو طعنہ زنی۔

ھمزۃ لمزۃ۔ ھمز کہتے ہیں سامنے طعنہ زنی کرنے کو اور لمز کہتے ہیں پسِ پشت عیب جوئی کرنے کو، اور بعض سے اس کے برعکس منقول ہے۔

الھمزۃ جھراً واللمزۃ سراً بالحاجب وبالعین. (کبیر، ج ۳۲/ص: ۸۷)

الهمزة بالمواجهة واللمزة بظهر الغيب (كبير، ج۳۲/ص:۸۷)

الهمزة الذی يغتاب ويطعن فی وجه الرجل، واللمزة الذی يغتابه من خلفه إذا غاب. (قرطبی، ج۲۰/ص:۱۸۱)

هو العيّاب. (تاج، ج۸/ص:۱۷۵)

همزة اور لمزة انھیں دونوں کے صیغے مبالغہ ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں جن لوگوں پر یہ ویل یا پھٹکار آئی ہے یہ وہی لوگ ہیں جو دوسروں کی چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور آپس میں دوستوں کو لڑاتے رہتے ہیں۔

عن ابن عباس هم المشاء ون بالنميمة، المفرّقون بين الأحبة، الباغون أكبر العيب. (ابن جرير، ج۲٤/ص:٦١٧)

ویل مفہوم ہلاکت، بربادی، تباہی وشامت کا ہے۔

معناه الخزی والعذاب والهَلَكة. (قرطبی، ج۲۰/ص:۱۸۱)

جمع مالاً۔ یعنی غایتِ حرص وشدتِ بخل سے ذخیرہ اندوزی دولت کی دُھن میں ہر وقت لگا رہتا ہے۔

مال بھی صحت وحسن صورت وغیرہ کی طرح ایک نعمت ہے، اس سے طبعی تعلقِ خاطر ہرگز کوئی معصیت نہیں۔ معصیت اس تعلقِ طبعی میں افراط وغلو ہے، جس سے دل ہر وقت زر ومال ہی میں اٹکا رہتا ہے اور انسان بجائے۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است

کہ

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

کا مصداق ہو کر رہ جاتا ہے ــــــ مال ہر نعمت کی طرح شکر کے قابل چیز ہوتی ہے نہ کہ فخر کرنے اور اترانے والی۔

مــالاً کے صیغۂ نکرہ میں آنے سے ایک مفہوم تو کثرتِ مال کا پیدا ہوتا ہے اور دوسرا عنوان اس کی تحقیر ومذمت کا نکلتا ہے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾

وہ اللہ کی آگ ہے سلگائی ہوئی ہے ۲ جو دلوں تک جا پہنچے گی

وتنكير مالًا للتفخيم والتكثير...... وجوز أن يكون للتحقير والتقليل باعتبار أنه عند الله تعالى أقل وأحقر شيئ. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۳۰)

وعدّده۔ مال ودولت کا شمار بار بار کرتے رہنا، اوراس کے حساب وکتاب میں دن رات لگے رہنا دلیل ہے افراط حبِ مال کی اور اس میں شغف وانہماک کی۔ بینک کے کاغذات کی دن رات اُلٹ پلٹ اور صرافہ وشیر مارکیٹ کی خبروں کی ہمہ وقتی ادھیڑ بن۔ سٹے کے کاروبار میں مشغولی، ایسی ساری ہی کاروائیاں مال کے گننے کے حکم میں داخل ہیں اور مومن کی شان سے بہت بعید۔

الذی......عدّده۔ اس میں اشارہ اس حقیقت کی طرف آ گیا کہ اجتماعی اخلاقی امراض کی بنیاد اکثر صورتوں میں کبر وبخل ہی پر ہوتی ہے ــــ اور یہ دونوں اُم الامراض حب مال کی افراط ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جمع مال مذموم وہ ہے جو شغف کے ساتھ ہو، اور اسی کے آثار میں سے یہ بار بار کا گننا بھی ہے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۷۷۵)

۲ (اور چونکہ یہ اللہ کی سلگائی ہوئی، بھڑکائی ہوئی ہے، اس لیے کسی کے بجھائے نہ بجھے گی) یہ ساری تفصیل بیان ہوئی آغاز سورۃ کے لفظ ویل (شامت وکمبختی کی)

نار اللّٰہ۔ آگ کی اضافت اللہ کی طرف، آگ کی عظمت واہمیتِ خصوصی کے لیے ہے، یعنی وہ دوزخ کی آگ اللہ کے حکم سے بھڑکائی ہوئی ہے، اُسے دُنیا کی آگ پر قیاس نہ کیا جائے۔

فالإضافة للتفخيم أى هى نار لا كسائر النيران. (كبير، ج ۳۲/ص: ۸۹)

إضافتها إليه سبحانه، ووصفها بالإيقاد من تهويل أمرها ما لا مزيد عليه. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۳۱)

کلّا۔ منکرینِ آخرت کے زعم وپندار کی تردید میں زور وتاکید کے لیے ہے، اُردو میں اس مفہوم کے لیے ٹوٹا پھوٹا لفظ ہاں، ہاں (ہاں مکرر) کا ہے۔

اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ﴿۸﴾ فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی، بڑے بڑے ستونوں میں ۳

لینبذنّ۔ لفظ میں ل اور ن کی دُہری تاکید موجود اور عربی زورِ بیان کا ایک نمونہ ہے، اُردو میں اس زورِ بیان کو لے آنا ممکن ہی نہیں۔

الحطمۃ۔ توڑ پھوڑ کر رکھ دینے والی، روند ڈالنے والی، ایسی زبردست آگ کہ سخت سے سخت چیز جو اس میں پڑے اُس کو بھی وہ ریزہ ریزہ کر کے رکھ دے۔

الحطم کسر الشیئ الهشم مثل الهشم ونحوه...... وسُمّیت بالجحیم حطمة. (راغب، ص:۱۳۸)

سمیت بذلك لأنها تکسر کل ما یُلقی فیها وتحطمه وتهشّمه. (قرطبی، ج۲۰/ص:۱۸۴)

وما أدراك ما الحطمة۔ بلاغتِ عرب میں ایسے سوالیہ فقرے اظہارِ شان وعظمت کے لیے آتے ہیں:

علی التعظیم لشأنها، والتفخیم لأمرها. (قرطبی، ج۲۰/ص:۱۸۴)

۳ یعنی آگ کے شعلے اس جسامت کے ہوں گے، جیسے لمبے ستون، اور وہ لوگ اسی میں مقید ہوں گے۔

تطلع علی الأفئدة۔ قلب تک معاً جا پہنچنا بیان ہے اس آگ کی سرعتِ نفوذ وسرایت کا۔ اور قلب ہی تو مرکز ومصدر ہوتا ہے ہر قسم کے کفر وبے دینی کا۔

اربابِ اشارت سے منقول ہے کہ یہ عذاب رُوحانی ہوگا جو عذابِ جسمانی سے شدید تر ہوتا ہے۔

وأرباب الإشارة یقولون إنما ذکر إشارة إلی العذاب الروحانی الذی هو أشد العذاب. (روح، ج۳۰/ص:۲۳۱-۲۳۲)

إنها علیهم مؤصدة۔ یعنی دروازے ہر طرف سے بند کر دیے جائیں گے اور کوئی راستہ دوزخیوں کے نکلنے کا باقی نہ رہے گا، اور وہ ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے۔

علیهم مؤصدة میں زور وتاکید مؤصدة علیهم سے کہیں بڑھ کر ہے۔

عمد جمع عمود کی یا عماد کی۔

جمع عمود كما قال الراغب والفراء، وقال أبوعبيدة جمع عماد.

(روح، ج ٣٠/ص:٢٣٢)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ جمع نہیں بلکہ اسم جمع ہے۔

هو اسم جمع. (بحر، ج٨/ص:٥١١)

ابن خالویہ نے اسے عمود کی جمع قرار دے کر کہا ہے کہ عربی زبان میں اس وزن پر جمع کل چار لفظوں کی آئی ہے، جن میں سے ایک یہی ہے، اور فراء نے ایک پانچواں لفظ بھی نقل کیا ہے۔

فی عمد۔ فی یہاں ب کے معنی میں ہے۔

الفاء بمعنى الباء. (قرطبی، ج ٢٠/ص:١٨٥)

ممدّدة سے اشارہ طولِ زمان کے لیے بھی سمجھا گیا ہے یعنی ایسا پھیلا ہوا زمانہ جس کا اختتام یا انقطاع بھی نہ ہو سکے گا۔

قيل المعنى فى دهر محدود، أى لا انقطاع لها. (قرطبی، ج ٢٠/ص:١٨٦)

(۱۰۵)

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّة

سورۂ فیل مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ①

کیا (آپ نے) نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے کیا معاملہ ہاتھی والوں کے ساتھ کیا!

۱ (اے رسول۔ اور انھیں کس طرح تہس نہس کر ڈالا)

الم تر۔ قرآنی اسلوبِ بلاغت میں یہ فقرہ ہر ایسے واقعے کے لیے آتا ہے جو سامعین ومخاطبین کو اسی طرح مسلّم۔ اور خواہ محض شنیدہ ہو، دیدہ بالکل نہ ہو، لیکن ہر شنید فرطِ شہرت وتواتر سے دید کے حکم میں داخل ہو۔

أی ألم تخبر، وقیل ألم تعلم. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۱۸۷)

ألم تنظر یا محمد بعین قلبك. (ابن جریر، ج ۲٤/ص:۶۲۷)

رویت سے مقصود رویتِ بصری نہیں، رویتِ علمی ومعنوی ہے۔

وهی بصرية تجوز بها عن العلم على سبيل الاستعارة التبعية. (روح، ج ۳۰/ص:۲۳۳)

كل ما فی كتاب الله تعالى: ألم تعلم، ألم تخبر یا محمد، فهو من رؤية القلب والعلم، لا من رؤية العين. (ابن خالويه، ص:۱۹۱)

خطاب براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن شامل سارے سامعین کو ہے۔

والخطاب للنبی صلى الله عليه وسلم، ولكنه عام. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۱۸۷)

کیف۔ اس کا تعلق لفظ مابعد فعل ربك سے ہے، ماقبل الم تر سے نہیں۔

جس واقعے کا ذکر سورت میں آرہا ہے اس کی اہمیت عربوں نے اس درجہ محسوس کی تھی کہ اپنی تازہ تاریخ کا آغاز اسی سے کیا اور اس سنہ کا نام ہی عام الفیل (سنہ فیل) رکھ دیا۔

ازرقی کی کتاب اخبار مکہ میں ہے:۔

كانوا يؤرخون فی كتبهم ودیونهم من سنة الفيل. (ازرقی، ج١/ص:١٥٤)

"(عرب) اپنی کتابوں اور تاریخوں میں حساب سنہ فیل سے لگاتے تھے۔"

ہادیٔ اعظم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اسی سال ہوئی۔

وفيها ولد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فلم تزل قريش والعرب بمكة جميعاً تؤرّخ بعام الفيل. (أيضًا، ج١/ص:١٥٤)

"اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ تو قریش اور (دوسرے) اہل عرب جو مکہ میں تھے اسی سنہ فیل سے اپنی تاریخ کا شمار کرنے لگے۔" (روض الأنف، ج١/ص:٢٨٣)

محدث سہیلی نے اپنی الروض الأنف (شرح سیرت رسول اللہ ابن ہشام) میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اس واقعے کے پچاس دن بعد ہوئی۔ (الروض الانف، ج١/ص:٢٨٣)

اور ابن سعد نے طبقات میں یہ مدت ستّر دن کی لکھی ہے۔ دوسری روایتوں میں یہ مدت تیس دن، چالیس دن، پچپن دن کی بھی نقل ہوئی ہے ـــــ بہر حال کوئی بھی روایت چند ہفتوں سے زائد مدت کی نہیں ہے۔

ربك۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس خصوصیتِ خطاب سے ظاہر ہوگا کہ آگے کوئی ایسی بات کہی جائے گی جس کا کوئی تعلق خصوصی آپؐ کے اور آپ کے لائے ہوئے دین سے ہوگا۔

أصحاب الفيل۔ ملک حجاز کے پڑوس میں گو سمندر پار اس کے مغرب و جنوب مغرب میں ایک اور ملک واقع تھا، جسے حبشہ کہتے تھے، اور اس کے دوسرے نام ایتھوپیا اور ابی سینا ہیں۔ اُس وقت اُس پر ایک پُر قوت مسیحی حکومت قائم تھی اور اس کے اثرات عرب تک وسیع تھے بلکہ جنوبی عرب کی ریاست یمن تو براہِ راست اس کی ماتحت تھی۔ ۵۷۰ء کا ذکر ہے کہ حکومتِ حبشہ کی طرف سے جو گورنر ابرہۃ الاشرم یمن میں تعینات تھا، اُس نے کعبہ کے جوڑ پر اپنی ریاست یمن کے دار الحکومت شہر صنعاء میں ایک کلیسا کی تعمیر کی اور چاہا کہ ایک عبادت گاہ کی حیثیت سے اسے بھی عرب میں مرکزیت

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝٢ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝٣

کیا اس نے ان کا داؤں بالکل اُلٹ نہیں دیا ۲ پھر اُن کے اُوپر پرندے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝٤

وہ اُن کے اوپر کھنگر کی کنکریاں پھینکتے تھے ۳

و مرجعیت حاصل ہو جائے۔ عربوں کو قدرتاً ناگوار گزرا، اور کسی نے جا کر اس معبد کی بے حرمتی کر دی۔ حاکم یمن کو اس دینی وملّی توہین پر طیش آجانا قدرتی بات تھا۔ اس نے چاہا کہ جا کر خانہ کعبہ کو مسمار کردے۔ ایک زبردست لشکر لے کر اُس نے مکہ پر چڑھائی کی، اس کے ہمراہ ایک ہاتھی بھی تھا، جو عرب کے لیے ایک نئی چیز تھا۔ سیرت ابن ہشام وطبقات ابن سعد میں اس کا نام محمود آیا ہے۔ اُصحاب فیل کی وجہ تسمیہ یہی فیل محمود ہے۔

قرآن مجید میں فیل بہ صیغۂ واحد آیا ہے اور قدیم ترین موجودہ سیرتِ نبوی ابن ہشام میں بھی یہی ایک ہی ہاتھی کا ذکر ہے۔ طبقات ابن سعد میں جو روایت تیرہ (۱۳) ہاتھیوں کی ہے وہ سند ضعیف کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ (ابن سعد، ج۱/ص:۷۳)

کیف۔ اظہارِ حیرت کے لیے ہے یعنی آپ کے پروردگار نے کیسی ان لوگوں کی تدبیریں ناکام کر دیں!

۲ اہل سیر وتاریخ کا بیان ہے کہ ہاتھی بیٹھ گیا اور ہر کوشش کے باوجود خانہ کعبہ کے ہدم کے لیے نہ اُٹھا۔

۳ یکا یک سمتِ مغرب میں بحر احمر کی طرف سے پرندوں کے غول آتے ہوئے دکھائی دیے، اور روایتوں میں آتا ہے کہ ان کے پنجوں اور چونچوں میں کنکریاں تھیں، یہ کنکریاں سپاہیوں پر پڑتی تھیں اور وہ چور چور ہو کر وہیں ڈھیر ہو جاتے تھے۔ انھیں میں خود سالارِ لشکر ابرہہ بھی تھا جو اپنے دارالحکومت صنعاء پہنچتے پہنچتے ختم ہو گیا۔

ابن ہشام کی روایت میں اتنا اور آتا ہے کہ چیچک کی وبا عرب میں اس سال پہلی بار پھیلی۔
(ابن ہشام، ج۱/ص:۵۴)

سرسید اور ان کے ہم خیالوں نے لشکرِ ابرہہ کی تباہی کا سبب جو بجائے چڑیوں کی سنگ باری کے چیچک وبائی کو قرار دیا ہے، عجب نہیں کہ اس کی بنیاد یہی روایت ہو!

أبابیل۔ جھنڈ کا جھنڈ۔ ایک قول کے مطابق یہ جمع ہے ابیّل یا أبالہ یا أیبالہ یا إبّول کی۔

واحدها إبّوُل. (ابن خالويه، ص:١٩٣)

الواحد أبيل. (راغب، ص:١٣)

جمع إبّالة وقيل واحده إبول. (روح، ج٣٠/ص:٢٣٦)

لیکن علمائے عرب ہی میں سے بعض کا قول ہے کہ اس کا واحد نہیں آتا۔

قال آخرون لا واحد لها. (ابن خالويه، ص:١٩٣)

ولم تتكلم لها العرب بواحد. (ابن هشام، ج١/ص:٥٤)

سجّیل۔ یہ سنگریزہ یا کنکری، معرّب ہے سنگِ گل (فارسی) کا۔

حجر وطين مختلط وأصله فى ما قيل فارسى معرب. (راغب، ص:٢٥٣)

هو معرب من سنككل، وعليه الجمهور. (مدارك، ص:١٣٧٥)

هو معرب دخيل أصله بالقارسية سنك وكِل. (تاج، ج١٤/ص:٣٣٥)

قيل هو حجر من طين معرب. (لسان، ج٦/ص:١٨٢)

لیکن بعض ائمۂ لغت اس کے عربی ہی ہونے کے قائل ہیں، چنانچہ ابن ہشام نے یونس نحوی اور ابوعبیدہ لغوی کے حوالے سے ایسا ہی لکھا ہے اور قاموس، تاج اور لسان میں یہ قول نقل ہوا ہے، اور بعض نے اس کا اشتقاق مصدر اسجال سے کیا ہے۔ (تاج، ج۱۴/ص:۳۳۵. کشاف، ج۴/ص:۷۹۳)

پڑوس کے ملکوں میں یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ایک کی زبان دوسرے کی زبان پر اثر انداز نہ ہو، چنانچہ ازہری لغوی کا قول لسان و تاج العروس میں ہے کہ

”فارسی کے بعض لفظوں کو عربوں نے اپنی زبان میں لے لیا ہے، جیسے: جاموس، دیباج... کیا عجب ہے کہ یہ لفظ بھی عربوں نے معرب کرلیا ہو! (لسان، ج۶/ص:۱۸۲، تاج، ج۱۴/ص:۳۳۵)

قرآن مجید میں لغتِ عرب کی لغتِ قریش سے باہر کے لفظ بہت ہی کم آئے ہیں۔ ان میں جو معدودے چند آئے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝

سو (اللہ نے) اُنھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا ۴

حکایتِ اصحاب فیل کا ماحصل یہ نکلا کہ شعائرِ الٰہی کی بے حرمتی کرنے والے کو عذابِ الٰہی سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ وہ عذاب دُنیا ہی میں نازل ہو جائے!

۴ (پامالی اور پراگندگی کے لحاظ سے)

ابن ہشام میں یہ تصریح بھی ہے کہ لشکر ابرہہ مکہ معظمہ تک ایک عرب رہنما نفیل بن حبیب ہی کی رہنمائی میں پہنچ سکا تھا، اور بھاگتے وقت اس رہنما نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا (ابن ہشام، ج ۱/ص: ۵۲)۔۔۔ اس سے جتنی ابتری بڑھی ہو گی ظاہر ہے!

عصف۔ سرکشوں اور نافرمانوں کی تشبیہ بُھوسے سے پُرانے صحیفوں میں بھی ملتی ہے:۔

"شریر ایسے نہیں بلکہ وہ بھوسے کے مانند ہیں، جسے ہوا اُڑا لے جاتی ہے۔" (زبور، ۱: ۴)

(نافرمان اُمتیں) "اس بھوسے کی طرح ہیں جو ٹیلوں کے اُوپر آندھی سے اُڑتا پھرے"۔ (یسعیاہ، ۱۷: ۱۳)

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس واقعے سے اہل عرب کے دل میں قریش کی عظمت و ہیبت بیٹھ گئی کہ یہ اہل اللہ ہیں۔ اللہ نے اُن کے دشمنوں کو ذلیل و ناکام کر کے رکھا ہے۔ (ابن ہشام، ج ۱/ص: ۵۶)

سورۂ فیل کے معاً بعد سورۂ قریش کا آنا اس ربطِ معنوی کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔

دشمنانِ خدا کی اس غیبی مقہوری و بربادی کے عقیدے سے قدیم صحیفے بھی ناآشنا نہیں۔ عہد عتیق میں اسیریا کے پُرقوت بادشاہ سنجرب (۷۰۵ء۔۶۸۱ق.م) کے لشکر عظیم کی ہلاکت و بربادی کا منظر اس سے ملتا ہوا ہے:۔

"خداوند فرماتا ہے کہ... میں اپنے لیے اور اپنے بندے داؤد کے لیے اس شہر کے بچانے کے واسطے اس کی پشتیبنی کروں گا، سو اسی رات کو ایسا ہوا کہ خداوند کے فرشتے نے نکل کر اُسور کی لشکر گاہ میں ایک لاکھ پچاس ہزار آدمی جان سے مار دیے۔ وہ جو صبح سویرے آئے تو دیکھا کہ سب مرے پڑے تھے۔ تب شاہ سنجرب نے کوچ کیا اور چلا گیا، اور ایسا ہوا کہ جس وقت وہ اپنے معبود نسروک کے گھر میں پوجا کرتا تھا، اس وقت..... اس کے بیٹوں نے اُسے تلوار سے قتل کیا"۔ (۲: سلاطین ۱۹: ۳۳-۳۷)

(١٠٦)

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ

سورۂ قریش مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ①

قریش کے لیے عہد دلانے کے خاطر!

!ـــ ایک نہیں کئی قول اس مضمون کے نقل ہوئے ہیں کہ یہ سورت مربوط ہے اپنی قبل والی سورت الفیل کے ساتھ۔

قيل إن هذه السورة متصلة بالتي قبلها في المعنى. (قرطبي، ج ٢٠/ص: ٢٠٠)

لإيلاف میں ل تعلیل کا ہے، یعنی ایلاف قریش کی غرض سے۔

لأجل إيلافهم. (كشاف، ج٤/ص: ٧٩٥. بيضاوى، ج٥/ص: ١٩٦. مدارك، ص: ١٣٧٦)

واللام للتعليل. (روح، ج ٣٠/ص: ٢٣٩)

لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ ل تعجب کا ہے۔

بمعنى التعجب. (ابن جرير، ج ٢٤/ص: ٦٤٩)

قال الكسائي والأخفش هي لام التعجب. (معالم، ج٥/ص: ٣٠٩)

ایلاف کے مشہور معنی تو شوق دلانے اور مالوف و مانوس کرنے کے ہیں، اور اس لحاظ سے معنی یہ ہوں گے کہ قریش ان کے لیے ان کے ان دونوں سفروں میں یہ دلکشی رکھ دی گئی ہے۔

أي لتؤلف قريش ورحلتيها آمنين. (لسان، ج ١/ص: ١٨٠)

لیکن اس ایلافِ قرآنی کا ایک مفہوم اور بھی لیا گیا ہے، اور وہ ہے عہد باضمانت یا آج کل کی بین الاقوامی اصطلاح میں پروانۂ راہ داری۔

الإيلاف عهود بينهم و بين الملوك...(روح،ج ۳۰/ص:۲۳۸)

جمہور مفسرین نے اس تفسیر کو قبول نہیں کیا ہے۔

وحمل الإيلاف على العهود وخلاف ما عليه الجمهور. (روح،ج ۳۰/ص:۲۳۸)

لیکن بہر حال لغت میں اس کی پوری سند موجود ہے۔

والإيلاف في التنزيل العهد. (قاموس،ص:۷۳۱)

الإيلاف شبه الإجارة بالخفارة. (بحر،ج۸/ص:۵۱۵. روح،ج ۳۰/ص:۲۴۰)

اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایسے اجازوں (پاسپورٹوں) کے اجراء کا حق اکابر قریش کو حاصل تھا۔عرب سے گزرنے والے تجارتی قافلے انھیں کے دستخط سے دوسرے ملکوں اور سرزمینوں کا سفر کرتے تھے۔

شروع تیسری صدی ہجری کے نامور نسّاب عرب ابو جعفر محمد بن حبیب ہاشمی بغدادی (متوفی ۲۲۵ھ) نے اپنی کتاب المحبّر (دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) میں ایک مستقل عنوان أصحاب الإيلاف کا رکھا ہے،اس کا ملخص ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

''ایلاف عہد نامہ کو کہتے ہیں،اور قریش کے جن افراد سے اللہ نے قریش کی عزت بڑھائی اور ان کے ناداروں کو مطمئن کیا، وہ یہ چار تھے: (۱) ہاشم (۲) عبد شمس (۳) مطلب (۴) نوفل، اولادِ عبد مناف میں سے۔ہاشم کی تجارت شام کی طرف تھی،عبد شمس کی حبش کی طرف،مطلب کی یمن کی طرف اور نوفل کی عراق کی طرف....ان میں سے ہر ایک نے ایلاف (عہد نامے) حکمرانوں اور سردارانِ قبائل سے حاصل کر لیے تھے اور یہی چار قریش کے رئیسوں میں ہوئے ہیں۔'' (المحبر،ص: ۱۶۲-۱۶۳)

اور ان میں جہاں تک ہاشم کی ذات کا تعلق ہے ذیل کی تفصیلات طبقات ابن سعد میں ملیں گی:۔

''ہاشم ایک معزز شخص تھے،اُنھوں نے قیصر رُوم سے قریش کے لیے یہ عہد لے لیا تھا کہ وہ امن وامان کے ساتھ سفر کر سکیں،سڑکوں اور راستوں پر اپنا مال واسباب لے کر گزریں تو محصول نہ دینا پڑے،قیصر نے یہ اجازت نامہ لکھ دیا اور نجاشی (حبشہ) کو بھی لکھ دیا کہ قریش کو اپنے ملک میں داخلے کی اجازت دے دے۔(جلد اول،ص:۴۵،مطبوعہ لیڈن) (ج۱/ص:۶۰،جدید ایڈیشن)

إِلَٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾

جاڑے اور گرمی میں (اُن کے) سفر کے لیے عہد دلانے کی خاطر ۲

قریش۔ شمالی اہل عرب کی نسل میں شریف ترین اور مشہور ترین قوم کا نام قریش ہے۔ قریش کے مورثِ اعلیٰ کا نام نضر بن کنانہ تھا۔

أما قريش فهم بنو النضر بن كنانة. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۲۰۲)

وهو أصح الأقوال وأثبتها عند القرطبی، قيل وعليه الفقهاء. (روح، ج ۳۰/ص:۲۳۸)

قریش کی عظمت، اہمیت وافضلیت سارے اہل عرب کو مسلّم تھی، جب تک قریش اسلام نہ لے آئے، سارا عرب اُنھیں کا منتظر رہا، اور جب قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو قبول کرلیا تو تقریباً سارا ہی عرب ہتھیار رکھ دینے پر آمادہ ہوگیا۔ رسولِ خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اسی قوم کے قبیلہ بنی ہاشم میں ہوا۔ قریش کا قومی پیشہ (علاوہ جنگ بازی کے جو سارے عرب میں مشترک تھی) تجارت تھا۔ اور تجارت بھی اس بڑے پیمانے پر کہ انٹرنیشنل (بین الملکی) بھی کہی جاسکتی تھی۔

قریش اپنے وطن میں تو معزز اور مقتدر تھے ہی، باہر کے ملکوں میں بھی مجاورِ حرمِ کعبہ کی حیثیت سے عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

۲ ایلافھم۔ لفظ ایلاف کی تکرار تاکیدِ مضمون اور اس احسانِ عظیم پر زور دینے کے لیے ہے۔

التكرير تفهيماً لأمر الإيلاف وتذكيراً لعظيم المنة فيه. (كبير، ج ۳۲/ص:۹۹)

رحلة الشتاء والصيف۔ قریش اپنی تجارتی سیاحتوں کے لیے ملکوں ملکوں نام پائے ہوئے تھے، اور ان کی یہ سرگرمیاں کسی ایک موسم کی پابند نہ تھیں۔ جاڑے اور گرمی، خزاں وبہار ہر موسم میں جاری رہتی تھیں، اور یہ بحری تجارت سے بھی ناآشنا نہ تھے، ان کی وجہ تسمیہ بھی ایک یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ لوگ تجارت پیشہ اور مال جمع کرنے والے تھے، کھیتی باڑی کرنے والے نہ تھے۔

الشتاء۔ سردی کے موسم میں قریش کے تجارتی قافلے مکہ سے جنوب میں یمن کی طرف جاتے۔

الصيف۔ گرمی کے زمانے میں قریش کی تجارت شمال میں مصر وشام کی جانب ہوتی رہتی۔

غرض سال کے سال قریش کی برّی وبحری تجارت سرگرمیوں سے جاری رہتی۔ آبادی کا بڑا حصہ اپنا سرمایہ اسی تجارت میں لگائے رہتا، قافلے جب واپس آتے تو شہر بھر میں خوب نفع تقسیم ہوتا۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۵

تو چاہیے تھا کہ وہ اسی گھر کے مالک کی عبادت کرتے رہیں ۳ جس نے اُنھیں بھوک میں کھانے کو دیا

وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④

اور انھیں خوف سے امن دیا ۴

۳ یعنی قریش کو چاہیے تھا کہ کم سے کم اس نعمتِ عظیم ہی کے شکریہ اور اعتراف میں اس برکت والے ''مکان'' کی عظمت کا حق پہچانتے اور اس کے مالک و خالق کے بلاشرکت غیرے قائل ہوجاتے اور شرک کو ہر طرح چھوڑ دیتے ـــــ توحید تو بہر حال دین برحق ہے اور ہر طرح سے ثابت، لیکن شفیق والدین اولاد کو راہِ راست پر لانے کے لیے محض دلائل عقلی ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ احساسِ غیرت کو بھی ہر طرح پیدا کرتے رہتے ہیں تو حق تعالیٰ کی شفقت تو شفیق ترین والدین سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ کلامِ الٰہی میں اس موثر طریق ترغیب کو کیسے کام میں نہ لایا جاتا!

فلیعبدوا میں حرف ف اس تخصیصی پہلو کے اظہار کے لیے ہے۔

أمرهم أن يعبدوه لأجل إيلافهم الرحلة. (بحر، ج۸/ص:۵۱٤)

هذا البيت ۔ یعنی خانۂ کعبہ۔ ھذا کا اسم اشارہ اس سیاق میں تعظیم و احترام کا پہلو رکھتا ہے۔

الإشارة أن البيت في هذا النظم تفيد التعظيم. (کبیر، ج۳۲/ص:۱۰۱)

اس البيت کی عظمت و جلالت، قریش کو اپنی بت پرستی کے دور میں بھی برابر مسلّم رہا کی ہے۔

رب هذا البيت ۔ یعنی جب مکان ہی اس درجہ قابلِ عظمت ہے تو اس کے مالک کے درجۂ عظمت کا کیا کہنا!

۴ ''بھوک'' اور ''خوف'' یہ دونوں آج بھی مہذب و متمدن حکومتوں کے اہم ترین مسئلے بنے ہوئے ہیں، اور ''غذا'' اور ''امن'' یہی دو چیزیں آج بھی ہر مہذب و متمدن ملک کی ترقی کا بڑا معیار بنی ہوئی ہیں ـــــ عرب اور خصوصاً حجاز میں وقت کے تاریخی و جغرافی حالات کے اقتضا سے ان معیاری نعمتوں کی اہمیت اور بھی کہیں بڑھی ہوئی تھی، اور ان دونوں مسئلوں کا حل گویا ایک معجزانہ حیثیت رکھتا تھا۔

أطعمهم من جوع۔ غذائی اور معاشی سوال آج بھی ملکی مسائل میں نمبر اول پر ہے، چہ جائے کہ چودہ سو سال قبل کے غیر ذی زرع اور ریگستانِ عرب میں۔ یہ مکہ کے لوگ جو تجارت پیشہ ہونے کے باعث آسودہ حال تھے تو یہ اس ''عظمت والے گھر'' ہی کی برکت اور طفیل نہ تھا تو اور کیا تھا!

آمنهم من خوف۔ ایسے ماحول میں جہاں رہزنی اور قزاقی ایک عام مشغلہ بلکہ پیشہ تھی قریش کے احترام وتقدس کا دلوں میں بیٹھ جانا، اور رہزنوں، ڈاکوؤں کا اُن سے تعرض نہ کرنا بلکہ بیرونی حکومتوں کا بھی اکابرِ قریش کو ضمانت نامے دے دینا، یہ سب اسی خانۂ کعبہ کی ہمسائیگی ہی کی برکت تو تھی!

جوع وخوف دونوں کا صیغۂ نکرہ بھوک وخوف کی شدت واہمیت کے اظہار کے لیے ہے۔

والتنكير في جوع وخوف لشدتهما. (كشاف، ج ٤/ص: ٧٩٧)

المراد من التنكير التعظيم. (كبير، ج ٣٢/ص: ١٣٢)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس کسی کو کسی امر دینی کے واسطے سے جاہ یا مال نصیب ہو (جیسے یہاں قریش کو بیت اللہ کے واسطے سے تھا) تو اسے چاہیے کہ بجائے فخر ودعویٰ کے شکر وطاعت کا اور زیادہ اہتمام رکھے۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۷۷۷)
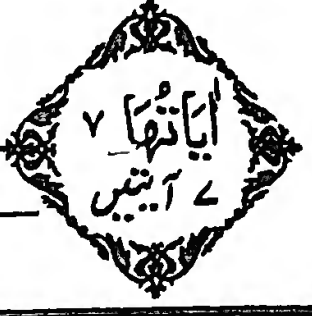
سورۂ ماعون مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ①

(اے مخاطب) بھلا تو نے اس پر نظر کی ہے جو دین کو جھٹلاتا ہے [۱]

[۱] (اور اس کی سیرت و کردار کو جانچا اور بھانپا ہے)

أرأیت۔ ہمزۂ استفہام محض کے لیے نہیں، کلمۂ تعجب ہے جس سے مقصود سامعین کے دل میں مکذب دین کے تعارف کے لیے شوق و جستجو پیدا کرنا ہے۔ یہ سوال مخاطبین کو چونکا دینے کی غرض سے ہے اور یہ خطبات عرب کے دستور کے عین مطابق ہے۔

الألف ألف تقرير وتنبيهٍ في لفظ الاستفهام، وليس استفهاماً محضاً. (ابن خالويه، ص:۲۰۱)

استفهام أريد به تشويق السامع إلى تعرف المكذب. (روح، ج:۳۰/ص:۲۴۱)

والمراد به المبالغة في التعجب. (خازن، ج۷/ص:۲۹۹)

رأیت۔ رویت، رویت بصری کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں۔ رویت کے عموم میں مشاہدۂ حسی کے ساتھ مشاہدۂ عقلی بھی داخل ہے، اس لیے مراد محض جاننے سے بھی ہو سکتی ہے۔

راغب نے رویت کے تحت میں رویت کی چار قسمیں قرار دی ہیں: (۱) رویت حسی (۲) رویت وہمی و تخیلی (۳) رویت تفکری (۴) رویت عقلی۔ (راغب، ص:۲۰۶-۲۰۷)

چنانچہ یہاں اہل تفسیر نے معنی رویت عقلی یعنی جاننے اور پہچاننے کے لیے ہیں۔

والرؤية بمعنى المعرفة. (روح، ج۳۰/ص:۲۴۱)

فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ②

تو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ۲

أی هل عرفته وإن لم تعرفه. (جلالین، ص:۸۲۳)

أی هل عرفت الذی یکذب بیوم الجزاء. (خازن، ج۷/ص:۲۹۹)

بالدین۔ دین سے مراد دین کا ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن یہاں مراد لفظی معنی یعنی جزاو حساب سے بھی لی گئی ہے۔

أی بالجزاء والحساب فی الآخرة. (قرطبی، ج۲۰/ص:۲۱۰)

وهو المعاد والجزاء والثواب. (ابن کثیر، ج٤/ص:۵۰۵)

وهو قول أكثر المفسرين أن المراد أرأيت الذی يكذب بالحساب والجزاء. (كبير، ج۳۲/ص:۱۰۵)

مفسرین نے یہاں مختلف اشخاص کے نام گنائے ہیں، مثلاً: ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل سہمی وغیرہ کہ آیت ان میں سے فلاں کے حق میں نازل ہوئی ہے لیکن اشارۂ خصوصی جس طرف بھی ہو، آیت اپنی دلالت میں عام ہے، جس کسی میں یہ علامتیں پائی جائیں گی، وہ اس کا مصداق ہو جائے گا۔

۲ (جو دلیل ہے اس کی بدنفسی اور سنگ دلی کی کہ بجائے مہروشفقت کے یتیموں کے ساتھ بے دردی سے پیش آتا ہے، اور انھیں ان کے حق سے محروم کر دینے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتا)

اسلام محض خشک تعبدی مذہب نہیں۔ کمزوروں، ناتوانوں کے ساتھ ہمدردی وشفقت اس کے ہاں مہمات دین میں داخل ہے۔

ذلك اشارۂ بعید ہے جو بجائے اشارۂ قریب کے لیے شاید اس لیے لایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کا بُعد شرف ومنزلت سے ظاہر ہو۔

للإشارة إلى بُعد المنزلة فی الشر والفساد. (روح، ج۳۰/ص:۲۴۳)

یدع الیتیم سے مراد یہ بھی لی گئی ہے کہ یتیموں کا حق مار لیتا ہے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝٣ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝٤ الَّذِيْنَ هُمْ

اور محتاج کے لیے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا ۳ سو بڑی خرابی ہے (ایسے) نمازیوں کے لیے جو

عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝٥ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝٦

اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں اور جو دکھاوا کرتے ہیں ۴

عن ابن عباس يدفع حق اليتيم. (ابن جرير، ج ٢٤/ص:٥٨٠)

۳ (جو خود عرب جاہلی کے معیارِ اخلاق سے بھی ایک بڑا عیب تھا)

عرب اپنی مہمان نوازی کے لیے مشہور تھے اور ایسا بخیل جو خود تو دوسروں کو کھلانے سے رہا، دوسروں کو ترغیب بھی محتاجوں کے کھانا کھلانے کی نہیں دیتا، ایک مجسمۂ بخل تھا۔

الذی۔ اُوپر دو جگہ آیا ہے، صورۃً مفرد ہے لیکن معناً جمع، مراد کوئی فرد نہیں بلکہ جنس ہے۔

معناه الجمع، لأن المراد به الجنس. (كشاف، ج٤/ص:٧٩٩)

۴ یعنی ایسے لوگ اگر نماز پڑھتے بھی ہیں تو لا حاصل، یہ نمائش اور دکھاوے کی راہ سے پڑھتے ہیں، جسے اصل عقیدے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ گویا اِدھر بندوں کے حق بھی ضائع کرتے ہیں اور اُدھر خالق کے حق بھی۔

مفسر تھانویؒ نے اس مقام پر یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ سورت میں ذکر ان افعال کا ہے جو تکذیبِ دین سے پیدا ہوتے ہیں، خواہ کفراً، خواہ نفاقاً۔ باقی اگر وہ بلا تکذیبِ دین ہوں تو مذموم تو اس وقت بھی ہوں گے لیکن اس درجہ میں نہیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص:۷۷۸)

یعنی شکلِ عبادت سے مقصود خلق میں نمائش ہوتی ہے اور رضائے الٰہی کی طلب کسی درجے میں بھی نہیں ہوتی۔

ساھون۔ سہو ایک تو ہوتا ہے غیر ارادی، غیر اختیاری، اس پر انسان سے کوئی مواخذہ نہیں، باقی دوسرا سہو تمام تر ارادہ و اختیار کی بنا پر ہوتا ہے جو کافر ہی سے سرزد ہوتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ نحوی و لغوی اعتبار سے بھی سہو فی الصلاۃ اور سہو عن الصلاۃ میں بھی فرق کیا گیا ہے۔

السهو فى الشيئ تركه عن غير علم، والسهو عنه تركه مع العلم. (نهاية، ج٢/ص:٣٨٥)

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷

اور حقیر چیزوں تک کو روکے رہتے ہیں ۵

لسان العرب میں بھی اس کو نقل کر کے مثال میں یہی آیت پیش کی۔ (لسان، ج ٦/ص: ۱۴۵)

فثبت أن السهو في الصلاة من أفعال المؤمن والسهو عن الصلاة من أفعال الكافر. (كبير، ج ٢٢/ص: ١٠٧)

۵ (اور انھیں دینے میں بخل کرتے ہیں)

الماعون۔ ماعون۔ معن کہتے ہیں روزمرہ کے استعمال کی معمولی وحقیر چیزوں کو، جن سے دوسروں کے کام نکلتے رہتے ہیں۔

المَعْن الشيئ اليسير الهيّن. (جوهرى، ج٦/ص: ٢٢٠٤)

الهيّن اليسير. (قاموس، ص: ١١٣٨)

السهل من الأشياء. (تاج، ج١٨/ص: ٥٣٩)

أن أصله من المعن وهو الشيئ القليل. (بحر، ج٨/ص: ٥١٨)

الماعون المعروف كله لتيسره وسهولته. (تاج، ج١٨/ص: ٥٣٩)

الماعون اسم جامع لمنافع البيت. (جوهرى، ج٦/ص: ٢٢٠٤)

قال أبوعبيدة والزجاج والمبرد: هو في الجاهلية كل ما فيه منفعة من قليل أو كثير. (روح، ج ٣٠/ص: ٢٤٣)

مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کے دل مخلوقِ خدا کی ہمدردی سے اس درجہ خالی ہیں کہ کسی کی ضرورت پر اُسے کوئی معمولی چیز دینا بھی یہ لوگ گوارا نہیں کرتے، بلکہ اس سے ان کے دل پر گرانی گزرتی ہے ـــــ اسلام کو ملت کی اصلاحِ انفرادی اور اجتماعی کا جس درجہ اہتمام مطلوب ہے وہ اس سورت سے صاف ظاہر ہورہا ہے! جن لوگوں کے دل انسانی ہمدردی سے خالی ہیں اُنھیں دین یا روزِ جزا کا مکذب ٹھہرایا ہے۔

زمخشری (صاحب کشاف) چھٹی صدی ہجری کے نصف اول کے شخص ہیں، اپنے زمانے

کے نمائشی نمازیوں کے لیے لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں اپنے کو مسلمان کہلانے والے بلکہ علماء تک ایسی ہی ریائی نمازیں پڑھتے ہیں۔

وکم ترىٰ من المتسمين بالإسلام، بل من العلماء منهم من هو على هذه الصفة فيا مصيبتاه! (کشاف، ج ٤/ص:٧٩٩)

وہ آج چودھویں صدی کے نصف آخر میں ہوتے تو خدا جانے کیا کچھ اور لکھ جاتے!

الماعون کے عموم کے تحت میں وہ سارا سامان آگیا جس کی ضرورت روزمرّہ کی خانہ داری میں پڑا کرتی ہے: رسّی، ڈول، کدال وغیرہ۔ دُنیا میں ایسے مذہب بھی گزرے ہیں (خصوصاً سرزمینِ ہند پر) جنھوں نے ان آلات سے کام لینا ممنوع قرار دیا ہے اور جو پیشہ وران سے کام لیتے ہیں اُنھیں کو حقیر و ذلیل ٹھہرایا ہے، مثلاً لوہار، بڑھئی، کاشتکار وغیرہ کو۔

اسلام اس طرح کے تمدنی کام کاج کو حقیر ٹھہرانا کیا معنی، اُلٹے اس کی عزت افزائی کرتا ہے اور اسے کسبِ حلال کی ایک اعلیٰ قسم قرار دیتا ہے!

(۱۰۸)

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا ۳ — ۳ آیتیں
رکوعاتہا ۱ — ۱ رکوع

سورۂ کوثر مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ①

ہم ہی نے آپ کو خیر کثیر عطا کی ہے ۱

۱ (دُنیا اور آخرت دونوں میں اے ہمارے رسول!)

اور یہ دلیل ہے آپ کی کمالِ مقبولیت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خیر کثیر کا آخرت میں مرتب ہونا تو ظاہر ہی ہے آپ کے مرتبۂ قربِ منزلت کے لحاظ سے۔ رہی دُنیا میں خیر کثیر کتنا ہے تو اس میں آپؐ اور آپ کے خلفاء کی وسعتِ فتوحات، آپ کی اُمت کی کثرتِ تعداد اور اس کی فلاح و بہبود وغیرہ سب ہی چیزیں داخل ہیں۔

اِنّــا۔ آنحضورؐ کی جتنی بھی بزرگیاں، فضیلتیں، عظمتیں اور کرامتیں ہیں، سب اللہ ہی کا عطیہ ہیں۔ ان کے اعطاء کو صراحت کے ساتھ اللہ کی جانب منسوب کرنا اس پہلو کے اظہار کے لیے ہے۔

أعطینٰـك۔ اعطاء کا صیغۂ ماضی درآنحالیکہ ظہورِ خیر کثیر کا معتدبہ اور اصلی تعلق مستقبل اور مدینے کی زندگی سے ہے، اس اظہارِ حقیقت کے لیے ہے کہ خیر کثیر کا تحقق قطعی و حتمی ہے، کوئی مرموز، مبہم اور مجہول نہیں۔

کــوثــر۔ بروزنِ فــوعــل، کثرت سے مشتق اور اس کا صیغہ مبالغہ ہے، اس کے معنی مطلق افراط و کثرت کے، خیر کثیر و مفرط کے ہیں۔

فوعل من الكثرة والواؤ زائدة، ومعناه الخير الكثير. (تاج، ج۷/ص:۴۳۶)

والعرب تسمى كل شيئ كثير فى العدد والقدر والخطر كوثراً له.
(قرطبى، ج۲۰/ص:۲۱۶)

صيغة مبالغة الشيئ الكثير كثرة مفرطة. (روح، ج۳۰/ص:۲۴۵)

اوراس کے مفہوم میں ساری نعمتیں، سارے ہی انعاماتِ الٰہی آجاتے ہیں۔

هذا اللفظ يتناول خيرات الدنيا وخيرات الآخرة. (كبير، ج۳۲/ص:۱۱۳)

الخير الكثير والنعم الدنيوية والأخروية من الفضائل والفواضل. (روح، ج۳۰/ص:۲۴۵)

اور مفسرین نے اس کی شرح میں کثرتِ علوم، کثرتِ حسنات، کثرتِ نسل وغیرہ سب ہی گنا ڈالے ہیں ـــــ اور سب اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں۔

الکوثر۔ ال کے ساتھ معرفہ۔ یہ نام جنت کے ایک دریا کا ہے اور ایک تالاب کا بھی۔

روی......عن السلف أن الكوثر نهر فى الجنة، وقال عطاء هو حوض فى الجنة. (ابن كثير، ج۴/ص:۵۰۹)

اور اس مقدار کی حدیثیں بخاری، مسلم اور ترمذی سب میں نقل ہوئی ہیں، اور محدث قاضی عیاض مالکی نے لکھا ہے کہ یہ روایت صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے نقل ہوئی ہے اور اس پر بلا تاویل ایمان لانا مذہب اہل سنت میں واجب ہے۔

قال القاضى عياض وهو على ظاهره عند مذهب أهل السنة والجماعة، ولا يتأول ولا يختلف فيه، وحديثه متواتر النقل، رواه الخلائق من الصحابة. (خازن، ج۷/ص:۳۰۲)

إنا أعطينا۔ کلمہ تاکید إن اور پھر ضمیر جمع متکلم کی تکرار نے مل کر فقرے میں معنی حصر و تکرار کے پیدا کر دیے ہیں ـــــ اُردو میں اس مفہوم کو یوں ادا کیا جا سکتا ہے:

"ہم نے، ہاں ہم ہی نے آپ کو کوثر عطا کی ہے"۔

إنّا ـــ یہ صیغۂ جمع متکلم جس طرح مصدر جمع کے لیے آتا ہے اسی طرح واحد کے اظہارِ تعظیم کے لیے بھی آتا ہے۔

كلمة تارة يراد بها الجمع وتارة يراد بها التعظيم. (كبير، ج۳۲/ص:۱۱۴)

اور چونکہ اللہ کے لیے تعدد اور جمع کا کوئی احتمال ہی نہیں، اس لیے قدرتاً اس سے مراد تعظیم ہی ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾

سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے ۲

۲ (اور معاندین کے طنز و تعریض کی ذرا پروا نہ کیجیے)

یعنی آپ اپنی عبادتوں میں سکونِ قلب کے ساتھ بدستور لگے رہیے۔

ف۔ یعنی اس انعام کے شکر میں۔

والفاء لترتيب ما بعدها على ما قبلها. (روح، ج ۳۰/ص:۲٤٦)

فصلّ۔ صلاۃ، نماز کو یہاں قائم مقام رکھا گیا ہے بدنی عبادتوں کے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نماز جامع ہے اقسامِ شکر کی، اس لیے حکم نماز کے بجائے حکم شکر کے لایا گیا ہے۔

فإن الصلاة جامعة لجميع أقسام الشكر، ولذا قيل فصلّ دون فاشكر. (روح، ج ۳۰/ص:۲٤٦)

لربك۔ اس تاکید و تصریح سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ مراد اس سے صلاۃ ہو یا کوئی اور دوسری عبادت، سب خالصۃً اللہ ہی کے لیے ہونی چاہئیں، نہ کہ غیر اللہ کے لیے۔

وانحر۔ نحر کے لفظی معنی ہیں سینے پر نیزہ مارنے کے، مراد اس سے اُونٹ کی قربانی ہے کہ وہ اسی طرح کی جائے۔

ابھی حکم یہ ملا تھا کہ نماز پڑھتے رہیے، اب یہ حکم مل رہا ہے کہ قربانی کرتے رہیے —— نماز قائم مقام ہے بدنی عبادت کی، قربانی قائم مقام ہے مالی عبادت کی۔

يعني بذلك نحر البدن ونحوها. (ابن كثير، ج ٤/ص:٥٠٩)

انحر البدن التي هي خيار أموال العرب باسمه تعالیٰ تصدق على المحاويج. (بيضاوي، ج ٥/ص:١٩٧. روح، ج ۳۰/ص:۲٤٦)

نحر کے ایک معنی محاورۂ عرب میں قطع شہوات و ترکِ خواہش نفس کے بھی آئے ہیں، چنانچہ اہل لغت نے یہ معنی یہاں بھی قبول کیے ہیں۔

قيل حثٌّ على قتل النفس بقمع الشهوة. (راغب، ص:٥٣٩)

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾

بے شک آپ کا معاند ہی ایسا ہے، جس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا ۳

قیل فیہ حث علی قتل النفس بقمع الشھوۃ و کف النفس عن ھواھا. (تاج، ج۷/ص:۵۱۲)

۳ (چنانچہ یہ پیش خبری بھی لفظ بہ لفظ پوری ہو کر رہی)

چنانچہ ابولہب بن عبدالعزی، عمرو بن ہشام ابو جہل مخزومی، اور عتبہ بن شیبہ مشہور معاندینِ رسول کا ذکرِ خیر آج کہیں باقی ہے؟ اور محمدؐ بن عبداللہ کا ذکر خیر ہے کہ بے شمار سینوں کے اندر اور بے شمار زبانوں کے اوپر ہر جگہ جاری ہے۔

الأبتر۔ ابتر لفظی معنی میں وہ شخص ہے جس کا کوئی وارث نہ رہ جائے۔

الذی لا عقب لہ. (قاموس، ص:۳۲٤. تاج، ج٦/ص:٤٤)

اُردو میں کسی ایک لفظ سے اس کا مفہوم ادا ہونا مشکل ہے، شاہ عبدالقادر نے اس کا ترجمہ "پیچھا کٹا" کیا ہے۔ "بے اولاد" بھی پورا مترادف نہ ہوگا۔ ابتر میں نفی کامل ہے بیٹوں کی، بیٹیوں کی نہیں ــــ مراد بہر حال ایسے شخص سے ہوتی تھی جس کا ذکرِ خیر کرنے والا، نام لینے والا کوئی نہ رہ جائے۔

المقطوع الذکر. (راغب، ص:٤٥)

قیل رجل أبتر أی انقطع ذکرہ فی الخیر. (راغب، ص:٤٤)

أی المقطوع ذکرہ من خیر الدنیا والآخرۃ. (قرطبی، ج۲۰/ص:۲۲۲)

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمِ کعبہ میں تھے اور آپؐ کے صغیر السن صاحبزادے ابراہیمؓ کا انتقال اس زمانے میں ہو چکا تھا۔ ایک معروف معاند عاص بن وائل سہمی نے آپؐ کا ذکر دوسرے لوگوں سے اسی لقب ابتر کے ساتھ کیا، اور یہ لقب عرب میں بڑی تحقیر کا تھا۔

مشرک قوموں میں عموماً کسی کا لاولد رہ جانا ایک شدید نحوست سمجھا گیا ہے، عرب جاہلیت میں یہ عقیدہ اور زیادہ راسخ تھا۔ جب کمسن نبی زادے دُنیا سے اُٹھ گئے تو معاندین کو تعریض کرنے کا نیا عنوان ہاتھ آ گیا، اور خوش ہو ہو کر کہنا شروع کیا کہ چلو اچھا، اب میدان صاف ہو گیا، ان حضرت کا

نام لیوا کوئی رہا نہیں، اب ان کے دین کا نام ونشان بھی نہ رہے گا۔ سورۃ الکوثر اسی تعریض کے جواب میں ہے۔ آپ کو بتایا جا رہا ہے کہ آپ دل شکستہ ذرا بھی نہ ہوں، آپ کو تو ممکن نعمتیں بڑی سی بڑی عطا ہو چکی ہیں، آپ کا دین خوب چمکے گا، ہر چار سو پھیلے گا، آپ ان نعمتوں کے ادائے شکر میں سکونِ قلب کے ساتھ اطاعت وعبادت میں لگے رہیے، اور معاندین کے طنز وتعریض کی ذرا پروانہ کیجیے۔ محرومی اور حسرت نصیبی تو ان کے لیے مقدر ہو چکی ہے۔

(۱۰۹)

سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ

رکوعاتُھا ۱
۱ رکوع

سورۂ کافرون مکی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲

آپ کہہ دیجیے (اے پیمبر) کہ اے کافرو! ۱ نہ تو میں ان کی پرستش کرتا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو

۱ یعنی اے وہ لوگو جو کفر پر قائم ہو!

تاریخی روایتوں میں اس موقع پر قریش کے ان چار سرداروں کے نام آئے ہیں: (۱) اسود بن المطلب الاسدی (۲) ولید بن مغیرہ مخزومی (۳) عاص بن وائل سہمی (۴) امیہ بن خلف جمحی۔ ان میں سے پہلے تین دعوت کے ابتدائی عہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء کرنے میں پیش پیش رہتے تھے (کتاب المحبر، عنوان: المستھزؤن من قریش)۔

اور چوتھا: یعنی اُمیہ بن خلف وہ شخص ہے جس نے آگے چل کر غزوۂ بدر کے موقع پر لشکر قریش کی میزبانی بھی کی تھی۔

غرض یہ کہ چاروں اسلام دشمنی میں اپنے قبیلے وقوم کے امام تھے۔

سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ ایک روز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، یہ چاروں سامنے آگئے اور بولے کہ "اے محمد"! اچھا آؤ، پھر ہم بھی اس کی پرستش کرنے لگیں جن کی پرستش تم کرتے ہو، اور تم بھی اُن چیزوں کی پرستش کرنے لگو جن کی ہم پرستش کرتے ہیں، تا کہ ہم تم باہم معاملات میں ہم آہنگ ہو جائیں۔ (ابن ہشام، ج ۱/ص: ۲۵۳)

الکافرون میں متعین اشارہ ال سے کافروں کی طرف نکلتا ہے۔

وَلَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝۴

اور نہ تم ہی اس کے پرستار ہو، جس کی میں پرستش کرتا ہوں ۴ اور نہ میں اُن کی پرستش کرنے والا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو

والألف واللام ترجع إلى معنى المعهود وإن كانت للجنس.

(قرطبی، ج ۲۰/ص: ۲۲۵-۲۲۶)

۴ (اس لیے دینِ توحید اور دینِ مشرک کے درمیان رابطہ و مصالحت کی کوئی شکل ہی نہیں، دونوں راہیں بالکل الگ الگ ہیں)

سورۃ کا نزول اس تجویزِ مصالحت اور پیامِ اشتراکِ عبادت کے جواب میں ہوا ہے۔

وقت کے ان روشن خیالوں کی منصوبہ بندی، آج کی زبان میں آئیڈیالوجی۔ تاکہ ایک ایسا دین ایجاد کیا جائے جس میں جاہلیت و اسلام سموئے ہوئے ہوں اور شرک و توحید دونوں کی رعایتیں موجود ہوں، اور اس طرح ایک مخلوط ملت وجود میں آجائے۔ مثلاً یہ کہ ایک سال تبلیغ و دعوت، دینِ توحید کی رہے اور دوسرے سال مورتی پوجا کی ــــ یہ کوشش عرب قدیم پر ختم نہیں ہوگئی، جلال الدین محمد اکبر (شہنشاہِ ہند) کا جاری کردہ "دینِ الٰہی" اسی کا ایک مہذب و منقش چربا تھا۔ اور آج جو "سیکولر" گورنمنٹ کی آڑ میں پروپیگنڈہ یک جہتی و وحدتِ ادیان کا ہو رہا ہے، وہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔

لا أعبد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلا دیا گیا کہ تمھارے دعوے کے دونوں جز ہی غلط ہیں، نہ میں تمھارے دیوی دیوتاؤں کو ماننے والا اور نہ تم میرے معبود وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے والے۔ دونوں کی منزلیں الگ الگ، دونوں کی راہیں جدا، دونوں کی عبادت میں کوئی قدر مشترک نہیں۔

ما تعبدون۔ ما أعبد۔ دونوں ما دونوں جگہ من کے معنی میں ہے۔

عرب میں بت پرستی کی تاریخ بڑی قدیم ہے۔ ابن الکلبی نے اپنی کتاب الاصنام میں لکھا ہے کہ اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ کی نسل جب مکہ میں پھیلنا شروع ہوئی تو کچھ عرصہ بعد شہر کے حدود اُن کے لیے ناکافی ثابت ہوئے، اور اُنھوں نے نکل نکل کر دوسرے مقامات آباد کرنے شروع کر دیے۔ جہاں کہیں یہ لوگ جاتے، حرمِ محترم کا کوئی پتھر ساتھ لے جاتے اور اسی کو خانۂ کعبہ کا بدل سمجھ کر اس کی تعظیم و احترام بجالاتے، یہاں تک کہ طواف وغیرہ بھی اس کے گرد کرنے لگ گئے۔ سنگ پرستی

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵

اور نہ تم (ہی) اُن کی پرستش کرنے والے ہو جن کی میں پرستش کرتا ہوں ؎۳

یا پتھر پوجا کی بنیاد اسی طرح پڑی اور پھر رفتہ رفتہ قومِ نوح یا عراق والوں کی، جن کا تمدن قدیم تر تھا، مورتیاں بھی انھوں نے اختیار کرلیں۔ رہا خاص شہر مکہ اور خانۂ کعبہ تو یہاں جس شخص نے بت پرستی کا آغاز کیا، اس کا نام عمرو بن لحی بن قمعہ ہے جو قبیلۂ خزاعہ کا مورثِ اعلیٰ ہے۔ (الاصنام، ص:۶-۷)

اسی عمرو بن لحی سے متعلق سیرت ابن ہشام میں ہے کہ یہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں مکہ سے شام گیا، اور وہاں لوگوں کو خوش حال دیکھ کر اور ان کی زبان سے ان کے بتوں کی کارسازی اور چارہ فرمائی کے قصے سن کر ان کے ایک بہت بڑے بت ہُبل نامے کو ان سے مانگ لایا اور اسے کعبہ پر نصب کر دیا، اسی وقت سے عین کعبہ میں مورتی پوجا ہونے لگی۔ (ابن ہشام، ج۱/ص:۷۰)

؎۳ یعنی جب تک تم اپنے دین و آئین پر قائم ہو، تمھارا شمار اہل توحید میں نہیں ہوسکتا اور میں جب تک اپنے مسلکِ توحید پر مستقیم ہوں مشرک نہیں سمجھا جاسکتا۔ کفر و اسلام، شرک و توحید کے درمیان کوئی نقطۂ اشتراک ہے ہی نہیں۔

قیل إن قولہ تعالیٰ: "لا أعبد ما تعبدون، ولا أنتم عابدون ما أعبد" فی الاستقبال، وقولہ: "ولا أنا عابد ما عبدتم" علی نفی العبادۃ منہ، لما عبدوا فی الماضی. (قرطبی، ج۲۰/ص:۲۲۸)

مقصود بہرصورت غایت تبری وتاکید ہے، یعنی جمع کفر و اسلام، اور تطبیق شرک و توحید کی کوشش سرتاسر لاحاصل ہے۔

هذا غاية فی التبرؤ. (بحر، ج۸/ص:۵۲۲)

وفائدة هذا التوكيد قطع اطماع الكفار. (بحر، ج۸/ص:۵۲۱)

مکرراتِ قرآنی کے سلسلے میں یہ بات خوب سمجھ لینے کی ہے کہ قرآن تو زبانِ عربی میں ہے اور محاورۂ قریش پر۔ اس کی فصاحت، بلاغت وحسنِ انشا کو سمجھنے اور اس کی داد دینے کے لیے معیار ہمیشہ حجازی عربی ہی کے اسلوبِ بیان کو رکھنا ہوگا، نہ کہ اُردو یا ہندی یا فارسی یا انگریزی کسی بھی دوسری

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝۶

تمہارے لیے تمہارا بدلہ ہے اور میرے لیے میرا بدلہ ۴

زبان کے ادب وانشا کو ــــــ عربی میں تکرارِ کلام تاکیدِ کلام کے لیے ہوتی ہے، اور مُخلِ فصاحت ہونا الگ رہا، وہ عین فصاحت ہی سمجھی جاتی ہے۔

قال الفراء إن القرآن نزل بلغة العرب، ومن عادتهم تكرار الكلام للتأكيد والافهام. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۵۱)

والتوكيد فى لسان العرب كثير جداً، وحكوا من ذلك نظماً ونثراً ما لا يكاد يحصر. (بحر، ج ۸/ض: ۵۲۱)

۴ یعنی توحید پر لطف واکرام اور شرک پر مواخذہ وعذاب۔

دیــن اُردو میں بے شک مذہب کے مترادف ہے، لیکن عربی میں اس کے یہ معنی محض ثانوی ومجازی ہیں، اصلی اور اوّلی معنی جزا، معاوضہ یا بدلہ کے ہیں۔

الدين الجزاء. (قاموس، ص: ۱۱۰٤)

المكافات يقال داينه ديناً أى جازاه. (تاج، ج ۱۸/ص: ۲۱۵)

اور اہل تفسیر نے یہاں عموماً یہی معنی لیے ہیں۔

الدين هو الحساب أى لكم حسابكم ولى حسابى. (كبير، ج ۳۲/ص: ۱۳۷)

وقد فسر الدين بالحساب والجزاء. (بيضاوى، ج ۵/ص: ۱۹۷)

قيل المعنى لكم جزاؤكم ولى جزائى؛ لأن الدين جزاء. (قرطبى، ج ۲۰/ص: ۲۲۹)

اور جائز ہے کہ دین کے ثانوی معنی مذہب کو مراد لے کر یہاں دینکم سے دینِ شرک اور دینی سے دینِ توحید سمجھا جائے۔

أى لكم شرككم ولى توحيدى. (كشاف، ج ٤/ص: ۸۰٤، مدارك، ص: ۱۳۷۹)

اور یہی معنی صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں بھی منقول ہیں۔

يقال لكم دينكم الكفر ولىَ دِين الإسلام. (صحيح البخارى، كتاب التفسير، سورة الكافرون)

اور اگر دین کو مذہب کے معنی میں ہی لے لیا جائے جب بھی آیت میں کوئی پہلو رضا بالکفر کا نہیں پیدا ہوتا ہے، جسے آج کل کی زبان میں ''رواداری'' یا مذہبی ''مرنجانِ مرنج'' پالیسی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ گویا قرآن نے شرک کو بھی اپنی جگہ قائم و باقی رکھنے کی پوری آزادی دے رکھی ہے۔

آیت میں اور نمایاں اگر کوئی پہلو ہے تو وہ تہدید اور ناخوشی ہی کا ہے۔

فيه معنى التهديد، وهو كقوله تعالىٰ: ولنا أعمالنا ولكم أعمالكم، أي إن رضيتم بدينكم، فقد رضينا بديننا. (قرطبي، ج ٢٠/ص:٢٢٩)

والمقصود منه التهديد فهو كقوله: اعملوا ماشئتم. (خازن، ج٧/ص:٢٠٧)

ليس فيه إذن في الكفر ولا منع عن الجهاد. (بيضاوی، ج٥/ص:١٩٧)

المراد التهديد كقوله: اعملوا ما شئتم. (نيشاپوری، ج٦/ص:٥٨٣)

اور حافظ الحدیث ابن القیم نے شرح و بسط سے اس مغالطے کی تردید کی ہے کہ آیت نے کسی درجے میں بھی کفر کی رعایت کی یا اہل کفر کے ساتھ رواداری برتی ہے۔

ومعاذ الله أن تكون الآية اقتضت تقريراً لهم أو إقراراً على دينهم أبداً...... معاذ الله من هذا الزعم الباطل. (تفسير القيم، ص:٥٣٤)

غرض آیت سے کسی دینِ مخلوطی کے لیے سندِ جواز ادنیٰ درجہ میں بھی نہیں پیدا ہوتا۔

آیت کی ترکیب یعنی ترتیب الفاظ معنی حصر کے دے رہی ہے اور رسول ؐ کی زبان سے منکروں کو مخاطب کر کے کہلایا یہ جا رہا ہے کہ تمھاری جزا تمھیں کو ملے گی، نہ کہ کسی اور کو، اور میری جزا بھی مجھی کو ملے گی، نہ کہ کسی اور کو۔

يفيد الحصر ومعناه لكم دينكم ولا لغيركم، ولي ديني لا لغيري. (كبير، ج٣٢/ص:١٣٧)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ سورت میں اہل ضلال سے تبری و مفارقت کی تصریح ہے، اور اس کا دوسرا نام بغض فی اللہ ہے۔ (تھانوی، ج٢/ص:٧٧٩)

(۱۱۰)

آیاتہا ۳
۳ آیتیں

سُوْرَۃُ النَّصْرِ مَدَنِیَّۃٌ

رکوعاتہا ۱
۱ رکوع

سورۂ نصر مدنی ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ①

جب آچکی اللہ کی نصرت اور اس کا فیصلہ ۲

۱ سورۃ کا مقامِ نزول منیٰ (مضافاتِ مکہ) ہے، اس لیے جغرافی اعتبار سے اسے مکّی ہونا چاہیے، لیکن چونکہ زمانۂ نزول عہدِ مدنی کا ہے یعنی ذی الحجہ ۹ھ، اس لیے تاریخی اعتبار سے یہ مدنی سورتوں میں شمار ہوتی ہے، اور یہ آخری سورت ہے جو ساری ایک ہی وقت میں نازل ہوئی ہے۔

هي مدنية بإجماع......وهي آخر سورة نزلت جميعاً، قال ابن عباس في صحيح مسلم. (قرطبي، ج ۲۰/ص: ۲۲۹)

۲ (ایسی کہ اس کا مشاہدہ بھی سب کو ہو جائے)

اللہ کی نصرت تو ہمیشہ ہی اپنے پیمبر کے ساتھ رہتی ہے اور پیمبر کے بعد عام مومنین و مخلصین کے ساتھ بھی۔ یہاں مراد ایسی نمایاں فتح و نصرت سے ہے جس کا مشاہدہ دوست دشمن سب کو ہو جائے اور جس سے مجالِ انکار مخالفوں کو بھی نہ رہ جائے۔ فتح مکہ ایک نمایاں مثال اسی قسم کی فتح مبین کی تھی۔

نصر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح قوم قریش سے ہے۔

المراد بهذا النصر نصر الرسول على قريش. (قرطبي، ج ۲۰/ص: ۲۳۰)

الفتح۔ لفظی معنی فیصلہ کے ہیں، یہاں مراد شہر مکہ کی فتح سے ہے جو رمضان ۸ھ (جنوری ۶۳۰ء) میں حاصل ہوئی۔

والفتح فتح مكة. (ابن جرير، ج ۲٤ ص: ۷۰۵)

وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝۲

اور آپ (اے پیمبر) لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھنے لگے [۳]

المراد بالفتح ههنا فتح مكة. (ابن كثير، ج٤/ص:٥١٤)

عن عائشة رضى الله عنها أن المراد به فتح مكة وروى ذلك عن مجاهد وغيره وصححه الجمهور. (روح، ج٣٠/ص:٢٥٥)

مکہ کی شہری مملکت حجاز ہی نہیں، سارے ملک عرب کی جان تھی، اس کے فتح ہو جانے کے بعد دُور دُور کے مخالفین کے حوصلے پست ہو گئے اور کسی میں اب دَم لشکرِ اسلام سے ٹکر لینے کا بظاہر باقی نہیں رہ گیا تھا۔

باعتبار أن فتح مكة كان أم الفتوح. (روح، ج٣٠/ص:٢٥٦)

نصر۔ فتح۔ نصر اور فتح دونوں لفظ قریب المفہوم ہیں۔ دونوں کے درمیان فرق کیا گیا ہے کہ نصر نام ہے دشمن پر غلبہ پا جانے کا اور فتح کہتے ہیں اس کے ملک کے مسخر ہو جانے کو۔

النصر الإغاثة الإظهار على العدو والفتح، فتح البلاد. (كشاف، ج٤/ص:٨٠٥)

والفرق بين النصر والفتح، أن النصر هو الإعانة والإظهار على الأعداء، وهو تحصيل المطلوب، وهو كالسبب لتحصيل الفتح. (خازن، ج٧/ص:٣١٥)

إذا کے معنی (قد) تحقیق کے بھی لیے گئے ہیں۔ سورت کا نزول تو فتح مکہ کے بعد ہوا ہے، اس لیے إذا کے معنی 'جب' (مستقبل) کے چسپاں نہیں ہوتے۔

"إذا" بمعنى قد أى قد جاء نصر الله؛ لأن نزولها بعد الفتح. (قرطبى، ج٢٠/ص:٢٣٠)

[۳] (چنانچہ اب عرب کے دور دراز مقامات: عمان، حضر موت، یمن سب کہیں سے وفد پر وفد، امیرِ ملتِ اسلامیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اظہارِ اطاعت کے لیے چلے آ رہے تھے اور قبیلوں پر قبیلے اسلام لانے میں سبقت کرنے لگے تھے)

رأیت۔ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

والظاهر أن الخطاب للنبى عليه الصلاة والسلام. (روح، ج٣٠/ص:٢٥٦)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کیجیے اور اس سے مغفرت طلب کیجیے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ۴

الناس۔ ناس سے اشارہ ادھر جو مکہ کے عرب وغیرہ عرب سب اب ایمان لانے لگے تھے۔

أی العرب وغیرهم. (قرطبی، ج ۲۰/ص: ۲۳۰)

دین اللہ۔ یعنی اسلام ــــ اسلام ہی ایسا دین ہے جسے اللہ نے اپنا دین کہا ہے۔

أی ملة الإسلام التی لا دین له تعالیٰ یضاف إلیه غیرها. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۵۶)

أفواجاً۔ فوج کے معنی جماعت کے ہیں، یعنی لوگ خوب جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگیں۔

أفواجاً أی جماعات کثیرة. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۵۶)

أی جماعات فوجاً بعد فوج. (قرطبی، ج ۲۰/ص: ۲۳۰)

اس سے پہلے افراد، دو دو چار چار کر کے اسلام لاتے تھے، اب رواج پورے پورے قبیلوں کے اسلام لے آنے کا چل نکلا۔

سنہ ۹ ہجری کو مورخین سنۃ الوفود کہتے ہیں، اس لیے کہ اس سال وفد پر وفد خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہونے لگے۔

۴ خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے، انتہائی کامیابی، کامرانی، فتح مندی کی گھڑی میں بھی فاتح کو ہدایت یہ نہیں ہوتی کہ جشن دھوم دھام سے منانا، شہر میں چراغاں کرنا، جلوس نکلوانا، نقارے بجوانا، آتش بازی کے گولے چڑھانا، اپنی جے پکروانا، زندہ باد کے نعرے لگوانا ــــ کہ دُنیا تو فتح و مسرت کی انھیں علامتوں سے واقف ہے ــــ بلکہ حکم یہ ملتا ہے کہ حمد و تسبیح و استغفار میں اور زیادہ لگ جانا۔

فاتح اور پیغمبر کے درمیان فرق کتنا نمایاں ہے!

سنتِ الٰہی ہے کہ بلا ضرورت اور بغیر تقاضائے حکمت اس عالمِ فانی میں کسی کو بھی نہیں رکھا جاتا ہے، چہ جائے کہ رسول کو اور رسولوں میں بھی رسولِ اعظم کو ــــ فہیم و نکتہ شناس صحابہ سورت کے نزول ہی سے تاڑ گئے کہ پیمبری بعثت کا جو مقصود تھا وہ پورا ہو گیا، اب رفیقِ اعلیٰ سے جا ملنے کا وقت قریب آ گیا۔

صحیح بخاری میں کتاب التفسیر کی ایک طویل روایت میں حضرت ابن عباسؓ کی زبان سے

ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہے کہ اس سے اللہ نے آپ کو آگاہ کردیا۔

استغفرہ۔ لفظِ استغفار سے شبہ معصیت کا نہ ہو کہ استغفار کے لیے صدورِ معصیت لازمی نہیں۔ معصوم کے سلسلے میں جب استغفار آتا ہے تو مراد بجائے صدورِ معصیت کے ترک اولیٰ ہوتی ہے۔

پیمبر کو ترقی مراتبِ روحانی ہر لحظہ ہوتی رہتی ہے اور اس لیے پیمبر کو اپنا ہر پہلا مرتبہ دوسرے مرتبہ کے مقابلے میں پست نظر آتا ہے ـــــــ صاحب رُوح المعانی نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ (روح، ج ۳۰/ص: ۲۵۸)

تسبیح واستغفار کی کثرت تو آپ کے معمولات میں داخل ہی تھی، متعدد روایتوں میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد سے یہ معمول آپ کا اور زیادہ بڑھ گیا ـــــــ تسبیح واستغفار کا حکم جب رسولِ کریم کو مل رہا ہے تو عام صالحینِ امت کے لیے ظاہر ہے کہ اس میں کدوکاوش کس درجہ ضروری ہوگی!

مرشد تھانویؒ نے فرمایا "کہ اسی طرح سالکین طریق کو بھی چاہیے کہ جب تبلیغ وارشاد سے فارغ ہو جایا کریں تو مخصوص عباداتِ تقرب میں مشغول ہو جائیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۷۸۰)

تواباً۔ یعنی جھوٹے سرکش کی توبہ کو بڑا قبول کرنے والا۔

اسلام کا خدا برخلاف بعض دوسرے مشہور مذہبوں کے خدا کے بے بس و بے اختیار نہیں کہ محض اپنے ارادے وفضل سے کسی خطا کار کو معافی نہ دے سکے اور مشین کی طرح مجبور رہے۔

(۱۱۱)

سورۂ لہب مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ط ①

دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے ابولہب کے اور وہ برباد ہو گیا ۱؎

۱؎ (دُنیا و آخرت دونوں میں)

أبی لھب۔ ابولہب کنیت، نام مع ولدیت عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہاشمی، قریشی۔ موت ۲ ہجری میں ہوئی۔ نزولِ سورت کے وقت اچھا خاصا تندرست وخوشحال، مکہ معظمہ کی بڑی سلطنت کا ایک ممتاز رکن، قبیلۂ بنی ہاشم کا لیڈر۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جدید ایڈیشن) کا بیان ہے کہ اصل کنیت ابوعتبہ تھی۔

عرب میں کنیت کا رواج عام تھا۔ عبدالعزیٰ کا رنگ خوب سرخ وسپید تھا۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ باپ عبدالمطلب نے اسے خوش جمالی کی بنا پر ابولہب کہہ کر پکارا ـــــــ قرآن مجید نے اسی کنیت سے کام پیش خبری کا لیا، یعنی یہ شعلے کا باپ، جہنم کے سرخ شعلوں میں پڑ کر رہے گا۔

قال بعض المفسرين إنه لم يقصد بذلك مقصد كنيته التي اشتهرها، وإنما قصد إلى إثبات النار له وأنه من أهلها، وسمّاه بذلك كما يسمى المشير للعرب والمباشر لها أبوالحرب وأخو الحرب. (راغب، ص: ۵۰۹)

رشتے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریب ترین عزیز تھا، یعنی چچا۔ حضورؐ کے والد عبداللہ کی طرح یہ بھی ابن عبدالمطلب ہی تھا۔ مکہ کے سرکاری ورائج مذہب بت پرستی کا راسخ معتقد اور زبردست پجاری تھا۔ نام ہی کا عبدالعزیٰ نہ تھا بلکہ دینِ جاہلیت کی بڑی دیوی عزّیٰ کے استھان کا خاص پروہت تھا۔

مکہ کی شہری مملکت اور نظامِ حکومت میں مرتبۂ خصوصی، شرفائے بنی اُمیہ کے پہلو بہ پہلو شرفائے بنی ہاشم ؓ کو حاصل تھا، چنانچہ جب شیخ قبیلہ عبدالمطلب کی وفات ہوئی تو ان کی حیثیت حسب دستورِ قبیلہ اُن کے فرزندوں ابوطالب اور ابولہب کی طرف منتقل ہوئی۔ ابولہب اچھا خاصہ زردار تھا اور ابن سعد کی روایت ہے کہ جود وسخا کا بھی عادی تھا، جسے اہل عرب بہت دوست رکھتے تھے۔ قدرتاً قبیلے کی سرداری و مشیخت کا مستحق ابولہب اپنے ہی کو سمجھ رہا تھا۔ جب نبوت کا دعویٰ اس خاندان کے ایک رُکن نے کر دیا جو رشتے میں چھوٹے ہونے کے علاوہ عمر میں بھی کم تھا تو ابولہب علاوہ اپنے دین آبائی سے چھڑانے کے ایک حملہ اپنے اقتدارِ سیادت و مرجعیت پر بھی سمجھا اور عناد و غضب سے بھر کر پورے انہماک کے ساتھ آپ ؐ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا اور اپنی زندگی کی جیسے ساری توانائیاں اس کے لیے وقف کر دیں۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب قریش نے یہ کیا (یعنی مقاطعہ کا فیصلہ) تو بنی ہاشم اور بنی مطلب سب ابوطالب بن عبدالمطلب کے پاس سمٹ گئے اور سب مل کر ان کے ساتھ شعب میں داخل ہو گئے، ایک ابولہب بن عبدالمطلب بنی ہاشم سے الگ رہا اور جا کر قریش کا معاون بن گیا۔ (سیرۃ ابن ہشام، ج ۱/ص: ۲۴۴)

یہ تھی اس کی شدت عنادِ اسلام و داعیِ اسلام سے! عنادیوں بھی شدید تھا اور پھر عرب کے معیارِ معاشرت میں تو اسے شدید ترین ہی کہا جائے گا۔

شاید کہ یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید نے ابوجہل وغیرہ دوسرے معاندین کو چھوڑ کر ذکر صراحت کے ساتھ صرف ابولہب ہی کا کیا۔

اس پر مستزاد یہ کہ قبل نبوت آپ ؐ کی دو دو صاحبزادیاں اس کے لڑکوں عتبہ و شیبہ کو بیاہی ہوئی تھیں، گویا قرابت و صلۂ رحم کے حق جو محض ہاشمی ہونے کی حیثیت سے کیا کم تھے، اب اور کئی گنے بڑھ گئے تھے اور عرب کے معیار سے ابولہب مجرم در مجرم تھا۔

تبت یدا۔ دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔ یہ لفظی معنی ہوئے، لیکن محاورۂ زبان میں مراد یہ ہوئے کہ وہ ہلاک ہو گیا، اس کی قوتیں بے کار ہو گئیں اور اس کی ساری چالیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

كناية عن الهلاك. (تاج، ج ١/ص: ٣١٨)

مَآ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ﴿۲﴾

اور اس کے کام نہ اس کا مال ہی آیا، نہ اس کی کمائی ۲

أي تبت هو، لأن العرب تنسب الشّدة والقوة والأفعال إلى اليدين إذ كان بهما يقع كلّ الأفعال. (ابن خالويه، ص: ۲۲۱)

یہ نکتہ بھی ائمہ زبان نے لکھا ہے کہ تب وتباب میں خسران ومحرومی کے ساتھ مفہوم دوام ومستقل کو بھی شامل رہتا ہے، یعنی تباہی وبربادی وقتی وعارضی نہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے تباہ وبرباد ہوگیا۔

التب والتباب الاستمرار في الخسران. (راغب، ص: ۸۲)

تبت يدا أبي لهب...... أي استمرت في خسران. (راغب، ص: ۸۳)

وتب۔ اور وہ خود بھی ہلاک ہوکر رہ گیا۔

ابولہب کا جرم محض مخالفت وعناد ہی نہیں بلکہ یہ ان چار شخصوں میں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بدزبانی وسب وشتم سے بھی کام لیتے تھے۔

ابولہب کا مکان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان سے متصل تھا اور اس لیے قدرتاً اسے اذیت رسانی کے مواقع بھی زیادہ حاصل تھے۔ طبقات ابن سعد میں حضرت عائشہؓ کے حوالے سے ہے کہ ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط دونوں موذی پڑوسی غلاظت لا لا کر کاشانۂ رسولؐ کے دروازے پر ڈال دیا کرتے تھے۔ (ابن سعد، ج۱/ص:۱۷۱)

۲ یعنی اس کا مال وسرمایہ۔ اس کے کچھ بھی کام نہ آیا، جس پر اُسے فخر اور اعتماد تھا کہ اس کے سہارے وہ دعوتِ توحید اور تحریکِ محمدی کو کچل کر رکھ دے گا، اور ہلاکت ونامرادی کے گڑھے میں اس کو گرنے سے ذرا نہ بچا سکا۔

مالہ۔ یعنی اس کا مستقل سرمایہ۔

وما کسب۔ یعنی اس راس المال پر حاصل ہونے والا مسلسل نفع۔

ان کامیاب ومالدار تاجروں کو ہر ششماہی بڑے بڑے نفع تقسیم ہوتے رہتے تھے اور روایتوں میں آتا ہے کہ ہاشمی کنبے میں سب سے زیادہ صاحبِ ثروت وسرمایہ دار سردار یہی ابولہب تھا۔

سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚ﴿۳﴾

وہ یقیناً ایک شعلہ زن آگ میں گرے گا ۴

یہ سورت پڑھتے وقت یہ خیال رہے کہ یہ سورت جب نازل ہوئی ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مکی کا درمیانی زمانہ تھا۔ تحریک و دعوتِ اسلام ہر طرح مغلوب و ضعیف تھی۔ اور عبد العزّٰی بن عبد المطلب نام ایک زندہ شخصیت کا تھا، اپنے قبیلہ میں ہر طرح صاحبِ اثر و اقتدار ـــــ آج چودہ سو سال بعد ایک دوسری قوم و ملک کی ایک مردہ اور مجہول شخصیت کا ذکر ایک چھپی ہوئی کتاب میں پڑھ لینا اور چیز ہے اور ایک جیتے جاگتے سردار قبیلہ کے منہ پر اس کے سینکڑوں ماننے والوں کے سامنے اس کے ہولناک انجام سے متعلق ایسی پیش خبری بے دھڑک سنا دینا اس سے کتنی مختلف چیز تھی، پھر سنانے والا بھی کون تھا؟ وہ جسے خود اپنی ذات کے لیے پناہ ملنی دشوار ہو رہی تھی ـــــ ذرا چشمِ تصور کے سامنے نقشہ تو لائیے اس وقت کی صورتِ حال کا! کیسی ہلچل سی پڑ گئی ہوگی اس سارے شہر میں، ایک زلزلہ سا آ گیا ہوگا! کس قیامت کی جرأت تھی اس سنانے والے کی!

ما أغنى۔ و ما كسب۔ دونوں کا صیغہ ماضی خیال میں رہے۔ یہ واقعہ ابھی ہوا کہاں ہے، وہ تو صریحاً آئندہ کبھی پیش آنے والا ہے لیکن قرآن ہے کہ اپنی زبان کے اسلوبِ بیان کے مطابق ایامِ مستقبل کا اعلان جزم و قطعیت کے ساتھ صیغہ ماضی میں کر رہا ہے ـــــ ایسی خارج از قیاس پیش خبری بجز اللہ کے پیمبر کے کوئی زبان سے بھی نکال سکتا تھا؟

۴ (قیامت کے دن)

سیصلیٰ۔ یہ س تاکیدِ وقوع کے لیے ہے یعنی یہ انجام قطعی و یقینی ہے۔

والسين للوعيد أي هو كائن لامحالة. (کشاف، ج۴/ص:۸۱۰)

لتأكيد الوعيد. (روح، ج۳۰/ص:۲۶۳)

السين تأكيد للاستقبال. (ابن خالويه، ص:۲۲۳)

ذات لهب۔ اس شعلہ والی آگ میں اس "شعلہ رُو" کا گرنا جو مناسبت رکھتا ہے ظاہر ہے۔ لفظی معنی ہیں "شعلہ مارتی ہوئی"۔

وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۝۴ فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ۝۵

اور اس کی عورت (بھی)، لگائی بجھائی کرنے والی ۴ اس کے گلے میں رسّی (پڑی ہوگی) خوب بٹی ہوئی ۵

ع ۵ ۳۶

أي ذات اشتعال وتلهب. (قرطبي، ج۲۰/ص:۲۳۸)

۴ یعنی اُم جمیل بنت حرب ایک دوسرے سردارِ قریش ابوسفیان اموی کی بہن، خاندانِ اُمیہ کی لڑکی ہونے کی حیثیت سے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض وعناد اپنے میکے سے ساتھ لے کر آئی تھی۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ایذائے رسولؐ میں اس کا نمبر اپنے شوہر سے کچھ کم نہ تھا۔ آپ کی رہ گزر میں کانٹے بچھا دیتی تھی، اور چونکہ مکان بالکل پڑوس میں تھا، اس لیے ایسی شرارتوں اور اذیت رسانیوں کے لیے کسی خاص اہتمام کی ضرورت بھی نہ پڑتی تھی۔

حمالة الحطب۔ محاورۂ زبان میں حطب بہ سے مراد ہوتی ہے چغلی کھانے سے، اِدھر کی اُدھر لگانا ہے، گویا فارسی کے ہیزم کش کا مرادف۔

ومن المجاز حطب فلان به أي سعي. (لسان، ج۳/ص:۲۲۳. تاج، ج۱/ص:۴۳۰)

كانت تمشي بالنميمة. (لسان، ج۳/ص:۲۲۳. تاج، ج۱/ص:۴۳۰)

كناية عن النمّام. (راغب، ص:۱۴۸)

يعني النميمة...... فلان يحطب عليّ إذا أغرى به، شبهو النميمة الحطب. (ابن قتيبة، تأويل مشكل القرآن، ص:۱۲۱، تفسير غريب القرآن، ص:۴۷۵)

تقول العرب فلان يحطب على فلان. (قرطبي، ج۲۰/ص:۲۳۹)

ويقال للمشاء بالنمائم المفسد بين الناس: يحمل الحطب بينهم، أي يوقد بينهم النائرة ويورث الشر. (كشاف، ج۴/ص:۸۱۰)

امرأة کا ترجمہ قصداً بجائے بیوی کے عورت کیا گیا ہے اظہارِ تحقیر کے لیے۔

۵ (اور اس حال میں وہ دار الجزا کو پہنچی)

گلے کے لیے عربی میں اور لفظ بھی ہیں۔ جید کا استعمال موقع مدح پر ہوتا ہے یعنی ایسے گلے

کے لیے جو زیور سے آراستہ ہو۔ یہاں استعمال محل طنز و تعریض پر ہوا ہے کہ یہاں جس زیور پر اُسے فخر و ناز تھا، کل وہی اس کے گلے میں بطور ایک موٹی رسی کے پڑا ہوگا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ یہ اپنے گلے میں سونے کا ایک قیمتی گلوبند پہنے رہتی تھی اور دیویوں کی قسم کھا کر کہا کرتی تھی کہ میں اُسے محمد کی مخالفت میں صرف کروں گی۔

قال ابن المسيب قلادة فاخرة من جوهر فقالت واللاتِ والعُزّى لأنفقتها على عداوة محمد. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۲۴۲. بحر، ج۸/ص:۵۲۶)

اہل سیر نے لکھا ہے کہ اس بد بخت کا انجام دُنیا میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا، یعنی اس کی موت اس کے گلے میں رسّی کا پھندا لگ جانے سے واقع ہوئی۔

(۱۱۲)

سُوْرَةُ الْإِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ

اٰیَاتُهَا ٤ ۔ ۴ آیتیں ۔ رُکُوْعَاتُهَا ۱ ۔ ۱ رکوع

سورۂ اخلاص مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ①

کہہ دیجئے (اے پیمبر) کہ وہ اللہ ایک ہے ۱

۱ (ہر اعتبار سے)

یعنی ذات وصفات سب کے لحاظ سے خدا واحد ویکتا، نہ عدد میں دو یا تین۔ نہ اس کا کوئی اقنوم، نہ اس کا کوئی مظہر یا اوتار۔ اس کا کوئی مثل یا نمونہ۔

الواحد الأحد الذی لا نظیر له ولا وزیر، ولا ندید ولا شبیه ولا عدیل. (ابن کثیر، ج٤/ص:٥٢٠)

أی الواحد الوتر، الذی لا شبیه له، ولا نظیر ولاصاحبة، ولاولد ولاشریك. (قرطبی، ج٢٠/ص:٢٤٤)

أحد۔ اس لفظ کا استعمال عربی میں مختلف موقعوں پر ہوتا ہے، لیکن جب مثبت صیغہ میں اور صفتِ مطلق کے طور پر آئے تو اس کا اطلاق لفظ اللہ کی طرح صرف ذات حق تعالیٰ پر ہوگا۔

والثالث أن یستعمل مطلقاً وصفاً، ولیس ذلك إلّا فی وصف اللّٰه تعالیٰ. (راغب، ص:١٨)

ولایطلق هذا اللفظ علی أحد الإثبات إلا علی اللّٰه عز وجل لأنه الکامل فی جمیع صفاته وأفعاله. (ابن کثیر، ج٤/ص:٥٢٠)

بلکہ اہل ادب نے واحد وأحد کے درمیان فرق ہی یہ بتایا ہے کہ واحد جمع وتعدد کو قبول کر لیتا ہے اور أحد تفرید میں کامل اور تجرد میں یکتا ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿٢﴾

اللہ محتاج الیہ ہے ؎

وقال ثعلب بين واحد وأحد فرق الواحد، يدخله العدد والجمع والإثنان والأحد لايدخله يقال الله أحد ولا يقال زيد أحد. (بحر، ج٨/ص:٥٢٨)

الأحد۔ ال سے معرف ہوکر یہ اسم صرف ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ نہ دوسرے عدد کا تصور کیا جاسکتا ہے اور نہ یہ کسی قسم کی ترکیب و تجزی کو قبول کرتا ہے۔

هو الفرد الذى لم يزل وحده، ولم يكن معه آخر، وهو اسم مبنى لنفى ما يذكر معه من العدد. (لسان، ج١/ص:٨٢)

وقيل أحديته معناها أنه لا يقبل التجزّى، لنزاهته عن ذلك، وقيل الأحد الّذى لا ثانى له فى ربوبيّته ولا فى ذاته ولا فى صفاته، جل شانه. (تاج، ج٤/ص:٣٢٩)

قال الأزهرى لا يوصف شيئ بالأحدية غير الله تعالى. (كبير، ج٣٢/ص:١٦٤)

یہاں أحد کا صیغۂ نکرہ میں بجائے الأحد کے لانا اظہارِ عظمت کے لیے۔

التنكير على سبيل التعظيم. (كبير، ج٣٢/ص:١٦٤)

صاحب نظام القرآن استاد حمید الدین الفراہیؒ (المتوفی ۱۹۳۰ء) ہمارے زمانے کے ایک جید ماہر قرآنیات گزرے ہیں، انھوں نے أحد کا ترجمہ ''بے ہمہ'' خوب کیا ہے۔

ھو سے اشارہ اسم اللہ کی طرف ہے اور لفظ اللہ آیت میں اسی مبتدا کی خبر ہے۔

هو كناية عن اسم الله فيكون قوله الله مرتفعاً بأنه خبر مبتدأ. (كبير، ج٣٢/ ص:١٦٣)

آیت میں ردِ شرک تو ہی ہے، خصوصی ردِ شرکِ مسیحی کا ہے یعنی تثلیث کا ــــــ معبودِ برحق محض ایک ہے، کیا بلحاظِ وجود، کیا بلحاظِ عدد اور تعدد بھی، ہر لحاظ سے۔ یہ نہیں کہ تین مل کر ایک ہوں یا ایک ہستی تین ہستیوں میں جلوہ گر ہو۔

؎ (اور مقصودیت اس کے لیے خاص ہے)

الصمد۔ صمد وہ ہے کہ سب اس کے محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو، اور وہ سب سے بلند ہو۔

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ③

نہ اس نے کسی کو جنا ہے، نہ وہ جنا ہوا ہے ۳

عن أبی هريرة هوالمستغنی عن كل أحد المحتاج إليه كل أحد. (روح،ج۳۰/ص:۲۷۴)

والصمد الرفيع من كل شيئ. (تاج،ج۵/ص:۶۷)

أی الذی خلق الأشياء كلها، لا يستغنی عنه شيئ، كلها دالّ على وحدانيّته. (لسان،ج۷/ص:۴۰۴. تاج،ج۵/ص:۶۶)

السيد المصمود إليه فی الحوائج. (أبوالبقاء،ص:۸۹۲)

قال عليه السلام هو السيد الذی يصمد إليه فی الحوائج. (كبير،ج۳۲/ص:۱۶۶)

صمد قرآن مجید کے ان چند لفظوں میں ہے جس کا ترجمہ کسی مفرد لفظ سے اردو میں کیا جائے تو ممکن نہیں، اسی لیے شاہ عبدالقادرؒ دہلوی اس کے لیے ایک ٹھیٹھ ہندی لفظ ''نرادھار'' لائے ہیں۔ شاہ رفیع الدین دہلویؒ اس کے لیے لفظ ''بے احتیاج'' لائے ہیں۔ اکثر حضرات نے اس کا ترجمہ ''بے نیازی'' سے کیا ہے مگر اس مفہوم کے لیے عربی میں الغنی ہے نہ کہ الصمد۔

اُستاد حمید الدین فراہیؒ نے جو ترجمہ پوری سورت کا کیا ہے وہ بھی قابل درج ہونے کے لائق ہے۔

''کہہ کہ اللہ بے ہمہ ہے۔

اللہ با ہمہ ہے۔

نہ وہ باپ ہے،

نہ وہ بیٹا ہے۔

اور نہ کوئی اس کی برابری کا ہے''۔

۳ (جیسا کہ مسیحیوں اور بعض مشرک قوموں نے فرض کر رکھا ہے)

مسیحیوں کا عقیدہ تو مشہور و مشتہر یہی کہ خدا کے ساتھ اس کا اکلوتا بیٹا بھی خدا ہے۔ اور خدا کے بیٹے اور بیٹیاں تو بہت سی مشرک قوموں کے ہاں ہیں ـــــ سورج دیوتا کی اولاد میں سورج بنسیوں کا، اور چاند دیوتا کی اولاد میں چندر بنسی چھتریوں کا ہونا تو مشرکین ہند کا ایک معلوم و معروف عقیدہ ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④

اور نہ کوئی اس کے جوڑ کا ہے ۴

ولم یولد۔ کہ مثلاً وہ راجہ دسرتھ کی اولاد ہو کر رام نامے اوتار کہلائے یا واسدیو کی ولدیت سے بدل کر کرشن نامے اوتار کہلائے۔

اوتار کا عقیدہ سوا اس کے اور کیا ہے کہ خدا نے مخلوق کے ہاں جنم لے کر فلاں انسانی یا حیوانی قالب اختیار کر لیا۔

غرض یہ کہ نہ خدا کی کوئی اولاد، نہ خدا کسی کی اولاد ـــــ یہ دوہرا دوہرا شرک دُنیا کی بکثرت جاہلی قوموں میں پھیلا ہوا رہا ہے۔

سورۃ شرک کی ہر ممکن صورت کی رَد میں ہے، جاہلی دماغوں میں یہ بات ہی نہیں اُترتی تھی کہ خدا بھی بغیر کسی شجرۂ نسب کے رہ سکتا ہے۔ روایتوں میں سورہ کی شانِ نزول بھی کچھ اسی قسم کی بیان ہوئی ہے۔

عن أبی بن کعب أن المشرکین قالوا لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انسب لنا ربك، فأنزل اللّٰه تعالیٰ هذه السورة. (معالم، ج٥/ص:٣٢٩)

عن ابن عباس: قالت قریش: یا محمد! صِف لنا ربك بالذی تدعونا إلیه. (کشاف، ج٤/ص:٨١٢)

متکلمین قدیم نے لکھا ہے کہ سورۃ الاخلاص سے نفی شرک آٹھ قسموں کی ہوتی ہے:۔

قل هو اللّٰه۔ أحد سے نفی ہوئی (۱) کثرت (۲) اور عدد کی۔

اللّٰه الصمد سے نفی ہوئی (۳) قلت (۴) ونقص کی۔

لم یلد ولم یولد سے نفی ہوئی (۵) علت (۶) ومعلولیت کی۔

ولم یکن له کفواً أحد سے نفی ہوئی (۷) شبیہ (۸) اور نظیر کی۔

۴ (جیسا کہ مشرک قوموں نے دیوتاؤں کی برادری بنا کر گڑھ لیا ہے)

بابل، مصر، ہند، ایران، روما وغیرہ غرض ہر قدیم ملک کے جاہلی مذاہب میں برابر بطور قدرِ مشترک کے پایا جاتا ہے کہ دیوتاؤں، دیویوں کے درمیان ایک سلسلۂ خاندان اور برادری کا سا قائم

ہے اور پھر ان کا رشتہ معبودِ اعظم کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

کفواً۔ کفو میں برابری قدر و منزلت یعنی حیثیتِ عرفی کے لحاظ سے ہوئی ہے۔

الکفء فی المنزلة والقدر. (راغب، ص: ۴۸۴)

برادر، مماثلت و مصاحبت کی نفی کے ضمن میں نفیِ زوجیت بدرجۂ اولیٰ آگئی، یعنی خدائے اسلام کے کسی دیوی ہونے کا امکان ہی نہیں، جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے اپنے خداؤں اور دیوتاؤں کے لیے گڑھ رکھا ہے۔

أی لم یکافئه أحد ولم یماثله، ولم یشاکله من صاحبة وغیرها. (روح، ج ۳۰/ص: ۲۷۷)

غرض یہ کہ سورۃ نے شرک کی ہر متعارف بلکہ ہر ممکن صورت کی تردید کردی ہے۔ سچ کہا ہے کہ صاحب تفسیر کبیر نے کہ جس طرح سورۃ الکوثر وصفِ رسالت کی جامع ہے، سورۃ الاخلاص وصفِ توحید کی جامع ہے۔ (کبیر، ج ۳۲/ص: ۱۷۰)

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی جن حدیثی روایتوں میں اس سورہ کو ثلثِ قرآن کہا گیا ہے وہ مبالغہ آمیز نہیں۔ زبانِ نبوت سے یہ تصریح نہ موجود ہوتی، جب بھی یہ ماننا پڑتا کہ توحیدِ ذاتی و توحیدِ صفاتی کے استقصاء و جامعیت کے لحاظ سے یہ سورۃ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

ختم سورۃ پر ایک بات اور۔ صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی بغدادی (متوفی ۱۲۷۰ھ-۱۸۵۴ء)، امام رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ-۱۲۱۰ء) کے بڑے معتقد و مداح اور خوشہ چیں ہوئے ہیں، اور ان کے کلام سے اپنی تفسیر میں بکثرت استفادہ و استشہاد کرتے گئے ہیں، لیکن اس مقام پر پہنچ کر، واللہ اعلم کس بھول میں پڑ گئے کہ تفسیر سورہ کی تمہید میں امام صاحب کے نام کی تصریح کے ساتھ اُن پر تعریض کر گئے، بلکہ یہاں تک لکھ گئے کہ یہ صاحب تحقیقِ روایات کے باب میں ہرگز امام نہیں، رطب و یابس کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور نہ اس کی پروا کرتے ہیں بلکہ جو پاتے ہیں اسے لکھ ڈالتے ہیں، اُس کی کھلی ہوئی کمزوری جاننے کے بعد بھی۔ (روح، ج ۳۰/ص: ۲۶۹)

اللہ علامہ کی اس لغزشِ قلم کو معاف کرے۔ امام رازیؒ اس سورۃ کی تفسیر کے وقت تک زندہ ہی کب رہے تھے؟ جو اس کی ذمہ داری اُن پر آتی! وہ تو اس سے بہت قبل ہی اپنے مالک و مولیٰ سے جا ملے تھے اور تفسیر کے اس حصے کی تکمیل تو ان کے بعد اُن کے شاگردوں نے کی ہے۔

سورۂ فلق مکّی ا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝١ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝٢ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝٣

آپ کہہ دیجیے کہ میں پناہ چاہتا ہوں صبح کے رب کی ہر مخلوق کے شر سے ۱ اور تاریک رات کے شر سے جب تاریکی چھاتی ہے ۲

۱ عام مضمون میں ان دونوں آخری سورتوں کو مکّی کہا گیا ہے اور بعض تابعین سے بھی یہی منقول ہے لیکن ابن کثیر وغیرہ اکابر مفسرین نے انھیں مدنی قرار دیا ہے، اور بڑی دلیل اس کی تائید میں یہ دی ہے، شانِ نزول کی روایتوں میں انھیں متفقہ طور پر ردّ سحر یہود سے متعلق کہا گیا ہے اور یہود مدینہ ہی میں تھے۔

مدنية فی قول ابن عباس فی رواية أبی صالح وقتادة وجماعة، وهو الصحيح لأن سبب نزولها سحر اليهود...... وهم إنما سحروه عليه الصلاة والسلام بالمدينة، كما جاء فی الصحيح فلا يلتفت لمن صحح كونها مكية. (روح، ج۳۰/ص:۲۷۸)

۲ سورۃ تمام اقسامِ شر وضرر سے پناہ جوئی وپناہ طلبی کی جامع ہے، خواہ شر وضرر کے اسباب کچھ ہی ہوں، اور ختمِ قرآن کے قریب ضرورت بھی ایسی ہی جامع دعا کی تھی۔

مـا خـلـق۔ لفظ کے عموم نے ذہن کو ادھر متوجہ کر دیا کہ مخلوقات ساری کی ساری خواہ کسی مرتبہ اور کسی نوعیت کی ہوں، محکوم وعاجز ہی ہیں، اور ہر ایک کے شر وایذا سے پناہ بس اللہ ہی سے مانگی جا سکتی ہے۔

رب الفلق۔ فلق سے مراد سپیدۂ صبح ہے۔

الفلق أی الصبح. (راغب، ص:۴۳۱)

الصبح إذا انفلق من ظلمة الليل. (أبو البقاء، ص:۱۱۰۸)

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝۴

اور گنڈوں پر پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے ۳

وتقول العرب هو أبين من فلق الصبح وفَرَق الصبح. (قرطبی، ج۲۰/ص:۲۵٤)

فلق کے دو اور معنی بھی کیے گئے ہیں، لیکن بعض صحابہ اور اکثر تابعین سے معنی یہی فجر یا سپیدۂ صبح کے منقول ہیں۔

عن ابن عباس قال الفلق الصبح. (ابن جرير، ج٢٤/ص:٧٤٣)

عن ابن عباس الفلق الصبح. (ابن كثير، ج٤/ص:٥٢٣)

أنه الصبح وهو قول الأكثرين. (كبير، ج٣٢/ص:١٧٥)

اور یہی معنی امام بخاریؒ سے بھی منقول ہیں۔

قال مجاهد فلق الصبح. (صحيح البخاری، كتاب التفسير، سورة الفلق)

دُنیا میں جاہلی قومیں ایسی بھی گزری ہیں جنھوں نے سورج، چاند اور رات کی طرح فجر کی بھی پرستش کی ہے اور اسے ایک طرح کی دیوی مانا ہے ـــــ قرآن مجید نے یہاں یہ بتا دیا کہ سپیدۂ صبح بھی مخلوق کی طرح ایک مخلوق ہی ہے اور اس کا خالق و مالک (رب الفلق) بس وہی ہے جو سب کا ہے۔

۳ (مع اپنے سارے خطرات و امکاناتِ ضرر کے)

غاسق۔ یعنی شدت سے اندھیری رات، شبِ دیجور۔

الغاسق الليل المظلم وغسق الليل شدة ظلمته. (راغب، ص:٤٠٣)

الغاسق هو الليل إذا عظم ظلامه. (كبير، ج٣٢/ص:١٧٨)

اندھیری رات کے خطرے کوئی ایک دو نہیں، سیکڑوں ہیں۔ چور اُچکّے، لٹیرے، نقب زن، رات ہی میں نکلتے ہیں۔ ڈاکے رات ہی میں پڑتے ہیں، قتل و خون زیادہ تر رات ہی میں واقع ہوتے ہیں، جنگ میں شب خون رات ہی کو مارے جاتے ہیں۔ شیر، چیتے، تیندوے، لکڑ بگھے، بھیڑیئے، گیدڑ، جنگلی جانوروں کے حملے رات ہی میں ہوتے ہیں۔ کھٹمل، مچھر، پسّو، چوہے، چھچھوندر، گھوس وغیرہ موذی جانور رات ہی کو ستاتے ہیں۔ سانپ، بچھو، کھنکھجورئیے، بس کھوپڑوں، زہریلے حشرات الأرض کے

وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے ۴؎

خطرے رات ہی سے بہت بڑھ جاتے ہیں، اور متعدد بیماریوں کے کیڑے ڈاکٹری تحقیقات کے مطابق رات ہی کی تاریکی میں پرورش پاتے اور سورج کی روشنی میں از خود ہلاک ہو جاتے ہیں —— وہیں ان ظاہری و مادّی ہلاکتوں کے علاوہ معنوی و رُوحانی ہلاکتیں تو شراب نوشی، عصمت فروشی، قمار بازی اور اس قسم کے فسق و فجور کے سارے کاروبار تو وہ دن سے زیادہ رات ہی میں چمکتے ہیں۔ غرض سفر و حضر کی ہر صورت میں رات ہی کے خطرے اور امکاناتِ ضرر و مضرت بہت بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور کمزور قلب اور ضعیف عقیدے والوں کے ہاں جو وہمی خطرات: بھوت، پریت، چڑیل وغیرہ کی شکل میں ہوتے رہتے ہیں وہ اس فہرست میں اور بھی اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ رات کی اِمکانی شرانگیزیوں سے ڈرنا بشری زندگی کا ایک اہم و فطری جز ہے۔

۴؎ سحر کا رواج دنیا میں ہمیشہ بہت زیادہ رہا ہے اور متعدد قوموں میں اب بھی بہت ہے —— شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ بعض یہودی عورتوں نے منتر پڑھ پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کر دیا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان آیتوں کو پڑھ کر اس اثر کو باطل کر دیا۔

سحر مادّیات ہی کے ایک سفلی قسم کے علم کا نام ہے اور اس سے نبی کا متاثر ہو جانا ایسا ہی ہے جیسے نزلہ، زکام، بخار، دردسروں سے متاثر ہونا، جو کسی طرح قادحِ نبوت نہیں۔

سحر کا رواج یہود کے یہاں بہت زیادہ تھا اور ان کے ہاں بڑے بڑے ماہرینِ فن اس کے پیدا ہوتے رہتے تھے اور اُن کی انسائیکلوپیڈیا میں آج تک ان کے کمالات کا ذکر چلا آ رہا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسبابِ طبعی سے اہلِ باطل کا اثر اہلِ حق پر پڑ سکتا ہے اور ایسی تاثیرات حق و باطل کا معیار ہرگز نہیں بن سکتیں۔ (تھانوی، ج ۲/ص: ۷۸۳)

دُنیوی مخالفتوں اور عداوتوں کی تہ میں اکثر حسد ہی کام کرتا رہتا ہے، تو حسد کی کارفرمائیوں سے پناہ مانگنا گویا دُنیاوی مفسدوں کے اسباب و محرکات میں سے ایک بہت بڑے سبب و محرک سے پناہ مانگنا ہے، اور حسد کی تعریف شریعت میں یہ آئی ہے کہ دوسرے کی نعمت کا زوال چاہا جائے، خواہ وہ نعمت اُسے کچھ بھی نہ ملے۔

(۱۱۴)

آیاتھا ٦ — ٦ آیتیں

سُوۡرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتھا ١ — ١ رکوع

سورۂ ناس مکی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ②

آپ کہہ دیجیے میں پناہ چاہتا ہوں انسانوں کے پروردگار کی ۱ انسانوں کے بادشاہ کی

۱ (اور مصداق ان تینوں صفات کا وہی ایک ذات معبود و یکتا و بے ہمتا ہے)

رب الناس۔ ربوبیتِ مطلقہ صرف اسی ایک ذات کے لیے ثابت ہے ـــــ اس سے نفی ہوگئی ربوبیت میں ہر قسم کے شرک کی۔

ملك الناس۔ حکومت و حاکمیتِ مطلقہ صرف اسی ایک ذات کے لیے ثابت ہے ـــــ اور اس سے نفی ہوگئی حکومت اور ملک میں ہر قسم کے شرک کی۔

إلٰه الناس۔ معبودیت صرف اسی ایک ذات کے لیے ثابت ہے ـــــ اس سے نفی ہوگئی عبادت میں ہر قسم کے شرک کی۔

جاہلی قوموں نے عموماً حق تعالیٰ کی انھیں تینوں صفات: ربوبیت، حاکیت، معبودیت میں دوسروں کو شریک ٹھہرایا ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ان تینوں صفات کو اکٹھا کرکے جامع تعلیم توحید کی دے دی۔

النّاس کا لفظ تصریح و تخصیص کے ساتھ لانے سے انسان کی اہمیت، مرتبہ یہاں ظاہر ہے، انسان خود اشرف المخلوقات ہے تو جو ذات انسانوں کی رب، مالک اور اِلٰہ ہوگی وہ اور دوسری مخلوقات کی تو بدرجۂ اولیٰ ہوئی ـــــ اسی طرح یہ بھی جتا دیا کہ مجازی طور پر تم جتنوں کو بھی اپنا رب اور اپنا مالک تسلیم کرلو، لیکن یہ یقین رکھ کر سارے عالمِ انسانیت کا وہی رب اور مالک ہے۔

اِلٰہِ النَّاسِ ﴿۳﴾ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۵ الۡخَنَّاسِ ﴿۴﴾

انسانوں کے خدا کی ۲ پیچھے ہٹ جانے والے شیطان کے وسوسے کے شر سے ۳

سورۂ فلق جس طرح دُنیوی مضرتوں سے استعاذہ کی جامع ہے اسی طرح اس سورت میں دینی مضرتوں سے جامع استعاذہ آ گیا۔ اور اس سورۃ پر قرآن مجید کا خاتمہ ہر طرح مناسب تھا۔

۲ (کہ اس کا ڈالا ہوا وسوسہ کہیں موجبِ معصیت نہ بن جائے)

ہر شر، ہر معصیت، ہر مفسدے کی ابتدا کسی نہ کسی وسوسہ ہی سے ہوتی ہے۔ وسوسہ اگر دل میں آ کر اُس سے نکل گیا، تو انسان محفوظ رہ گیا، لیکن وہی وسوسہ اگر کہیں جم گیا تو انسان کو کسی نہ کسی درجہ کی معصیت میں مبتلا کر ہی کے رہتا ہے، اس لیے وسوسہ سے پناہ مانگنے کی تعلیم عین حکمت پر مبنی ہے۔

الخناس شیطان کا ایک صفاتی نام ہے یعنی وہ جو حق تعالیٰ کا نام سن کر سکڑنے لگتا، پیچھے ہٹنے لگتا ہے۔

أی الشیطان الذی نخس أی فیقبض إذ ذکر اللّٰہ تعالیٰ. (راغب، ص:۱۷۹)

أی الذی عادته أن یخنس. (کشاف، ج ٤/ص:۸۱۹)

وصف بالخناس لأنه کثیر الاختفاء. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۲۶۲)

وقیل سمی خناساً لأنه یرجع إذا غفل العبد عن ذکر اللّٰہ، الخنس: الرجوع. (قرطبی، ج ۲۰/ص:۲۶۲)

شیطان کو انسان کے سامنے کھل کر آنے کی جرأت کبھی نہیں ہوتی، وہ جب بھی آدم زادوں پر وسوسہ اندازی کے حربے سے حملہ کرتا ہے تو پیچھے ہٹ کر، آڑ لے کر۔

حضرت ابن عباسؓ اور تابعین سے مروی ہے کہ یادِ الٰہی کے متحضر ہونے کے وقت شیطان چھپ جاتا اور پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور جہاں انسان غافل ہوا، اُسے اپنی وسوسہ اندازی سے اس پر حملہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

عن ابن عباس قال الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم، فإذا سها وغفل وسوس، فإذا ذکر اللّٰہ خنس و کذا قال مجاهد وقتادة. (ابن کثیر، ج ٤/ص:۵۲٦)

۳ اس سے معلوم ہو گیا کہ شیطانی وسوسہ اندازی کا کام جنات بھی کرتے ہیں اور انسان بھی۔

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾

جولوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، جنات میں سے، یا انسانوں میں سے ۴

یوسوس فی صدور الناس۔ وسوسہ کہتے ہیں بدی کی اس تحریک کو جو دل میں ازخود اور بلا ارادہ پیدا ہو جاتی ہے، پھر کبھی ازخود نکل بھی جاتی ہے، اور کبھی جم کر عملی شکل بھی اختیار کر لیتی ہے ـــــ آناً فاناً آنے اور چلے جانے سے کوئی صورت معصیت کی تو نہیں پیدا ہوتی لیکن بہر حال اتنی دیر تو قلب کو تشویش تو رہتی ہی ہے اور قلب مومن کی کلفت کے لیے یہی کیا کم ہے!

۴ الجنة۔ مراد جن یا جنی کا ہے اور جن کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ نظروں سے مخفی اور غیر مرئی رہتے ہیں۔

سموا بذلك لاستشارهم عن الناس. (ابن خالويه، ص:٢٤١)

من الجنة والناس۔ من بیانیہ ہے اور بیان ہے یوسوس یا الذی یوسوس کا، اور مراد یہ ہے کہ وہ خناس وسوسہ انداز یا جنی ہوتی ہے یا انسی۔ از قسم جنات، از قسم انسان۔

بيان للذي يوسوس، على أنه ضربان جني وإنسي. (كشاف، ج٤/ص:٨١٩. روح، ج٣٠/ص:٢٨٧)

كأنه يقول الوسواس الخناس قد يكون من الجنة وقد يكون من الناس. (كبير، ج٣٢/ص:٥٣٢)

بعض نے من کو تبعیضیہ لیا ہے لیکن مفہوم اس سے بھی وہی لیا ہے۔

من للتبعيض أى كائنا من الجنة والناس فهى فى موقع الحال. (بحر، ج٨/ص:٥٣٢)

قرآن مجید میں جو دوسری جگہ شیاطین الانس والجن آیا ہے۔ (سورۃ الانعام، آیت:۱۱۲) وہ اسی معنی میں ہے۔

بحمد اللہ آج یوم دوشنبہ ۲۰؍جولائی ۱۹۴۴ء (مطابق ۱۸؍رجب ۱۳۶۳ھ) قرآن مجید کی اس مختصر تفسیر کا مسودۂ اول ختم ہوا۔ اور اس میں دوسرے مشاغل کے ساتھ ساتھ تقریباً سوا تین سال لگے۔ مسودے کی نظر ثانی و تکمیل میں بھی کم از کم دو سال کی مدت ابھی اور لگے گی۔ اس نامہ سیاہ کا سن اس

وقت بحساب شمسی ۵۱-۵۰ سال سے کچھ اوپر ہے ــــ آج یوم دوشنبہ ۲۲؍ مارچ ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۰؍ جمادی الاول ۱۳۶۷ھ) بعد ظہر الحمد للہ کہ قرآن مجید کی اس مختصر تفسیر کی نظر ثانی سے فراغت پائی۔ آج زندگی کا شاید خوش نصیب ترین دن ہے۔ نظر ثانی میں وقت اندازہ سے بہت زیادہ لگ گیا، دوسرے کام بھی ساتھ ساتھ جاری رہے تھے۔ حق تعالیٰ کا شکر، احسان کس زبان سے ادا ہو کہ ایک بے علم و بے عمل کو کلام پاک کی خدمت کا یہ حوصلہ دے دیا۔ لغزشوں اور کوتاہیوں سے تو شرح کے یہ ہزار ہا صفحات لبریز ہی ہوں گے، لیکن کوئی ایک آدھ مقام بھی اگر حق تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے، تو واللہ کہ اس نامہ سیاہ کے نامۂ سیاہ کی ساری سیاہیوں کو دھو دینے کے لیے کافی ہے ــــ ناکاروں کا اصلی اور بڑا اسہارا خود اُسی کا کرم بے حساب ولطف بے نہایت ہے! ؎

اے بدر ماندگی پناہ ہمہ
کرم تست عذر خواہ ہمہ
قطرۂ زابِ رحمت تو بس است
شستن نامۂ سیاہ ہمہ
خسرو از تو پناہ می جوید
اے الٰہِ من والٰہ ہمہ

(نظر ثالث کی تاریخ ۴؍ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ مطابق یکشنبہ ۱۶؍ ستمبر ۱۹۵۰ء بوقت دو بجے دن)

فہرست مراجع

تفاسیر

١- إعراب ثلاثين سورة من القرآن الكريم، أبو عبدالله الحسين بن أحمد المعروف بابن خالويه (م ٣٧٠هـ) دار السرور، بيروت، لبنان.

٢- تفسير أبی السعود أو إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، أبوالسعود محمد بن محمد بن مصطفى العمادی الحنفی، تحقيق عبداللطيف عبدالرحمن، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ ١٤١٩هـ - ١٩٩٩م

٣- أحكام القرآن، أبوبكر أحمد بن علی الجصاص الرازی، دارالفكر بيروت، لبنان

٤- أحكام القرآن، أبوبكر محمدبن عبدالله المعروف بابن العربی، تحقيق: محمد عبدالقادر عطا، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ ١٤٠٨هـ - ١٩٨٨م

٥- أنوارالتنزيل وأسرارالتاويل (تفسيرالبيضاوی)، أبوسعيد عبدالله بن عمر الشيرازی البغدادی، دارصادر، بيروت

٦- التبيان فی اعراب القرآن، أبوالبقاء عبدالله بن الحسين بن [illegible] تحقيق: علی محمد البجاوی، عيسىٰ البابی الحلبی وشركاه

٧- تفسير البحرالمحيط، محمد بن يوسف الشهيربأبی حيان الأندلسی، دارالفكر بيروت - الطبعة الثانية ١٤٠٣هـ - ١٩٨٣م

٨- بیان القرآن، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی

٩- التفسيرات الأحمدية فی بيان الآيات الشرعية، أحمد ملاجيون جونپوری،

مطبع کریمی، ممبئی۔

١٠-تفسير سورة الذاريات من نظام القرآن تأويل الفرقان بالفرقان، عبد الحميد الفراهي، مطبعة معارف أعظم كره، الهند.

١١-تفسير القرآن الحكيم المشتهر باسم تفسير المنار، السيد محمد رشيد رضا، دار المنار، القاهرة، الطبعة الثانية ١٣٦٦هـ-١٩٤٧م.

١٢-تفسير القرآن العظيم،لابن كثير الدمشقي،المكتبة العصرية،صيدا،بيروت، الطبعة الاولىٰ، ١٤١٨هـ-١٩٩٨م.

١٣-التفسير القيم،للإمام ابن القيم،جمعه محمد أويس الندوى،تحقيق حمد حامد الفقى،مطبعة السنة المحمدية، ١٣٦٨هـ-١٩٤٩م.

١٤-التفسير الكبير أو مفاتيح الغيب،فخر الدين محمد بن عمر الرازى۔دار الكتب العلمية، بيروت۔ الطبعة الاولىٰ،١٤٢١هـ-٢٠٠٠م.

١٥-تنوير المقياس من تفسير ابن عباس، لأبى طاهر محمد بن يعقوب الفيروزآبادى الشافعى، الطبعة الأولى، المطبعة الأزهرية المصرية، ١٣١٦هـ.

١٦-الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبى)، دار إحياء التراث العربى، بيروت، ١٤٠٥هـ-١٩٨٥م

١٧-جامع البيان فى تاويل القرآن (تفسير الطبرى)، أبو جعفر محمد بن جرير الطبرى۔تحقيق أحمد محمد شاكر، محمود محمد شاكر، مؤسسة الرسالة، الطبعة الاولىٰ ١٤٢٠هـ-٢٠٠٠م

١٨-تفسير الجلالين،جلال الدين محمد بن أحمد المحلى و جلال الدين أبو بكر عبد الرحمن السيوطى، دار المعرفة ،بيروت، لبنان

١٩-روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى،محمد الآلوسى البغدادى، دار إحياء التراث العربى، بيروت، لبنان

٢٠-تفسير غريب القرآن، أبو بكر محمد بن عزيز السجستانى، تحقيق:محمد

مصطفى أبو العلاء، مكتبة الجندى، مصر.

٢١-تفسيرغريب القرآن،أبومحمد عبدالله بن مسلم بن قتيبة، تحقيق: الشيخ ابراهيم محمد رمضان، دارومكتبة الهلال، بيروت، الطبعة الاولىٰ ١٤١١هـ-١٩٩١م

٢٢-تفسيرالكشاف،أبو القاسم محمود بن عمرالزمخشرى،دارالكتب العلمية، بيروت،الطبعة الاولىٰ١٤١٥هـ-١٩٩٥م.

٢٣-غرائب القرآن ورغائب الفرقان، نظام الدين حسن بن محمد النيشاپورى، تحقيق: زكريا عميران،دارالكتب العلمية، بيروت،لبنان،١٤١٦هـ-١٩٩٦م

٢٤-لباب التأويل فى معانى التنزيل (تفسير الخازن)، دار الكفر، بيروت، لبنان، ١٣٩٩هـ-١٩٧٩م

٢٥-مدارك التنزيل وحقائق التاويل (تفسيرالنسفى)، عبدالله بن أحمد النسفى،دارالمعرفة، بيروت، الطبعة الاولىٰ ١٤٢١هـ-٢٠٠٠م.

٢٦-مسائل الرازى وأجوبتها من غرائب آي التنزيل، محمد بن أبى بكر بن عبدالقادر الرازى، تحقيق: إبراهيم عطوه عوض، مصطفى البابى الحلبى، ١٣٨١هـ-١٩٦١م.

٢٧-معالم التنزيل (تفسيرالبغوى) حسين بن مسعود البغوى،تحقيق: عبدالرزاق المهدى۔ دارإحياء التراث العربى، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية: ١٤٢٣هـ-٢٠٠٢م

٢٨-معجم مفردات القرآن، أبوالقاسم حسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهانى،تحقيق ابراهيم شمس الدين،دارالكتب العلمية،بيروت ١٤٢٥هـ-٢٠٠٤م.

٢٩-مفردات القرآن (نظرات جديدة فى تفسير ألفاظ قرآنية) عبدالحميد الفراهى، تحقيق: د. أجمل أيوب الإصلاحى، دار العرب الإسلامى، بيروت، الطبعة الأولى ٢٠٠٢م

متفرقات

٣٠-أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار، أبو الوليد محمد بن عبداللّٰہ بن أحمد الأزرقی، تحقیق: رشدی الصالح ملحس، مکتبة الثقافیة، مکة المکرمة، الطبعة العاشرة، ١٤٢٣ھ-٢٠٠٢م.

٣١-کتاب الأصنام،أبو المنذرهشام بن محمد السائب الکلبی، تحقیق: أحمد زکی باشا، دارالکتب المصریة۔ الطبعة الثالثة۔ ١٩٩٥م.

٣٢-کتاب الأضداد، محمد بن قاسم الأنباری، تحقیق: محمد أبو الفضل إبراهیم، مکتبة العصریة، صیدا، بیروت- ١٤٠٧ھ-١٩٨٧م.

٣٣-تاج العروس من جواهرالقاموس، محب الدین محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی،تحقیق علی شیری،دارالفکر، بیروت، ١٤١٤ھ-١٩٩٤م

٣٤-الروض الأنف فی تفسیرالسیرة النبویة لابن هشام،أبوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللّٰہ الخثعمی السهیلی،دارالکتب العلمیة-الطبعة الاولیٰ

٣٥-السیرة النبویة،عبدالملک بن هشام المعافری،دارالحدیث،القاهرة، ١٤٢٤ھ-٢٠٠٤م

٣٦-الصحاح (تاج اللغة وصحاح العربیة)، اسماعیل بن حماد الجوهری،تحقیق أحمد عبدالغفور عطار،الطبعة الاولیٰ:١٤٠٢ھ-١٩٨٢م

٣٧-صحیح مسلم،مسلم بن الحجاج النیشاپوری،مکتبة الرشد ناشرون، بیروت،١٤٢٦ھ-٢٠٠٥م

٣٨-صحیح البخاری، محمد بن اسمٰعیل البخاری، مکتبة الرشد ناشرون، بیروت، ١٤٢٦ھ- ٢٠٠٥م.

٣٩-الطبقات الکبیر ، محمد بن سعد بن منیع الزهری، تحقیق: الدکتور علی

محمد عمر، مكتبة الخانجى القاهرة، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ - ٢٠٠١م

٤٠ -القاموس المحيط،مجد الدين فيروزآبادى،دار إحياء التراث العربى-الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣م

٤١ -كتاب الكليات (معجم فى المصطلحات اللغوية)، أبوالبقاء أيوب بن موسىٰ الحسينى الكوفى، تحقيق عدنان درويش،محمدالمصرى- موسسة الرسالة، بيروت،١٤١٩هـ-١٩٩٨م

٤٢ -لسان العرب، جمال الدين محمدبن مكرم بن منظورالافريقى،دار إحياء العربى، بيروت،الطبعة الثالثة

٤٣ -كتاب المحبر ، محمد بن حبيب البغدادى- مطبعة جمعية العثمانية، حيدرآباد دكن، ١٣٦١هـ-١٩٤٢م

٤٤ -مغنى اللبيب عن كتب الأعاريب- ابن هشام الأنصارى، دارالفكر، بيروت، الطبعة السادسة ١٩٨٥م

٤٥ -النهاية فى غريب الحديث والأثر، مجد الدين أبى السعادات المبارك بن محمد ابن الأثير الجزرى، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة الأولىٰ ١٤١٨هـ - ١٩٩٧م.

اشاریہ INDEX

مرتب: محمد مستقیم محتشم ندوی

شخصیات

(ب)

کتابیات

(ف)

(ق)

(ل)

(م)

مقامات

اقوام و قبائل

متفرقات

عقائد فرق ونظریات

علوم وفنون

جانور کیڑے مکوڑے

مطعومات و مشروبات

پہاڑ و دریا و غار

ایجادات

کپڑے و متعلقات

دھاتیں وغیرہ

گھریلو اشیاء وغیرہ

اہم واقعات، حکومتیں

دیگر متفرقات

تفسیر ماجدی مشاہیر علماء کی نظر میں

تفسیر ماجدی حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی شاہ کار کتاب ہے، جس میں تمام علم دوست طبقوں بالخصوص نوتعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے ان کی نفسیات کے مطابق کافی سامان فراہم کردیا گیا ہے۔ تفسیر کی پاکیزہ زبان، بلیغ تعبیر، جامع مضامین و مطالب اور قرآنی حقائق کی سہل ممتنع انداز سے تفہیم اس تفسیر کے خاص امتیازات ہیں۔

مجھے تفسیروں میں دو چیزوں کی جستجو اور تلاش زیادہ رہتی تھی۔ ایک یہود و نصاریٰ سے متعلقہ آیات میں قرآن نے جن تاریخی پہلوؤں کی طرف اشارے کیے ہیں ان کی بقدر ضرورت تاریخی تفصیل کہ اس کے بغیر قرآن حکیم کا وہ مطمح نظر پورا سامنے نہیں آسکتا جو ان آیات سے متعلق ہے۔ دوسرے یہ کہ توراۃ وانجیل اور قرآن حکیم کے مقاصد کا تقابلی انداز سے موازنہ کہ اس کے بغیر قرآنی مقاصد کی بالادستی اور برتری سامنے نہیں آسکتی تھی۔ اس جلیل القدر تفسیر میں کتاب کھولتے ہی پہلی نظر میں یہی دو مقصد سامنے آگئے اور عرصۂ دراز کی تشنگی اکدم بجھتی نظر آئی۔ اس لیے میں اپنے اس ذہنی نقطۂ نظر سے انہی دو پہلوؤں کو تفسیر کے امتیازی پہلو سمجھنے پر مجبور ہوگیا۔ مولانا ممدوح نے جس کمال ایجاز بیانی سے ان تاریخی اور علمی تفصیلات کے دریا کو کوزے میں بند کر کے پیش فرمایا ہے وہ بلاشبہ انہی کا حصہ ہے۔ تفسیر کے دوسرے پہلو، بلیغ تفہیم، مطالب قرآنی کی واضح تقریرات، اس کے علمی مکنونات کو بہ آسانی منظر عام پر لاکر رکھ دینا مسائل کے ساتھ موثر دلائل وغیرہ بلاشبہ تفسیری کمالات ہیں لیکن خود تفسیر کے مبانی کو کھول دینا جن پر تفسیر ہی معلق ہو بلاشبہ امتیازی کمال ہے۔

قدیم چیزیں تو دوسری تفسیروں میں بھی مل جاتی ہیں مگر بعض جدید چیزیں اس تفسیر کا مخصوص سرمایہ ہیں اور دور حاضر کے لیے یہی چیزیں بڑا قیمتی ذخیرہ ہیں۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی

مہتمم دارالعلوم دیوبند

صدق جدید" لکھنؤ جلد نمبر ۲۳، شمارہ نمبر ۶ مورخہ ۵ رجنوری ۱۹۷۳ء

مفردات قرآن کی تحقیق، نحوی مشکلات پر تنبیہ، ادبی لطائف کا ذکر، کلامی مباحث کی ضروری تشریح، تاریخی واقعات پر مستند معلومات، آیات سے مستنبط مسائل کی طرف اشارات، یہ امور اس تفسیر کی اہم خصوصیات میں سے ہیں۔ زبان کی سلاست اور روانی ان سب سے ما۔ ذا ہے۔ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں جو اہم علمی خدمات انجام پائی ہیں یہ تفسیر ان میں ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے اور ان شاء اللہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ، علماء اور مدارس عربیہ کے منتہی طلبہ، سب کے لیے مفید اور بے حد کارآمد ثابت ہوگی۔

مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

ماہ نامہ صبح صادق، اکتوبر ۱۹۵۴ء

علمی، تحقیقی اور ادبی حیثیت سے تفسیر ماجدی مولانا کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی آب و تاب وقت گزرنے کے ساتھ اور بڑھے گی اور آئندہ نسلیں شکر گزاری کے ساتھ انہیں یاد کریں گی۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی

ماہ نامہ برہان دہلی جنوری ۱۹۷۷ء

ان کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی تفسیر قرآن ہے۔ چوں کہ مولانا کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور خاص کر یہود و نصاریٰ کی تاریخ اور توراۃ و انجیل وغیرہ صحف قدیم کی شروح اور ان سے متعلق کتابوں کے مطالعے کا انھوں نے خاص اہتمام فرمایا تھا، اس لیے ان کی تفسیر میں بہت سی ایسی چیزیں مل جاتی ہیں جو دوسری تفسیروں میں نہیں ملتیں اور قرآن پاک کے سمجھنے میں ان سے بڑی مدد اور رہنمائی ملتی ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی

ماہنامہ الفرقان، جنوری ۱۹۷۷ء

پاکستان میں کئی پبلشرز ہمارا ادارہ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی کی کتابیں غیر قانونی طور پر شائع کر رہے ہیں جو ایک قانونی اور اخلاقی طور پر جرم ہے۔ ہم مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے و جانشین دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اور مجلس تحقیقات نشریاتِ اسلام لکھنؤ انڈیا کے صدر حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی تازہ تحریر ثبوت کے طور پر شائع کر رہے ہیں کہ مجلس تحقیقاتِ نشریاتِ اسلام لکھنؤ کی تمام کتب کی نشر و اشاعت کی اجازت پاکستان میں صرف مجلس نشریاتِ اسلام کراچی کو ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المجمع الاسلامي العلمي

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

Academy of Islamic Research & Publications

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Nadwatul Ulama, P.O. Box 119, Lucknow-226007 U.P. (INDIA)
Ph. : 0522-2741539, Fax : 0522-2740806

Ref............................ Date..6..7..2009

جناب مولانا فضل ربی ندوی صاحب
بانی و مالک مجلس نشریات اسلام کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ (Academy of Islamic Research & Publication) کے نمائندہ کے طور پر مجلس تحقیقات کی کتابوں کو مجلس کی اجازت سے پاکستان میں مجلس نشریات اسلام کراچی کے نام سے شائع کرتے رہے ہیں، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ کے ذمہ دار وہاں آپ کو اپنا نمائندہ سمجھتے ہیں اور مجلس کی کتابوں کی اشاعت کا حق صرف آپ کو ہے۔ پاکستان میں کوئی دوسرا ادارہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کے ذمہ داروں کی اجازت کے بغیر مجلس کی کتابوں کو شائع کرتا ہے تو آپ کو پورا حق حاصل ہے کہ اس کو روکیں اور ضرورت پڑنے پر ہماری یہ تحریر اس کو دکھائیں۔

سکریٹری
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
(سید محمد واضح رشید حسنی ندوی)

صدر
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
(سید محمد رابع حسنی ندوی)

AF-1545